غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

ایفا پبلیکیشنز

Marfat.com

111956

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

صفحات : ۶۳۵

قیمت :

سن طباعت : جنوری ۲۰۱۰ء

کمپیوٹر کتابت : محمد خالد

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 26987492، فیکس: 26981779

Marfat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار			صفحہ نمبر
۱-	پیش لفظ :	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷
۲-	خطبہ استقبالیہ :	مولانا محمد رضوان القاسمی	۱۳
۳-	اکیڈمی کا کارواں منزل بہ منزل :	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۷
۴-	سوالنامہ:		۴۱
۵-	فیصلے:		۴۹
۶-	تلخیص مقالات :	مولانا صفدر ندوی، مولانا ہشام الحق ندوی	۵۳
۷-	عرض مسئلہ :	۱-مفتی جمیل احمد نذیری	۱۴۹
		۲-مفتی انور علی اعظمی	۱۶۱
		۳-مولانا سید اسرار الحق سبیلی	۱۷۲
		۴-مولانا محمد ہشام الحق ندوی	۱۸۵
		۵-ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۱۹۶
۸-	مفصل مقالات:		۲۰۷
		۱-مولانا بدر الحسن قاسمی، کویت	۲۰۹
		۲-ڈاکٹر نور الدین الخادمی، تیونس	۲۴۲
		۳-مولانا اختر امام عادل	۲۶۶
		۴-مفتی سید اسرار الحق سبیلی	۲۸۴
		۵-مولانا عبد الرشید قاسمی جونپوری	۲۹۹
		۶-مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی	۳۱۵
		۷-مولانا راشد حسین ندوی	۳۳۸

Marfat.com

	۸-مولانا محمد اقبال قاسمی	۳۵۵
	۹-مولانا محمد ارشاد قاسمی	۳۷۲
	۱۰-مولانا محمد ارشد مدنی	۳۸۸
	۱۱-مولانا محمد شمس الدین	۴۰۳
	۱۲-مولانا تنظیم عالم قاسمی	۴۱۴
۹- **مختصر مقالات:**		۴۲۵
	۱-ڈاکٹر محمد محروس المدرس، بغداد عراق	۴۲۷
	۲-مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	۴۳۶
	۳-مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۴۴۰
	۴-مفتی حبیب اللہ قاسمی	۴۴۷
	۵-مفتی جمیل احمد نذیری	۴۶۴
	۶-مولانا محمد قاسم مظفر پوری	۴۷۰
	۷-مفتی محبوب علی وجیہی	۴۷۷
	۸-مولانا خورشید احمد اعظمی	۴۸۳
	۹-مولانا سید امیر حسین گیلانی	۴۹۱
	۱۰-مفتی ذاکر حسن نعمانی	۴۹۶
	۱۱-مفتی عبد الرحیم قاسمی	۵۰۴
	۱۲-مولانا قاری ظفر الاسلام	۵۱۳
	۱۳-مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۵۲۲
	۱۴-مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۲۸
	۱۵-مولانا ابوسفیان مفتاحی	۵۳۵
	۱۶-ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	۵۴۲
	۱۷-مولانا ابوالعاص وحیدی	۵۴۹
	۱۸-مفتی سعید الرحمٰن فاروقی	۵۵۶
	۱۹-مفتی عبد اللطیف پالنپوری	۵۶۷

Marfat.com

۱۰- **تحریری آراء:** ۵۷۳

۱-مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ۵۷۵

۲-مولانا محمد عبید اللہ اسعدی ۵۷۹

۳-مولانا زبیر احمد قاسمی ۵۸۳

۴-مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری ۵۸۶

۵-مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ۵۸۹

۶-مفتی شیر علی گجراتی ۵۹۸

۱۱- **مناقشہ :** ۵۹۹

✧ ✧ ✧

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلام عالمگیر اور آفاقی دین ہے، اور وہ ہر طرح کے حالات میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی لئے خود رسول اللہ ﷺ کو مختلف صبر آزما حالات سے بھی گذارا گیا، تاکہ امت کے لئے ہر طرح کے حالات میں آپ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ موجود رہے، جسے وہ اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے، اسی لئے شریعت اسلامی جس طرح مسلم اکثریت کی رہنمائی کرتی ہے، اسی طرح مسلم اقلیت کو بھی لائحہ عمل بتاتی ہے، جہاں حضور ﷺ کی مدنی زندگی کا زیادہ تر حصہ ایک ایسے ماحول کا نمونہ تھا، جس میں اقتدار کی باگ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، وہیں مکی زندگی ان مسلمانوں کے لئے نقشہ کار فراہم کرتی ہے، جو اپنے طاقتور دشمنوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں، اور مدنی زندگی کا ابتدائی دور، نیز مہاجرین حبش کے حالات ان مسلمانوں کے لئے خضر طریق ہے، جو غیر مسلم ہمسایہ کے ساتھ باہمی امن وآشتی اور مذہبی آزادی کے معاہدہ کے ساتھ رہ رہے ہوں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی نصف مسلمان آبادی ان ممالک میں ہے، جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے، یہ مسلمان اقلیتیں بعض ایسے مسائل سے دو چار ہیں، جن سے گذشتہ ادوار میں مسلمانوں کو سابقہ پیش نہیں آتا تھا، اس کی بنیاد یہ ہے کہ پہلے ہر سلطنت کا ایک مذہب متعین ہوتا تھا، اسی لئے قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر پیغمبروں سے حکومت وقت کے تصادم کی نوبت آیا کرتی تھی، حالانکہ انبیاء کرام حکومت واقتدار کے طلب گار نہیں تھے، ان کی دعوت "إن أجري إلا على الله" کے اعلان کے ساتھ ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود حکومتیں ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوجاتی تھیں، خود جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت

Marfat.com

ہوئی، تو اس وقت بھی بڑی بڑی سلطنتیں، روم، ایران وغیرہ ایک خاص مذہب کے پیرو تھے، غالبًا اسی لئے یہود جزیرۃ العرب میں پناہ گزیں ہوئے، جہاں باضابطہ کوئی حکومت قائم نہیں تھی، اور کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین، انصار اور یہود کے درمیان جو میثاق طے فرمایا تھا، وہ ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی کوشش تھی، جس میں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے انسانی حقوق کا احترام کرتے ہوئے رہیں، اور ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں جبر اور تشدد کا راستہ اختیار کرنے سے گریز کریں، غور کیا جائے تو صلح حدیبیہ کی روح بھی یہی تھی۔

اسلامی فتوحات کے بعد صدیوں تک صورتحال یہ رہی کہ اگر کسی علاقہ میں مسلمانوں کا قدم پیچھے ہٹ جاتا، اور کوئی خطہ ان کے اقتدار سے نکل جاتا، تو وہاں کے بچے کھچے مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جاتے، کیونکہ جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی حاصل نہ ہو، اور وہ وہاں سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے پر قادر ہوں، تو ان پر ہجرت واجب قرار دی گئی ہے، غالبًا پہلی بار اندلس میں مسلمانوں کی شکست کے بعد یہ صورتحال پیدا ہوئی کہ اس کے بعض علاقوں جیسے قرطبہ، بلنسیہ وغیرہ میں کچھ مسلمان باقی رہ گئے، جو صلیبی فاتحین کے ساتھ ایک معاہدہ کے تحت رک گئے تھے، لیکن بعد میں ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا، اور ان پر بڑے مظالم ڈھائے گئے، فقہاء نے ان علاقوں کے مسلمانوں کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، انتخاب امیر، نصب قاضی، قیام جمعہ وعیدین، یتیموں کی ولایت وغیرہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے، لیکن اس زمانہ میں آج کی طرح بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے زیر اقتدار رہنے کا تصور نہیں تھا۔

سترہویں صدی سے ایک نئے جمہوری نظام کا تصور ابھرا، حکومت اور کلیسا کی جنگ اور اس جنگ میں حکومت کی فتح نے لادینی جمہوریت کے تصور کو فروغ دیا، اور آج پوری دنیا میں جمہوری نظام سکہ رائج الوقت کی طرح جاری وساری ہے، لادینی جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ

Marfat.com

سلطنت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا، اور تمام مذہبی گروہوں کونجی زندگی میں اپنے مذہب پرعمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اب یہ اور بات ہے کہ بعض حکومتوں نے مذہب کے دائرہ کو بہت محدود کردیا ہے، اور صرف عقیدۂ وعبادت کواس میں شامل رکھا گیا ہے، اور بعض ملکوں میں اس دائرہ کو نسبتاً وسیع رکھا گیا ہے، جیسے ہندوستان کہ یہاں خاندانی زندگی کے قوانین بھی مذہبی آزادی میں داخل مانے گئے ہیں، اس نظام نے ایک نئی صورتحال پیدا کردی ہے، اور اس پس منظر میں مسلمان تارکین وطن کی بہت بڑی تعداد یوروپ اور امریکہ میں آباد ہے، یا جہاں مسلمان پہلے سے موجود تھے، مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد بھی وہ برادران وطن کے ساتھ مقیم ہیں، جیسے ہندوستان اور روس وچین کے بعض صوبے۔

ان ملکوں میں مسلمان نہ اتنے خودمختار ہیں کہ ان کے منشاء کے مطابق ہی قانون بنے، اور وہ اسلامی نقطہ نظر کے خلاف جانے والے قوانین کو روک سکیں، اور نہ اتنے مجبور ہیں کہ وہ اعلانیہ بہت سے مذہبی احکام پرعمل کرنے سے قاصر ہوں، یا انہیں جس بات سے اختلاف ہو، اس پرصدائے احتجاج بلند کرنے اور اس کے خلاف فضا ہموار کرنے سے بھی عاجز ہوں، غرض کہ وہ ایک نئی صورتحال سے دوچار ہیں، اور ان ملکوں میں بہت سے ایسے مسائل پیدا ہورہے ہیں، جن پرغور کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے ان پہلوؤں کے گہرے تجزیے کی ضرورت ہے، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے فقہاء نے سیاسی اور بین قومی مسائل پر بھی بڑی دقت نظر کے ساتھ گفتگو کی ہے، لیکن چونکہ ہماری فقہ اس عہد میں مرتب کی گئی تھی، جو مسلمانوں کے غلبہ واقتدار کا زمانہ تھا، اس لئے ان کے اجتہاد واستنباط میں ان احوال کی پوری پوری جھلک موجود ہے، اسی لئے ہمیں قانون صلح وجنگ اور مسلم ملک میں آباد غیرمسلم اقلیت کے حقوق کی جتنی زیادہ تفصیلات ملتی ہیں، دارالکفر میں مقیم مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں اس کا عشرعشیر بھی نہیں

Marfat.com

ملتا، بلکہ دارالکفر میں آباد مسلمانوں سے متعلق اتنے کم مسائل ہیں، جنہیں انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے، اس پس منظر میں ''فقہ الأ قلیات'' کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کرگیا ہے، اوران مسائل پر غور کرتے ہوئے سلف کے اجتہادات سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے ارشادات، سیرت نبوی کے اشارات اور شریعت کے بنیادی اصول وقواعد کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ عالم اسلام اور یوروپ وامریکہ کے مختلف فقہی اداروں نے مسلمان اقلیتوں کے مسائل پر سمینار کئے ہیں، چونکہ ہر ملک کے مسائل الگ الگ ہیں، اس لئے ہندوستان کے مسلمان بعض ایسے مسائل سے دوچار ہیں جن سے مغرب کے مسلمان دوچار نہیں ہیں، اور مغرب میں بعض ایسے مسائل پیدا ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان ان سے نبرد آزما نہیں ہیں، اسی کے پیش نظر اکیڈمی نے ''چودہویں فقہی سمینار'' کے موضوعات میں بنیادی اور اساسی موضوع کی حیثیت سے ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' کو رکھا تھا، اس وقت جب یہ موضوع طے ہورہا تھا، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نوراللہ مرقدہ بانی اکیڈمی حیات سے تھے، ان کی تشویش ناک اور مسلسل علالت کی وجہ سے سمینار کے سلسلہ میں پیش رفت نہیں ہوسکی، ان کی وفات کے بعد یہ پہلا سمینار منعقد ہوا، اور اسی روایت اور اہتمام کے ساتھ ہوا، جس طرح ان کی حیات میں ہوا کرتا تھا، اس سے ضرور ان کی روح کو تسکین ہوئی ہوگی، اس سمینار کی میزبانی کی پیش کش حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ سابق نائب صدر اکیڈمی کی طرف سے ہوئی تھی، ان کی علالت کی وجہ سے سمینار کے انعقاد میں مزید تاخیر ہوئی، بہر حال مؤرخہ ۱-۳ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲ر جون ۲۰۰۴ء کو دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے احاطہ میں یہ سمینار منعقد ہوا، افسوس کہ اس کے چند ہی ماہ بعد ان کی بھی وفات ہوگئی، اس طرح اس سمینار سے ہمارے ان دو بزرگوں کی یادیں بھی وابستہ ہوگئی ہیں، اللہ تعالی ان حضرات کو شایان شان اجر عطا فرمائے۔

Marfat.com

یہ مجموعہ جو آپ کے سامنے ہے، اسی سمینار کے مقالات، اہل علم کی آراء، سمینار میں ہونے والے مناقشہ، موضوع سے متعلق سوالنامہ اور طے پانے والی قراردادوں پر مشتمل ہے، حسن اتفاق ہے کہ یہ تمام قراردادیں باتفاق رائے طے پائی ہیں، مقالات میں ضمنی طور پر جو آراء آئی ہیں، وہ اکیڈمی کے موقف کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں، بلکہ جو قراردادیں طے پائی ہیں، وہ اکیڈمی کا اصل موقف ہے، اسی لئے تجاویز، مقالات سے پہلے رکھی گئی ہیں، تاکہ قارئین پہلی نظر میں موضوع کے لب لباب سے واقف ہو جائیں، اس موقع سے حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ صاحب نے بڑا عالمانہ اور ادیبانہ خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا تھا، اور اس حقیر نے اکیڈمی کی بابت رپورٹ کارکردگی پیش کی تھی، جس میں اکیڈمی کی اب تک کی مختصر تاریخ آ گئی ہے، اس لئے سمینار کی مناسبت سے یہ دو تحریریں بھی اس مجموعہ میں شریک اشاعت ہیں۔

اس مجموعہ کی ترتیب وایڈیٹنگ کا بیشتر کام اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفیق امتیاز احمد قاسمی نے انجام دیا اور دیگر رفقاء مولانا صفدر علی ندوی اور مولانا سراج احمد قاسمی زیدت حسناتہم نے بڑی توجہ کے ساتھ اس کام میں تعاون کیا، چنانچہ حشو وزوائد کو حذف کیا گیا، عبارتوں کے ترجمے کئے گئے، اور الفاظ وتعبیرات کی واضح فروگذاشتوں کو درست کیا گیا، امید ہے کہ سمینار کے مقالات کے دوسرے مجموعوں کی طرح اسے بھی اہل علم اور اصحاب ذوق کی بارگاہ میں قبولیت حاصل ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم وتحقیق کے اس قافلہ کو اپنی منزل کی طرف رواں دواں رکھے، اور امت کو اس سے نفع پہنچائے، ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

یکم مارچ ۲۰۰۶ء، مطابق ۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

Marfat.com

یہ صفحہ خالی رہے گا

Marfat.com

خطبہ استقبالیہ

مولانا محمد رضوان القاسمی
صدر مجلس استقبالیہ وناظم دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

علم کی اس بستی اور تعلیم کے اس مرکز میں قافلہ فکر ونظر اور مسافران راہ علم وتحقیق کو خوش آمدید کہتے ہوئے اور ان کا استقبال کرتے ہوئے آج ہم جس مسرت کا احساس کر رہے ہیں، زبان وقلم سے اس کا اظہار ممکن نہیں، یہ دن اور یہ ساعت نہ صرف اس راقم الحروف کے لئے اور دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کے منتظمین، اساتذہ وطلبہ کے لئے سعادت کی گھڑی اور نیک بختی کی ساعت ہے، بلکہ یہ اس پورے شہر کے لئے ایک یادگار اور تاریخی دن ہے، آپ میں سے بہت سوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ اسی شہر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی خشت اول رکھی گئی تھی، اور یہیں سے اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا، دار العلوم سبیل السلام اور حیدرآباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس شہر میں ہمیں دوسری بار سمینار کی میزبانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اکیڈمی کے چوتھے فقہی سمینار کے افتتاحی اجلاس منعقدہ ۹ راگست ۱۹۹۱ء کو اکیڈمی کے موسس استاذ گرامی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا تھا، جس کے الفاظ آج بھی کان میں گونج رہے ہیں، مولانا نے فرمایا تھا:

’’غالباً ۱۹۸۰ء کی بات ہے، اسی شہر حیدرآباد میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس کی وجہ سے اصحاب علم وتحقیق کی ایک خاصی تعداد یہاں موجود تھی، میں نے ان

Marfat.com

میں سے چند علماء کو جمع کیا، اور اس بات پر گفتگو ہوئی کہ ہندوستان میں نئے مسائل پر غور وفکر کے لئے علماء اور جدید علوم کے ماہرین کا ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے، جو ہر طرح کی جماعتی اور گروہی تنگ نظریوں سے بالاتر ہو کر محض ملت کے مفاد کے لئے کام کرے، اور نئے مسائل کا حل امت کے سامنے پیش کرے، چنانچہ اسی مقصد کے لئے ''مرکز البحث العلمی'' کا قیام عمل میں آیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جو سفر ہم نے سرزمین حیدرآباد سے شروع کیا تھا، اب ایک بار پھر ہم اسی علم پرور اور ادب خیز زمین پر خیمہ زن ہوئے ہیں، وہ شہر جو عرصہ تک اس ملک ہی نہیں پورے عالم اسلام میں علوم اسلامیہ کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ کا نشان سمجھا جاتا تھا، اور اہل نظر جس کو ''بغداد ہند'' سے تعبیر کرتے تھے، جس ریاست میں فتاوی عادل شاہی اور فتاوی عالمگیری جیسی فقہ کی جامع ترین کتابیں مرتب ہوئیں اور جس کے ذریعہ فقہ اسلامی کی دسیوں نادر تالیفات جو مخطوطات کے دفینوں میں تھیں، طباعت واشاعت کے سفینوں میں منتقل ہوئیں، اور اہل تحقیق کی چشم اشتیاق کا سرمہ بنیں''۔

کاش! فرشتہائے رحمت حضرت قاضی صاحبؒ کو مطلع کرتے کہ ان ہی کی منشاء کے مطابق ایک بار پھر یہ کاروان علم اسی زمین پر خیمہ زن ہوا ہے، اور اسی جگہ علم وتحقیق کی یہ بزم پوری آب وتاب کے ساتھ دوبارہ آراستہ ہو رہی ہے، جہاں انہوں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مسجد عمر بن الخطابؓ کی بنیاد رکھی تھی، اگر اس دنیائے بے ثبات کی خبریں عالم ارواح تک پہنچتی ہوں تو یقیناً آج کا دن ان کے لئے تسکین وطمانیت کا باعث ہوگا۔

راقم السطور نے جب حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات سے چند ماہ پہلے چودہویں فقہی سمینار کے لئے ان کی چھپی ہوئی خواہش کا اشارہ پا کر میزبانی کے لئے پیشکش کی تو انہوں نے اپنی دیرینہ شفقت وعنایت اور اندرونی تقاضے کے مطابق بلا تامل اسے منظور فرمایا، اور اس سلسلہ میں حوصلہ افزاء کلمات بھی تحریر فرمائے۔ آج یہ ساری باتیں ذہن کے افق پر ان کی یاد اور محبت کو تازہ

Marfat.com

کرنے اور ان کے فراق کے زخم کو ہرا کرنے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ تاہم اس زخم کے لئے شاعر کی یہ آواز مرہم کا کام کرتی ہے۔

ہوگا کسی فلک پہ وہ خورشید جلوہ گر
کہتے ہیں آفتاب کبھی ڈوبتا نہیں

حضرت قاضی صاحبؒ میرے استاذ بھی تھے، خاندانی قرابت کا بھی تعلق تھا، لیکن رشتہ وتعلق کی دو جہتیں سب سے زیادہ میری نگاہ میں اہم ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں عصری تعلیم کی راہ میں ڈالا جانے والا تھا، بلکہ ڈالا جاچکا تھا، اور اس راہ کا سفر شروع ہوگیا تھا، قاضی صاحب کی خواہش بلکہ اصرار پر میرے تعلیمی سفر کی سمت تبدیل کی گئی اور تعلیم کے اعتبار سے مجھے دنیا سے دین کی طرف ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی، اللہ تعالی نے جو کچھ تھوڑی بہت خدمت دین کی توفیق عطا فرمائی، اور آج بھی اس سلسلہ کی جو سعادت میسر ہے، اس کے اصل محرک گویا قاضی صاحب ہی تھے، اور اگر اللہ تعالی نے ہم سے اس سلسلہ میں کوئی نیکی کرائی ہو تو وہ اس کے اجر میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہوں گے۔

ان کا دوسرا احسان فکری تربیت ہے، وہ اتحاد امت کے داعی تھے، اور وسیع القلبی اور فراخ چشمی ان کا خاص وصف تھا، ان کی مجلسوں میں بیٹھنے، ان کی نصیحتوں کو سننے اور ان کی تربیت میں رہنے کی وجہ سے راقم الحروف کو اعتدال ومیانہ روی اور وسیع النظری کا سبق سیکھنے کا موقع ملا۔ اس لئے حضرت قاضی صاحبؒ سے غیر معمولی فکری ہم آہنگی کا احساس اس وقت بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے، اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

آج اس موقع سے میں یہ اعلان کرتے ہوئے غیر معمولی مسرت اور اپنے لئے سعادت و نیک بختی محسوس کرتا ہوں کہ مسجد کے دامن میں زیر تعمیر یہ کانفرنس ہال حضرت قاضی صاحبؒ سے معنون ہوگا، اور اس کا نام ''قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہال'' ہوگا۔ چونکہ انہوں نے مسجد عمر بن الخطابؓ کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور ان کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے پہلے اپنا گرانقدر و مخلصانہ عطیہ پانچ ہزار روپے کی شکل میں عنایت فرمایا تھا، اب مسجد کے نیچے جو ہال تکمیلی مراحل طے کر رہا ہے، بہر طور اس تاریخی پس منظر، اس شہر سے قلبی لگاؤ اور یہاں سے حضرت قاضی صاحب کی قیادت میں فقہی کارواں کی تشکیل کا تقاضہ ہے کہ اس ہال کا نام ''قاضی ہال'' ہی رکھا جائے۔ مشہور بھی ہے

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شد بس است

مہمانان کرام! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج آپ کا یہ تاریخی اجتماع ایک تاریخی شہر میں منعقد ہو رہا ہے، محمد قلی قطب شاہ جو اپنے زمانہ کا عابد و زاہد اور علم پرور حکمراں تھا، نے ۹۹۹ھ م ۱۵۹۰ء میں اس شہر کی بنیاد رکھی، اور دکنی زبان میں خدا سے دعا کی:

میرا شہر لوگاں سوں معمور کر

بادشاہ کی یہ دعا ایسی مقبول ہوئی اور اس کی زندگی ہی میں شہر ایسا شاد و آباد ہوا کہ اس نے اپنے حسن انتخاب پر خود داد دی اور کہا:

لطیف و دل کشاب آب و ہوائے
مبارک منزلے، فرخندہ جائے

Marfat.com

پھر اس شہر نے ہمیشہ شاعروں، ادیبوں، عالموں اور صوفیوں سے خراج تحسین وصول کیا، امیر مینائی بے ساختہ کہہ اٹھے:

اللہ اللہ رے بہار چمنستان دکن
حور پر ہے یہ جوبن نہ پری پر یہ پھبن

شاہ نصیر نے جب دہلی سے حیدرآباد کے لئے رخت سفر باندھا تو اپنے شاگرد عزیز ذوق سے کہا:

وہ بہشت ہے بہشت میں جاتا ہوں چلو تم بھی چلو

مولانا حالی اور داغ نے اس شہر پر اپنے جذبات عقیدت نثار کئے اور میر احسن نے اس شہر کے لئے خدا سے دعا کی:

سرسبز یہ شہر حیدرآباد رہے
یارب، آباد حیدرآباد رہے

داغ دہلوی کا یہ شعر تو بہت مشہور ہے:

نہیں حیدرآباد پیرس سے کچھ کم
یہاں بھی سجے ہیں مکاں کیسے کیسے

منشی بشویشور پرشاد منور لکھنوی کی ایک پوری نظم ''دکن'' پر ہے، جس کا ایک شعر ہے:

حسیں صبح دکن ہے، حسین شام دکن
جمیل فرش دکن ہے، جمیل بام دکن

یہ شہر صوفیوں کا شہر ہے، جہاں حضرت شاہ معین الدین چشتی معروف بہ حضرت شاہ

Marfat.com

خاموشؒ نے اقامت اختیار کی، جس کو شیخ مخدوم علاء الدین انصاری اور حضرات یوسفینؒ کے قیام کا شرف حاصل ہوا اور کتنے ہی صوفیاء ومشائخ ہیں جو آج بھی اس کی آغوش میں محو خواب ہیں۔

یہ علماء اور محققین کا شہر ہے، علم خیز اور علم پرور بھی، تاریخ کے ہر دور میں بالخصوص ماضی قریب میں اصحاب تحقیق علماء کے قیام و ورود کا جو شرف اس شہر کو حاصل ہے، اس کی مثال کم ملے گی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا الیاس برنی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا حافظ محمد دیوبندی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا ماہر القادری اور کیسے کیسے علماء ہیں جن کے فیضان علمی نے اس شہر کے علمی رونق میں اضافہ کیا، اور خود اس خطہ سے بانی جامعہ نظامیہ مولانا انوار اللہ خاں فاروقی، محدث دکن مولانا عبداللہ شاہ صاحب اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جیسے اصحاب علم وفضل پیدا ہوئے، پیرس میں اسلامی دعوت کی جو عظیم شخصیت ایک عرصہ سے موجود تھی اور جس نے اسلامی دنیا میں تحقیق وتصنیف کی ایک مثال قائم کی ہے اور اس نے اس راہ میں نئے نئے چراغ جلائے ہیں، میری مراد ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ سے ہے، ان کا تعلق بھی اسی ''بغداد علمی'' سے ہے، مشہور زمانہ سحر انگیز خطیب اور ریاض رسول اللہ ﷺ کا چہکتا ہوا بلبل نواب بہادر یار جنگ بھی اسی خطہ ارضی سے پوری امت کے لئے اتحاد ومحبت کا پیغام اپنے خاص سر اور لے کے ساتھ دیتے رہے ہیں۔

یہ ادیبوں اور شاعروں کا شہر ہے جہاں اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ''محمد علی قطب شاہ'' پیدا ہوئے۔ اور جو اردو زبان کی معلوم تاریخ کے پہلے معروف شاعر ''ولی دکنی'' کا مسکن ہے، جہاں قطب شاہی دور میں اردو پیدا ہوئی، اسی شہر نے امجد حیدرآبادی جیسے مصلح اور مذہبی، صفی جیسے قادر الکلام، مخدوم محی الدین جیسے باغی، انقلابی، شاذ تمکنت جیسے جدید لب ولہجہ کے ترجمان اور اوج یعقوبی جیسے متین اور قدیم روایات کے امین شعراء کو وجود بخشا۔

Marfat.com

علم وادب اور اردو زبان میں اس شہر کی خدمت کو کبھی فراموش نہ کیا جاسکے گا، یہیں ''دارالترجمہ'' قائم ہوا، اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۰ء تک اس نے سائنس، فلسفہ، تاریخ وغیرہ کے معیاری لٹریچر کو اردو میں منتقل کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے، اسی دارالترجمہ نے اردو زبان میں وضع اصطلاحات کا کام کیا اور اس کے لئے پورے ملک سے منتخب علماء، ادباء مولوی ظفر علی خاں، مولوی عبدالحلیم شرر اور مولانا عبداللہ عمادی وغیرہ سے مدد لی گئی۔

یہیں ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' کی بنیاد پڑی، جس نے علوم اسلامی کے سینکڑوں مخطوطات کو زندگی عطا کی، اور ان کو طبع کرایا۔ کنز العمال، بیہقی، مشکل الآثار، انساب، امام محمد کی کتاب الاصل، مولانا عبدالحیؒ (پدر بزرگوار مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' اور فقہ وحدیث، تفسیر وکلام، طب وادب، سیر ورجال اور لغت، نیز فلسفہ وتاریخ کی کتنی ہی کتابیں ہیں جو اپنی طباعت واشاعت اور تصحیح وتعلیق میں دائرۃ المعارف کی رہین منت ہیں۔ اسی طرح اس شہر نے اپنے قیمتی، معیاری اور وسیع کتب خانوں کے ذریعہ بھی علم وادب کی خدمت کی ہے، مفتی محمد سعید خاں کا کتب خانہ سعیدیہ (جواب مدراس یعنی چنئی منتقل ہوگیا ہے) اپنے علمی جواہر پاروں کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (سنٹرل لائبریری) ملک کے چند معروف کتب خانوں میں ایک ہے، سالار جنگ میوزیم کا کتب خانہ بھی مخطوطات کے لئے عالمی شہرت رکھتا ہے، اردو کتابوں کے بھی متعدد اہم کتب خانے شہر میں موجود ہیں، علوم اسلامی کے مخطوطات کی حفاظت میں بھی غالباً پٹنہ اور کلکتہ کے بعد یہ شہر سب سے آگے ہے، اور مخطوطات ونوادرات کو اپنے دامن میں چھپائے رکھنے کی شہرت پوری دنیا میں اسے حاصل ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ اس شہر کی رونق شاہی نوازشات اور حکومت کے زیر سایہ علمی وادبی خدمات سے تھی، ۱۹۴۸ء کے بعد گو رونق وشادمانی کا یہ سامان باقی نہ رہا، لیکن غیرت ایمانی اور اسلام کے لئے دردمندی، نیز ادب پروری اور علم دوستی کا جو سبق یہاں کے اسلاف نے اپنے

Marfat.com

اخلاف کو دیا تھا، اس کی چنگاریاں اب بھی موجود تھیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ یہاں از سرنو ادبی انجمنیں اور ادارے قائم ہوئے، تنظیمیں اور جمعیتیں قائم ہوئیں اور جو پہلے سے قائم تھیں ان میں سرگرمی اور حرارت پیدا ہوئی اور دینی مدارس و مکاتب قائم کئے گئے، جن کی ضرورت بہ مقابلہ دوسرے علاقوں کے یہاں زیادہ تھی، اسی طرح اب یہاں باوقار عصری درسگاہوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، متعدد انجینئرنگ کالجس ہیں، میڈیکل کالج بھی ہیں، متعدد ہاسپٹل بھی ہیں، اور یہ سب اقلیتی ادارے مسلم انتظامیہ کے تحت خوبی اور کامیابی کے ساتھ بحمد اللہ چل رہے ہیں۔

حضرات! یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام ہندوستان کی علمی، اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب اور روشن کارنامہ ہے، اکیڈمی نے نئے مسائل کو حل کرنے کے علاوہ علماء اور ارباب افتاء میں ایسے مسائل پر غور و تحقیق کی جو امنگ پیدا کی ہے، کوئی صاحب انصاف اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کرسکتا، کاش! لوگ اپنی ذہنی تنگ نائیوں سے باہر نکل کر حقیقت کا اعتراف کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کریں، اس سلسلہ میں عرب وعجم کی مقبول ترین علمی، ادبی اور دعوتی شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے وہ تاثرات نقل کرنے کو دل چاہتا ہے جو انہوں نے اکیڈمی کے چوتھے فقہی سمینار منعقدہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کے موقع سے بطور پیغام راقم الحروف کے ایک خط کے جواب میں روانہ فرمایا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

''کسی اسلامی ملک اور ملت اسلامیہ کے کسی اہم عنصر اور جزو کے لئے اتنی بات کافی نہیں کہ وہ بڑی تعداد میں ہے اور سیاسی واقتصادی حیثیت سے وہ وزن اور اثر رکھتی ہے، اس کے دینی شعور، قوت عمل، افادیت اور نہ صرف صلاحیت بقاء، بلکہ صلاحیت قیادت کے ثبوت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو کہ وہ دین وشریعت کے نہ صرف بقاء بلکہ اس کی ترقی وارتقاء اور نئی نسل اور نئے دور کی رہنمائی کا ثبوت دینے کے لئے وہ کیا جدوجہد کررہی ہے، اور اس مقصد کی

Marfat.com

تکمیل کے لئے اس نے کیا وسائل اختیار کر رکھے ہیں؟''

اسی سلسلہ کا ایک اہم کام شریعت اسلامی اور احکام فقہی کے اس بدلے ہوئے دور میں نہ صرف قابل عمل ہونے کی صلاحیت کا ثبوت دینا ہے، بلکہ ان کی برتری کو بھی ثابت کرنا ہے، اس سلسلہ کا ایک بنیادی اور اہم ترین کام یہ ہے کہ کتاب و سنت، شریعت اسلامی اور احکام فقہی کی روشنی میں بدلے ہوئے حالات اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں شرعی احکام ا۔ مسائل و مشکلات کے حل پیش کئے جائیں، اور اصول شرعی کی ابدیت، شرعی و فقہی ذخیرہ کی وسعت اور استنباط و اجتہاد کی صلاحیت کا ثبوت دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے، جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

خوشی کی بات ہے کہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اکیڈمی کے لئے جو خطوط اور منہج متعین کئے تھے، انہی خطوط پر اب بھی اکیڈمی کا سفر جاری ہے، اس کے کام میں تسلسل ہے، اور اس کی علمی و فقہی کاوشوں میں کہیں کوئی توقف نہیں آیا ہے، اس میں جہاں بانی اکیڈمی کے اخلاص کو دخل ہے، وہیں بڑا حصہ ان کی افراد سازی اور مردم گری کی طرف خاص توجہ کا بھی ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ نچلی سطح سے قیادت کو اٹھنا چاہئے اور نئی نسل کو کام کے لئے تیار کرنا چاہئے، جن جن اداروں سے وہ وابستہ تھے، ان تمام اداروں میں انہوں نے عملی طور پر یہی طریقہ کار اختیار کیا۔ اس پس منظر میں ہم سبھوں پر اکیڈمی کے تئیں ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم علم و تحقیق اور دین و دانش کی اس امانت کو نہ صرف سنبھال کر رکھیں، بلکہ اسے آگے بڑھائیں، آنے والی نسل تک پہنچائیں اور اس کی افادیت کے دائرہ کو وسیع تر کرنے کی کوشش کریں۔

حضرات! ہمیں بخوبی علم ہے کہ جب کارواں چلتا ہے تو گرد اٹھتی ہے، لیکن گرد طالبان

Marfat.com

منزل اور اصحاب ہمت وعزیمت کے لئے سدراہ نہیں بنتی۔ ہمیں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ فکر انگیز جملہ بھی یاد ہے کہ ''مخالفت کو منی آرڈر کی واپسی رسید سمجھنی چاہئے''، یعنی یہ رسید بتاتی ہے کہ جو پیغام آپ پہنچانا چاہتے تھے وہ پہنچ گیا۔ مولانا علی میاںؒ یہ معنی خیز شعر بھی اکثر پڑھا کرتے تھے:

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

ہماری نظر اقبال کے اس چشم کشا شعر پر بھی ہے:

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

محترم حضرات! اس سیمینار کے لئے اکیڈمی نے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے، وہ نہایت اہم، ضروری اور بروقت ہیں، اور ذمہ داران اکیڈمی کی زمانہ آگہی کی دلیل بھی ہیں، ''مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات'' کا مسئلہ موجودہ حالات میں خاص کر ۱۱ رستمبر کے بعد اسلام کے خلاف امریکہ اور مغرب کی بین الاقوامی دہشت گردی اور پروپگنڈہ مہم نے اس مسئلہ کو بے حد اہم بنا دیا ہے۔ لہذا اس موضوع پر نہایت گہرائی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں صحیح طریقہ عمل کا پیغام بھی ملے، اور اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں ان کا ازالہ بھی ہو سکے، اس پس منظر میں ''اسلام اور امن عالم'' کا موضوع بھی نہایت اہم ہے، اس موضوع کے تحت ہمیں دنیا کے سامنے امن وآشتی اور تکریم انسانیت پر مبنی اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کا موقع ملے گا۔

111957

Marfat.com

آج مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں، تعلیمی پسماندگی اور غربت وافلاس نے انہیں جس طرح جکڑ رکھا ہے، ان کے تدارک میں اوقاف سے بہت مدد مل سکتی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک بھر میں مسلمانوں کے جو قیمتی اوقاف موجود ہیں، انہیں زیادہ ثمر آور اور نتیجہ خیز بنایا جائے، اور مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے انہیں استعمال کرنے کے مواقع پیدا کئے جائیں، نیز مسلمانوں میں وقف کے جذبہ کو ابھارا جائے، مجھے امید ہے کہ سمینار میں اس موضوع پر ہونے والی بحث اور طے پانے والی قرارداد اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرے گی، اسی طرح غذاؤں اور دواؤں میں جلاٹین کے استعمال کی جو کثرت ہے، اس پس منظر میں اس موضوع کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، توقع ہے کہ ان مسائل پر سمینار جو فیصلہ کرے گا، اس کے مثبت اور دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

محترم سامعین! دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد جس کو اس وقت آپ نے تشریف آوری کا شرف بخشا ہے، ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، اور قیام کے سولہویں سال ۱۴۰۸ھ میں دورۂ حدیث شریف کا افتتاح ہوا، فقہ کے میدان میں مردان کار کی تیاری شروع سے جامعہ ہذا کے ذمہ داران اور اساتذہ کا مطمح نظر ہے، اسی مقصد کے لئے ۱۴۰۹ھ میں ''تخصص فی الفقہ'' کے دوسالہ نصاب کا افتتاح عمل میں آیا، فرق باطلہ اور قدیم و جدید مذاہب ونظام کے مطالعہ اور مخالف اسلام تحریکات سے آگہی نیز اسلام کے اصول دعوت سے واقفیت کے لئے ۱۴۱۰ھ میں تخصص فی الدعوۃ کا شعبہ قائم ہوا، ۱۴۲۲ھ میں ائمہ مساجد کی تربیت وتدریب کے لئے ''تدریب الائمہ'' کا ایک سالہ نصاب شروع کیا گیا، اس کے علاوہ قرآن وحدیث اور عربی ادب میں بھی ماضی قریب میں تخصصات کے شعبے قائم کئے گئے ہیں، اور عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے عالم کورس کی ایک خصوصی مختصر مدتی جماعت کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، جامعہ نے عصری علوم اور خدمت خلق کے کاموں کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے شعبہ

Marfat.com

کمپیوٹر اور ٹیلرنگ سنٹر بھی قائم کیے ہیں، اور ''السلام ہاسپٹل'' کی تعمیر کا کام بھی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، ان شعبوں سے نہ صرف جامعہ ہذا کے اساتذہ وطلبہ کو فائدہ ہوگا، بلکہ قرب وجوار کے عام مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں گے، آپ تمام حضرات سے گزارش ہے کہ اس ادارہ کے استحکام اور اس کی ترقی وفروغ کے لئے اپنے مخلصانہ مشوروں سے بھی نوازیں اور اسے اپنی دعاؤں میں بھی یاد رکھیں۔

میں اس موقع پر عالم عرب اور عالم اسلام سے آنے والے مہمانوں، ملک کے کونے کونے سے تشریف لانے والے علماء وارباب افتاء، زعماء امت کا تہہ دل سے شکرگذار ہوں کہ آپ نے ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشا، ہم اس موقع پر جامعہ ہذا کے اساتذہ، طلبہ اور سمینار کی مجلس استقبالیہ کے اراکین کے بھی بے حد شکرگذار ہیں کہ ان سب کی اجتماعی کوششوں اور محنتوں سے ہی سمینار کا انعقاد ممکن ہوا۔ اس موقع پر مجلس استقبالیہ کے تمام اراکین خصوصیت کے ساتھ: جناب سید جمیل الدین، جناب محمد جعفر، جناب میر مظہر الدین، جناب محمد سلمان صدیقی اور ان کے رفقاء جناب ایس اے انجم، جناب عبداللطیف عثمان، جناب عبد المقتدر، ڈاکٹر محمد یوسف اعظم، جناب عبد المجید فہیم، جناب عبد الوحید، جناب آفتاب پاشا، جناب محمد اقبال علی، جناب سید عمر حسینی، جناب محمد سلیم، جناب صفدر علی خاں، جناب عطاء الرحمن، جناب افتخار حسین، جناب نبیل حسین کا شکریہ ادا کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں، جن کا عملی تعاون ہر قدم پر ساتھ رہا، اور شب وروز سمینار کے کامیاب بنانے کے لئے متوجہ اور متفکر رہے۔ اردو اخبارات سیاست، منصف، رہنمائے دکن، عوام اور انگریزی اور تلگو اخبارات و دیگر ذرائع ابلاغ کا بھی شکرگزار ہوں کہ ان کا بھرپور تعاون بھی ہمیں حاصل رہا۔

اس کے ساتھ آپ حضرات سے ملتجی ہوں کہ ہماری طرف سے جو کچھ کوتاہی اور کمی پیش آئی ہو، آپ اس سے ہمیں درگذر فرمائیں۔

Marfat.com

آخر میں ایک طرف آپ حضرات پر نظر ڈالتا ہوں تو شاعر کی یہ ندا دل کی دھڑکن بن جاتی ہے:

زبان قاصر ہے کیوں کر اس کا شکریہ ادا ہوگا
عنایت کا، توجہ کی نظر کا، مہربانی کا

دوسری طرف ذرا کان لگاتا ہوں تو اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے جانب لاہور سے اقبال یہ پیغام دے رہے ہیں:

ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ ودو

اقبال کا پیغام شرکاء مجلس کے لئے یہ ہے:

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اقبال اپنے ''مرد درویش'' اور اہل دینی مدارس کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہیں:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

Marfat.com

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سمینار کو کامیاب، بامقصد اور نتیجہ خیز بنائے، بھرپور قدموں کے ساتھ مستحکم بنیادوں پر اس کا سفر جاری رہے۔ اور مصادر شریعت کی روشنی میں جدید اور پیش آمدہ مسائل کا حل اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ ملت اور امت کے سامنے ایک تسلسل کے ساتھ آتا رہے، اور علماء، فقہاء اور اہل افتاء کی زندگی میں کلیم عاجز کے اس شعر کی تعبیر ملتی رہے:

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی، وہیں اک چراغ جلا دیا

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

✦✦✦

Marfat.com

اکیڈمی کا کارواں-منزل بہ منزل

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علی سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين

جناب صدر، عالم اسلام سے آئے ہوئے مہمانان گرامی، ہندوستان کے کونہ کونہ سے تشریف لانے والے علماء وفقہاء وارباب افتاء اور علم وتحقیق، زبان وادب اور تہذیب وثقافت کے شہر فرخندہ بنیاد حیدرآباد سے آنے والے معزز برادران اسلام! سلامتی اور اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو اور آپ کا آنا آپ کے لئے بھی اور داعیوں اور میزبانوں کے لئے بھی مبارک ومسعود ہو:

آمدنت باعث سعادت ما

آج وہ منظر میری نگاہوں میں گھوم رہا ہے جو یکم نومبر ۱۹۸۹ء کو جامعہ ہمدرد دہلی کے سمینار ہال میں پہلی بار دیکھنے کا موقع ملا تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ ڈائس پر جلوہ افروز ہیں، داعی اجلاس حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی صدائے درد اور نوائے محبت اس طرح گونج رہی ہے کہ کوئی آنکھ نہ تھی جو نم نہ ہو اور کوئی دل نہ تھا جس کو محبت کی آگ نے پگھلایا نہ ہو، دار العلوم دیوبند کے مفیان کرام، دار العلوم ندوۃ العلماء کے اہل علم، بریلی سے آئے ہوئے اہل افتاء، دبستان اہل حدیث کی نمائندہ شخصیتیں، مختلف مکاتب فکر، مختلف جماعتوں اور تحریکوں اور مختلف درسگاہوں اور اداروں،

Marfat.com

مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کی اہم علمی وفقہی شخصیتوں کو ایک خالص علمی و مذہبی اجتماع میں پہلی بار پہلو بہ پہلو اور دوش بدوش دیکھا جاسکتا تھا، علماء وفقہاء کی اس بزم میں علوم جدیدہ کے ماہرین بھی فکر و خیال کی ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے جذبہ احترام سے معمور بیٹھے ہوئے تھے، ایسا لگتا تھا کہ دریا کے دو کنارے ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں اور لمحوں نے مدتوں کے فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے، کہا جاتا ہے کہ خلافت کمیٹی کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے پہلی بار مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، اس اجتماعیت کے لئے ہمارے بزرگوں نے شب و روز جو جدوجہد کی اور شکستہ قلوب کو جوڑنے کے لئے ایثار، کسر نفسی اور اپنے درجہ ومقام سے تنزل اختیار کر کے ایک ایسا وفاق تیار کرنے میں کامیاب ہوئے جسے انہونی بات سمجھا جاتا تھا، مگر یہ اتحاد و اشتراک اصل میں حکومت اور شریعت اسلامی کی معاندین کے مقابلہ میں تھا اور مدافعت کے موقع پر مشترک مسائل کے لئے لوگوں کو جمع کر لینا نسبتاً آسان ہوتا ہے، لیکن آج کا یہ اجتماع خالص مثبت مقصد کے تحت اور احکام شرعیہ کی تحقیق کی نسبت سے منعقد ہو رہا تھا اور ایسے مقصد کے لئے مختلف الفکر اور مختلف الذوق لوگوں کو جمع کرنا نسبتہً زیادہ دشوار ہوتا ہے۔

لیکن ایک ایسی شخصیت نے اس ہمہ بوگلدستہ کو سجایا اور اس ہمہ رنگ گلشن کو سنوارا تھا جس کو اللہ نے بیک وقت دل وردمند اور فکر ارجمند سے بھی نوازا تھا اور سخن دلنواز اور جان پرسوز سے بھی، جو ملک کے کونہ کونہ میں امت کی وحدت اور باہمی محبت کے گیت گاتا تھا اور جس کی صدائے دردآشنا سے دل ہی نہیں پتھر کی سل بھی پگھل جاتی تھی، جس کا ہر لفظ اخوت کا بیان اور جس کا ہر عمل امت کی فکر اور ملت کے غم کا ترجمان تھا، میری مراد اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے موسس فقیہ النفس حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے ہے۔

کم سے کم ہندوستان کے علماء کے لئے یہ بہت ہی تعجب خیز اور مسرت انگیز منظر تھا،

Marfat.com

جس میں علم وتحقیق کے معرکے گرم ہوئے، ایک ایک لفظ پر بحث ومناقشہ ہوا، چھوٹوں نے بڑوں سے اور شاگردوں نے اپنے اساتذہ سے اختلاف رائے کیا، چوٹی کے اہل علم نے مخالف نقطہ نظر کو صبر وسکون کے ساتھ سنا اور ایسا بھی ہوا کہ اصرار کے بجائے قبول واعتراف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اگر اختلاف کرنے والوں نے کوئی معقول ومدلل بات کہی تو اسے بہ سر وچشم قبول کیا اور تحمل اختلاف اور قبولیت حق کے معاملہ میں سلف صالحین کے بارے میں جو کچھ پڑھا جاتا تھا، بہ چشم سر آج اسے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، کتنا خوشگوار تھا یہ منظر کہ بعض لوگ جو ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے سے بھی گریزاں تھے اور جن کے لئے ایک دوسرے سے سلام ومصافحہ بھی بار خاطر تھا، وہ آج تحقیق دین کے جذبہ سے اور امت کی مشکلات کو حل کرنے کی غرض سے کاندھے سے کاندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے، اللہ کرے امت مسلمہ کی یہ وحدت اور اجتماعیت قائم رہے، مزید مستحکم ہو اور نظر بد سے محفوظ رہے، اللهم ألف بين قلوبنا وأصلح ذات بيننا ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم ۔

حضرات! شریعت اسلامی کا سب سے بڑا امتیاز اس کی عالمگیریت اور ابدیت ہے، اور یہ عقیدہ ختم نبوت کا لازمی تقاضہ ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث میں اصول ومقاصد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور جزئیات کا خاص کر معاملات اور عادات کے باب میں احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اسی لئے علامہ سرخسی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے: "النصوص معدودة والحوادث ممدودة" اور ایک ایسا دین اور قانون جو قیامت تک کے لئے ہو اور جو قدم قدم پر قانون فطرت سے ہم آہنگ اور حالات اور مواقع کی ضرورتوں اور تبدیلیوں سے مطابقت رکھنے والا ہو، اس کے لئے یہ بات ناگزیر تھی کہ جزوی تفصیلات کی تحدید سے گریز کیا جائے، کیونکہ اخلاقی حالات، عرف اور سماجی عادات ومصالح کی تبدیلی کی وجہ سے ایسا ممکن ہے کہ ایک ہی حکم، جو کسی عہد کے لئے موزوں ہوں، وہ دوسرے عہد میں اس درجہ موزوں باقی نہ رہے، اس لئے ہر

Marfat.com

دور کے علماء اور فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ احکام شریعت کی تطبیق کریں اور جو نئے مسائل پیدا ہوں، شریعت کے اصول و مقاصد اور سلف صالحین کے اجتہادات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں امت کی رہنمائی کی جائے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ وراثت دعوت دین میں بھی ہے اور حفاظت دین میں بھی، تنفیذ دین میں بھی ہے اور تحقیق دین میں بھی۔

تحقیق دین یعنی مسائل کے حل کا ایک طریقہ انفرادی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو انفرادی اجتہاد کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، اور دوسرا طریقہ اجتماعی ہے، جس کا ذکر حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ جو نئے مسائل پیش آئیں ان کے حل کے لئے فقہاء عابدین یعنی ان اہل علم کو جو خشیت الٰہی سے معمور اور ورع و تقوی پر قائم ہوں، جمع کرو اور ان سے مشورہ کرو، **اجمعوا له الفقهاء العابدين وشاوروهم** ۔ یہ اجتماعی طریقہ غور و فکر زیادہ محفوظ و مامون صورت ہے اور ارشاد نبوی ﷺ: "**يد الله على الجماعة**" کے تحت اس میں اللہ تعالی کی نصرت و توفیق کے مواقع زیادہ ہیں، چنانچہ صحابہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے، اولاد صحابہ میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ نے اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں فقہ کے مدون اول امام ابو حنیفہؒ نے اسی طریقہ کار کو اختیار فرمایا۔

موجودہ دور میں جو علم و تحقیق کے اعتبار سے کم حوصلگی اور دون ہمتی اور ورع و تقوی اور خشیت الٰہی کے لحاظ سے خدا ناترسی، نفس پرستی اور مداہنت کا دور ہے، نئے مسائل پر غور کرنے کے لئے اجتماعی غور و فکر کا طریقہ ہی موزوں اور مناسب ہے، چنانچہ عالم اسلام میں اسی مقصد کے تحت مختلف فقہ اکیڈمیاں قائم ہیں، برصغیر میں بھی علماء اس فریضہ سے غافل نہیں رہے، فتاوی عالمگیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں نوازل کو خاص اہتمام کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، ماضی قریب میں بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس پر خصوصی توجہ دی، جس کے نتیجہ میں "**الحيلة الناجزة**" کی ترتیب عمل میں آئی۔ پھر ان کے تلامذہ میں حضرت مولانا

Marfat.com

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پاکستان میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی بنیاد رکھی اور اس کے تحت کئی فیصلے کیے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے ندوۃ العلماء میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' قائم کی، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے تحت ''ادارۃ المباحث الفقھیہ'' قائم فرمایا، اور ان اداروں نے بحیثیت مجموعی تقریباً ایک درجن مسائل میں فیصلے کیے۔

لیکن چونکہ ان اداروں کی حیثیت ضمنی تھی اور اس ادارہ اور اس کے متعلقین و متفقین تک اس کا دائرہ محدود تھا، اس لئے پیش آنے والے مسائل کی تیز گامی اور کثرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محسوس کیا گیا کہ خاص اس مقصد کے لئے ایک مستقل ادارہ ہو، تاکہ اس کام میں تسلسل باقی رہے اور مختلف الفکر اہل علم کو اکٹھا کر کے زیادہ وسعت کے ساتھ غور و فکر کیا جا سکے، اسی پس منظر میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی، جس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس پورے خطہ میں ایک نئی علمی امنگ، ذوق تحقیق، اعتدال فکر اور فقہی تحریک کو وجود بخشا، اکیڈمی کے فقہی مجلات جن کی پوری دنیا میں تحسین کی جا رہی ہے اور جن کے حوالہ سے اہل علم اپنی تحقیقات کو پیش کر رہے ہیں، اس کے شاہد عدل ہیں۔

اکیڈمی نے اپنی پندرہ سالہ عمر کے عرصہ میں تیرہ سمینار کیے ہیں اور ان سمیناروں میں مجموعی اعتبار سے چالیس موضوعات پر غور و خوض کیا گیا ہے، جن میں اسلام کے اصول قانون سے متعلق پانچ، عبادات سے متعلق اٹھارہ، سماجی مسائل سے متعلق آٹھ اور معاشی و تجارتی مسائل سے متعلق تیرہ موضوعات شامل ہیں، اور ان کے علاوہ اتحاد امت سے متعلق اعلامیہ بھی جاری کیا گیا ہے، چالیس میں سے سات موضوعات وہ ہے جن میں قطعی فیصلہ کو ملتوی رکھا گیا ہے اور مختلف موضوعات کی گیارہ شقوں میں فیصلے اختلاف رائے سے ہوئے ہیں، باقی فیصلے باتفاق رائے کیے گئے ہیں، ان سمیناروں میں جو مقالات پیش کیے گئے ہیں، ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے

Marfat.com

قریب ہے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہل علم اور اصحاب افتاء نے شرکت کی ہے، مجموعی طور پر ان کی تعداد ساڑھے پانچ سو سے زیادہ ہے، بیرون ملک سے سمینار میں شریک ہونے والے فضلاء کی تعداد تقریبا تمیں ہے، جن کا تعلق دنیا کے بیس ملکوں سے ہے، اب تک ان سمیناروں کے مقالات پر مشتمل سترہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جو بحیثیت مجموعی ۹۲ ۹۳ صفحات پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ وقف سے متعلق منتخب مقالات کا عربی ترجمہ اور غیر سودی بینک کاری سے متعلق اہم مقالات کا انگریزی ترجمہ بھی انہی سمیناروں کا فیض ہے۔

اکیڈمی ان مجلات کے علاوہ علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے اہم مسائل پر مشتمل کتابیں بھی شائع کرتی رہی ہے، مجلات اور حالیہ مطبوعات کو لے کر مجموعی طور سے اکیڈمی کی تقریبا ستر مطبوعات منظر عام پر آچکی ہیں اور ان میں ایک بڑی تعداد ان کتابوں کی ہے جن کا نیا ایڈیشن لانے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اکیڈمی کے مقاصد میں سے ایک علمی وفقہی کاموں کے لئے افراد سازی اور مردم گری بھی ہے، اس نقطہ نظر سے اکیڈمی نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بجائے خود بہت اہم ہیں، اس مقصد کے لئے مختلف دینی مدارس میں چار تربیتی کیمپ قائم کئے گئے، جن میں بیسیوں مدارس کے سینکڑوں طلبہ نے شرکت کی، ملک کی سترہ بڑی اور مرکزی درسگاہوں میں عصری علوم کے ماہرین کے لکچرز رکھے گئے تاکہ مدارس اسلامیہ کے فضلاء اپنے عہد کے حالات اور عصری تقاضوں سے باخبر ہوں، دار العلوم وقف دیوبند میں مدارس کے منتہی درجات کے طلبہ کے لئے ''بین مدارس فقہی مذاکرہ'' رکھا گیا جس میں بیس مدارس سے پچاس طلبہ نے شرکت کی، طلبہ کی جانب سے انیس تحقیقی مقالات پیش ہوئے اور امتیاز حاصل کرنے والے طلبہ کو تشجیعی انعامات دیئے گئے۔

اس سلسلہ کا اپنی نوعیت کا ایک منفرد پانچ روزہ ورکشاپ دسمبر ۲۰۰۳ء کے آخری ہفتہ میں دہلی میں رکھا گیا، جس میں ہندوستان کے ممتاز اہل علم کے علاوہ ''المعہد العالی للفکر

Marfat.com

الاسلامی'' (امریکہ) کے نمائندہ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان کے نہایت قیمتی محاضرات ہوئے، نیز ڈاکٹر جابر فیاض علوانی اور ڈاکٹر علی ریسونی جیسے علماء اصول کے محاضرات بھی سی ڈی (CD) کے ذریعہ پیش کئے گئے، اس کیمپ میں شریعت کے مقاصد و مصالح، ان کے مدارج، ان کے تطبیق اصول، احکام شریعت اور خاص کر جدید مسائل کے حل میں اس موضوع کی اہمیت، ضرورت اور افادیت پر چشم کشا بحثیں ہوئیں اور ملک کی اہم ممتاز دینی درسگاہوں سے فقہ و اصول فقہ کے چالیس اساتذہ اور نوجوان فضلاء نے اکیڈمی کی دعوت پر اس میں شرکت کی، بحمد اللہ اس ورکشاپ میں پیش کئے گئے محاضرات اور مباحثات کا مجموعہ مرتب ہو کر طبع ہو چکا ہے اور اس طرح انشاء اللہ اس سے استفادہ کا دائرہ مزید وسیع ہوگا۔

اکیڈمی کے مقاصد میں سے ایک عالم اسلام میں ہونے والے علمی کاموں سے علماء ہند اور مسلمانان ہند کو مربوط کرنا بھی ہے، چنانچہ اس مناسبت سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کی تجاویز کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا جس کا تازہ ایڈیشن اسی سمینار میں آپ کے سامنے پیش ہوگا، انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلوں کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے، انشاء اللہ عنقریب اس کی اشاعت عمل میں آئے گی، اس طرح مسلمانان ہند کے لئے یہ بات ممکن ہو سکے گی کہ وہ نئے فقہی مسائل کے بارے میں عالم عرب کی آراء اور ان کے فتاوی سے آگاہ ہو سکیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی دور اخیر کے اصولی عالم اور اسرار شریعت کے رمز شناس امام ابو اسحاق شاطبی کے افکار پر ڈاکٹر ریسونی کی ''نظرية المقاصد عند الامام الشاطبی'' کی اشاعت ہے، انشاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ ہندوستان کے اہل علم بہ سہولت علامہ شاطبی کے نقطہ نظر اور افکار کا مطالعہ کر سکیں گے۔

اکیڈمی کا ایک عظیم الشان کام بلکہ کارنامہ ''وزارت اوقاف کویت'' کے زیر اہتمام طبع ہونے والی فقہی انسائیکلو پیڈیا (الموسوعة الفقهية) کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی خدمت

Marfat.com

ہے، جس کی چالیس جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، انشاء اللہ جیسے جیسے کتاب کی جلدیں شائع ہوتی جائیں گی، کوشش کی جائے گی کہ ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا جائے، یہ اردو دنیا میں نہ صرف علماء، علوم اسلامی کے اساتذہ وطلبہ اور اصحاب فقہ وافتاء کے لئے اکیڈمی کا ایک قیمتی تحفہ ہوگا، بلکہ عام اصحاب ذوق اور قانون داں حضرات بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اگر اکیڈمی نے صرف یہی ایک کام کیا ہوتا تو یہ اس کے افتخار کے لئے کافی ہوتا، اس سلسلہ میں بانی اکیڈمی حضرت قاضی صاحبؒ کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ ممتاز صاحب علم اور اکیڈمی کے نائب صدر حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی حفظہ اللہ (مقیم کویت) کی کاوشیں بھی لائق تحسین اور مستحق شکریہ ہیں، اللہ کرے کہ جلد یہ ترجمہ شائع ہوکر منظر عام پر آئے اور اصحاب ذوق کی چشم محبت کا سرمہ بنے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء سلف کے بہت سے علمی خزینے آج بھی مخطوطات کے دفینے میں قید ہیں اور اہل علم ان لعل و گہر تک رسائی سے محروم ہیں، ابھی امریکہ، عراق جنگ میں بہت سے قیمتی مخطوطات کا نذر آتش ہو جانا ایک ایسا تاریخی حادثہ ہے، جو فتنۂ تاتار کے موقع پر بغداد کے عظیم الشان کتاب خانوں کی بربادی کا غم تازہ کرتا ہے اور اس کی یاد دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ جلد عالم اسلام کو اس ابتلاء سے نجات دلائے، اس لئے بزرگوں کے علمی ذخیرہ کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ منظر عام پر لانا اور اہل علم کے لئے ان کو قابل حصول بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے، اکیڈمی نے بھی اپنے مقاصد میں اسلامی اور خاص کر فقہی مخطوطات کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ علمی دنیا تک پہنچانے کو اپنے پروگرام میں رکھا ہے، اس سلسلہ کا ایک اہم کام علامہ قاضی عماد الدین اشفور قانی (م ۶۴۶ھ) کی "صنوان القضاء وعنوان الإفتاء" کی تحقیق وتعلیق کا کام ہے جسے حضرت قاضی صاحب نے انجام دیا اور جو وزارت اوقاف کویت کی طرف سے چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، نیز فقہ حنفی کے دو اہم مخطوطے "التجنیس والمزید" اور "مختارات النوازل" پر کام

Marfat.com

چل رہا ہے اور توقع ہے کہ مستقبل قریب میں انشاء اللہ یہ قابل طباعت ہو جائے گا۔

اکیڈمی نے شرعی مسائل میں عام مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے باضابطہ دارالافتاء بھی قائم کیا ہے اور بحمد اللہ دہلی اور اس کے مضافات سے خصوصا اور ملک کے دوسرے علاقوں سے عموما اہل ضرورت رجوع کر رہے ہیں، اب تک جو فتاوی جاری کئے گئے ہیں ان میں زیادہ تر سماجی اور اقتصادی مسائل سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ اکیڈمی نے علمی استفسارات کا بھی شعبہ رکھا ہے اور انٹرنیٹ کے ذریعہ دنیا کے مختلف علاقوں سے سوالات کئے جاتے ہیں اور ان کی ضروری رہنمائی کی جاتی ہے، اسی طرح اکیڈمی کی لائبریری کو بھی وسعت دینے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ یہ لائبریری فقہ اسلامی کے مراجع ومصادر کا ایک قابل استفادہ مرکز ہو جائے اور اکیڈمی کے رفقاء کے علاوہ دوسرے لوگ بھی علم وتحقیق کے کام میں اس لائبریری سے استفادہ کرسکیں، اکیڈمی کے فقہی فیصلوں اور اس کی بعض دستاویزی مطبوعات سے استفادہ کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے انٹرنیٹ پر مستقل ویب سائٹ (Website) بنائی گئی ہے اور بحمد اللہ پوری دنیا سے اہل ذوق اس ویب سائٹ کو استعمال کر رہے ہیں۔

حضرات! حضرت قاضی صاحبؒ کے بعد اکیڈمی کے ٹرسٹ نے اس کے کاموں کو اجتماعی صورت دینے اور انتظام وانصرام کو زیادہ شورائی بنانے کی غرض سے باتفاق رائے انتظامی ڈھانچہ کو اور وسیع کیا ہے، اس نئے نظام کے تحت جہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی اسے حاصل ہے، وہیں یہ قافلہ ممتاز صاحب علم اور معروف صاحب قلم نیز دارالعلوم دیوبند کے سینئر مفتی حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ صدر اکیڈمی کی قیادت میں رواں دواں ہے، حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، حضرت مولانا مفتی اشرف علی سعودی، حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی اور حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی جیسے اصحاب علم وفضل اکیڈمی کے نائبین صدر اور

Marfat.com

سربراہان ہیں، ان کے علاوہ جنرل سکریٹری اور مختلف شعبوں سے متعلق تین سکریٹریز حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی، حضرت مولانا عتیق احمد بستوی اور محترم مولانا امین عثمانی کی خدمات اسے حاصل ہیں۔ اکیڈمی کے ٹرسٹیز میں حضرت مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، حضرت مولانا محمد زبیر قاسمی ناظم جامعہ اشرف العلوم، حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی ناظم جامعہ علوم القرآن جمبوسر، حضرت مولانا قاضی عبدالاحد ازہری ناظم معہد ملت مالیگاؤں اور حضرت مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد جیسی شخصیتیں ہیں، یہ سب اس قافلہ کے مخلص، معتدل الفکر اور آزمودہ کار سالار ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ان کی قیادت میں اکیڈمی، بانی اکیڈمی کے قائم کئے ہوئے خطوط اور منہج پر آگے بڑھ رہی ہے۔

اس علمی سفر کا ایک حصہ یہ ''چودھواں فقہی سمینار'' ہے جو حضرت قاضی صاحبؒ کی علالت، وفات اور پھر ملکی حالات کے پس منظر میں دو سال کے وقفہ سے منعقد ہو رہا ہے اور یہ اجتماع اس بات کا مظہر ہے کہ ہمارے اس سفر میں کوئی توقف اور ٹھہراؤ نہیں ہے، اس سمینار کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے، عالمی حالات اور خود ہندوستان میں فاشسٹ طاقتوں کے عزائم اور اثرات کے پس منظر میں نہایت اہم ہیں اور اس طرح اکیڈمی ایک نئے سلسلہ کا آغاز کر رہی ہے۔ یہ سلسلہ فقہ الاقلیات کا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ انقلاب فرانس اور جمہوری نظام کے قیام سے پہلے دنیا کے اکثر بلکہ قریب قریب سبھی ممالک میں، سلطنت ایک مذہب کی پابند ہوتی تھی اور عوام کو عامۃ اسی مذہب کا متبع ہونا پڑتا تھا، اگر دوسرے مذہب کے لوگ ہوتے تو وہ مذہبی آزادی سے محروم ہوتے اور زیادہ سے زیادہ انہیں عقیدہ وعبادت میں آزادی حاصل ہوتی تھی، وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کے حق سے محروم ہوتے تھے، اسی لئے ان پر ہجرت واجب قرار دی جاتی تھی، جیسا کہ رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ کی مدنی زندگی میں مدینہ منورہ سے باہر کے مسلمانوں پر واجب تھی، اگر کوئی خطہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاتا تو مسلمان وہاں سے ہجرت کر جاتے اور بدرجہ مجبوری ہی دارالکفر میں قیام کو گوارہ کرتے۔

لیکن جمہوری نظام کے جہاں بہت سے مفاسد ہیں، وہیں اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ جمہوری حکومتوں کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور ملک کے تمام باشندوں کو اپنے عقیدہ، اس پر عمل اور اس کی تبلیغ کی اجازت ہوتی ہے، ایسی ہمہ مذہبی مملکتوں نے ایک نئی صورت حال پیدا کی ہے اور آج پوری دنیا میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا پچاس فیصد سے زیادہ حصہ غیر مسلم ممالک میں آباد ہے، انہیں ان ملکوں سے ہجرت کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ مغرب نے قومیت اور وطنیت کا جو صور پھونکا ہے، جس نے خلافت اسلامی کی قبا کو چاک چاک کر کے رکھ دیا تھا، اسلامی اخوت کے جذبہ کو سرد کر دیا ہے، آج یورپ کے ملکوں میں تو مسلمانوں کو شہریت مل سکتی ہے، لیکن مسلمان ملکوں میں اسے پناہ نہیں مل سکتی، پھر یہ کہ مسلمانوں کا ان غیر مسلم ملکوں میں ہونا سیاسی اور معاشی اعتبار سے بھی عالم اسلام کے مفاد میں ہے اور یہ دعوت دین کے کاز کے لئے بھی ایک مفید صورت ہے، اور ان ملکوں میں مسلمانوں کا حال رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی سے زیادہ مہاجرین حبشہ کے حالات سے قریب ہے۔

ہمارے قدیم فقہاء عام طور پر اس نئی صورت حال سے دوچار نہیں ہوئے تھے، پھر بھی ان کے یہاں بہت سے احکام میں دارالاسلام اور دارالحرب کی تفریق ملتی ہے اور خاص کر سقوط قرطبہ اور سقوط بلنسیہ کے بعد فقہاء نے دارالکفر کے تئیں قلم اٹھایا ہے، اس لئے آج کے حالات میں ''فقہ الاقلیات'' ایک اہم موضوع ہے، کیونکہ یہ شریعت کا بنیادی اصول ہے کہ ہر شخص کو اس کی صلاحیت وقوت کے مطابق ہی حلال وحرام کا مکلّف بنایا جائے گا، ''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا'' (بقرہ/۲۸۶)، اسی لئے حالت اختیار اور حالت مجبوری کے احکام میں فرق کیا گیا ہے

Marfat.com

اور اس کی کتنی ہی نظیریں قرآن وحدیث میں موجود ہیں، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، احکام شریعت کا مکلّف ہے، وہ خدا اور رسول کے احکام سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا، ان حالات میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال اور توازن کے ساتھ غیر مسلم ممالک میں بسنے والی مسلمان اقلیتوں کی مشکلات ومسائل کے بارے میں غور کرنا ہوگا، اس سمینار کے دو بنیادی موضوعات: ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' اور ''اسلام اور امن عالم'' اسی پس منظر میں ہیں، اس کے علاوہ کیمیاوی طور پر تبدیل کی گئی اشیاء کی طہارت ونجاست اور حلت وحرمت اور مسلمانوں کے سماجی مسائل کے حل کے لئے اوقاف کے قیام جیسے موضوعات بھی حالات اور ضروریات کے تناظر میں بہت اہم ہیں۔

اخیر میں ہم اکیڈمی کی طرف سے آپ تمام مہمانوں کا اور بالخصوص بیرون ملک سے سفر کی مشقتیں برداشت کرکے آنے والے فضلاء کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور انہیں سرزمین ہند اور علوم اسلامی کے رشتہ کی یاد بھی دلانا چاہتے ہیں، صرف علم فقہ پر ہی نگاہ کریں تو فتاوی عالمگیری، فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی ابراہیم شاہی، فتاوی عادل شاہی اور خزانۃ الروایات جیسے فقہ کے عظیم ذخائر اسی خطہ عجم میں عجمی نژاد علماء کے ہاتھوں مرتب ہوئے، علامہ صفی ہندی جیسے متکلم اور اصولی (افسوس کہ ان کی تالیفات اب تک مخطوطات کے دفینے میں بند ہیں) کا تعلق اسی سرزمین سے تھا، پھر یہیں فقہاء ومتکلمین کے اسلوب کو جامع اصول فقہ کا متن متین ''مسلم الثبوت'' علامہ محب اللہ بہاری کے قلم سے وجود میں آیا اور اس پر بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلیؒ نے تعلیق لکھی، پھر اخیر دور میں مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلیؒ جیسا وسیع العلم اور دقیق النظر عالم اور نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ جیسا کثیر التالیف مؤلف اسی ملک کی دین ہے۔

پھر اگر فقہ کے موضوع کو وسعت دیں تو فقہ القرآن میں ملاجیونؒ کی ''تفسیرات احمدیہ''، نواب صدیق حسن خاںؒ کی ''نیل المرام'' اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رفقاء کی

Marfat.com

''احکام القرآن'' (پانچ جلدیں)، نیز مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ''تفسیر مظہری'' اور فقہ الحدیث میں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کی ''آثار السنن''، مولانا عبد اللہ شاہؒ محدث دکن کی ''زجاجۃ المصابیح'' اور احادیث احکام کا جامع ترین مجموعہ ''اعلاء السنن'' (بائیس جلدیں) کی تالیف یہیں عمل میں آئی اور کتب سنن کی تشریح وتوضیح پر تو علماء ہند کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے تذکرہ کے لئے مستقل کتاب درکار ہے، پھر اردو میں فقہ وفتاوی کا جو عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا ہے بلا مبالغہ عربی زبان کے بعد کسی اور زبان میں شاید اس کا ۲۵ فیصد بھی موجود نہ ہو، فقہ کا ایک اہم شعبہ احکام شریعت کے اسرار ومصالح ہیں، اس سلسلہ مین علامہ مخدوم علی مہائمیؒ (م ۸۵۳ھ) کی ''انعام الملک العلام'' اولین تالیف قرار دی جاسکتی ہے، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی صورت میں اس موضوع پر جو تاریخی کتاب لکھی ہے۔ جو اسلامی تاریخ کی چند منفرد اور ممتاز ترین تالیفات میں ہے، یہ بھی اسی خاک وآب سے اٹھے تھے اور پھر اسی خاک کے پیوند ہوئے، اسی ملک بلکہ اسی شہر حیدرآباد کے توسط سے علمی دنیا پہلی بار علامہ سرخسی کی ''اصول''، امام محمدؒ کی ''کتاب الاصل''، ''جامع کبیر'' اور ''الحجۃ علی اہل المدینۃ'' اور امام ابو یوسفؒ کی ''اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی'' اور ''کتاب الرد علی سیر الاوزاعی'' اور امام محمدؒ کی سیر پر، علامہ سرخسیؒ کی ''شرح السیر الکبیر''، نیز جامع کبیر پر عتابی کی شرح مختصر امام طحاوی، امام ابو بکر خصافؒ اور امام ابو بکر جصاص رازیؒ کی ''کتاب النفقات'' جیسی تاریخی اور تاریخ کے دفینوں میں بند علمی مصادر سے روشناس ہوئی اور اسی ملک سے مشہور شافعی فقیہ علامہ عبد العزیز مالا باریؒ کا بھی تعلق تھا، اس لئے جیسے بحیرۂ عرب کے ذریعہ خطہ حجاز کی بادنسیم اس ملک تک پہنچتی ہے، اسی طرح اسلامی اور عربی علوم کے بوئے شمیم نے بھی ہمیشہ اس خطہ کو عطر بار اور مشک زار رکھا ہے، ہم علم وادب اور دین ودانش کی اس سرزمین میں آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

اکیڈمی کے لئے بہت زیادہ شکریہ اور سپاس کے مستحق صاحب نظر عالم اور دل نواز

Marfat.com

صاحب قلم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی دامت برکاتہم ہیں جو ایک طرف اکیڈمی کے نائب صدر اور ذمہ دار بھی ہیں اور اس سمینار کے میزبان اور دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کے ناظم بھی، جنہوں نے علوم نبوت کے اس گلشن کو اپنے خون جگر سے سینچا اور اپنے دست اعجاز سے سنوارا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی امت اسلامیہ ہند پر تا دیر ان کا سایہ قائم رکھے اور ان کا لگایا ہوا یہ چمن ہمیشہ بہار بردوش رہے، آمین یارب العالمین۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

یکم جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

۲۰ / جون ۲۰۰۴ء

✦✦✦

Marfat.com

سوالنامہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ملکوں میں آباد ہے جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور وہاں سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی اعتبار سے غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہے، ان ملکوں کے حالات جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان علاقوں سے قطعی مختلف ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور خاص طور پر جب مسلمان کسی ایسے ملک میں ہوں جہاں سیاست کی باگ ڈور غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو اور مسلمان اس موقف میں نہ ہوں کہ وہ نظام سیاست کو خالص اسلامی تعلیمات پر استوار کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حالات اور مواقع کی تبدیلی سے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں، اور ہر عہد کے فقہاء بطور ایک قاعدہ شرعیہ اس بات کو تسلیم کرتے آئے ہیں کہ ضرورت کے مواقع اور عمومی حالات یعنی اضطرار واختیار دونوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف اور علاحدہ ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث کے شواہد کی روشنی میں فقہاء نے ایک مستقل قاعدہ مقرر کیا ہے: "لا ينكر تغير الأحكام بتغير الزمان"، اسی طرح ائمہ مجتہدین میں سے خود امام شافعی فرماتے ہیں: "يجوز في الضرورة ما لا يجوز في غيرها" (الأم ۴/۱۶۸)، اور ظاہر ہے کہ جہاں مسلمان غیر مسلم اقوام کے ساتھ رہ رہے ہوں، اور زمام اقتدار ان کے ہاتھوں میں نہ ہو، وہاں وہ اسلامی نظام کے غلبہ والے ملک کا سا رویہ اختیار کرنے سے قاصر ہیں، لہذا ایسی تنگی کی کیفیت میں ان کے لئے وسعت وسہولت کی راہ نکالنا علماء امت کے لئے ضروری ہے، جیسا

Marfat.com

کہ فقہاء کے یہاں مسلمہ قاعدہ ہے: "إذا ضاق الأمر اتسع" (الأشباہ والنظائر)۔ اسی بنیاد پر بعض معاصر اہل علم نے "فقہ الاقلیات" پر مستقل موضوع کی حیثیت سے بحث اور غور وفکر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس پس منظر میں کچھ اہم مسائل درپیش ہیں جن میں سے ایک مسئلہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا ہے، اور دوسرا مسئلہ بقائے باہم اور سماجی میل جول کا ہے، پہلا مسئلہ بنیادی طور پر نئے سیاسی نظام کے تحت پیدا ہوا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کا صریح حکم نہیں مل سکتا، اور فقہاء متقدمین ومتاخرین کے یہاں بھی اس مسئلہ کی صراحت ووضاحت ملنی مشکل ہے، اس لئے کہ فقہاء کے اجتہادات بھی اپنے عہد کے واقعات اور احوال سے متعلق ہوتے ہیں۔

پس اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تین بنیادی باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

اول: یہ کہ موجودہ جمہوری نظام اپنی بنیادی فکر کے اعتبار سے اسلام کے سیاسی تصورات سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ حالت اختیار اور حالت مجبوری کے احکام الگ الگ ہیں۔

سوم: یہ کہ اگر دو مفاسد سامنے ہوں اور دونوں سے بچنا ممکن نہ ہو تو پھر کمتر درجہ کے مفسدہ کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔

اگر ان باتوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو صورت حال یوں بنتی ہے کہ ووٹ دینے کی صورت میں یہ مفسدہ ہے کہ پارلیمنٹ میں بعض اوقات ایسے بھی قوانین طے پائیں جو احکام شرعیہ سے معارض ہوں یا مسلمانوں کے قومی وملی مفادات کے مغائر ہوں۔

اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کے جمہوری نظام میں ووٹ بہت بڑی طاقت ہے، اور اسی طاقت کے اعتبار سے سیاسی اور سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین

Marfat.com

ہوتا ہے اور اس کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے، اگر مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ہو، یا ایسے ارکان موجود ہوں جن کے انتخاب میں مسلم ووٹ اثر انداز رہا ہو، تو ان کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کے قومی بلکہ ان کے مذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے، اگر مسلمان ایسے ممالک میں الیکشن سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں تو سیاسی اور قومی سطح پر ان کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہے گی بلکہ بعض حالات میں وہ مذہبی حقوق سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

سوال نمبر:۱- اس وقت دنیا کے اکثر ممالک جمہوری نوعیت کے ہیں، جن میں انتخابات کے ذریعہ حکومت بنتی ہے، ان انتخابات میں تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے، جو لوگ الیکشن میں امیدوار ہوتے ہیں، انہیں اپنے آپ کو امیدواری کے لئے امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا پڑتا ہے، پھر جب عوامی انتخاب سے اسمبلی اور پارلیامنٹ وجود میں آتی ہے تو پارلیامنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ پارلیامنٹ بہت سے ایسے قوانین بھی وضع کرتی ہے جو شریعت اسلامی کے مغائر بلکہ اس سے متصادم ہوتے ہیں تو:

الف: کیا ان ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا شرعاً جائز ہوگا؟

ب: چونکہ ان انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات بھی متعلق ہو سکتے ہیں، تو کیا اس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ووٹ دینا شرعاً واجب قرار دیا جا سکتا ہے؟

ج: اگر بعض ایسی سیاسی جماعتیں الیکشن میں حصہ لیتی ہوں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنا لیا ہو، لیکن ان کے بعض امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب ہو تو کیا

Marfat.com

مسلمانوں کے لئے ان کی جماعتی فکر سے قطع نظر اشخاص وافراد کے ذاتی حالات کی بناپر انہیں ووٹ دینا جائز ہوگا؟ اور کیا خود مسلمانوں کے لئے ایسی سیاسی جماعتوں میں شمولیت درست ہوگی؟

د: اور کیا انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے، ان میں شرکت اوران کی حمایت کی جاسکتی ہے یانہیں، اور شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوگی؟

ھ: معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا امت مسلمہ کا شرعی فریضہ ہے، ان مقاصد کے لئے بعض اوقات سماج کے مختلف طبقات سے تعاون حاصل کرنا پڑتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ بعض دفعہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کاموں کو انجام دیا جائے، تو کیا سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کوروکنے کے لئے غیر مسلم بھائیوں کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے اور ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں؟

سوال نمبر: ۲- جہاں مسلمان غیر مسلم اقوام کے ساتھ رہتے ہیں، وہاں سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی قربت کی وجہ سے مختلف مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات قابل توجہ ہیں:

الف: کیا مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا بہتر ہے تاکہ وہ غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق وکردار کے ذریعہ متاثر کرسکیں، یا اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا بہتر ہے تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں؟

Marfat.com

ب: ایک ساتھ رہنے کا تقاضہ ہوتا ہے کہ خوشی وغم میں ایک دوسرے کی شرکت ہو، اس سلسلہ میں دشواری اس وقت پیش آتی ہے جب غیر مسلم دوست یا پڑوسی کے یہاں کسی کا انتقال ہو جائے، کیا مسلمان ایسے مواقع پر ان کے جلوس جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب بھی کرتے ہیں، کیا شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے؟

ج: غیر مسلم حضرات اپنے تیوہاروں اور دوسری تقریبات کے موقع پر مٹھائیاں اور ان کے عقیدہ کے مطابق تبرکات اپنے مسلمان دوستوں کو پیش کرتے ہیں، یہ تقریبات مذہبی بھی ہوتی ہیں اور غیر مذہبی بھی جیسے شادی، بچہ کی پیدائش وغیرہ سے متعلق، اور جو تحفے دیئے جاتے ہیں وہ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، بعض بتوں پر چڑھائے ہوئے اور بعض بغیر چڑھائے ہوئے، ہمارے برادران وطن ان کو ''پرشاد'' کہتے ہیں، تو ایسی چیزوں کا قبول کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

د: باہمی میل جول کی وجہ سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مسلم حضرات مسجدوں میں تعاون پیش کرتے ہیں، مسلمانوں کے مذہبی جلسوں میں چندہ دیتے ہیں، بعض حضرات دینی مدارس کا تعاون کرتے ہیں، پھر وہ اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مذہبی تیوہاروں اور جلسوں وغیرہ کے لئے مسلمانوں سے تعاون کے خواستگار ہوتے ہیں، تو کیا مسلمانوں کے لئے ان کی اس طرح کی اعانتوں کو قبول کرنا اور ان کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے تعاون کرنا درست ہوگا؟

ھ: آج کل ایک رجحان یہ پیدا ہو رہا ہے کہ مختلف قومیں ایک دوسرے کی مذہبی تقریبات میں شریک ہوں، اور ان میں تعاون کریں، چنانچہ رمضان المبارک اور عید وغیرہ کی

Marfat.com

مناسبت سے بہت سے غیر مسلم سماجی اور سیاسی قائدین مسلمانوں کے ساتھ افطار میں شریک ہوتے ہیں، عید کی تہنیتی تقریب رکھتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں سے بھی اس بات کی توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ بھی دوسرے مذہبی گروہوں کے تہواروں میں شریک ہوں۔

الف۔ تو کیا مسلمانوں کے لئے ایسی تقریبات میں شریک ہونا جائز ہے؟

ب۔ اور کیا غیر مسلم بھائیوں کو ان کے تیوہاروں کی مبارک باد دینا درست ہے؟

سوال نمبر: ۳- مسلمان اقلیتیں بعض ایسے مسائل سے بھی دوچار ہوتی ہیں جن کو دوسری قومیں محض ایک سیاسی اور قومی مسئلہ سمجھتی ہیں، لیکن مسلمان انہیں مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، اس سلسلہ میں چند سوالات خاص طور پر علماء اور ارباب افتاء کے لئے قابل توجہ ہیں:

الف: آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے، اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھا جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے کیا یہ درست ہے؟

ب: بعض ملکوں میں ایسے قومی ترانے مروج ہیں جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں، خود ہندوستان میں وندے ماترم پڑھنے کو کہا جاتا ہے، جس میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، کیا مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا جائز ہوگا؟

ج: جو ادارے ملک کے باشندوں کو انصاف فراہم کرتے ہیں وہ ملک میں مروج قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی وجہ سے بعض اوقات ایسے فیصلے بھی کر سکتے ہیں جو اسلامی اور شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہوں، ایسے معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو انہیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے کیا اس کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے؟

سوال نمبر: ۴- امت مسلمہ بنیادی طور پر ایک ایسی امت ہے جس کو لوگوں تک حق کی دعوت

Marfat.com

پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے، اس کے لئے ایک طرف یہ بات ضروری ہے کہ خود یہ امت فکر صحیح کی حامل ہو، حالات چاہے موافق ہوں یا ناموافق وہ احکام دین پر عامل ہو، دوسری طرف بندگان خدا کے ساتھ اس کا تعلق محبت وہمدردی اور اخوت ونصرت کا ہو۔ اس پس منظر میں چند سوالات قابل توجہ ہیں:

الف: موجودہ دور میں عالمی سطح پر اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ لوگوں میں تمدنی اور ثقافتی وحدت پیدا ہو جائے، ثقافتی انجذاب اور تہذیبی انضمام کی اس کوشش میں مذہب کو سب سے بڑی رکاٹ سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے مغرب نے ایک کوشش تو یہ کی کہ مذہب کو انسان کی عملی زندگی سے علاحدہ کردیا، اور کچھ عباداتی رسوم ہی اس کے دائرہ میں باقی رکھی گئیں، مذہب کو مزید بے اثر کرنے کے لئے دوسری کوشش یہ کی جارہی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ راستے الگ الگ ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے، اور ان مذاہب کی حیثیت ایک ہی منزل تک جانے والے مختلف راستوں کی ہے، بہت سے مسلمان دانشور بھی اس فکر کے اسیر ہوتے جارہے ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے کیا یہ کسی بھی درجہ میں قابل قبول ہے؟

ب: دنیا کے بعض علاقوں میں غیر مسلموں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ظلم اور استحصال کا شکار بنائے ہوا ہے، ہندوستان میں ایک بہت بڑی آبادی جو دلت کہلاتی ہے، صدیوں سے ہندوؤں میں اونچی ذات سمجھے جانے والے طبقہ کے مظالم کا شکار ہے، جن کو سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ بنائے رکھنے کی منظم اور منصوبہ بند کوشش ہوتی رہی ہے، اسی طرح بعض ملکوں میں کالی اور گوری نسل کے درمیان تفریق روا رکھی گئی ہے، اس صورت حال میں اس مظلوم طبقہ کے تئیں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ کیا مسلمانوں پر انسانی اخوت کے رشتہ سے ان کا تعاون کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے؟ یا

Marfat.com

چونکہ حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے وہ اس بارے میں جواب دہ نہیں ہیں؟

ج: یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کی بڑی اہمیت ہے، اور قرآن وحدیث میں مختلف طریقوں پر اس کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسرے اہل مذاہب سے امت مسلمہ کا رشتہ اخوت انسانی پر مبنی ہے، اور مسلمانوں سے اس کا دوہرا تعلق ہے، ایک انسانی بھائی چارہ کا، اور دوسرے اسلامی اور ایمانی اخوت کا، ان حالات میں مسلمان اگر خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں، جیسے ہاسپٹل وغیرہ، تو انہیں ان اداروں سے غیر مسلم حضرات کو نفع پہنچانے میں کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر ہے، یا بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت واعانت کے دروازہ کو کھلا رکھنا؟

د: جب کوئی قدرتی آفت آتی ہے، جیسے زلزلہ، سیلاب، متعدی امراض وغیرہ، تو اس کا اثر سماج میں بسنے والے تمام ہی لوگوں پر پڑتا ہے، اور سبھی لوگ مدد کے محتاج ہوتے ہیں، بدقسمتی سے ہندوستان میں بعض فرقہ پرست عناصر ایسے ہیں کہ ایسی مصیبت کی گھڑی میں بھی وہ مختلف طبقات کے درمیان تفریق و امتیاز سے کام لیتے ہیں، مسلمانوں کی بھی بہت سی تنظیمیں ایسے مواقع پر ریلیف کا کام انجام دیتی ہیں، تو ان حالات میں برادران وطن کے ساتھ مسلم تنظیموں کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟

✦ ✦ ✦

Marfat.com

فیصلے:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

۱- اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے۔ لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے۔ لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲- مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھر پور طریقہ سے استعمال کریں۔

۳- جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

۴- جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

۵- ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

Marfat.com

۶-مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین وایمان اور اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے اپنے دینی وملی تشخص کی حفاظت کرسکیں۔

۷-اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کی بیماری وغم کے موقعوں پر ان کی عیادت وتعزیت کی جائے گی۔

۸-وندے ماترم جیسے گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیئے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے۔اور ان پر اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۹-اگر غیر اسلامی قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہوجائیں تو اس کے لئے ان سے استفادہ جائز نہیں ہے۔یہ سمینار تمام مسلمانون سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات دارالقضاء ہی میں لے جائیں اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے۔

۱۰-وحدت ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے اور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنہ سے بچنا چاہئے۔

۱۱-اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲-مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً ہاسپٹل وغیرہ کے ذریعہ بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی

Marfat.com

ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔

۱۳-اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

Marfat.com

تلخیص:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا صفدر زبیر ندوی
مولانا ہشام الحق ندوی

سوال نمبر ۱-الف: الیکشن میں حصہ لینا:

کیا جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا شرعاً جائز ہوگا؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس سوال کے جواب میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا یا کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز اور درست ہے۔(دیکھئے: مقالہ مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبید اللہ اسعدی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی وغیرہ)۔

مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی،

Marfat.com

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی اور مولانا محمد شمس الدین نے اصولی طور پر موجودہ دنیا کے جمہوری نظام کو اسلامی نظام حکومت کے خلاف بتایا ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ضرورت و اضطرار اور ملی مصالح کے پیش نظر ان حضرات نے الیکشن میں حصہ لینے، ووٹ دینے، امیدوار بننے اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانے کے عمل کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ شرائط عائد کی ہیں۔

مثلاً مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا محی الدین غازی فلاحی کے نزدیک رائے دہندہ اور امیدوار کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے حاکم و شارع حقیقی ہونے کا تصور بالکل واضح ہونا ضروری ہے۔ مولانا ابوالعاص وحیدی اور مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی نے اس کے لئے احتیاط کی شرط عائد کی ہے۔

الیکشن میں شرکت کے دلائل:

عمومی جواز کے قائلین اور بعض تحفظات کے ساتھ جواز کی رائے رکھنے والوں کی مشترک دلیل یہ ہے کہ جمہوری ممالک میں انتخابات میں شرکت سے بے شمار دینی و ملی مصالح اور مقاصد وابستہ ہیں اور کہیں کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور وجود ہی خطرہ میں ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کے نزدیک اسلام کے خلاف بنائے گئے قوانین کو چیلنج کرنے اور ان کو منسوخ کرانے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ انتخابات میں شرکت کی جائے اور عوامی حمایت حاصل کر کے پارلیمنٹ ہی سے ان قوانین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے۔

Marfat.com

مولانا ثابت شمیم رشادی کے بقول جمہوری ممالک میں پارلیمنٹ سے بنائے گئے اسلام مخالف قوانین کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل ایک مؤثر ذریعہ ہے، مولانا راشد حسین ندوی کا خیال ہے کہ جمہوری ممالک میں اگر الیکشن میں حصہ لینے اور اپنی طرف سے حتی الامکان شریعت سے متصادم قوانین کو منسوخ کرانے کی کوششوں کے باوجود کچھ ناکامیوں کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی حیثیت مکرہ کی سی ہے۔ انہوں نے ''إلا من أکرہ وقلبه مطمئن بالإیمان'' اور ''لا یکلف الله نفسا إلا وسعها'' سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں مسلمان حدیث ''من رأی منکم الخ'' کے مطابق دل میں ایسے اقدامات کو غلط سمجھیں گے۔ لیکن مولانا اسعد قاسم سنبھلی اِکراہ واضطرار کی اس توجیہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرد کی سطح پر تو اضطرار وإکراہ کی بات سمجھ میں آتی ہے مگر کروڑوں کی آبادی دائمی طور پر مضطر ہو جائے اور رخصت کی طالب ہو جائے یہ بات ناقابل فہم ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر یہ صورت عارضی ہو تو بھی قابل فہم ہے لیکن اس ضمن میں مکی زندگی کا حوالہ دینا، اور عالمی صورت حال کو ماضی سے مختلف قرار دے کر دار الاسلام اور دار الحرب کی تفریق کو ختم کرنا اور پھر اس تصور کے نتیجہ میں ''فقہ الاقلیات'' کی تدوین کا موضوع چھیڑنا کسی طرح درست نہیں۔

اس کے برعکس ڈاکٹر محروس المدرس اعظمی (عراق) کا خیال ہے کہ جس زمانہ میں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور روز بروز اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اور ایک سلطنت کے زیر انتظام مختلف علاقے آپس میں مربوط رہتے تھے اس زمانے میں اگر مسلمانوں نے اپنے زیر انتظام تمام علاقوں کو دار الاسلام اور کفار کے زیر کنٹرول علاقوں کو دار الکفر قرار دیا تو اس وقت کی صورت حال کے مطابق یہ بات منطقی اور مناسب معلوم ہوتی ہے مگر اب جبکہ بیشتر ممالک سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو چکا ہے، غیر مسلم ممالک میں بڑے پیمانے پر مسلمان آباد ہو گئے اور وہاں کی شہریت حاصل کر کے ان تمام حقوق ومراعات کے مستحق قرار پائے جو ان

Marfat.com

ممالک کے دوسرے باشندوں کو حاصل تھے تو صورت حال کے یکسر تبدیل ہو جانے سے اب سابقہ تقسیم کی ضرورت وافادیت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اگر دارالاسلام اور دارالحرب کی سابقہ تقسیم کو من وعن تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس کی جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ:

الف۔ غیر مسلم ممالک میں اسلام قبول کرنے والے وہاں سے لازماً اپنے دین کو بچانے کے لئے ہجرت کریں۔

ب۔ جن ممالک میں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا ہے وہاں سے بھی لازماً مسلمان آبادی ہجرت کر جائے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ان ناقابل تلافی نقصانات کی ایک فہرست درج کی ہے جو اس طریقہ کار پر عمل کرنے کی صورت میں پوری امت کو لاحق ہوں گے۔ ان میں سے چند اہم نقصانات یہ ہیں:

۱۔ مسلمان اپنی زیر ملکیت جائدادیں اور تجارتی، سیاسی اور اجتماعی مراکز چھوڑنے پر مجبور ہوں گے۔

۲۔ اپنے علمی مراکز، دینی اداروں، مساجد اور جامعات سے مجبوراً دست بردار ہوں گے۔

۳۔ جہاں وہ پہلے سے آباد رہے ہیں وہاں رہنے کی صورت میں وہاں کے حکمرانوں کے فیصلہ پر وہ اثر انداز ہیں اور نتیجتاً عالم اسلام سے متعلق ان کی پالیسیوں پر بھی۔ اب اگر وہ ان ممالک کو چھوڑ دیں گے تو گویا اپنے اختیارات اور اثر ورسوخ سے خود دست بردار ہوں گے۔

۴۔ جن ممالک کی شہریت مسلمانوں کو حاصل ہے، وہاں کے سماج سے ان کے گہرے روابط ہیں، وہاں ان کو بے شمار قسم کی آزادیاں اور سہولتیں حاصل ہیں جو خود مسلم ممالک میں نہیں ہیں، اسی طرح دعوت وتبلیغ کے میدان، ذرائع ابلاغ، طباعت کی اعلیٰ ترین کوالٹی، عالمی سطح کی

Marfat.com

مشہور لائبریریوں اور مکتبوں سے استفادہ اور کتب کی فراہمی جو بیشتر مسلم ممالک میں دستیاب نہیں ہیں، مسلمان ان سے محروم ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ان وجوہ و مصالح کے پیش نظر میں ان لوگوں کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا جو غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں پر وہاں سے منتقلی کو لازم قرار دیتے ہیں ورنہ اس کی رو سے تو لازم آئے گا کہ نیپال، بھارت، فلپائن، تھائی لینڈ، سری لنکا، میانمار، علاوہ ازیں امریکہ، برطانیہ، جاپان، یوروپی ممالک، لاتینی امریکہ، افریقہ کے بیشتر ممالک، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ سے مسلمان نکل جائیں، کیا ان میں کوئی معقولیت ہے؟ کیا یہ نقطۂ نظر مقاصد شرع سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتے ہیں: نصوص کی تاویل کسی ایک گروہ کو نہیں پوری امت کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر کی جائے گی۔

مفتی ذاکر حسن نعمانی کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کا ایک طریقہ اور ذریعہ انتخابات میں شرکت بھی ہے، جبکہ قاضی محمد ہارون مینگل کے نزدیک انتخابات میں شرکت کی حیثیت دینی نہیں محض دنیوی اور معاشرتی ہے۔

مولانا محمد شمس الدین اور مفتی جمیل احمد نذیری نے پارلیمنٹ میں جا کر خلاف اسلام بنائے گئے قوانین کی منسوخی اور لوگوں کی خدمت کی نیت سے انتخابات میں حصہ لینے کو جائز قرار دیا ہے، ان دونوں حضرات نے فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۴۲۵ کا ایک فتوی اپنی رائے کی تاکید میں نقل کیا ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی کا خیال ہے کہ اگر پارلیمنٹ کے ذریعہ عام طور پر یا بیشتر خلاف اسلام قوانین بنائے جاتے ہوں تو انتخابات میں حصہ لینا ناجائز ہوگا اور اگر کبھی کبھی یہ صورت پیش آتی ہو تو انتخابات میں شرکت جائز ہوگی۔

اصولاً موجودہ جمہوری نظام کو غیر اسلامی قرار دینے والوں نے انتخابات میں شرکت کو ''أھون البلیتین'' کے فقہی قاعدہ کی بنا پر جائز قرار دیا ہے، عمومی جواز کے قائلین میں سے مولانا

Marfat.com

خورشید احمد اعظمی اور مفتی حبیب اللہ قاسمی نے اسی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب (جامعہ اشرفیہ لاہور) نے ہندوستان کے موجودہ آئین کو کفر پر مبنی قرار دیا ہے اور ان کے بقول دیگر جمہوری ممالک میں بھی جو نظام رائج ہے اس میں عوام اللہ تعالی کے مقابلہ میں ہوتے ہیں، کیونکہ حاکمیت اور اقتدار اعلی کے مالک وہی ہوتے ہیں۔ ان وجوہ سے مولانا موصوف کے نزدیک ہندوستان اور دیگر جمہوری ممالک میں الیکشن میں حصہ لینا ناجائز ہے۔ انہوں نے زبدۃ الاصول مع حاشیہ رص ۲ کا حوالہ دیتے ہوئے حاکمیت الہ کے پہلو کو اسلام کے بنیادی، قطعی اور ناقابل ترمیم وتنسیخ حصوں میں شمار کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے۔

مولانا سید امیر حسین گیلانی نے حدیث "من رأى منكم منكراً" سے انتخابات میں شرکت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی نے قوی مومن کے ضعیف مومن سے افضل ہونے والی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس میں سیاسی قوت وضعف کو بھی شامل کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی نے انتخابات میں شرکت کو تترس پر قیاس کیا ہے۔ یعنی جس طرح کفار مسلمانوں سے جنگ کی صورت میں اگر مسلمانوں ہی کو ڈھال بنائیں اور ان ہی کو آگے آگے رکھیں پھر بھی اسلامی ملک کے مصالح کے پیش نظر اسلامی لشکر ان کو مجبوراً نشانہ بنائے گا، اسی طرح الیکشن اور حکومتی نظام کی شرعی قباحتوں کے باوجود ان میں شرکت کی جائے گی۔ مولانا محمد صادق مبارکپوری نے حضرت یوسف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، اسی طرح انہوں نے شامی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔

مولانا نعیم اختر قاسمی اور مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اس ضمن میں حلف برداری کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان حضرات کے نزدیک بھارت کا آئین چونکہ ہر مذہب کے احترام

Marfat.com

اور عقیدہ وآزادی کے اظہار پر مبنی ہے اس لئے اس سے حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الیکشن میں شرکت کی حیثیت اور آداب:

تمام مقالہ نگار حضرات نے امیدوار کے لئے اہلیت و دیانت کی صفات سے متصف ہونے کی شرط لگائی ہے، اسی طرح انہوں نے امیدوار کے لئے چلائی جانے والی مہم میں جھوٹ اور ایک دوسرے پر بے جا الزامات لگانے اور رکیک حملے کرنے سے اجتناب کو لازم قرار دیا ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ووٹ کی تین شرعی حیثیتیں ذکر کی ہیں: شہادت، شفاعت اور وکالت (جواہر الفقہ ۲/۲۹۱) (مقالہ مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی رفیع عثمانی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد اقبال قاسمی وغیرہ) مولانا راشد حسین ندوی نے شہادت کے پہلو پر اور مولانا اسرار الحق سبیلی اور قاضی محمد ہارون مینگل نے وکالت کے پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ قاضی محمد ہارون مینگل نے اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ مجریہ ۱۹۸۲-1981 کے حوالہ سے کونسل کا یہ متفقہ فیصلہ بھی نقل کیا ہے کہ ووٹ درحقیقت توکیل، تفویض، متضمن شہادت اور مستلزم ولایت ہے۔ قاضی موصوف کے نزدیک غیر مسلم ممالک میں شہادت کے مقابلہ میں توکیل کی حیثیت ہی زیادہ صحیح ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ثابت شمیم رشادی اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے امیدوار بننے کی صورت میں پائی جانے والی طلب کو اسلامی شریعت کی رو سے طلب غیر ممنوع قرار دیا ہے۔ اس پہلو پر مولانا ثابت شمیم رشادی ایک دوسرے زاویہ سے نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت جمہوری ممالک میں یہ صورت کہ کوئی خود کو خود سے نامزد کرے نہیں پائی جاتی بلکہ چند افراد کسی کو نامزد کرتے ہیں اور الیکشن کمیشن میں امیدوار کا غذات نامزدگی داخل کر کے دراصل اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

Marfat.com

سوال نمبر ۱ (ب) ووٹ دینے کا شرعی حکم؟

وجوب کے قائلین:

اس ضمن میں اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ووٹ دینے کو واجب قرار دیئے جانے کی ہے، البتہ وجوہات میں اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مسلمانوں کے مذہبی وملی مفادات متعلق ہوں تو ووٹ دینا شرعاً واجب و لازم ہوگا (مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، سید قدرت اللہ باقوی، مولانا عامر ظفر، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا ابوالعاص وحیدی اور سلطان احمد اصلاحی اپنی آراء کی دلیل میں اصول "فانه ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب" کو پیش کرتے ہیں، جبکہ مولانا محمد ارشاد قاسمی کہتے ہیں کہ ووٹ اسی وقت دینا اور اسی امیدوار کو دینا شرعاً واجب ہوسکتا ہے جو اپنے مقابل کے اعتبار سے صالح اور مذہب اسلام کی رعایت کرنے والا ہو۔

مفتی ذاکر حسن نعمانی اور سید امیر حسین گیلانی کا کہنا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر مسلمان کی بالواسطہ یا بلاواسطہ ذمہ داری ہے اور ووٹ بھی اسی کی طرح بالواسطہ ایک ذمہ داری ہے لہذا اس کا استعمال واجب ہوگا۔

مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا عبداللطیف اور مولانا محمد سلمان کھلی کی رائے ہے کہ چونکہ ووٹ کی ایک حیثیت شہادت کی ہے، اور سچی شہادت واجب ولازم ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "کونوا قوامین بالقسط شهداء لله"، اسی طرح شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے،

Marfat.com

جیسا کہ آیت میں ہے: "ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه"، لہذا مسلمانوں پر الیکشن میں حصہ لینا بھی واجب ہوگا۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کہتے ہیں کہ کسی خاص موڑ پر یہ ہوسکتا ہے کہ ووٹ دینا شرعی طور پر اسی طرح واجب ہوجائے جس طرح باطل قوتوں سے جہاد ضروری ہوتا ہے۔

یہی بات مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا عبد الرشید قاسمی بھی کہتے ہیں اور دلیل میں یہ نصوص پیش کرتے ہیں:

"فإن أمن بعضكم بعضا فليؤد الذى اؤتمن أمانته وليتق الله ربه ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه" (سورۂ بقرہ/ ۲۸۳)۔

"من كتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور" (جمع الفوائد/ ۶۲)۔

"ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتي بشهادة قبل أن يسئلها" (ایضا/ ۲۶۱)۔

مولانا تنظیم عالم قاسمی کا خیال ہے کہ اگر ووٹ نہ دینے سے ظالم حکومت کا برسر اقتدار آنا یقینی ہو تو ووٹ دینا واجب ہوگا، اور اسے قومی و مذہبی فریضہ بھی قرار دیا ہے، اور تقریباً یہی بات مولانا عبد الرحیم قاسمی بھی کہتے ہیں (فقہی مقالات ۲/ ۲۹۳)۔

ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے مولانا اسرار الحق سبیلی نے کہا کہ اگر ووٹ کی حیثیت شہادت کی مان لی جائے تو اس کا وجوب ثابت کیا جاسکتا ہے اور دلیل میں درج ذیل آیات ذکر کی ہیں:

۱- "ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا" (سورۂ بقرہ/ ۲۸۲)۔

۲- "ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه" (سورۂ بقرہ/ ۲۸۳)۔

"وأقيموا الشهادة لله" (سورۂ طلاق/ ۲)۔

اور اگر ووٹ کی حیثیت وکالت کی مانی جائے تو بھی اس کا وجوب قرآن کی ان آیات

Marfat.com

واحادیث سے ثابت ہوگا جن میں انصاف قائم کرنے اور ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ کے احکام ہیں:

۱-"یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط"(سورۂ نساء ۱۳۵)۔

۲-"اعدلوا هو أقرب للتقوی"(سورۂ مائدہ/۸)۔

۳-"لا خیر فی کثیر من نجواهم إلا من أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بین الناس......"(سورۂ نساء/۱۱۴)۔

۴-"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان"(سورۂ مائدہ/۲)۔

۵-"وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون"(سورۂ حج/۷۷)۔

۶-"فاتقوا الله وأصلحوا ذات بینکم"(سورۂ انفال/۱)۔

چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱-"من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، فإن لم یستطع فبلسانه......" (مسلم/۴۹)۔

۲-"المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه من کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته"(بخاری ۵/۷۰، مسلم:۲۵۸)۔

۳-"والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه"(مسلم/۲۶۹۹)۔

۴-"من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله"(مسلم/۱۸۹۳)۔

مولانا نعیم اختر قاسمی کہتے ہیں کہ جمہوری ملک میں بلا کسی عذر کے ووٹ نہ دینا ملک کے دستور کی خلاف ورزی ہے اور دستور کی خلاف ورزی قانون کے دائرہ میں آتی ہے، لہذا اس نقطہ نظر سے ووٹ دینا واجب ہونا چاہئے۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی کہتے ہیں کہ حالت اضطرار اور مختلف فوائد کے پیش نظر ووٹ دینے کو واجب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور تقریباً یہی بات مولانا عبید اللہ اسعدی اور مفتی جمیل احمد نذیری بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا ابوبکر قاسمی کے بقول ایسے نمائندہ کو ووٹ دیناواجب قرار دیا جاسکتا ہے جس میں ملی و مذہبی مفادات کے حصول کی اہلیت ہو۔

اور تقریباً یہی بات مولانا شمس الدین بھی کہتے ہیں، لیکن آگے لکھتے ہیں کہ البتہ سیاستاً اس کا وجوب ہوسکتا ہے، اور اسے دو جہتوں سے ضروری قرار دیا ہے: ۱- مردم شماری کے لئے تاکہ تشخص برقرار رہے، اور ۲- شہریت اور حقوق شہریت کے حصول کے لئے، اور یہی خیال مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا بھی ہے، مزید کہتے ہیں کہ شرعی واجب قرار دینے میں زیادۃ فی الدین لازم آئے گا جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی کی رائے ہے کہ تحفظ اسلام وتحفظ مسلمین اور حقوق مسلمین کے حصول کی نیت سے ووٹ دینا اگر ضروری قرار دے دیا جائے تو صحیح ہے۔

جواز کے قائلین:

درج ذیل حضرات اس سلسلہ میں کوئی منصوص اور قوی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے صرف جائز کہتے ہیں:

مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا برہان الدین سنبھلی، سید خورشید حسن رضوی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی۔

مولانا محمد ارشد مدنی صاحب نے قاعدہ "**یجوز فی الضرورة مالایجوز فی غیرھا**" اور "**أخف الضررین**" کو بنیاد بنایا ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب اور مولانا اسعد قاسم صاحب نے مفتی محمد شفیع صاحب کے فتوی جس میں انہوں نے ووٹ کو شہادت قرار دیا ہے، پر تنقید کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ بات مسلم ملک کے لئے تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن دوسرے ملکوں پر بھی یہی بات صادق آئے یہ کوئی ضروری نہیں۔

Marfat.com

عدم وجوب کے قائلین:

جو حضرات ووٹ دینے کو واجب نہیں کہتے ہیں یہ حضرات ہیں: مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، سید خورشید حسن رضوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا عبید اللہ۔

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کا کہنا ہے کہ ووٹ دینا کفر عملی اور فسق عظیم میں اعانت ہے، بدرجہ مجبوری رخصت ہے، واجب کسی حال میں بھی نہیں۔

مسلمانوں کے لئے ووٹ دینے کو واجب قرار دینا شرعی طور سے درست نہیں معلوم ہوتا (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

موجودہ صورت حال ایسی نہیں ہے کہ ووٹ دینا واجب ہو جائے (مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

قاضی محمد ہارون مینگل کہتے ہیں کہ ملی اور مذہبی مفادات کی موہوم امید پر ووٹ دینے کو شرعی واجب کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، اور نہ ہی غیر مسلم ممالک میں ووٹ دینے کو شہادت قرار دیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ا (ج) مسلم مخالف سیاسی جماعتوں کو ووٹ دینا:

اس سوال میں دو شق ہیں: ایک یہ کہ ایسی سیاسی جماعتیں جن کا مقصد ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہو اگر ان میں کا کوئی امیدوار نیک خصلت ہو اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ مناسب ہو تو کیا ایسے امیدوار کو ووٹ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ کیا مسلمان خود ہی ایسی جماعتوں میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اکثر مقالہ نگار حضرات کا رجحان اس سلسلہ میں

Marfat.com

عدم جواز کا ہے، اور ذاتی طور پر نیک خصلت امیدوار کو ووٹ دینا بھی نادرست ہے، اس لئے کہ افراد کی ذاتی رائے پارٹی کے منشور یا فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہوتی، اور ایسے امیدوار کو جتانا جس کا تعلق اسلام اور مسلم دشمن پارٹی سے ہو پارٹی کو مضبوط کرنا ہوگا جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہوگا، اور یہ جرم اور سرکشی پر تعاون دینا ہوگا۔

(مولانا ابوسفیان مفتاحی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، سید قدرت اللہ باقوی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ابو العاص وحیدی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد ارشد مدنی، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی وغیرہ)۔

مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب اسلام اور مسلم مخالف پارٹی کو حزب الشیطان سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں شمولیت کو حرام بلکہ موجب کفر قرار دیتے ہیں۔

دلائل:

"ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ/ ۲)۔

"وإثمهما أكبر من نفعهما" (سورۂ بقرہ/ ۲۱۹)۔

"إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون" (سورۂ ممتحنہ/ ۹) (مقالہ قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

Marfat.com

"من كثر سواد قوم فهو منهم" (مقالہ مولانا عبید اللہ، قاضی محمد ہارون مینگل)۔

"الاعتبار للأكثر لا للأقل" (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

"لا تجد قوما يومنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آبائهم أو ابناء هم أو إخوانهم أو عشيرتهم" (سورۂ مجادلہ/ ۲۲) (مقالہ مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔

"يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء واتقوا الله إن كنتم مؤمنين" (سورۂ مائدہ/ ۵۷) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

"ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالكم من دون الله من أولياء ثم لاتنصرون" (سورۂ ہود/ ۱۱۳) (مقالہ مولانا اسرار الحق سبیلی)۔

"الذين يتخذون الكافرين أولياء من دون المؤمنين أيبتغون عندهم العزة فان العزة لله جميعا" (سورۂ نساء/ ۱۳۹)۔

"وقد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره" (سورۂ نساء/ ۱۴۰)۔

مسلم مخالف پارٹی سے تعاون کی گنجائش:

بعض حضرات کسی نہ کسی صورت میں مسلم دشمن پارٹیوں کے نیک خصلت افراد کو ذاتی طور پر ووٹ دینے کا رجحان رکھتے ہیں، مثلاً:

مولانا نعیم اختر قاسمی کا خیال ہے کہ پارٹی اگر اپنے ایجنڈے سے اسلام و مسلم دشمنی کو خارج کردے تو اس کے نیک خصلت امیدوار کو ذاتی اعتبار سے ووٹ دینا جائز ہوسکتا ہے: "أما من استغنى فأنت له تصدى" (سورۂ عبس/ ۵، ۶)۔

Marfat.com

ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگر تمام امیدوار ایسی پارٹی سے منسلک ہیں یا خود وہ مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں تو ایسی صورت میں سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ جماعتی فکر سے قطع نظر امیدوار کی شخصیت کو دیکھا جائے جس امیدوار سے مسلمانوں کے مفاد کی امید ہو اسی کو ووٹ دیا جائے گا (مولانا عامر ظفر)۔

مولانا راشد حسین ندوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقین ہے کہ وہ اتنی زیادہ ہمدردی اور خیر خواہی رکھتا ہے کہ خواہ اپنی سیٹ گنوانی پڑے لیکن مسلمانوں کے خلاف آنے والے کسی بل کی حمایت نہیں کرے گا تو بشرط اہلیت اسی کو ووٹ دیا جائے مگر اس منفاد پرستی کے دور میں ایسے شخص کا وجود محال اور صرف فرضی ہے۔

اور مفتی جمیل احمد نذیری صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا بارسوخ ہو کہ اپنی جماعت میں پالیسی ساز افراد میں شامل ہو، وعدہ کرے کہ میں اپنی جماعت کی سوچ، فکر اور ذہن کو بدلنے کی کوشش کروں گا تو اسے ووٹ دینے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا یعقوب قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی وغیرہ کی رائے ہے کہ ایسی پارٹی کے نیک خصلت امیدوار سے اگر مسلمانوں کو جلب منفعت اور دفع مضرت کی امید ہو تو ایسے امیدوار کو ووٹ دینا درست ہے بشرطیکہ اس سے بہتر کوئی دوسرا امیدوار نہ ہو:

۱-"دفع المضرة أولى من جلب المنفعة" .

۲-"من ابتلى ببليتين فليختر اهونهما" .

۳-"درء المفاسد أولى من جلب المصالح" .

مسلم مخالف پارٹی میں شمولیت:

بعض حضرات کی رائے ہے کہ سیاسی تدبیر یا کسی خاص مصلحت کے تحت ایسی پارٹی

Marfat.com

میں شمولیت اختیار کی جاسکتی ہے (ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا سلطان احمد اصلاحی، سید خورشید حسن رضوی، سید امیر حسین گیلانی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

دلائل:

۱- "وإن جنحوا للسلم فاجنح لها" (سورۂ انفال/۶۰)۔

۲- سید امیر حسین گیلانی نے نبی اکرم ﷺ کا مدینہ آنے کے بعد غیر مسلموں سے معاہدہ کرنے کو بھی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

۳- مولانا شمس الدین صاحب نے مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (فتاوی محمودیہ ۱۴/۴۲۵) کی رائے یعنی سیاسی جماعت میں شمولیت کے درست ہونے کو اپنی دلیل بنایا ہے۔

لیکن مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی صاحب نے شامل ہونے والے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اس جماعت کے نظریات سے متفق نہ ہو، اور مفتی عبد الرحیم صاحب نے ایسے شخص کے لئے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنے کی شرط لگائی ہے۔

سوال نمبر ۱ (د) ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے:

اس سوال کے دو شق ہیں: ایک تو ملی مفادات کے تحت انتخابات کے موقع پر ان کے ساتھ معاہدے، شرکت اور ان کی حمایت سے متعلق ہے، اور دوسرا یہ کہ شرعی طور پر اس کی حیثیت کیا بنتی ہے، تو تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے ایسا کرنے کو جائز اور درست قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ صلح حدیبیہ، حلف الفضول، مشرکین مکہ سے معاہدہ اور اطراف مدینہ کے یہودی قبائل سے معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، ہمارے لئے مثال ہیں، مگر اس کو عمومی حیثیت نہیں دینا چاہئے۔

Marfat.com

مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا عامر ظفر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک امر مستحسن ہے، اور مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا اسرار الحق سبیلی صاحب کی رائے ہے کہ ایسا کرنا حسب موقع ضروری ہوگا، اور مولانا نعیم اختر قاسمی صاحب کہتے ہیں کہ اگر کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا واجب ہوگا۔

دلائل:

"إنا فتحنا لک فتحا مبینا" (سورۂ فتح/۱) (مقالہ مولانا شمس الدین، مولانا عقیل الرحمن قاسمی)۔

"وإن جنحوا للسلم فاجنح لها" (سورۂ انفال/۶۱) (قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

"تعاونوا علی البر والتقوی" (سورۂ مائدہ/۲) (مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

"کان بینهم وبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم عهد......" (فتح الباری ۶/ ۲۷۷ کتاب الجزیۃ والموادعۃ) (مولانا نیاز احمد مدنی)۔

"وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاهد حین قدم المدینة أصنافا من المشرکین منهم النضیر وبنو قینقاع وقریظة وعاهد قبائل من المشرکین ثم کانت بینه وبین قریش هدنة الحدیبیة إلی أن نقضت قریش ذلک العهد بقتالها خزاعة حلفاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۶۹) (مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

"الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف" (مقالہ مولانا محمد صادق مبارکپوری)۔

اور مولانا راشد حسین ندوی نے معاہدے کے یہ دلائل ذکر کیے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے خلاف قبیلہ خزاعہ سے معاہدہ کیا تھا: "ودخلت خزاعة فی عقد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وعهده الخ" (سیرت ابن ہشام ۲/ ۳۹۰)۔

Marfat.com

اور مدینہ میں یہود سے معاہدہ کیا: "وإن یهود بنی عوف أمة مع المؤمنین للیهود دینهم و للمسلمین دینهم إلا من ظلم وأثم......وان بینهم النصر علی من حارب أهل هذه الصحیفة" (أیضاً ۱/ ۵۰۳)۔

اس صلح نامہ کا ذکر مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی نے البدایہ والنہایہ (۳/ ۲۲۴) کے حوالہ سے کیا ہے۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی نے جنگ کی صورتحال میں آپ ﷺ کا کفار سے مدد لینے کو بنیاد بنایا ہے، اور یہ اصول بھی ذکر کیا ہے: "إذا ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" (کفایت المفتی ۹/ ۳۳۹) اور یہی رائے مفتی حبیب اللہ قاسمی کی بھی ہے۔

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی صاحب نے مختلف فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ معاہدے یا حمایت وتعاون اجتماعی بھی ہو سکتے ہیں اور انفرادی بھی (نیل الأوطار ۷/ ۲۲۳، سبل السلام ۴/ ۴۹، البدائع ۷/ ۱۰۱، مغنی المحتاج ۴/ ۳۸۹،۱۰، البحر الزخار ۵/ ۳۸۹، المیزان للشعرانی ۷/ ۱۸۱، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۶۴۲۱)۔

۱- "واستعار الرسول ﷺ أیضا یوم حنین أدرعاً من صفوان بن أمیه وهو یومئذ مشرک" (سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۴۸۰)۔

۲- "واستعان کذلک فی هذه المعرکة للاشتراک فی الجهاد بجماعة من المشرکین تالفهم من الغنائم" (سبل السلام ۴/ ۵۰، الفقہ الاسلامی ۸/ ۶۴۲۱)۔

معاہدہ کے آداب:

یہ معاہدے ضروری ہے کہ شرعی حدود میں ہوں اور ناجائز مطالبات کی تائید نہ کی جائے، اور اصحاب بصیرت مسلمانوں سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا جائے، یہ رائے مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا عامر ظفر، مولانا مجاہد الاسلام

Marfat.com

قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا ابوبکر قاسمی اور سید شکیل احمد انور صاحبان کی ہے، البتہ مفتی محبوب علی وجیہی صاحب معاہدہ کے تحریری ہونے کی شرط لگاتے ہیں، اور مولانا محمد ارشد مدنی صاحب کا کہنا ہے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں الگ ہوجانا ضرور ہوگا۔

۱-"وأمرهم شورى بينهم" (سورۂ شوریٰ/۳۸)۔

۲-"وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا" (سورۂ اسراء/۳۴)۔

۳-"من لا يهتم بأمر المسلمين فليس منهم ومن لم يصبح ويمسى ناصحاً لله ورسوله ولكتابه ولإمامه ولعامة المسلمين فليس منهم" (الاوسط للطبرانی)۔

مخصوص حالات میں معاہدہ:

دفع مضرت اور جلب منفعت کے اصول کے تحت حالات اور مصالح کے تقاضے کی رعایت کرتے ہوئے معاہدے یا حمایت کا فیصلہ کیا جائے گا، اور جو پارٹیاں متعصب، اسلام دشمن اور مسلم مخالف نہ ہوں صرف ان ہی کے ساتھ معاہدے کئے جائیں گے (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا عبد الرشید قاسمی) لیکن مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کا کہنا ہے کہ معاہدہ نہ کرکے صرف شرکت یا حمایت کی پالیسی اختیار کی جائے، جبکہ مفتی رفیع عثمانی اور مولانا محمد اقبال قاسمی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ حمایت یا معاہدے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ ہوں، اور نہ اس سے اسلامی عقائد پر کوئی زد پڑتی ہو (مولانا ابراہیم گجیا مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۱-"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم الخ" (سورۂ ممتحنہ/۸)۔

Marfat.com

۲-"فیکون هذا من باب ارتکاب أخف الضررین" (الفقہ الحنفی وأدلتہ للشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی ۱/۶۱)۔

۳-"ان اللہ لیؤد هذا الدین بالرجل الفاجر" (الحدیث)۔

۴-مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے کفایت المفتی (۹/۳۹۲، ۴۰۱) اور بیان القرآن (جلد اول، سورۂ آل عمران/۲۸) کے حوالہ سے اس کے جواز کی رائے نقل کی ہے۔

غیر مسلموں سے تعاون لینے کے سلسلے میں مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی صاحب نے مختلف فقہاء کی آراء بھی نقل کی ہیں کہ ابن منذر، جوزجانی اسے مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیتے ہیں، امام احمد اور خرقی اسے جائز کہتے ہیں، امام شافعی اس کے جواز میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ غیر مسلم مسلمانوں کے حق میں اچھی رائے رکھتا ہو، امام مالک اور ان کے اصحاب غیر مسلم سے خدمت لینے کو جائز ومباح کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے بھی تعاون اور خدمت لینے کے جواز کی ہے (المغنی ۱۰/۴۵۶، اعلاء السنن ۱۲/۵۱)۔

معاہدہ کا عدم جواز:

بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ اسلام اور مسلم مخالف پارٹیوں سے معاہدہ کرنا یا ان کی حمایت کرنا درست نہیں ہے (مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ)، مفتی رفیع عثمانی صاحب مزید یہ کہتے ہیں کہ اگر قیادت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو تو اجتناب کرنا واجب ہوگا۔

۱-"ایها الناس! اتقوا الظلم فانه ظلمات یوم القیامة" (مسلم ۲/۳۲۰، المسند ۲/۹۲، ۱۵۵، ۳/۳۲۳، تفسیر ابن کثیر ۶/۱۸۷، مرویات الامام احمد بن حنبل فی التفسیر ۳/۳۲۰)۔

Marfat.com

۲- یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔

۳-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم الخ"(سورۂ آل عمران ر ۱۱۸)۔

۴-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فإنه منهم"(سورۂ مائدہ ر ۵۱)۔

۵-"لا یتخذ المومنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین"(سورۂ آل عمران ر ۲۸)۔

ان آیات کے ضمن میں مفسرین نے لکھا ہے کہ غیر مسلموں سے موالاۃ کرنا اور مسلمانوں کے امور میں ان سے تعاون وحمایت لینا خاص طور سے دینی امور میں درست نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص ۳ر ۱۲۳، تفسیر ابوالسعود ار ۲۲۶ بحوالہ جواہر الفقہ)۔

معاہدہ کی شرعی حیثیت:

سوال کے دوسرے شق کہ شرعی طور پر اس کی حیثیت کیا ہوگی تو اس سلسلہ میں چند ہی مقالہ نگار حضرات نے صراحت کے ساتھ اس کا جواب تحریر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شرعاً اس کی حیثیت عہد اور معاہدہ کی ہوگی (مولانا امیر حسین جیلانی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، قاضی ہارون مینگل)، مولانا ابوسفیان مفتاحی کے نزدیک اس کی حیثیت دفع مضرت کی ہے، اور مولانا جمیل احمد نذیری کا کہنا ہے کہ اس کی حیثیت صرف ایک مشورہ کی ہوگی، لیکن مولانا ثابت شمیم رشادی کے بقول اس کی حیثیت بس جائز کی ہوگی، جیسا کہ ابن عربی کہتے ہیں: "وعقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وإنما جائز باتفاقهم" (تفسیر ماجدی ۲ر ۳۱۰)، اور مولانا خورشید احمد اعظمی کا کہنا ہے کہ اہمیت وضرورت کے مطابق ہی اس کی شرعی حیثیت متعین کی جائے گی، اور مولانا اسعد قاسم صاحب اس ضمن میں کہتے ہیں کہ معاہدہ تو کر سکتے ہیں لیکن اس کو شرعی رنگ دینا یا مقتدی شخصیات کا اس میں شریک ہونا درست نہیں ہے۔

Marfat.com

سوال نمبر ۱ (ھ) امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ کام کرنا:

اس سوال کے ضمن میں تقریباً تمام ہی حضرات نے کہا ہے کہ ان امور کو انجام دینے کے لئے غیر مسلموں کے تعاون اور ان کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ادارے اور تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں، ان حضرات نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں، اور خاص طور پر تعاون علی البر اور حلف الفضول کے واقعہ سے استدلال کیا ہے:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" (سورۂ آل عمران/۱۱۰) (مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

"إنما المؤمنون أخوة فأصلحوا بين أخويكم" (سورۂ حجرات/۱۰) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

"ان الله يأمر بالعدل والاحسان وإيتاء ذي القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي" (سورۂ نحل/۹۰) (مقالہ مولانا محمد اقبال قاسمی)۔

"والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا منه ثم تدعونه فلا يستجاب لكم" (ترمذی ۲/۴۰) (مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

"انصر أخاك ظالما أو مظلوما" (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

"تعاونوا على البر والتقوى" (سورۂ مائدہ/۲) (مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس الدین، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)۔

Marfat.com

مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی برّ (نیکی) میں انسانیت کے نفع کے لئے جتنے کام ہوسکتے ہیں ان سب کو شامل کیا ہے۔

اور مولانا ابوسفیان مفتاحی نے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے: ''إن الله يؤيد هذا الدين بقوم لا خلاق لهم''۔

بعض حضرات نے حلف الفضول کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ سوال میں جن امور کا تذکرہ کیا گیا ہے حلف الفضول کے مقاصد بھی قریب قریب وہی تھے، مولانا راشد حسین ندوی اس کی عبارت یوں نقل کرتے ہیں:

''وشهد رسول الله ﷺ حلف الفضول (إلى) وتعاقدوا وتعاهدوا بالله ليكونن يدا واحدة مع المظلوم على الظالم حتى يؤدى حقه(إلى) لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفا لودعيت به في الاسلام لأجبت، تحالفوا أن يردوا الفضول على أهلها وأن لا يعز الظالم مظلوما'' (سیرت ابن کثیر ۱/ ۲۵۷، ۲۵۹) (مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)۔

مولانا محمد ارشاد قاسمی نے ان امور کو مکارم اخلاق سے متعلق قرار دیا اور کہا کہ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱- ''إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق'' (شعب الایمان للبیہقی ۶/ ۲۳۱)، مستدرک حاکم ۲/ ۶۱۳، مکارم ابن ابی الدنیا/ ۲۰۰)۔

۲- حضرت جابر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے عمدہ اخلاق اور

Marfat.com

کامل درجہ کے عمدہ افعال کے لئے بھیجا ہے (شعب الایمان للبیہقی ۲۳۱/۶)۔

۳-عبد اللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ لوگوں سے کشادہ روئی سے ملنا، بھلائی کا معاملہ کرنا، تکلیف دہ امور سے بچانا۔

انہوں نے مزید کہا کہ یہ تعاون صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام انسانوں حتی کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی بہتر برتاؤ اور تعاون کا حکم ہے:

۴-"قال رسول الله ﷺ: خالق الناس بخلق حسن" (ترمذی ۱۹/۲)۔

۵-"قال رسول الله ﷺ: الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله" (مشکوۃ ۴۲۵، بیہقی فی شعب الایمان)۔

۶-امام بخاری نے باب صلة الوالد المشرک اور باب صلة الاخ المشرک کا عنوان قائم کر کے اس کی طرف اشارہ کیا کہ کافر غیر مسلم کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک اور بھلائی کا برتاؤ کیا جائے گا۔

۷-"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من ديار كم......" (سورۂ ممتحنہ ۹) (مقالہ مولانا برہان الدین سنبھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

اور آپ ﷺ نے بذات خود بھی کافروں کی مدد اور ان کی اعانت فرمائی ہے، مولانا محمد ارشاد قاسمی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱-حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ قریش (کفار مکہ) کو سخت قحط کا سامنا کرنا پڑا تو آپ ﷺ نے سونے کی گٹھلیاں ابوسفیان کو بھیجیں کہ وہ اپنی قوم کے درمیان تقسیم کر دیں، جب سفیان کو یہ پہنچا تو اس نے کہا: محمد ﷺ کے پاس بہترین اخلاق ہی تو ہیں (مکارم ابن ابی الدنیا ۲۵۸)۔

۲-علامہ شامی لکھتے ہیں: "ان النبي ﷺ بعث خمسمائة دينار إلى مكة

Marfat.com

حين قحطوا وأمر بدفعها إلى أبی سفيان وصفوان بن أمية ليفرقا على فقراء أهل مكة"(شامی ۲/ ۳۵۳)۔

۳- امام محمد نے السیر الکبیر میں لکھا ہے: "لا بأس للمسلم أن يعطی كافرا حربيا أو ذميا،" اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: "ولأن صلة الرحم محمودة فی كل دين والاهداء إلى الغير من مكارم الاخلاق" (۲/ ۳۵۳)۔

مولانا سید قدرت اللہ باقوی کا کہنا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون اور اشتراک اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دونوں کا مقصد مشترک ہو، اور دلیل میں آیت: "تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم" پیش کرتے ہیں۔

مولانا محمد ارشد مدنی لکھتے ہیں کہ مدینہ میں مسلمانوں کے قریب ترین پڑوسی یہودی تھے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ کی دفعات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں امن وامان اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے اپنے ملک اور پڑوس میں رہنے والے غیر مسلم برادران وطن سے بہت حد تک تعاون لیا جاسکتا ہے، بلکہ مشترکہ طور پر یہ ذمہ داری اگر انجام دی جائے تو اس کے اثرات اچھے ہوں گے۔

اور مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا ابوبکر قاسمی نے آزادی کی لڑائی میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک کو دلیل بنایا ہے۔

مولانا ابوبکر قاسمی نے یہ دلائل پیش کیے ہیں:

۱- کتب سیر میں منقول ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ کیا اور اس معاہدہ میں یہ عہد نامہ بھی تھا کہ "وإن بينهم النصر على من دهم يثرب" (سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۱۱۹)۔

۲- واقدی نے مغازی میں نقل کیا ہے کہ "خرج رسول الله ﷺ بعشرة من يهود المدينة غزا بهم أهل خيبر" (نصب الرایہ ۳/ ۴۲۲)۔

Marfat.com

۳-"روی الشافعی فی مسنده عن ابن عباس أن النبی ﷺ استعان بناس من الیهود فی حربه"۔

۴-غزوہ بدر سے پہلے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "لن استعین بمشرک"، لیکن پھر غزوہ بدر کے بعد آپ ﷺ کو کفار سے استعانت کی اجازت ورخصت دے دی گئی تھی (ردالمحتار ۳/ ۲۵۷)۔

۵-ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت صفوان نے غزوۂ حنین میں جبکہ وہ کافر تھے شرکت کی اور تعاون کیا تو کفار قریش نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم محمد کے ساتھ مل کر جنگ کرتے ہو حالانکہ تم ان کے دین پر عمل پیرا نہیں ہو، تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ ہاں قبیلہ قریش کا رب ہوازن کے رب سے بہتر ہے۔

۶-علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:"وهل يستعان بالكافر عندنا إذا دعت الحاجة جاز وهو قول الشافعی"۔

۷-علامہ کاسانی نے کفار سے قتال کے لئے کافروں سے مدد لینے کو بوقت ضرورت جائز لکھا ہے (بدائع الصنائع ۷/ ۱۰۱)۔

نیز ائمہ اربعہ نے بھی باتفاق رائے بوقت ضرورت کفار و مشرکین سے مدد لینے کو جائز لکھا ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مفتی عبدالرحیم قاسمی کے بقول باہمی صلح وآشتی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت برقرار رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اور انہوں نے کفایت المفتی (۹/ ۳۹۳، ۴۴۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تمام محکموں میں اور تجارت، صنعت اور زراعت میں اپنے دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ شرکت مباح ہے۔

Marfat.com

کچھ قیود کے ساتھ مل کر کام کرنے کی اجازت:

بعض مقالہ نگار حضرات نے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور ادارے یا تنظیمیں بنانے کی اجازت تو دی ہے لیکن کچھ امور کو ملحوظ رکھے جانے کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً مولانا محی الدین غازی فلاحی دو امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

۱- بہتر یہ ہے کہ اس نوعیت کے کام بھی مسلم تنظیمیں یا افراد مستقل طور سے مسلم شناخت کے ساتھ انجام دیں تاکہ اس کا کریڈٹ براہ راست اسلام اور مسلمانوں کو ملے۔

۲- یا ان تنظیموں اور اداروں پر بالادستی اور کنٹرول باشعور مسلمانوں کا ہو تاکہ ان اداروں کو دوسرے مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکے۔

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی اس حدیث: "أخرج الامام احمد و ابو داؤد والنسائي وابن حبان والحاكم عن انس بن مالك أن النبی ﷺ قال: جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم" (الفقہ الاسلامی ۳/ ۲۰۱۴) کے ضمن میں کہتے ہیں کہ واضح بات ہے کہ استمالت قلبی کے لئے مالی امداد ہوگی، اگر تنظیمیں ہیں تو ان سے تعاون ہوگا اور انسانیت کی بہبود کے لئے آگے بڑھنا ہوگا، مسلمان حکومتوں میں ذمیوں سے مل کر مسلمان ایسے سارے معاملات کرتے رہے ہیں تو کافر حکومت کے تحت اسلامی مصلحتوں کے لئے ایسا کرنا بہتر و اولی ہوگا۔ علامہ زحیلی کے حوالہ سے یہاں تک وہ کہتے ہیں کہ انسانیت کی فلاح کے لئے ہم اپنے صدقات تک غیر مسلموں کو دے سکتے ہیں: "وتحل الصدقة أيضا على فاسق وكافر من يهود و نصراني أو مجوسي ذمي أو حربي" (الفقہ الاسلامی ۲/ ۲۰۵۷) صاحب کتاب نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے اس آیت کو دلیل بنائی ہے: "ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً"، مسکین اور یتیم تو مسلمان معاشرے میں موجود تھے، لیکن اسیر سے مراد تو بقول مصنف اس دور میں صرف غیر مسلم جنگی ہی ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

مختلف رفاہی، انسانی اور معاشرتی مسائل میں غیر مسلموں سے تعاون کے سلسلہ میں علامہ زحیلی کی ایک اور عبارت انہوں نے نقل کی ہے:

"والخلاصة أن الاسلام لا يتوانى لحظة واحدة عن سعيه لإقامة علاقات طيبة مع غير المسلمين لتحقيق التعاون البناء في سبيل الخير والعدل والبر والامن وحماية الحرمات ونحو ذلک" (الفقہ الاسلامی ۸/۶۴۲۱)۔

اس سب کے ساتھ وہ اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ آپ اپنی انفرادیت اور تشخص کو قائم رکھیں، اکثریت میں جذب نہ ہو جائیں۔

جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نہ صرف یہ کہ تعاون کرنا ضروری ہے بلکہ علماء وقائدین کو اس میں پہل کرنی چاہئے اس لئے کہ یہ مسلمانوں اور اسلام کی اچھی شبیہ پیش کرنے کا ذریعہ بنیں گی لیکن شرط یہ ہے کہ طریقہ کار اسلام کے خلاف نہ ہو اور نہ اس سے اسلامی مفادات کو کوئی نقصان پہنچے (مولانا ابو العاص وحیدی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبید اللہ اسعدی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حتی الامکان مسلمانوں کو خود ہی یہ فرائض انجام دینے چاہئیں اور مسلمان خود ہی اس قسم کے اپنے ادارے اور تنظیمیں قائم کریں اور اگر غیر مسلموں کو بھی بوقت ضرورت شریک کرلیں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اختیارات اور فیصلے کا حق مسلمانوں کے پاس ہی رہنے چاہئیں (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عامر ظفر، مفتی محمد سلمان کھلی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا عبید اللہ، مفتی رفیع عثمانی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عامر ظفر، سید امیر حسین جیلانی وغیرہ)۔

Marfat.com

مفتی عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں کہ کفار کے ساتھ ان کے مذہب کی پسندیدگی کے لحاظ سے دوستی اور محبت رکھنا تو حرام ہے لیکن محض یکجائی سکونت اور ہمسائیگی کے طور پر یا تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا، ان کے ساتھ بیع وشراء کرنا، ہدیہ دینا اور ہدیہ قبول کرنا یہ سب جائز اور مباح ہے (کفایت المفتی ۹/ ۲۷۲)، اور امیر حسین جیلانی کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان قلیل ہیں اور سیاسی لحاظ سے کمزور ہیں تو عذر مجبوری ہے:

۱-"ومن يفعل ذلك فليس من الله في شئ إلا أن تتقوا منهم تقاة" (سورۂ آل عمران/ ۲۷)۔

۲-"وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم......" (سورۂ انعام/ ۱۱۹)۔

۳-ہدایہ میں ہے: "إذا رأى الامام أن يصالح أهل الحرب أو فريقا منهم وكان ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به"۔

ان سب رایوں کے برعکس مولانا اسعد قاسم سنبھلی اپنی ایک الگ رائے رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ معروف ومنکر خالص شرعی اصطلاحیں ہیں جن کے امر ونہی کی ذمہ داری قرآن نے ہر جگہ اہل ایمان پر ڈالی ہے، یہ اس وقت ہی ممکن ہے جبکہ مسلمانوں کو اختیارات حاصل ہوں، اور قانون زیادہ نہیں تو ایک حد تک ان کی پشت پر ہو، اور یہ پوزیشن ہمیں اس وقت حاصل نہیں، پھر یہاں عدل وانصاف کا قیام ہماری ذمہ داری بھی نہیں، اس لئے ایسے ادارے قائم کرنا اور ان میں شرکت کرنا درست نہیں، ہمیں یہ کام حسب سابق اپنے ہی طور پر کرنا چاہئے۔

اس سوال کے اندر لفظ "غیر مسلم بھائیوں" کے استعمال پر اعتراض کرتے ہوئے مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے کئی جگہ غیر مسلموں کو دوست بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اور بھائی بنانا تو دور کی بات ہے، اخوت کا رشتہ تو صرف اہل اسلام کے درمیان ہی ہوسکتا ہے، اس سلسلہ کی چند آیات یہ ہیں:

Marfat.com

۱-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون إلیهم بالمودة وقد کفروا بما جاء کم من الحق......"(سورۂ ممتحنہ/۱)۔

۲-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم والکفار أولیاء "(سورۂ مائدہ/۵۷)۔

۳-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم"(سورۂ مائدہ/۵۱)۔

۴-"إنما المؤمنون إخوة"(سورۂ حجرات/۱۰)۔

سوال ۲-(الف): مسلمانوں کا مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا اور اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا:

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنی الگ آبادیاں بنانا یا مسلم اکثریتی علاقوں میں رہنا ہی بہتر ہے، مختلف حضرات نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں، اکثر حضرات نے اِن احادیث وقواعد کو دلیل بنایا ہے:

۱-"أنا بری من کل مسلم یقیم بین أظهر المشرکین، قالوا: یا رسول الله: لم؟ قال: لا تراء ی ناراهما"(ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب/۹۵، نسائی: کتاب القسامہ، باب/۲۷)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اس حدیث کے ضمن میں کہتے ہیں کہ خطابی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے:"وقال بعضهم: معناه ان الله قد فرق بین داری الاسلام والکفر، فلا یجوز لمسلم أن یساکن الکفار فی بلادهم"(معالم السنن مع تہذیب ابن القیم ۳/۴۳۷)

اور علامہ سیوطی نے ''النہایہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے:"قال فی النهایة أی یلزم المسلم

Marfat.com

ویجب علیه أن یتباعد منزله عن منزل المشرک" (شرحه علی النسائی ۸/۳۶) اور ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے: "ومنع رسول الله ﷺ من إقامة المسلم بین المشرکین إذا قدر علی الهجرة من بینهم" (زاد المعاد ۳/۱۲۲)۔

اور تقریباً یہی تفصیل مفتی عبدالرحیم قاسمی نے بھی ذکر کی ہے۔

۲- "من جامع المشرک وسکن معه فانه مثله"۔

اس حدیث کے ضمن میں مولانا عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ جوار اور تہذیب کا اثر پڑتا ہے، لیکن عرف عام میں موافقت دوسرے کی بات کی تائید اور اس کا طرز عمل اختیار کرنے کو کہتے ہیں، اب ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مشرکین کا ہم خیال اور ان کے طرز عمل اور بود و باش کو اختیار کرتا ہے اس کا شمار مشرکین میں ہوگا، اس مومن کا شمار نہیں ہوگا جو دعوت اسلامی اور تعلیمات نبوی کی تبلیغ کے لئے مشرکین کے مابین رہائش اختیار کرتا ہے۔

۳- "لا تساکنوا المشرکین ولا تجامعوهم"۔

۴- "لا تترکوا الذریة یعني بإزاء العدو" (مراسیل ابی داؤد ص ۱۵)۔

۵- "دفع المضرة أولی من جلب المنفعة"۔

۶- "درء المفاسد أولی من جلب المصالح"۔

۷- "إذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً" (الاشباہ والنظائر ۱۴۷)۔

مولانا محمد ارشاد قاسمی نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کی روایت سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مشرکین کے ساتھ بود و باش اختیار کرے اس کا ذمہ خدا سے بری ہے۔ اسی طرح وہ اس حدیث کو بھی بطور استدلال پیش کرتے ہیں: "عن عمر قال قال رسول الله ﷺ: لا تجالسوا أهل القدر ولا تفاتحوهم" (مشکوۃ ۲۲) کہ جب

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرقہ قدریہ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور میل ملاپ سے منع فرمایا تو کفار ومشرکین کے ساتھ بدرجہ اولی ممنوع ہوں گے۔

بعض حضرات نے یہ وجوہات بیان کی ہیں کہ مخلوط آبادی میں رہائش سے امید ونفع کم اور مضرت وخطرات زیادہ ہیں اور مزید یہ کہ غیر مسلموں کی تہذیبی اثرات سے نئی نسل کا متاثر ہو جانا بھی یقینی ہے اور اس کا اثر عقائد وعادات اور رسم ورواج پر بھی پڑے گا لہذا غیر مسلم اکثریتی آبادی سے اجتناب واحتیاط ضروری ہے اور اپنی الگ مستقل آبادیاں بسانا یا مسلم اکثریتی علاقوں میں سکونت اختیار کرنا بہتر ہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا نیاز احمد مدنی، سید قدرت اللہ باقوی، مفتی محمد سلمان کھلی، مولانا عامر ظفر، مولانا محمد عبید اللہ، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابو العاص وحیدی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

مفتی جمیل احمد نذیری نے امداد المفتیین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس میں بھی ایسا کرنے کو برا کہا گیا ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند مع امداد المفتیین ۱/۵۰)۔

مولانا قمر الزماں ندوی نے بھی مولانا عتیق احمد بستوی کے حوالہ سے اسی طرح کی رائے نقل کی ہے (بحث ونظر: شمارہ/۵۲، رص ۳۸)۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے اس تجویز کی عبارت کو بھی بطور حوالہ پیش کیا ہے جو "غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے مسائل" کے موضوع پر کل ہند مجلس تعمیر ملت کے تحت حیدر آباد میں ۱۶/۱۸/جون ۲۰۰۰ء کو ہونے والے سمینار میں متفقہ طور پر پاس کی گئی تھی۔

اور مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا محمد ارشاد قاسمی نے شامی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسلمان اگر اپنی علاحدہ آبادیاں بسائیں تو غیر مسلموں کے لئے بھی

Marfat.com

دروازہ کھلا رکھیں لیکن اسی حد تک کہ ان کا غلبہ نہ ہو جائے تا کہ وہ دین کے محاسن اور خوبیوں سے واقف ہوسکیں اور ہوسکتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ ایمان لے آئیں۔

اور مولانا محمد صادق مبارکپوری نے اسی مفہوم کی عبارت عالمگیری (۲/ ۲۵۲) کے حوالہ سے نقل کی ہے اور یہی رائے مولانا سلطان احمد اصلاحی کی بھی ہے۔

حالات کے تحت رہائش اختیار کرنا:

لیکن بعض دوسرے مقالہ نگار حضرات نے غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی حالات اور آئے دن ہونے والے فسادات سے ہونے والے جانی ومالی نقصانات کو بھی وجہ قرار دیا ہے، لہذا ان کا کہنا ہے کہ مسلمان اپنی الگ کالونیاں بنائیں اور بستیاں بسائیں یا کثیر مسلم آبادی والے علاقوں میں رہیں تا کہ غیر مسلموں کے غلط اثرات سے بھی محفوظ رہ سکیں اور فسادات کے موقع پر اجتماعی قوت کے ذریعہ اپنا دفاع بھی کرسکیں (مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ابراہم گجیا فلاحی، مولانا شمس الدین، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی کہتے ہیں کہ مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا یا اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا یہ دونوں باتیں اس شہر کے مخصوص حالات اور ماحول پر منحصر ہیں، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان اپنی علاحدہ کالونیاں بنا کر رہیں اور تقریباً یہی رائے سید خورشید حسن رضوی کی بھی ہے۔

جبکہ مولانا ثابت شمیم رشادی کا کہنا ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں جہاں غیر مسلم اقوام کی اکثریت ہے اور حکومت کے مختلف محکموں میں اعلی عہدوں پر فائز بعض افراد

Marfat.com

فسادات کے موقع پر بجلی یا پانی کی سپلائی بند کر کے مزید تکلیف سے دوچار کرتے ہیں، مخلوط آبادی میں اس تکلیف سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر حالات مناسب ہوں اور ذکر کردہ مسائل پیش نہ آتے ہوں تو علاحدہ آبادی مناسب ہوگی ورنہ مخلوط آبادی ہی بہتر ہے۔

اور مولانا سلطان احمد اصلاحی کے بقول یہ اسی صورت میں جبکہ مخلوط آبادی میں مسلمانوں کا گھر اکا دکا ہو اور ناموافق حالات میں جان و مال کا یقینی خطرہ ہو تو اس طرح کی صورتحال میں بادل ناخواستہ ہی مسلمان کا وہاں سے ہٹ جانا مناسب اور بہتر ہے جبکہ بعض حالات میں ایسا کرنا واجب ہوگا۔

دعوت اِلی الحق کی خاطر مخلوط آبادی میں رہائش اختیار کرنا:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اوپر مذکورہ مقاصد کی خاطر مسلمانوں کے لئے اپنی علاحدہ بستیاں بسانا تو بہتر ہے لیکن اگر مقصد مخلوط آبادی میں رہ کر دین کی نشر و اشاعت اور اسلامی اخلاق و آداب سے متاثر کرنا اور دعوت الی الحق ہو تو غیر مسلموں پر مشتمل مخلوط آبادی میں ہی سکونت اختیار کرنا بہتر ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اپنے دین و ایمان کی پختگی، عقائد و اعمال کی سلامتی اور اسلامی شعائر کی بجا آوری میں کوئی پریشانی نہ ہو تو ایسی صورت میں مخلوط آبادی میں سکونت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سید امیر حسین جیلانی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا برہان الدین سنبھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد صادق، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی وغیرہ)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی کے بقول اگر علاحدہ رہنا ممکن نہ ہو اور سرکاری و قانونی کوئی رکاوٹ ہو تو مخلوط آبادی میں اس نیت سے رہائش بہتر ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق

Marfat.com

وکردار کے ذریعہ متاثر کرسکیں، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عطاء اللہ قاسمی کے نزدیک خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے مخلوط آبادی میں قیام پذیر رہنا مسلمانوں کے لئے جہاد عظیم ہے، اسی کو ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی خاموش جہاد کا نام دیتے ہیں۔

مولانا عبدالرشید قاسمی مزید لکھتے ہیں کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ بھی اسی کے قائل اور داعی رہے (کاروان زندگی ۷/۲۶۰)۔

مولانا ابوبکر قاسمی نے مولانا تقی عثمانی کے حوالہ سے غیر مسلموں کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کی پانچ صورتیں لکھی ہیں، جن میں سے تین صورتوں میں رہائش اختیار کرنا جائز اور دو صورتوں میں ناجائز ہے، جواز کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی میں جان و مال کو تحفظ حاصل نہ ہو، اور ہر وقت بلا کسی جرم کے گرفتار ہو جانے، یا قتل کر دیئے جانے کا شدید خطرہ ہو، اور غیر مسلموں کی مخلوط آبادی میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ بچنے کی کوئی صورت نہ ہو، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی آبادی میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں، اس کے برعکس غیر مسلموں کی آبادی میں رہنے سے جائز ملازمت مل جائے، گویا کسی مسلمان کو حلال روزی کے حصول کی خاطر غیر مسلموں کی آبادی میں رہنا پڑ جائے، اور تیسرے یہ کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے اور ان کو مسلمان بنانے کی نیت سے یا جو مسلمان پہلے سے غیر مسلموں کے ساتھ مقیم ہیں ان کو دین اسلام پر جمے رہنے کی تلقین کرنے کی غرض سے رہائش اختیار کی جائے۔

لیکن یہ تینوں صورتیں اس وقت جائز ہیں جبکہ ان میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک یہ کہ احکام اسلام پر پورے طور سے کاربند رہے، اور دوسرے یہ کہ مروجہ منکرات وفواحش سے بالکل محفوظ رہے۔

عدم جواز کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ بقدر کفاف معاشی وسائل ہونے کے باوجود

Marfat.com

خوشحالی وخوش عیشی کی نیت سے غیر مسلموں کے ساتھ رہائش اختیار کی جائے، اور دوسرے یہ کہ سماج وسوسائٹی میں معزز بننے یا دوسرے مسلمانوں پر اپنی بڑائی کے اظہار یا اپنی عملی زندگی میں غیر مسلموں کا طرز اختیار کر کے ان جیسا بننے کی نیت سے رہائش اختیار کی جائے، تو شرعاً یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی کے بقول مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان با اختیار ہیں اور جہاں چاہیں رہائش اختیار کرلیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اس وقت مخلوط آبادی میں بھی اور علاحدہ آبادی میں بھی رہ رہے ہیں، اوراب فرقہ وارانہ منافرت کی وجہ سے بعض مسلمان علاحدہ آبادی کا رجحان قبول کر رہے ہیں جبکہ بعض دوسرے مسلمان معاشی ضرورتوں اور دوسری سہولیات کی خاطر مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہور ہے ہیں، اور دونوں کے حق میں دلائل بھی ہیں:

مخلوط آبادی میں رہائش اختیار کرنے کے دلائل:

۱- مسلمان غیر مسلموں کو اخلاق وکردار سے متاثر کرسکیں گے۔
۲- دعوتی روابط بآسانی قائم کیے جاسکیں گے۔
۳- قومی کشمکش کا احساس کم ہوگا، ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع زیادہ ملیں گے۔

اور علاحدہ آبادیاں بسانے کے دلائل:

۱- غیر مسلم معاشرہ کے تہذیبی اثرات سے مسلمان محفوظ رہ سکیں گے۔
۲- تحفظ کا احساس قوی ہوگا۔
۳- اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی جانب پیش رفت آسان ہوگی۔

مزید لکھتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہی تھی کہ مسلمان کے لئے دار الکفر چھوڑ دینا ہی مستحب ہے، خواہ اسے وہاں دینی آزادی میسر ہو (المبسوط ۱۰/ ۷۴، المجموع ۱۹/ ۲۶۲) اور فقہاء نے بھی ایک قاعدہ مرتب کیا: "نية الاستمرار في دار الكفر لا تحل بلا مبرر شرعي"، اور یہ حدیث: "أنا بريئ ......" بھی اسی سیاق میں نقل کی جاتی ہے، لیکن زیر نظر مسئلہ

Marfat.com

اس سے بالکل الگ ہے، یہاں تو ان مسلمانوں کا مسئلہ ہے جو دار الکفر کے شہری ہیں اور ہجرت کے دروازے ان پر بند ہیں، لہذا میرا خیال یہ ہے کہ علاحدہ آبادی کی جانب حکمت کے ساتھ بتدریج پیش رفت ہو اور با مقصد طور سے ہو، دوسری جانب ہر دو آبادی کے مسلمان اپنا دینی اور دعوتی کردار ادا کرتے رہیں، ملک کے مسلمانوں کے حق میں دونوں صورتیں رحمت ثابت ہو سکتی ہیں اگر وہ اپنا نصب العین پیش نظر رکھیں۔

چنانچہ مفتی ذاکر حسن نعمانی نے کفری سماج میں مجبوراً و مقہوراً پھنس جانے والے مسلمان پر دو باتیں لازم قرار دی ہیں: ایک اسلامی اقدار کا انفرادی اور اجتماعی تحفظ، اور دوسرے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دینا، اگر کوئی مسلمان مجبوراً معیشت، علاج یا تعلیم کی وجہ سے کفری سماج میں رہ رہا ہے تو وہ بھی اسلامی اقدار کی حفاظت کرے گا اور حتی الوسع دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو جاری رکھے گا۔

سوال ۲-(ب): غیر مسلموں کی تعزیت، جلوس جنازہ میں شرکت اور ان کے لئے قرآن خوانی کا حکم:

اس سوال میں تین شقیں ہیں: ایک تو یہ کہ کسی مسلمان کا کسی غیر مسلم کے جنازہ میں شریک ہونا، دوسرے یہ کہ آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا، اور تیسرا یہ کہ غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، ان سوالوں کے مختلف مقالہ نگار حضرات نے مختلف جوابات دیئے ہیں، تقریباً اکثر حضرات اس پر متفق ہیں کہ غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں، اسی طرح اس کے گھر تعزیت اور پرسہ دینے کے لئے بھی جا سکتے ہیں، لیکن جب میت کو آگ لگائی جارہی ہو تو اس میں شریک نہ ہوں اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کی چتا میں آگ لگائیں۔

Marfat.com

(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد مدنی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی وغیرہ)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا شمس الدین، مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ اگر اس کی آخری رسومات کو پورا کرنے والے اس کے ہم مذہب موجود ہوں گے تو مسلمان اس میں کوئی تعاون نہیں کریں گے الا یہ کہ وہ غیر مسلم اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو (شامی ۳/۱۳۴، نصب الرایہ ۲/۲۸۱، اعلاء السنن ۸/۲۸۲، التلخیص الحبیر ۱/۱۵۷) اور جلوس جنازہ میں اس سے آگے یا کنارے دوری بنائے ہوئے شرکت کی جاسکتی ہے جس میں مسلمانوں کی انفرادیت اور اسلامی امتیاز کا تحفظ ہو (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۶)۔

جبکہ ڈاکٹر یوسف قاسم کا کہنا ہے کہ غیر مسلم کے جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا جائز ہے، اور حدیث سے ثابت ہے: "إذا رأيتم الجنازة فقوموا فمن تبعها فلا يجلس حتى توضع" (متفق علیہ) اس حدیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ غیر مسلم کے جنازہ کے پیچھے چلنا بھی جائز ہے۔

اور قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ذاکر حسین شاہ سیالوی اور مولانا سید قدرت اللہ باقوی کے بقول اگر اس سے کوئی ناجائز اور شرکیہ فعل یا بات نہ کرائی جائے تو شرکت کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ابو طالب کی تدفین کے متعلق حضرت علیؓ سے فرمایا: جاؤ اپنے باپ کو دفن کرو، حضرت علیؓ نے عرض کیا: وہ مشرک اور ہدایت سے محروم تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور اپنے باپ کو دفن کرو (نصب الرایہ ۲/۲۸۱)، مولانا محمد ارشد مدنی اس روایت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ جب ایک مسلمان غیر مسلم میت کو دفنا سکتا ہے تو پھر وہ وہاں رہ کیوں نہیں سکتا، لیکن مولانا ابوالعاص وحیدی کی رائے یہ ہے کہ آخری رسومات کے وقت میت کے پاس نہیں رہ سکتے،

Marfat.com

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ کسی یہودی یا نصرانی کا انتقال ہو جائے تو اس کی مسلمان اولاد سواری پر جنازہ کے آگے چلے اور دفن کے وقت واپس ہو جائے، انہوں نے یہ بات حضرت عمر کے ایک فتوی کے پیش نظر کہی ہے (المغنی ۳/۴۶۶)۔

لیکن اس ضمن میں مولانا تنظیم عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ جلوس جنازہ میں شرکت کے جواز کے لئے جو لوگ حضرت علی والے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں وہ درست نہیں، چونکہ ابو طالب نے آپ ﷺ کی پرورش کی تھی، آپ ﷺ کے لئے ساری مصیبتوں کو برداشت کیا تھا، خاندان اور پھر لامتناہی احسان کی وجہ سے آپ ﷺ کا اخلاقی فریضہ تھا کہ کفن دفن کا انتظام کریں، اس لئے حضرت علی کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی، محل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود شرکت نہیں کی بلکہ اس فریضہ کو نبھانے کے لئے دوسرے کے حوالہ کر دیا، گویا آپ ﷺ نے عدم شرکت کے ذریعہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت علی کے حوالہ کر کے اپنے اخلاقی فریضہ کی تکمیل کی۔

جبکہ مولانا سلطان احمد اصلاحی نے حضرت علیؓ کے واقعہ کو "البدایہ والنہایہ لابن کثیر" (۲/۱۲۳) کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ الفاظ: "**اذهب فواره**" کے ظاہر کا تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ اپنے مشرک چچا کی تدفین کے لئے نہیں گئے، البتہ آگے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں ہے: "**أن النبي ﷺ عاد من جنازة أبي طالب**" جس سے یہ لگتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے جنازہ کے ساتھ گئے، لیکن آگے یہ بھی صراحت ہے: "**ولم يقم على قبره**" دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ بعد میں گئے اور دور سے ہی واپس آ گئے۔

پھر آگے انہوں نے نصرانی کی عیادت اور اس کے جنازہ کی مشایعت کی بابت علامہ ابن تیمیہ کی یہ عبارت نقل کی ہے: "**لا يتبع جنازته، أما عيادته فلا بأس بها، فانه قد**

Marfat.com

يكون في ذلك مصلحة لتأليفه على الاسلام، فإذا مات كافرا فقد وجبت له النار ولهذا لا يصلى عليه" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/۲۶۵)۔

جواز کے دلائل:

غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شرکت اور اس کی آخری رسومات کے وقت موجود رہنے کے جواز کے قائلین کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابوطالب کے جنازہ میں شرکت کی تھی، کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، فرمایا: رشتہ نے آپ کو مجھ سے جوڑ دیا ہے، ان کی قبر پر آپ کھڑے نہیں ہوئے (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۸)۔

۲- امام شعبی کہتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیعہ کی والدہ نصرانی تھیں، ان کا انتقال ہوا تو (بعض) صحابہ نے ان کے جنازہ کی مشایعت کی (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۶)۔

۳- عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں: "إن كانت قرابة قريبة بين مسلم و كافر فليتبع جنازته" (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۶)۔

۴- ابو وائل کہتے ہیں کہ میری ماں کا انتقال ہوا، وہ نصرانیہ تھیں، میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: جب اس کا جنازہ روانہ ہو تو تم سواری پر آگے آگے چلو۔

۵- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے، وہ نصرانیہ تھیں، کیا اس کی تدفین میں شریک ہو سکتا ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ جنازہ کے آگے چلو، اس لئے کہ تم (دینی لحاظ سے) اس کے ساتھ نہیں ہو (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۷)۔

۶- قتادہ کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کے جنازہ کے پیچھے چلے گا اور کنارے رہے گا، اس سے قریب نہیں ہو گا (مصنف عبدالرزاق ۶/۳۷) (مقالہ مولانا محمد ارشد مدنی)۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس ضمن میں ایک روایت دار قطنی کے حوالہ سے

Marfat.com

نقل کی ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنی نصرانی ماں کی موت کی خبر سنائی اور عرض کیا کہ میں اس کے جنازہ میں شریک ہونا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ارکب دابتک وسر أمامها فانک إذا کنت أمامها لم تکن معها"، آگے لکھتے ہیں کہ امام احمد کا نقطہ نظر اسی حدیث کے مطابق ہے کہ غیر مسلم رشتہ دار کی موت میں شرکت جائز نہیں، لیکن علامہ زیلعی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (نصب الرایہ ۲/۲۸۱)۔

۸-حضرت ابن عباس کا قول ہے: "وما علیہ لو اتبعها" (مصنف عبدالرزاق ۶/۴۰)۔

۹-اس مسئلہ کی تفصیل "من فقه الاقلیات المسلمة لخالد محمد عبدالقادر" (ص/۱۱۸، ۱۱۹) میں موجود ہے، جس میں ہے کہ غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں، حنفیہ اور شافعیہ کی رائے یہی ہے لیکن مالکیہ اور حنابلہ کی رائے اس کے برخلاف ہے (المغنی ۲/۳۱۵، البیان والتحصیل ۲/۲۴۸، الفتاوی الہندیہ ۱/۱۶۳، المجموع ۵/۱۵۳)۔

۱۰-"ولا بأس بعیادۃ الیهود والنصرانی لانه نوع بر فی حقهم وما نهینا عن ذلک، وصح أن النبي ﷺ عاد یهودیا مرض بجوارہ" (ہدایہ ۴/۴۷۴، ردالمحتار ۵/۲۴۰) (مقالہ قاضی محمد ہارون مینگل، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا شمس الدین، مولانا محمد یعقوب قاسمی)۔

۱۱-مسلمان غیر مسلم کی تعزیت کرے گا اور یہ الفاظ کہے گا: "اعظم الله اجرک وصبرک" یا "اخلفه الله علیک خیرا منه واصلحک" (درمختار ۵/۳۴۱، ردالمحتار ۱/۶۶۵) (مقالہ مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا شمس الدین، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا عبید اللہ، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل)۔

غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں عدم شرکت کے قائلین:

درج ذیل مقالہ نگار حضرات کے نزدیک کسی صورت میں بھی جلوس جنازہ میں شرکت

Marfat.com

کرنا صحیح نہیں ہے، صرف غیر مسلم پڑوسی کی تعزیت کر لینے اور پرسہ دینے کے قائل ہیں:

مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا عبید اللہ، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا امیر حسین جیلانی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد صادق، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابراہیم گجیا، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی محمد سلمان کھلی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، سید خورشید حسن رضوی۔

یہ حضرات درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

۱-"ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره" (سورۂ توبہ/۸۴)

(مقالہ مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا امیر حسین جیلانی، مولانا اسعد قاسم، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مولانا اختر امام عادل)۔

مولانا راشد حسین ندوی کا عیادت وتعزیت سے متعلق کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اپنے چچا ابو طالب اور ایک یہودی لڑکے کی عیادت کرنا ثابت ہے (زاد المعاد ۱/۹۴، بخاری: کتاب الجنائز) فقہی کتابوں میں بھی اس کو جائز قرار دیا گیا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۵/۳۴۸)، اسی طرح کافر کی تعزیت کرنا بھی جائز ہے (ہندیہ ۵/۳۴۸، شامی ۵/۲۴۷)، اور جلوس جنازہ اور آخری رسومات میں شرکت کے تعلق سے کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں شرکیہ افعال انجام دیئے جاتے ہیں، لہذا عام حالات میں ان امور میں شرکت مکروہ ہے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

Marfat.com

مولانا محمد ارشاد قاسمی اس حدیث: کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کے جنازہ میں شرکت کی تھی، کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اس سے ہنود کے جنازہ میں شرکت کے جواز کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کی چند وجوہ بیان کی ہیں:

۱- یہ کہ اہل کتاب کے ساتھ ابتداء میں موافقت کا حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو کر "خالفوهم" کا حکم ہو گیا۔

۲- اہل کتاب اور بت پرستوں کے معاملوں میں فرق ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے، بخلاف بت پرستوں کے۔

۳- اہل کتاب کے جنازہ میں سادگی کے ساتھ دفن کرنا ہوتا تھا، بخلاف ہنود کے کہ ان کے یہاں کافرانہ رسوم کے ساتھ جنازہ کو چتا میں ڈال کر جلانا ہوتا ہے، لہذا مسلمانوں کا ہندوؤں کے جنازہ میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

مخصوص حالات میں شرکت کی اجازت:

مولانا سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ جنازہ اور تدفین میں شریک نہیں ہوسکتا، البتہ مخصوص حالات میں "الضرورات تبيح المحظورات" کے تحت محدود دائرے میں اس کی اجازت دی جائے تو علاحدہ بات ہے۔ مولانا شمس الدین، مولانا محمد عبید اللہ، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی بھی ضرورت اور مصلحت کے تحت ہی شرکت کی اجازت دیتے ہیں۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری لکھتے ہیں:

کسی مصلحت یا ضرورت سے غیر مسلموں سے ملنا جلنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور انسانیت کے ناطے ان کا تعاون کرنا خاص کر جبکہ پڑوسی ہوں شرعاً جائز ہے، نیت اچھی اور

Marfat.com

اصلاح کی ہونی چاہئے، مداہنت کی صورت نہ ہو، البتہ ان کے مذہبی معاملات اور مذہبی رسومات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، لہذا کوئی کافر بیمار ہوگیا یا اس کے یہاں کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کی عیادت، اور تعزیت کرنا تو جائز ہے مگر میت اور جنازہ لے کر چلنا اور ان کے دیگر مذہبی رسومات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۸۰، احسن الفتاوی ۴/ ۲۳۳، منتخبات نظام الفتاوی ۲/ ۵۷۳) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

اور تقریباً یہی باتیں مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی وغیرہ نے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۴۵، جامع الفتاوی ۱/ ۵۰۴، امداد المفتین / ۱۰۱۸، کفایت المفتی ۴/ ۱۹۱، نصاب الاحتساب / ۱۱۰) کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔

غیر مسلم میت کے لئے ایصال ثواب کرنا:

اس سوال کے تیسرے شق یعنی غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا، کے سلسلہ میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ایسا کرنا حرام وناجائز ہے، دلائل درج ذیل ہیں:

۱-"ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره إنهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (مقالہ مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی)۔

۲-"استغفرلهم أو لا تستغفرلهم إن تستغفرلهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم" (سورۂ توبہ/ ۸۰) (مقالہ مولانا شمس الدین، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی)۔

Marfat.com

بخاری میں ہے:"عن ابن عمر قال لما توفی عبد الله بن أبی جاء ابنه عبد الله إلی رسول الله ﷺ فسأله أن یعطیه قمیصه یکفن فیه أباه فأعطاه ثم سأله أن یصلی علیه فقام رسول الله ﷺ لیصلی فقام عمر فأخذ بثوب رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله تصلی علیه وقد نهاک ربک أن تصلی علیه فقال رسول الله ﷺ إنما خیرنی الله فقال استغفرلهم أولا تستغفرلهم إن تستغفرلهم سبعین مرة فلن یغفرالله لهم وسأزیده علی السبعین قال انه منافق قال فصلی علیه رسول الله ﷺ قال فأنزل الله: ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره"(بخاری شریف ۲/ ۶۷۳)(مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)،مولانا اختر امام عادل نے اس واقعہ کوتھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے نقل کیا ہے(متفق علیہ،مشکوۃ/ ۱۴۴)۔

۳-علامہ نووی لکھتے ہیں:"الصلاة علی الکافر والدعاء له بالمغفرة حرام بنص القرآن والاجماع "(المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۴۴)(مقالہ مولانا ابوالعاص وحیدی)۔

۴-"ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لهم أنهم أصحاب الجحیم"(سورۂ توبہ/ ۱۱۳)(مقالہ مولانا سید قدرت اللہ باقوی، قاضی محمد ہارون مینگل،مولانا اسرار الحق سبیلی،مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ثابت شمیم رشادی،مولانا عبیداللہ،مولانا محمد صادق،مولانا محمد یعقوب قاسمی،مولانا عبدالرشید قاسمی،سید امیر حسین جیلانی،مولانا محمد اقبال قاسمی،مولانا ابوبکر قاسمی،مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

روح المعانی میں ہے:"والآیة علی الصحیح نزلت فی أبی طالب فقد أخرج أحمد وابن أبی شیبة والبخاری و مسلم والنسائی وابن جریر وابن المنذر والبیهقی فی الدلائل وآخرون عن المسیب لما حضرت أبا طالب الوفاة"(روح المعانی ۷/ ۴۷)۔

Marfat.com

"فقد أخرج مسلم وأحمد وأبوداؤد و ابن ماجه والنسائی عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال: أتی رسول الله ﷺ قبر أمه فبکی وأبکی من حوله فقال عليه الصلاة والسلام استاذنت ربی أن أستغفر لها فلم يأذن لی" (روح المعانی ۷/۴۹) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)، مولانا محمد صادق مبارکپوری نے اس کا ذکر بحوالہ لباب النقول بر حاشیہ جلالین ر ۱۸۰ کیا ہے، اور مولانا ابوبکر قاسمی نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا ذکر بحوالہ حاشیہ جلالین ر ۱۶۷ کیا ہے، اور مفتی حبیب اللہ قاسمی نے اس کو قسطلانی علی ہامش بخاری ۲ / ۶۷۵ اور الکرمانی علی ہامش جلالین ۱ / ۱۶۷ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

بخاری میں ہے: "عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل عليه النبي ﷺ وعنده ابو جهل و عبد الله بن أبی أمية فقال النبي ﷺ: ای عم قل لا إله إلا الله أحاج لک بها عند الله فقال أبوجهل و عبدالله بن أبی أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب فقال النبی ﷺ: لأستغفرن لک مالم أنه عنک فنزلت: ماكان للنبی الخ" (بخاری ۲/ ۶۷۵) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۵- "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه" (سورۂ توبہ ر ۱۱۴) (مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

مولانا محمد ابوبکر قاسمی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر باپ کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی، تو اس کا جواب خود قرآن کی سورۂ توبہ ر ۱۱۴ میں موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ان پر اپنے والد کا کفر پر مرنا اور دشمن خدا ہونا ظاہر نہ تھا، اس وقت انہوں نے اپنے والد سے استغفار کا وعدہ کر لیا تھا اور مرنے کے

Marfat.com

بعد اس وعدہ کو پورا کیا تھا، لیکن جب ان پر اپنے والد کا جہنمی ہونا منکشف ہوگیا تو انہوں نے استغفار کرنا چھوڑ دیا...... اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کافر کے لئے تو دعاء مغفرت جائز نہیں البتہ زندہ کافر کے لئے اسلام قبول کرنے کی توقع کی صورت میں دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے۔

۷-مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا ابوبکر قاسمی نے اس ضمن میں حیدرآباد میں بتاریخ ۱۶، ۱۸ جون ۲۰۰۰ء بعنوان "غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے مسائل" کے تحت ہونے والے سمینار کی اس تجویز کا بھی ذکر کیا ہے: "قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان ہی نہ رکھتے ہوں ان کی میت پر قرآن مجید کی تلاوت اور ایصال ثواب کی نہ شریعت اسلامی اجازت دیتی ہے اور نہ عقلی اعتبار سے یہ بات قابل قبول ہے" (ماہنامہ جامعۃ الرشاد ص ۳۶، شمارہ ۵، ۳، جلد ۴۰، نومبر ۲۰۰۰ء)۔

بعض حضرات نے فتاوی ہندیہ (۵/ ۳۸۴)، درمختار بحوالہ فتاوی محمودیہ (۹/ ۱۶۱)، کفایت المفتی (۹/ ۴۴۱) اور معارف القرآن (۶/ ۵۳) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی کافر کے لئے ایصال ثواب یا دعائے مغفرت جائز ہی نہیں ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد شمس الدین، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل)۔

غیر مسلم میت کے لئے قرآن خوانی کرنا ایک لغو عمل ہے اس کا ثواب ان کو پہنچ ہی نہیں سکتا، اور پھر یہ ایک طرح سے قرآن کی توہین کرنا ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا محی الدین غازی، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی وغیرہ)۔

سوال ۲- (ج): غیر مسلموں کی مذہبی وغیر مذہبی تقریبات کے تحفے قبول کرنا اور کھانا:

اس امر پر تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ بتوں پر چڑھائے ہوئے کھانے اور

Marfat.com

مٹھائیوں کا کھانا جسے پرشاد کہا جاتا ہے، جائز و درست نہیں ہے، اس لئے کہ بتوں پر چڑھانا تقرب إلی غیر اللہ ہے اور ایسا کرنا "ما أهل به لغير الله" میں داخل ہے (مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس الدین، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا محمد ارشد مدنی) بعض لوگوں کے نزدیک "وما ذبح على النصب" میں داخل ہے (مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی) البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پرشاد کو قبول کرلے لیکن اسے کھائے نہیں بلکہ اسے کسی غیر مسلم کو دے دے یا ضائع کردے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی)۔

دلائل درج ذیل ہیں:

۱- "انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله" (سورۂ بقرہ/ ۱۷۳) (مقالہ مولانا عبید اللہ، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۲- "قل لا أجد فيما أوحي إليّ محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فانه رجس أو فسقا أهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فان ربک غفور رحيم" (سورۂ انعام/ ۱۴۶) (مقالہ مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۳- "ما ذبح على النصب" میں جس طرح چڑھاوے کا جانور حرام ہے اسی طرح چڑھاوے کی چیزیں بھی حرام ہیں، چونکہ تعظیم نصب کی علت میں یہ بھی شریک و داخل ہے، جیسا کہ الجامع لاحکام القرآن (۵/ ۶۰) میں قرطبی لکھتے ہیں:

Marfat.com

"وما ذبح على النصب.....والنية فيها تعظيم النصب لا ان الذبح عليها غير جائز" (مقالہ مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

۴-"حرمت عليكم الميتة (إلى قوله) وما ذبح على النصب" (سورۂ مائدہ/ ۳) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۵-"قال أخبرني انه سمع عبد الله يحدث عن رسول الله ﷺ انه لقي زيد بن عمرو بن نفيل بأسفل بلدح وذاک قبل أن ينزل على رسول الله ﷺ الوحي فقدم إليه رسول الله ﷺ سفرة فيها لحم فأبى أن يأكل منها ثم قال إني لا آكل مما تذبحون على أنصابكم ولا نأكل إلا مما ذكر اسم الله عليه" (بخاری ۲/ ۸۲۷، باب ماذبح علی النصب والاصنام) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

بعض حضرات نے مختلف فتاوی کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پوجا اور بتوں یا دیوی دیوتاؤں پر چڑھائے ہوئے کھانے اور مٹھائیاں کھانا ناجائز اور حرام ہے (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۳۲، فتاوی محمودیہ ۳۸۱/۱۴، ۴۸۲/۱۷، مجموعۃ الفتاوی ۲/ ۱۰۶، امداد الفتاوی ۴/ ۹۷، معارف القرآن ۱/ ۴۲۴) (دیکھئے: مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

مولانا محمد ارشاد قاسمی صاحب نے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی یہ رائے نقل کی ہے کہ بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم کے ہدایا وتحائف کو قبول ہی نہ کیا جائے (احکام القرآن ۳/ ۳۵)۔

تقریبات کے تحائف قبول کرنے کا جواز:

اور اس امر پر بھی تمام حضرات کا اتفاق ہے کہ غیر مذہبی تقریبات کے کھانے اور تحفے قبول کرنا اور کھانا درست ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہوں اور ان میں کوئی حرام شی نہ ملی ہوئی ہو، اور یہ کہ وہ بتوں پر چڑھائے نہ ہوں (دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، قاضی محمد ہارون

Marfat.com

مینگل، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، سید امیر حسین جیلانی، مولانا اختر امام عادل وغیرہ)، اور بقول مولانا محمد عبید اللہ یہ ہدایا وتحائف مداہنت فی الدین کا ذریعہ نہ بنیں، اور مولانا نیاز احمد مدنی کا کہنا ہے کہ اگر یہ منذور لغیر اللہ ہوں تو ان کا لینا جائز نہیں۔

بعض حضرات مذہبی اور غیر مذہبی تقریبات میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہبی تقریبات کی مٹھائیاں اور کھانوں کے استعمال سے اجتناب ہی اولی اور احوط ہے، اور غیر مذہبی تقریبات کے تحفے اور مٹھائیاں قبول کرنا اور کھانا دونوں جائز ہے، ان حضرات نے عام طور پر ان روایات کو دلیل بنایا ہے جن میں غیر مسلموں کی طرف سے ہدیہ دینے اور ہدیہ قبول کرنے کا ذکر ہے:

۱-"إن کسری أهدی له فقبل ومن الملوک أهدوا له فقبلُ منهم" (ترمذی ۱/۱۹۱) (مقالہ مولانا ظفر الاسلام قاسمی، مولانا عامر ظفر، مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۲-"عن اسحاق بن عبد الله بن الحارث ان رسول الله ﷺ اشتری حلة ببضعة وعشرین قلوصا فأهداها إلی ذی یزن" (ابوداؤد) (مقالہ مولانا ظفر الاسلام قاسمی)۔

امام بخاری نے غیر مسلم کے تحائف کے سلسلہ میں یہ باب باندھا ہے: "باب قبول الهدیة من المشرکین"، اور اس ضمن میں کئی روایتیں ذکر کی ہیں:

۳-"قال أبو حمید أهدی ملک أیله للنبي ﷺ بغلة بیضاء فکساه بردا" (بخاری ص ۳۵۶) (مقالہ مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا نیاز احمد مدنی)۔

۴-"ان کیدر دومة أهدی إلی النبی ﷺ ......" (بخاری ص ۳۵۶) (مقالہ مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا عامر ظفر)۔

۵-"قال أبوهریرة عن النبی ﷺ: هاجر إبراهیم علیه السلام بسارة

Marfat.com

فدخل قرية فيها ملك أو جبار فقال: اعطوها أجر" (فتح الباری ۵/۲۳۰) (مقالہ مولانا نیاز احمد مدنی)۔

۶-"عن قبيصة بن وهلب عن أبيه قال: سألت النبي ﷺ عن طعام النصارى وفي رواية سأله رجل فقال إن من الطعام أتحرج منه فقال: لا يتخلجن في صدرك شئ" (مشکوۃ/ ۳۵۸، کتاب الصید والذبائح) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۷-عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پنیر کا ایک ٹکڑا پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے چھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر قطع کیا اور تناول فرمایا (ابوداؤد)، نیل الاوطار میں ہے کہ پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ شام وغیرہ سے آتی تھی (نیل الاوطار/ ۲۶) (مقالہ مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۸-حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ملک ذی یزن نے رسول کریم ﷺ کو ایک حلہ (جوڑا) کی سوغات بھیجی جو اس نے تیس اونٹ کے بدلے خریدا تھا، آپ ﷺ نے یہ جوڑا قبول فرمایا (ابوداؤد مع العون ۴/ ۹۷) (مقالہ مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۹-"عن يحيى بن يحيى التميمي شيخ مسلم قال اخبرنا جرير عن قابوس قال أرسل أبي امرأة إلى عائشة رضى الله تعالى عنهما وأمرها أن تقرأ عليها السلام منه، قالت امرأة عند ذلك من الناس: يا أم المومنين إن لنا أظآرا من العجم لا يزال يكون لهم عيد فيهدون لنا منه، أفنأكل منه شيئا، قالت: أما ماذبح لذلك اليوم فلا تأكلون ولكن كلوا من أشجارهم" (مصنف ابن ابی شیبہ) (مقالہ مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا اختر امام عادل)۔

۱۰-حضرت علی بن ابی طالبؓ سے منقول ہے کہ کسی غیر مسلم نے ان کی خدمت میں نیروز کا ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اسے قبول کرلیا۔

Marfat.com

۱۱- حضرت ابو برزہ اسلمی سے منقول ہے کہ مجوسیوں سے ان کے بعض روابط تھے، ان کے پڑوس میں وہ لوگ آباد تھے، نیروز اور مہرجان کے موقع پر وہ لوگ تحفے وغیرہ بھیجا کرتے تھے تو وہ اپنے گھر والوں سے فرماتے کہ پھل وغیرہ تو کھالو اور باقی چیزیں واپس کردو (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ر ۱۲۰) (مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

فتاوی عبد الحئی (ص ر ۴۰۳، ۴۸۶)، فتاوی رشیدیہ (ص ر ۵۷۵)، احسن الفتاوی (۸ ر ۱۶۲) اور کفایت المفتی (۹ ر ۳۲۸) میں غیر مسلموں کی تقریبات کی مٹھائیاں اور کھانے قبول کرنا اور کھانا درست ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی وغیرہ)۔

بعض تحفے آپ ﷺ نے واپس تو نہیں کئے لیکن خود بھی استعمال نہیں کیا بلکہ اسے لوگوں میں تقسیم کرادیا، مثلاً:

۱- حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ شاہ روم نے رسول کریم ﷺ کو سونٹھ کا گھڑا ہدیہ میں بھیجا، اسے آپ ﷺ نے صحابہ کے درمیان تقسیم فرمادیا (عمدۃ القاری ۱۱ ر ۴۷) (مقالہ مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۲- ہرقل نے حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ دینار بطور ہدیہ بھیجے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا، جبکہ حضور ﷺ تبوک میں قیام فرماتھے، حضور ﷺ نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور اس کے بھیجے ہوئے دینار لوگوں میں تقسیم کرادیئے (مسند احمد بن حنبل ۳ ر ۴۴۱، ۴ ر ۷۴، تاریخ دمشق لابن عساکر ر ۴۲۰، کتاب الاموال لابی عبید: فصل ر ۶۲۴، ۶۲۵، الوثائق السیاسیہ ر ۱۱۴) (مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

اور بعض تحفے آپ ﷺ نے رد فرمادیئے تھے، مثلاً: ابو براء عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الالسنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک گھوڑا بطور ہدیہ بھیجا، آپ ﷺ نے اس کا

Marfat.com

گھوڑا یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ: "انی نهیت عن زبد المشرکین" (روض الانف ۲/ ۳۲۱، کتاب الاموال لابی عبید/ ۶۳۰، الوثائق السیاسیہ/ ۳۱۴) (مقالہ مولانا اختر امام عادل، مولانا عامر ظفر وغیرہ)۔

اسی واقعہ کو مولانا ظفر الاسلام صاحب نے فتح الباری ۵/ ۱۴۴ کے حوالہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك ورجال من أهل العلم أن عامر بن مالك الذی يدعی ملاعب الالسنة قدم علی رسول الله ﷺ وهو مشرک فأهدی له فقال: انی لا أقبل هدية مشرک"۔

اور مولانا محمد ارشاد قاسمی نے بھی اس روایت کو احکام القرآن للمفتی شفیع (۳/ ۳۵) کے حوالہ سے تین مختلف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

بعض حضرات نے جو غیر مسلموں کے مذہبی تیوہاروں کے موقع کے ہدایا کو جائز لیکن نہ قبول کرنے کو اولی اور اس سے اجتناب کو بہتر قرار دیا ہے ان کے پیش نظر مولانا عبد الحی فرنگی محلی کی وہ عبارت ہے جو الذخیرہ کے حوالہ سے انہوں نے نقل کی ہے، لکھتے ہیں: واقعی ان اشیاء کا کھانا جو ہنود اپنے تہوار کے موقع پر برضا و رغبت پیش کرتے ہیں جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ تہوار کے دنوں میں ہدایا قبول نہ کریں تاکہ موافقت کا شبہ نہ رہے، ذخیرہ میں ہے: "**لا ينبغی لمؤمن أن يقبل هدية كافر فی يوم عيدهم ولو قبل لا يعطيهم ولا يرسل إليهم**" (فتاوی مولانا عبد الحی/ ۴۰۳) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا اختر امام عادل وغیرہ)۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس کی تفصیلی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ بظاہر اس عبارت سے تہوار کے موقع پر غیر مسلموں کے تحائف قبول کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، لیکن ذخیرہ کا محمل متعین کرنے کے بعد اس قسم کے تحفے قبول کرنے کی گنجائش نکلتی ہے۔

Marfat.com

مولانا عامر ظفر صاحب لکھتے ہیں کہ مذکورہ واقعات وروایات میں جو تضاد محسوس ہوتا ہے اسے کئی پہلوؤں سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱- ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ جن احادیث سے غیر مسلموں سے تحفہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے انہیں وہ حدیث منسوخ کرتی ہے جن سے ان کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اس کے برعکس یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو احادیث جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں وہ ناسخ ہیں اور جن سے عدم جواز کا اظہار ہوتا ہے وہ منسوخ ہیں۔ یہ دونوں باتیں مجرد دعوؤں کی حیثیت رکھتی ہیں کسی حکم کو ناسخ ماننے کے لئے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ منسوخ حکم کے بعد دیا گیا ہے اور یہاں پر اس کا ثبوت نہیں ہے۔

۲- بعض حضرات نے کہا کہ غیر مسلموں کا ہدیہ قبول کرنے کی اجازت فقط رسول اللہ ﷺ کو تھی کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں، یہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس تخصیص کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، جب تک کسی معاملہ میں تخصیص ثابت نہ ہو آپ کا اسوہ سب کے لئے ہے۔

۳- امام خطابی کہتے ہیں کہ حدیث میں مشرکین کے ہدایا قبول کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کا ہدیہ قبول فرمایا ہے، ان دونوں میں تضاد نہیں ہے، اس لئے کہ نجاشی نصرانی تھا، شریعت نے بعض احکام میں اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان فرق کیا ہے اور یہ ان ہی میں سے ہے (خطابی: معالم السنن ۳/۴۱)۔

۴- لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر اسلام اور مسلمانوں کا مفاد رہا ہے، آپ ﷺ نے جن لوگوں کے بارے میں دیکھا کہ ان کے ہدایا قبول کرنے سے ان کی تالیف قلب ہوگی اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں گے ان کے ہدیے قبول فرمائے، لیکن جہاں اس طرح کی مصلحت نہیں تھی وہاں آپ نے ہدیے رد بھی کر دیئے۔

Marfat.com

سوال ۲-(د) مساجد و مدارس کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون لینا اور ان کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے چندہ دینا:

اس سوال کے دو شق ہیں: ایک تو مساجد و مدارس اور مذہبی جلسوں کے لئے غیر مسلموں کا تعاون قبول کرنا ہے، اور دوسرے غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کا تعاون کرنا ہے، اس پر تمام مقالہ نگار حضرات علماء کا اتفاق ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مذہبی تقریبات میں تعاون کرنا اور چندہ دینا درست نہیں ہے، اور ایسا کرنا تعاون علی الاثم والمعصیت ہے، صرف چند حضرات اس میں اس کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر فساد و ضرر کا اندیشہ ہو اور جان و مال، عزت و آبرو اور ملازمت چلے جانے کا خطرہ ہو تو بکراہت خاطر اور اضطراراً تعاون کرنا درست ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ مالک بنانے کی نیت سے اسے چندہ دے دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ تم اسے جہاں چاہو خرچ کرو (دیکھئے: مقالہ مولانا ولی اللہ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ظفر الاسلام قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا شمس الدین، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی محمد سلمان کھلی وغیرہ)، اس رائے کے حاملین نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱-"**ولا تعاونوا على الاثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ/۲) (مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا قمر الزماں ندوی وغیرہ)۔

۲-"**عن جرير قال كان بيت في الجاهلية يقال له ذو الخلصة والكعبة اليمانية والكعبة الشامية فقال لي النبي ﷺ ألا تريحني من ذي الخلصة فنفرت في مائة وخمسين راكبا فكسرناه وقتلنا من وجدنا عنده فأتيت النبي ﷺ فأخبرته فدعا لنا ولأحمس**" (بخاری ۲/۶۲۴) (مقالہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

Marfat.com

مولانا محمد ارشد مدنی نے اس سلسلہ میں درج ذیل دلائل ذکر کیے ہیں:

۳-حضرت عمرؓ کی ایک عمومی روایت ہے: "اجتنبوا أعداء الله في عيدهم" (اللہ کے دشمنوں کی عید سے بچو)۔

۴-محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نیروز کے موقع پر اپنی زبان سے یہ لفظ بھی کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے (اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۱۷۸)۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذکورہ بالا روایت واثر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں تعاون کرنا درست نہیں ہے، اور مولانا نے مندرجہ ذیل روایت کو بھی اس کے لئے مستدل بنایا ہے۔

۵-ابو واقد لیثیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگ حنین کے موقع پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ مقام حنین کی طرف جا رہے تھے، اور ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا، راستے میں ایک جگہ بیری کا ایک درخت آیا جس کو "ذات انواط" کہا جاتا تھا، مشرکین اس کی عبادت کرتے تھے، اور اپنے ہتھیار بھی برکت کے لئے اس پر لٹکایا کرتے تھے، ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ جیسے ان مشرکین کے لئے ذات انواط ہے آپ ﷺ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے، رسول کریم ﷺ نے کہا: اللہ اکبر، یہ تو گزشتہ قوموں کے راستے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم بالکل وہی بات کہہ رہے ہو جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی کہ: "اجعل لنا إلها كما لهم آلهة قال انكم قوم تجهلون" (سورۂ اعراف/ ۱۳۸) اللہ کی قسم، تم لوگ گزشتہ قوموں کے نقش قدم پر چلو گے (ترمذی)۔

۶-مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی اور مولانا قمر الزماں ندوی فتاوی رحیمیہ (۴/ ۱۳)، فتاوی محمودیہ (۱۲/ ۱۷، ۳، ۱۷/ ۵۰۱)، جامع الفتاوی (۱/ ۵۱۱) اور فقہی مقالات (۱/ ۲۶۳) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے

Marfat.com

لئے غیر مسلم کی عبادتگاہوں کی تعمیر میں چندہ دینا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ مولانا عتیق احمد قاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا کہنا ہے کہ تعاون نہ کرنے کی صورت میں اگر انتہائی خطرہ پیدا ہوجائے تو بکراہت خاطر چندہ دے دینے کی گنجائش ہے (جدید فقہی مسائل رص ۴۴۳، مجلہ بحث ونظر رص ۴۰)۔

مساجد و مدارس کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون قبول کرنا جائز ہے:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ مساجد و مدارس کی تعمیر میں مذہبی جلسوں کے لئے غیر مسلموں کی طرف سے تعاون یا چندہ قبول کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پُن یعنی ثواب سمجھ کر تعاون کر رہے ہوں، ان کا تعاون کرنا مساجد و مدارس کے مصالح کے خلاف نہ ہو، اس کے ساتھ ساتھ ان کی طرف سے تعاون کر کے احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو، اور نہ وہ اس کے امیدوار و طالب ہوں کہ اس کے بدلہ میں مسلمان بھی ان کی عبادتگاہوں کی تعمیر میں تعاون کریں گے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-"عن أبي وائل قال جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة لقد جلس هذا المجلس فقال عمر قد هممت أن لا أدع فيها صفراء ولا بيضاء إلا قسمته قلت أن صاحبيک لم يفعلا قال: هما المرآن اقتدى بهما" (بخاری: کتاب الحج: باب کسوۃ الکعبۃ ار ۲۱۷)۔

کافروں کا مال مسجد حرام میں مدفون رہا اس کو نکال کر تقسیم نہیں کیا گیا، اگر کافر کا مال مسجد میں لگانا درست نہ ہوتا تو اس مال مدفون کو نکال کر پھینک دیا جاتا۔

۲-"قوله وأن يكون قربة في ذاته قال الشامي فتعين أن هذا شرط في وقف المسلم فقط بخلاف الذمي لما في البحر وغيره ان شرط وقف الذمي أن

Marfat.com

يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء وعلى مسجد القدس" (شامی ۳/ ۳۶۰)(مقالہ مولانا اختر امام عادل، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد عبید اللہ، مفتی حبیب اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل وغیرہ)۔

۳-"ومنها إذا أوصى بما يكون قربة في حقنا وفي حقهم (إلى)وهذا جائز" (ہدایہ ۴/ ۶۸۹) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

مولانا محمد صادق مبارکپوری نے غیر مسلموں کا تعاون قبول کرنے کے جواز کی چند وجوہات بیان کی ہیں:

۱-فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا مال مسجد میں لگانا جائز ہے (مقالہ مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۲-کتنی ہندو ریاستیں ہیں جہاں ہندو راجاؤں نے مسلم رعایا کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی آرہی ہے (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۸۹) (نیز مقالہ مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

اسی طرح درمختار مع رد المحتار (۳/ ۲۸۰)، البحر الرائق (۵/ ۱۸۹) اور فتاوی عالمگیری (۲/ ۳۵۲ کتاب الوقف) وغیرہ میں بھی مساجد کی تعمیر میں تعاون کے لئے مسلمان ہونے کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے، بلکہ اسے غیر مسلم کی طرف سے بھی قبول کیا جا سکتا ہے (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا محمد شمس الدین)۔

نیز اسی طرح امداد الفتاوی (۳/ ۶۴۴)، فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۳۵۶)، فتاوی رشیدیہ ص ۵۳۸)، فتاوی رحیمیہ (۹/ ۱۹۸) وغیرہ میں بھی مسجد کے لئے غیر مسلموں کی طرف سے دیئے گئے تعاون کو قبول کرنے کو درست کہا گیا ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا عامر ظفر، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد اقبال قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

Marfat.com

مولانا شمس الدین صاحب اس سلسلہ میں پانچ صورتیں بیان کرتے ہیں:

اول- یہ کہ ہندو کوئی مال کسی مسلمان کو ہبہ کردے اور مسلمان اس مال کا مالک ہوکر اپنی جانب سے مسجد میں لگادے، مثلاً پختہ اینٹیں مسلمان کو دیں اور انہیں مالک بنادیا اور مسلمانوں نے یہ اینٹیں مسجد میں لگادیں۔

دوم- یہ کہ ہندو نے کچھ روپیہ مسلمانوں کو دیا اور انہیں مالک بنادیا اور مسلمان اسے مسجد کی تعمیر میں خرچ کردیں۔

سوم- یہ کہ ہندو نے کچھ سامان مثلاً اینٹ وغیرہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر دیا کہ تم انہیں اپنی مسجد میں لگاؤ، یعنی اس نے مسلمانوں کو مالک نہیں بنایا بلکہ اس سامان کو مسجد میں لگانے کا وکیل بنایا۔

چہارم- یہ کہ اس نے اس طرح روپیہ مسلمانوں کو دیا کہ یہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کرو۔

پنجم- یہ کہ کسی شکستہ مسجد کی کسی ہندو نے خود مرمت کرائی اور اپنا سامان یا روپیہ اس کی مرمت میں یا تعمیر میں خرچ کیا اور منتظم تعمیر بھی خود رہا۔

مولانا موصوف ان صورتوں کی تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صورت میں تو کسی کا اختلاف نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جب ہندو نے سامان یا روپیہ کا مالک مسلمان کو بنادیا تو اب وہ ہندو کا مال ہی نہ رہا، بلکہ تبدل ملک سے حکماً تبدل عین ہوکر وہ مسلمان کا مال ہوگیا، اور اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔

تیسری اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ وہ بھی جائز ہے، کیونکہ کافر کا مال جبکہ وہ اپنی خوشی سے مسجد میں لگانے کے لئے دیں محض اس وجہ سے کہ وہ کافروں کا مال ہے لینے اور مسجدوں میں لگانے سے کوئی وجہ شرعی مانع نہیں ہے۔

Marfat.com

اور پانچویں صورت کا حکم یہ ہے کہ کفار کو یہ موقع دینا کہ وہ مسجد کی تعمیر کریں ناجائز ہے، لیکن وجہ عدم جواز یہ نہیں کہ وہ کفار کا مال ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ معابد خاصۂ اہل اسلام پر کفار کا تصرف وتسلط ممنوع ہے، کیونکہ کافر بحیثیت کافر ہونے کے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تسلط رکھنے کا مستحق نہیں جیسا کہ آیت ''ما کان للمشرکین......'' سے اس تقدیر پر کہ تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو، ثابت ہوتا ہے، پس آیت میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو (اور تقریباً یہی تفصیلات مولانا ابوبکر قاسمی نے کفایت المفتی ۷/۷۷ تا ۸۰ کے حوالہ سے نقل کی ہیں)۔

عدم جواز کے قائلین:

بعض مقالہ نگار حضرات نے آیت: ''ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر'' (سورۂ توبہ/۱۷) کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت سے مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں سے تعاون لینے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے، اور صاحب تفسیر خازن کے نزدیک دینی کاموں میں خاص طور پر مسجد کی تعمیر یا مرمت میں غیر مسلموں کا تعاون درست نہیں، چنانچہ انہوں نے مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے: ''واختلفوا فی المراد بالعمارة علی قولین أحدهما أن المراد بالعمارة العمارة المعروفة من بناء المساجد وتشییدها ومرمتها عند خرابها فیمنع للکافر حتی لو أوصی بناء مسجد لم تقبل وصیته'' (تفسیر ماجدی ۱/۳۹۷) (مقالہ مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

مولانا محمد ارشد مدنی صاحب نے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کیے ہیں:

۱- امام ابن الجوزیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مسجدوں کو آباد کرنے کا دو

Marfat.com

مفہوم ہے، ایک مسجدوں میں داخل ہونا اور اس میں جلوس اختیار کرنا، اور دوسرا مفہوم ہے اس کی تعمیر ومرمت کرنا، اور یہ دونوں چیزیں کافروں کے اوپر حرام ہیں، اور قرآن کریم کی اس آیت "ما کان للمشرکین" سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مومنوں پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں سے کفار ومشرکین کو روک دیں (زادالمسیر ۳/۴۰۸)۔

۲- علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ مساجد کو آباد کرنے کا دو مفہوم ہے، ایک مساجد کی زیارت کرنا اور اس میں ٹھہرنا، اور دوسرا مفہوم ہے اس کی تعمیر کرنا، اور نقصان پہنچے تو اس کی مرمت کرنا، اور آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں میں داخل ہونا، اس کی تعمیر ومرمت کرنا، اور اس کی دیکھ بھال کرنا وغیرہ کافروں کے لئے مناسب نہیں ہے (فتح القدیر للشوکانی ۲/۴۲۷، احکام القرآن ۳/۸۷) (نیز مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

مولانا موصوف مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ حنابلہ کے نزدیک مساجد کی تعمیر اور مرمت وغیرہ میں غیر مسلموں کی اعانتوں کو قبول کیا جاسکتا ہے جیسا کہ الآداب الشرعیہ ۳/۴۱۶ میں ہے: "وتجوز عمارة كل مسجد وكسوته وإشعاله بمال كافر وأن يبنيه بيده" لیکن حنابلہ کا یہ قول درست نہیں ہے۔

جبکہ مولانا ثابت شمیم رشادی کا کہنا ہے کہ فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر غیر مسلم حضرات مساجد یا مسلمانوں کے دیگر مذہبی ودینی اداروں میں تعاون پیش کریں تو چند شرائط کے ساتھ قبول کرنا جائز ہے:

۱- وہ شخص اپنے عقیدہ کے مطابق اسے قربت سمجھتا ہو۔

۲- اس کے قبول کرنے میں غیر مسلمین کی تولیت کا خوف نہ ہو۔

۳- مسلمان اپنے دینی معاملات میں مداہنت سے کام نہ لیں گے۔

۴- وہ غیر مسلم اس تعاون کے ذریعہ مسلمانوں پر احسان نہ رکھے۔

Marfat.com

۵-اس کے بدل میں اپنی عبادتگاہوں اور مذہبی تیوہاروں میں تعاون کا خواستگار نہ ہو۔

(مولانا محمد اقبال قاسمی اور مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے بھی اس کا ذکر احسن الفتاوی (۴۳۹/۶) اور معارف القرآن (۳۳۰/۴) کے حوالہ سے کیا ہے)۔

اور مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی رشید احمد صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں: آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایہ حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں، اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہذا ''للمشرکین'' میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق وصلاحیت کا ہے، (والتفصیل فی بیان القرآن)، اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق وشان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء سے بھی معارض ہے، اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا، ''فانہ لکل فن رجال'' (احسن الفتاوی ۴۳۹/۶، ۴۴۰) (نیز مقالہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

بہر حال مساجد و مدارس کے لئے غیر مسلموں کا تعاون لینے سے حتی الوسع اجتناب واحتراز ہی اولی واحوط ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب وغیرہ)۔

اس لئے کہ غیر مسلموں سے تعاون لینا اسلامی غیرت وحمیت کے خلاف ہے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔

لہذا مساجد کے علاوہ میں غیر مسلموں کا تعاون لیا جاسکتا ہے لیکن مساجد کے لئے نہیں (مولانا محمد ارشد مدنی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی وغیرہ)۔

اگر ان کا تعاون لے بھی لیا جائے تو اسے مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ وغیرہ میں

Marfat.com

استعمال کیا جا سکتا ہے مسجد کی تعمیر میں نہیں (سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی) لیکن مفتی محبوب علی وجیہی کہتے ہیں کہ اس کا استعمال بیت الخلاء وغیرہ میں بھی صحیح نہیں اس لئے کہ وہ بھی متعلقات مسجد ہے، اور اگر وہ ہم کو تملیکاً دیں تو ہم اسے اپنی طرف سے لگا سکتے ہیں۔

لیکن مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا سلطان احمد اصلاحی کا کہنا ہے کہ اس طرح کا باہمی تعاون کچھ شرائط کے ساتھ درست ہے، جبکہ مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ابو العاص وحیدی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا نیاز احمد مدنی وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے نہ تعاون لینا درست ہے اور نہ دینا درست ہے۔

سوال ۲-(ہ) غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت اور ان کو تہواروں کی مبارکباد دینا:

الف- اس سوال کی دونوں شقوں پر علماء حضرات کی آراء مختلف ہیں، بیشتر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات جن میں شرکیہ افعال انجام دیئے جاتے ہیں ان میں مسلمانوں کا شریک ہونا ناجائز اور حرام ہے، ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱-"**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (مولانا شمس الدین، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۲-"**وقد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم**" (سورۂ نساء/ ۱۴۰) (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری)۔

۳-"**ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار**" (سورۂ ہود/ ۱۱۳) (مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴-"**فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين**" (مولانا محمد عبید اللہ، مفتی ذاکر حسن نعمانی)۔

Marfat.com

۵-"من كثر سواد قوم فهو منهم" (مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد عبید اللہ، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا محمد سلمان کھلی، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۶-"من تشبه بقوم فهو منهم" (ابوداؤد ۲/۵۷۳) (مولانا یعقوب قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا نیاز احمد مدنی)۔

۷-"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

۸-حضرت عمرو بن مرۃ "لا يشهدون الزور" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "لا يمالئون أهل الشرك على شركهم ولا يخالطونهم" (الاقتضاء/۸۱) (مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

۹-حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "إياكم وان تدخلوا على المشركين يوم عيدهم في كنائسهم" (الاقتضاء/۸۶) اور بیہقی نے بھی اس کی روایت کی ہے (اعلاء السنن ۱۲/ ۷۰۲) (مولانا اختر امام عادل) (مولانا محی الدین غازی فلاحی نے اس اثر کو بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے)۔

۱۰-حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں: "من بنى ببلاد الاعاجم وصنع نيروزهم ومهرجانهم وتشبه بهم حتى يموت وهو كذلك حشر معهم يوم القيامة" (الاقتضاء/۹۵) (مولانا اختر امام عادل) (نیز مولانا محمد ارشد مدنی اور مولانا محی الدین غازی فلاحی نے بھی تقریباً یہی عبارتیں اپنے مقالہ میں درج کی ہیں)۔

(اوپر دونوں مذکورہ حدیثوں کا ذکر مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ احکام اہل الذمہ ۲/ ۷۲۳ کے حوالہ سے کیا ہے)۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس سلسلہ میں بعض عمومی احادیث کو بھی مستدل بنایا ہے:

Marfat.com

۱۱- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک ولیمہ کی دعوت ملی اور وہ تشریف لے گئے، لیکن وہاں خرافات دیکھ کر واپس لوٹ گئے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عمل به**" (رواہ ابویعلی فی مسندہ، نصب الرایہ ۴/۳۴۶، کنز العمال ۹/۲۲، جامع المسانید والسنن ۲۷/۳۰۸)۔

۱۲- حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**یغزو جیش الکعبة فاذا کانوا ببیداء من الارض یخسف بأولھم وآخرھم قالت: قلت یا رسول اللہ کیف یخسف بأولھم وآخرھم وفیھم أسواقھم ومن لیس منھم قال: یخسف باولھم وآخرھم ثم یبعثون علی نیاتھم**" (بخاری مع الفتح ۶/۱۵۰، ترمذی ۲/۲۴، فتح الملہم ۶/۳۶۲)۔

لیکن مولانا محمد ارشد مدنی صاحب نے درج ذیل روایات کو اپنا متدل بنایا ہے:

۱۳- حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں دو دن جاہلی عید کا رواج دیکھا، دریافت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے لئے اس سے بہتر دو عیدیں مقرر کی ہیں (ابوداؤد)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: کہ اس حدیث میں تبدیلی کا لفظ بتاتا ہے کہ جب یہ دونئی عیدیں جاہلی عیدوں کی جگہ مقرر ہوئیں تو وہ عیدیں خود بخود منسوخ ہوگئی اور منسوخی کے بعد پھر ان میں شرکت کا مطلب اللہ تعالی کے حکم کی نافرمانی ہی ہوگی..... (اقتضاء الصراط المستقیم، ۱۶۵)۔

۱۴- ثابت بن ضحاک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے مقام بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، اس کے بارے میں اس نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے کہا کہ کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جس کی پرستش کی

Marfat.com

جاتی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں مشرکین کے میلوں میں سے کوئی میلا لگتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو، اس لئے کہ اللہ کی معصیت اور نافرمانی کی کسی نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے اور نہ کسی ایسی نذر کو پورا کرنا ہے جو آدمی کی قدرت اور بس سے باہر ہو (ابوداؤد)۔

۱۵- میمونہ بنت کردمؓ کی روایت ہے کہ میں زمانہ حج میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھی، آپ ﷺ کو میں نے ایک اونٹ پر سوار دیکھا، اور آپ ﷺ ہاتھ میں معلمین کی طرح کا درہ لئے ہوئے تھے، میرے والد نے قریب جاکر پائے مبارک تھام لیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے ہاں اولاد نرینہ ہوگئی تو بوانہ میں چند اونٹ ذبح کروں گا، آپ ﷺ نے معلوم کر کے کہ وہاں کوئی بت نہیں، انہیں ایفائے نذر کا حکم دیا (ابوداؤد)۔

۱۶- عمرو بن شعیب کی ایک روایت ہے کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس دف بجانے کی نذر مانی تھی، آپ نے فرمایا نذر پوری کر لے، پھر اس نے کہا کہ میں فلاں مقام پر قربانی بھی کرنا چاہتی ہوں، آپ نے اطمینان کرنے کے بعد اس کی بھی اجازت دے دی (ابوداؤد)۔

علامہ ابن تیمیہؒ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب جاہلی میلوں اور عبادتگاہوں پر کسی عقیدت مندانہ حاضری کو منع کر دیا گیا تو خود جاہلی عیدوں میں شرکت بدرجہ اولی ممنوع ہوگی (اقتضاء الصراط المستقیم ۱۶۶)۔

بعض حضرات نے فتاوی محمودیہ (۱۴/۴۰۴)، مجموعۃ الفتاوی (۲/۱۱۹)، فتاوی رشیدیہ (ص/۵۵۶) اور کفایت المفتی (۹/۳۳۶) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیر مسلموں کی مذہبی تہواروں میں شرکت ممنوع اور حرام ہے (مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی

Marfat.com

حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی نے غیر مسلم تقریبات کی چار صورتیں بیان کی ہیں اور سب کا حکم بھی بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

۱-شادی کی تقریب، اس میں شرکت کی گنجائش نکل سکتی ہے، کیونکہ اس میں شرکت کی غرض مسرت کا اظہار اور مبارکباد دینا ہوتا ہے۔

۲-تقریب بوقت موت، اس میں شرکت کی گنجائش نہیں، "**ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره**"، جب قبر پر قیام کی گنجائش نہیں تو شرکت کی اجازت کیونکر ہوسکتی ہے۔

۳-موت کے چند دنوں بعد ایک تقریب ہوتی ہے جس میں قریبی رشتہ دار اور دوست جمع ہوتے ہیں اور تعزیتی کلمات کہے جاتے ہیں، تو اس میں شرکت اور تعزیتی کلمات کہنے کی اجازت ہے، "**إذا مات الکافر قال لوالدیه أو قریبه فی تعزیته اخلف الله علیک خیرا منه واصلحک ای اصلحک بالاسلام ورزقک مسلما لان خیریة به تظهر**" (عالمگیری ۳۴۸/۵)۔

۴-پوجا پاٹ وغیرہ کی بھی تقریب ہوتی ہے جس میں شرک وکفر کے افعال واقوال انجام دیئے جاتے ہیں، اور شرک وکفر اللہ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہے، "**إن الله لا یغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذلک**......" (سورۂ نساء/۱۴۸)۔

اور آگے لکھتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری کے درج ذیل جزئیہ سے غیر مسلموں کی دوسری، تیسری اور چوتھی قسم کی تقریبات میں عدم شرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے: "**من دعی إلی ولیمة فوجد ثمة لعبا أو غناء فلابأس أن یقعد ویأکل فان قدر علی المنع یمنعهم**

Marfat.com

وإن لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدى به، وهذا كله بعد الحضور، واما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر" (عالمگیری ۵٫ ۳۴۳)۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحب نے ہندوؤں کے مذہبی میلوں میں شرکت کی کئی قسمیں کی ہیں اور سب کا حکم بھی بیان کیا ہے مثلاً:

۱- مسلمان ان میلوں میں اگر اس طرح شریک ہوں کہ ان کے کاموں کو مقدس سمجھیں تو ایسی شرکت غیر متصور ہے۔

۲- ایسی شرکت کہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے اختلاف نہ ثابت ہو مباح ہے بشرطیکہ ان کے کسی مذہبی فعل کی طرفداری یا تعظیم نہ کریں۔

۳- بعض صورتوں میں اگر شرکت کا مقصد کوئی اعلی ہو تو وہ مستحب ہو سکتی ہے۔

۴- کسی جلوس کے راستہ میں باہمی ارتباط کے لئے پانی دینا یا پانی پلانا مباح ہوگا۔

۵- اگر پانی پلانے کا کام شعائر کفر کی تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں سبیل لگانا یا پانی وغیرہ تقسیم کرنا اگر ان کے تہوار کی تعظیم وتکریم کے لئے ہو تو یہ کفر ہے، اور قیام امن اور باہمی رواداری کی نیت سے ہو اور ان کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علاحدہ راستے میں ہو تو مباح ہے اور خاص موقع مین ہو تو مکروہ تحریمی یا حرام ہے مگر کفر نہیں، کفر تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھیں اور ان کے طرز عمل سے ان اعمال کی تصدیق وتحسین ہوتی ہو (کفایت المفتی ۹٫ ۲۷۹، ۲۸۰) (نیز مقالہ مولانا راشد حسین ندوی: انہوں نے اس فتوی کو غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دینے کے سلسلے میں اپنا مستدل بنایا ہے)۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی نے دوسرے دلائل کے ساتھ یہ دلیل بھی دی ہے کہ امام بخاری نے حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے: "اجتنبوا أعداء الله في عيدهم"۔

Marfat.com

شرائط کوملحوظ رکھتے ہوئے شرکت کے قائلین:

اب ذیل میں ان بعض حضرات کی آراء درج کی جاتی ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی شرط کے ساتھ غیر مسلموں کی تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت کو درست قرار دیتے ہیں، مثلاً:

۱-مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحب، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا ابوالعاص وحیدی اور مولانا نیاز احمد مدنی صاحب کی رائے ہے کہ غیر مسلموں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں شرکت مباح ہے، اسی طرح غیر مسلم اجتماعات میں انتظام وقیام امن کی غرض سے مسلم رضا کاروں کی شرکت بھی مباح ہے بشرطیکہ ان کی کسی مشرکانہ رسم میں شرکت نہ ہو (مستفاد از کفایت المفتی ۹/۲۷۷، اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲۷۴)۔

۲-جو تقریبات محض جشن و اظہار خوشی کے طور پر ہوں اور یہ اہل اسلام سے کسی معاندت کی بنیاد پر نہ ہوں تو شرکت کی گنجائش ہے (مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۳-اس آیت ”وإذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنهم حتی یخوضوا فی حدیث غیره“ (سورۂ انعام/۶۷) سے شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے (سید امیر حسین گیلانی)۔

۴-اگر کسی ملی یا قومی مصلحت کی بنا پر مجبوری ہو یا خصوصی تقاضوں کی وجہ سے شریک ہونا پڑے بشرطیکہ ان کے کسی مذہبی فعل کی طرفداری یا تعظیم نہ کریں تو مباح ہے (مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی محمد سلمان کھلی)۔

۵-ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے یا ان کی تالیف قلب کی غرض سے شریک ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ ان کی مذہبی رسومات سے دور رہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ عکاظ، ذوالمجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں تبلیغ کی

Marfat.com

غرض سے تشریف لے جاتے تھے (تقریباً یہی رائے مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، ڈاکٹر یوسف قاسم اور مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب کی ہے)۔

۶- غیر مسلموں کی غیر مشرکانہ تہواروں (نیا سال، موسمی تہوار) میں شرکت کی جاسکتی ہے (سید شکیل احمد انور، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عامر ظفر، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی)۔

۷- مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب کی رائے ہے کہ مذہبی تقریبات کی مناسبت سے کھانے پینے میں شرکت تو درست ہے مگر نفس اعمال میں شرکت کسی طرح درست نہیں اور حرام کھانے سے بچیں، اور برصغیر کی تحریک کے دنوں میں ہمارے جید علماء دیوبند ہندو برادری کے ساتھ سب معاملات میں شریک رہے ہیں۔

افطار پارٹی میں شرکت:

افطار پارٹی یا عید ملن و ہولی ملن جیسی ملی جلی تقریبات میں شرکت کے سلسلہ میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں جس میں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم افطار پارٹی کا اہتمام کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود مسلمان ہی افطار پارٹی یا عید ملن کا اہتمام کرتے ہیں اور اس میں غیر مسلموں کو مدعو کرتے ہیں، مقالہ نگار حضرات کی آراء ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

مولانا راشد حسین ندوی کے نزدیک غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا جائز ہے: "**ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكره محمد رحمه الله**"، کبھی کبھار ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن مستقل عادت نہ بنائے: "**ولم يذكر محمد رحمه الله الأكل مع المجوسي ومع غيره من اهل الشرك انه هل يحل أمر لا وحكى عن الحاكم الامام عبد الرحمن الكاتب انه ان ابتلى به المسلم**

Marfat.com

مرة أو مرتين فلا بأس به وأما الدوام عليه فيكره"، یہاں تک کہ خود غیر مسلموں کی دعوت کرنا بھی جائز ہے:"ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما الامعرفة كذا في الملتقط" (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۴۷)۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دعوت افطار بھی ایک دعوت ہی ہے اس لئے اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اس اباحت کے باوجود بہتر یہی ہے کہ:

۱- اس طرح کی دعوتوں سے احتیاط کی جائے، اس لئے کہ اس میں روزہ داروں اور غیر روزہ داروں کا اجتماع ہوتا ہے جس کی وجہ سے روزہ داروں کو کئی دقتیں پیش آتی ہیں۔

۲- یہ کہ عام طور سے اس طرح کی دعوتوں میں نماز مغرب کی جماعت مسجد میں چھوٹ جاتی ہیں۔

۳- یہ کہ افطار کا وقت اجابت دعا کا ہے، جبکہ اس طرح کے مجمعوں میں یہ موقع شور شرابہ میں ضائع ہوجاتا ہے۔ اگر یہ خرابیاں نہ ہوں یا مصلحت کا تقاضہ ہو تو شرکت کی گنجائش بہر حال ہے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ امام غزالی نے حضرت حسن بصری کا مسلک نقل کیا ہے کہ وہ پڑوسی یہودی یا نصرانی کو قربانی کا گوشت کھلانے کی اجازت دیتے تھے (احیاء علوم الدین ۲/ ۲۳۳ بحث حقوق الجوار) اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر غیر مسلموں کے لئے افطار یا عید کے ماکولات ومشروبات کا الگ نظم کردیا جائے، مسلمانوں کے ساتھ مخلوط نہ ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ افطار وغیرہ کے مواقع شریعت میں متبرک ہیں اور ان کو عبادت کا درجہ حاصل ہے، ایسے متبرک مواقع پر کفر کی نحوست سے نقصان کا بہر حال اندیشہ ہے۔ اس سے

Marfat.com

یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کی طرف سے جو افطار پارٹیاں دی جاتی ہیں ان میں شرکت تو فی نفسہ ناجائز معلوم نہیں پڑتی لیکن مقصد افطار فوت ہو جاتا ہے، اس لئے کراہت سے خالی نہیں ہے اور اس پر مداومت گناہ ہے۔

مولانا اقبال قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا کہنا ہے کہ اگر افطار میں غیر مسلم حضرات کو دعوت دی جائے اور مقصد ان تک اسلامی پیغام پہنچانا ہو یا مسلمانوں کو ملی یا سماجی فائدہ پہنچانا ہو تو دعوت افطار کا اہتمام مستحسن ہے۔

مولانا شمس الدین صاحب کہتے ہیں کہ غیر مسلم حضرات جو مسلمانوں کے ساتھ افطار میں شریک ہوتے ہیں، عید کی تہنیتی تقریب رکھتے ہیں اور مسلمانوں سے اس کی توقع ہوتی ہے کہ وہ بھی دوسرے مذہبی گروہوں کے تہواروں میں شریک ہوں ظاہر ہے یہ جائز نہیں ہوگا (نیز مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا قمر الزماں ندوی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم سیاسی جماعتوں وغیرہ کی طرف سے جو افطار پارٹیاں دی جاتی ہیں اس سے احتراز کیا جانا چاہئے، کیونکہ رمضان المبارک کا وہ مخصوص وقت جس میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں نمائش اور لغو مشاغل میں ضائع ہو جاتا ہے، جبکہ مولانا یعقوب قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، اور مولانا تنظیم عالم قاسمی کی رائے ہے کہ شرکت کرنا ہی درست نہیں ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا محی الدین غازی فلاحی کی رائے ہے کہ مختلف تہواروں کے موقع پر اگر خیر سگالی کے لئے کوئی ملن پارٹی ہوتی ہے تو اس میں وسیع تر مفاد کی خاطر شرکت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ تہوار کی رسومات سے الگ ہٹ کر یہ تقریب ہو، اور اس میں شرکت اس تہوار میں شرکت نہ سمجھی جائے۔

Marfat.com

مفتی محبوب علی وجیہی کہتے ہیں کہ اگر غیر مسلم حضرات مسلمانوں کے گھر آ جائیں اور وقت افطار ہو اور ازراہ مروت یا دلجوئی مسلمان ان کو شریک کر لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ب- غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا:

غیر مسلم بھائیوں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا درست ہے یا نہیں؟ تو بیشتر مقالہ نگار حضرات علماء کی رائے ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس سے ان کے شرکیہ رسوم اور تہواروں کی تعظیم لازم آتی ہے۔

مولانا تنظیم عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ یہ اس لئے کہ ایسا کرنا رضاء بالکفر ہے، مولانا عبدالرشید قاسمی کہتے ہیں کہ مبارکباد دینا ان کی خواہشات کی تائید کرنا ہے، جبکہ مولانا ابوبکر قاسمی کی رائے ہے کہ مبارکباد نہ دے کر سکوت اختیار کریں۔

بعض حضرات نے اس ضمن میں چند دلائل بھی دیئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-"إن تكفروا فان الله غني عنكم ولا يرضى لعباده الكفر وإن تشكروا يرضه لكم" (سورۂ زمر، ۷) (مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۲-"اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا" (سورۂ مائدہ، ۳) (مولانا محمد ارشد مدنی)۔

۳-"ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" (سورۂ ہود، ۱۱۳) (مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۴-"ولئن اتبعت أهوائهم بعد الذى جاءك من العلم مالك من الله من ولي ولا نصير" (سورۂ مائدہ، ۱۲۰) (مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

Marfat.com

۵-حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی، تو آپ ﷺ نے اسے دعا دی کہ اللہ تمہیں حسین وجمیل رکھے، چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ تھے (مصنف ابن عبدالرزاق ۱۰؍ ۳۹۲) (مولانا ظفر الاسلام قاسمی)۔

۶-حاشیہ صاوی میں آیت کے ضمن میں لکھا ہے: "انکم إذا مثلهم ای فی الاثم ای کفرا أو غیره فالراضی بالکفر کفر والراضی بالمحرم عاص" (حاشیہ صاوی مع جلالین ۱؍ ۲۴۳) (مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۷-حافظ ابن قیم نے احکام اہل الذمہ (۱؍ ۲۰۵) میں لکھا ہے کہ کفر سے تعلق رکھنے والے شعائر جو اس کے ساتھ خاص بھی ہوں، کی مبارکباد دینا متفقہ طور پر حرام ہے (مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا محمد عبید اللہ، قاضی محمد ہارون مینگلی)۔

۸-فتاوی رشیدیہ (ص؍ ۴۸۸) اور معجم فقہ الاقلیات المسلمہ (ص؍ ۱۵۳) میں بھی ہے کہ غیر مسلموں کے تہواروں کی مبارکباد دینا یا کسی قسم کا تعاون کرنا یا تہوار کی تعریف میں اشعار بنا کر بچوں کو دینا بالکل درست نہیں ہے (مولانا محمد شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں:

بعض مقالہ نگار حضرات ایسے بھی ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ فرقہ وارانہ یکجہتی کے جذبہ سے اور خیرسگالی کی نیت سے اور تالیف قلب کے لئے ایسا کرنا بہتر ہے (مقالہ مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، سید امیر حسین جیلانی، مولانا برہان

Marfat.com

الدین سنبھلی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبیداللہ اسعدی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مفتی محبوب علی وجیہی وغیرہ)۔

جبکہ قاری ظفرالاسلام قاسمی صاحب نے ایک دوسری بات کہی ہےاور وہ یہ کہ مبارکباد دعا نہیں ہے، دعا کے لئے لفظ آشیرواد آتا ہے، مبارکباد کی جگہ بدھائی کالفظ استعمال کرنا زیادہ موزوں ہے، اگر ضرر یا تعلقات کی ناہمواری کا اندیشہ ہوتو بدھائی وغیرہ کالفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کچھ شرائط و قیود کے ساتھ ان کو مبارکباد دینے کو درست قرار دیتے ہیں، مثلاً:

۱-ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی لکھتے ہیں کہ سماجی اخلاقیات کا تقاضہ ہے کہ اگر وہ ہمارے تہواروں پر ہمیں مبارکباد دیتے ہیں تو ہم بھی ان کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دیں لیکن یہ کہ آدمی خود ان پر کوئی یقین نہ رکھتا ہو، مزید یہ لکھتے ہیں کہ آیت: "وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها......" کے عموم میں یہ چیز آسکتی ہے۔

۲-مولانا محمد ابراہیم گجیا اور مولانا عامر ظفر صاحب کہتے ہیں کہ اگر احکام اسلام سے متصادم نہ ہوں اور ایسا کرنے سے تشابہ لازم نہ آتا ہو تو جائز ہے۔

۳-ضرورت اور مجبوری کے تحت اس کو "لكم دينكم ولي دين" کے انداز میں مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے (مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی محمد سلمان کھلی)۔

۴-مولانا قمرالزماں ندوی کا کہنا ہے کہ:

الف-غیر مسلم حضرات کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا اگر اس نیت سے ہو کہ مذہب کی بنیاد پر منافرت کا ماحول ختم ہوگا اور غیر مسلم سماج میں مسلمانوں کے تئیں محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے تو جائز ہے۔

Marfat.com

ب-اسی طرح دفع ضرر کے واسطے یا اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے اگر کوئی مبارکباد پیش کرتا ہے تو جائز ہے۔

سوال ۳-(الف) جھنڈے کو سلامی دینے کا حکم:

اس سلسلہ میں اکثر حضرات کی رائے ہے کہ جھنڈے کو سلامی دینا اور اس کے احترام وتعظیم میں سر کو جھکانا شرعاً درست نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی تعظیم عبادت میں داخل ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، لہذا ایسا کرنا شرک میں داخل ہوگا جس سے اجتناب واحتراز ضروری ولازم ہے (مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عامر ظفر ندوی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ارشد مدنی)۔

"یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" (سورۂ مائدہ/۸۹)۔

بعض حضرات نے اس ضمن میں طویل بحثیں کی ہیں اور مختلف صورتوں کے ساتھ ان کے دلائل بھی دینے کی کوشش کی ہے، ان کے دلائل اور صورتیں درج ذیل ہیں:

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس سلسلہ میں دو نقطہ نظر کو بیان کیا ہے اور دوسرے نقطہ نظر کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں عدم جواز کا رجحان ملتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مفصل فتوی امداد الفتاوی میں "عجالۃ کشف الحجاب عن مسئلۃ تعظیم بعض الانصاب" کے نام سے موجود ہے جس میں انہوں نے اس عمل کو ناجائز اور غیر اسلامی قرار دیا ہے، اور غور کیا جائے تو یہ نقطہ نظر دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے۔

Marfat.com

یہ کہ جھنڈے کے اردگرد کھڑے ہونے (قیام) کی حیثیت کیا ہے، خواہ سر جھکایا جائے یانہیں اور ہاتھ جوڑا جائے یا نہیں؟ اس کا تفصیلی ذکر انہوں نے کیا ہے لیکن ذیل میں صرف اشارہ دیا جاتا ہے، انہوں نے ہیئت کے لحاظ سے قیام کی چار صورتیں اور ان کی تعریفات لکھی ہیں: (۱) قیام لہ، (۲) قیام اِلیہ، (۳) قیام علیہ، (۴) قیام بین یدیہ، اسی طرح حکم کے لحاظ سے اس کی چار تقسیمیں کی ہیں اور ان کی تعریفات لکھی ہیں: (۱) قیام ناجائز، (۲) قیام مکروہ، (۳) قیام جائز، (۴) قیام مستحب۔

مزید لکھتے ہیں کہ قیام برائے اکرام کی اجازت بھی فقہاء نے صرف اس صورت میں دی ہے جبکہ جس کے لئے قیام کیا جائے وہ مستحق تعظیم ہو اور اہل فضل وکمال میں سے ہو (درمختار مع ردالمحتار ۹/۵۵۱) اور جھنڈے کا مستحق تعظیم ہونا ثابت نہیں، اس لئے کہ ''انصاب'' اور ''غیر اسلامی'' دونوں لحاظ سے وہ تعظیم کا مستحق نہیں بنتا، اس لئے اس کے واسطہ قیام جائز نہ ہوگا۔

مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی نے شامی، امداد الفتاوی اور امام نووی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی مخلوق کے لئے جھکنا اور جھنڈے کی تعظیم کرنا شرعاً ناجائز ہے (ردالمحتار ۵/۱۷ ۲، امداد الفتاوی ۴/ ۷ ۶۴)۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے جھنڈے کو محترم قرار دیا ہے اور حوالہ میں جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار کا جھنڈے کو بلند رکھنے کی کوشش کرتے رہنا، اور ایک جنگ میں مصعب بن عمیر کے شہید ہو جانے کے بعد فوراً ہی دوسرے صحابی کا جھنڈے کو تھام لینا اور گرنے نہ دینا، اور اسی طرح جنگ خیبر کے لئے حضور ﷺ کا جھنڈا عنایت کرنے کے لئے ایک دن پہلے اعلان کرنا، ان جیسے واقعات کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دور اول میں بھی جھنڈے کو قومی شعار کے طور پر محترم سمجھا جاتا رہا ہے (مقالہ مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا سید امیر حسین جیلانی)۔

Marfat.com

جبکہ مولانا ابوسفیان مفتاحی کا کہنا ہے کہ جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہونا اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھنا شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں، چنانچہ مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں: لہذا کسی خاص ہیئت ونوعیت کا تعین پھر اس کی خصوصیت کا اور اس میں خاص تقدس کا ادعاء بالکل غلط اور بے بنیاد ہے (جواہر الفقہ ۱/۱۴۵)۔

جھنڈے کی سلامی کے جواز کے قائلین:

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ جھنڈے کو سلامی دینے میں کوئی حرج نہیں اگر جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر نہ دیا جائے (مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عبیداللہ اسعدی، سید امیر حسین جیلانی، قاضی محمد ہارون مینگل وغیرہ)۔

بعض دوسرے حضرات یہ شرط لگاتے ہیں کہ سلامی نہ دینے کی صورت میں ملک مخالف ہونے کی تہمت کا اندیشہ ہو یا اکراہ کی صورت پیش آجائے یا اتنا مجبور ہو جائے کہ ملازمت وغیرہ چلے جانے کا اندیشہ ہو تو بہ کراہت خاطر اس کی گنجائش ہو سکتی ہے اور انشاء اللہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا (مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی اسرار الحق سبیلی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا محمد عبید اللہ، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی وغیرہ)۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ''الضرورات تبیح المحظورات'' (مقالہ مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی)۔

۲- ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة'' (مقالہ مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس الدین، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

Marfat.com

۳-مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں: جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتی ہے، وہ ایک فوجی عمل ہے اس میں اصلاح ہوسکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے (نقیب پٹنہ: جلد ۷، ۹ جولائی ۱۹۳۹ء) (مقالہ مولانا اختر امام عادل، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا ابراہیم گجیا، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد صادق، مولانا تنظیم عالم قاسمی وغیرہ)۔

۴-فتاوی رحیمیہ (۲۸۸/۶) میں ہے: یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے، اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے، بچنا اچھا ہے، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادل نخواستہ کرنے میں مواخذہ نہیں ہوگا انشاء اللہ (مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابوبکر قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

۵-کل ہند تعمیر مجلس ملت حیدرآباد کے ایک سمینار میں جھنڈے کو سلامی دینے سے متعلق یہ تجویز پاس ہوئی: قومی پرچم کو سلامی دینا اور قومی ترانہ کے درمیان کھڑا ہونا عبادت و بندگی کے قبیل سے نہیں بلکہ ملک سے محبت و تعلق کے اظہار کی ایک علامت سمجھی جاتی ہے، اس پہلو سے اس میں گنجائش ہے لیکن یہ اسلامی مزاج کے ہم آہنگ نہیں ہے (ماہنامہ الرشاد ص ۳۵، جلد ۴۰، شمارہ ۳۳۵، نومبر ۲۰۰۰ء) (مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

سوال ۳-(ب) وندے ماترم یا اس قسم کے دیگر ترانوں کا حکم:

اس ضمن میں تقریباً تمام حضرات کی رائے ہے کہ وندے ماترم جیسا ترانہ مسلمانوں کے لئے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس میں ارض وطن کو معبود کا درجہ دیئے جانے جیسے شرکیہ عقائد و تصورات پائے جاتے ہیں، لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے (مقالہ مولانا ابوسفیان

Marfat.com

مفتاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی وغیرہ)۔

بعض حضرات نے درج ذیل عبارتوں کو اپنے مستدل کے طور پر پیش کیا ہے:

۱- "انه من يشرک بالله فقد حرم الله عليه الجنة وماواه النار وما للظالمين من انصار" (سورۂ مائدہ ر ۷۲) (مقالہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا شمس الدین)۔

۲- "قل أفغير الله تأمروني أعبد أيها الجاهلون" (سورۂ زمر ر ۶۴) (مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا شمس الدین)۔

۳- "إن الشرک لظلم عظيم" (سورۂ لقمان ر ۱۳) (مولانا راشد حسین ندوی)۔

۴- "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (مولانا شمس الدین، مولانا عامر ظفر، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)۔

۵- "عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت: جاء النبي ﷺ فدخل حين بنى علي فجلس على فراشي كمجلسک مني فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت إحداهن: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال: دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين، رواه البخاري" (مشکوۃ المصابیح ۲ ر ۲۷۱) (مقالہ مولانا محمد عبید اللہ)۔

۶- اس موضوع پر کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدر آباد نے ایک سمینار کیا تھا جس میں شریک علماء و دانشوران نے درج ذیل فیصلہ کیا: اس سمینار کا متفقہ احساس ہے کہ وندے ماترم کو قومی گیت قرار دینا نہ صرف مسلمانوں بلکہ ملک کی دوسری مذہبی اقلیتوں پر بھی ایک ایسی چیز تھوپنا ہے جو ان کے ضمیر و عقیدہ کے خلاف ہے...... مسلمانوں کے لئے یہ گیت پڑھنا قطعاً جائز نہیں...... (ماہنامہ الرشاد جلد ر ۴۰، شمارہ ر ۳۵، نومبر ۲۰۰۰ء) (مقالہ مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

Marfat.com

مزید مولانا اختر امام عادل کا کہنا ہے کہ اس نظم میں کئی الفاظ ایسے نامانوس ہیں جن کے معنی معلوم نہیں، اور ایسے الفاظ زبان پر لانا جائز نہیں جس کے معنی معلوم نہ ہوں، کہ ممکن ہے ان میں شرک وکفر کے معنی ہوں (شرح مسلم للنووی ۲/۲۱۹)۔

بدرجہ مجبوری پڑھنے کا جواز:

جبکہ بعض حضرات نے ایسے شخص کے لئے بدرجہ مجبوری اجازت دی ہے جسے ایسا ترانہ نہ پڑھنے کی صورت میں شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو دل سے برا سمجھتے ہوئے پڑھنے کی گنجائش ہوگی، یہ رائے مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، سید امیر حسین جیلانی، مولانا اختر امام عادل، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، سید شکیل احمد انور، سید خورشید حسن رضوی صاحبان کی ہے۔

ان حضرات کا استدلال درج ذیل آیات وعبارات سے ہے:

۱-"من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم" (سورۂ نحل/۱۰۶)۔

۲-"إلا ما اضطررتم" (سورۂ أنعام/۱۱۹)۔

۳-"الضرورات تبيح المحظورات" (شرح الاشباہ والنظائر ۱/۳۵۱)۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی کا کہنا ہے کہ ایسا ترانہ پڑھنے پر علی الاطلاق کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا کیونکہ وندے ماترم کے معنی جہاں وطن کی پوجا کرنے کے ہیں وہیں دوسرے معانی بھی ہیں۔

اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کا خیال ہے کہ ایسا ترانہ گانے والوں کے ساتھ اگر خاموش

Marfat.com

شریک رہتا ہے تو اس کے دین و ایمان میں نقص نہیں آئے گا، اس لئے کہ "الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالقلب" ہے، اور یہ دونوں چیزیں یہاں نہیں پائی جاتیں۔

لیکن مولانا شمس الدین صاحب نے اکراہ کی دو قسمیں کرتے ہوئے کہا کہ اس آیت "من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان" میں جس اکراہ کا ذکر ہے وہ اکراہ ملجی ہے جس کے اندر جان کا خطرہ ہوتا ہے لہذا یہاں رخصت دی جائے گی، اور وندے ماترم کے اندر جو اکراہ ہے وہ ملجی نہیں بلکہ غیر ملجی ہے، لہذا یہاں رخصت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

سوال ۳- (ج): عدلیہ کے فیصلوں کی شرعی حیثیت:

بعض مقالہ نگار حضرات کا کہنا ہے کہ جمہوری ممالک کے مسلمانوں کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سب سے پہلے حکومت سے اپنے لئے کسی مسلمان امیر کے مقرر کئے جانے کا مطالبہ کریں، اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو خود ہی کسی امیر کا انتخاب کرلیں اور وہ مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر کردے جو شریعت کے مطابق فیصلے کرے (مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی وغیرہ) یہ اس لئے کہ کافر کو مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل نہیں ہے، مولانا عبدالرشید قاسمی علامہ کاسانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ومنها الاسلام إلى قوله لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية ادنى الولايات وهى الشهادة فلان لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى" (بدائع الصنائع)۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اولاً تو مسلمانوں کے لئے اپنے معاملات غیر شرعی

Marfat.com

عدالتوں میں لے جانا ہی درست نہیں ہے بلکہ دونوں فریق اگر مسلمان ہیں تو انہیں اپنے معاملات میں شرعی پنچایت، دار القضاء، علماء اور ارباب افتاء سے رجوع کرنا چاہئے (مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا عبید اللہ، مفتی عبد الرحیم قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابو العاص وحیدی، مفتی اسرار الحق سبیلی، مولانا شمس الدین وغیرہ)، ان حضرات نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱-"قل أطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكافرين" (سورۂ آل عمران/ ۳۲) (مولانا راشد حسین ندوی)۔

۲-"ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا مبينا" (سورۂ نساء/ ۶۰)۔

۳-"فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لايجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورۂ نساء/ ۶۵)۔

۴-"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون/هم الفاسقون/هم الظالمون" (سورۂ مائدہ/ ۴۵، ۶۶)۔

۵-"يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر" (سورۂ نساء/ ۵۹)۔

۶-"وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" (سورۂ حشر/ ۷)۔

۷-"لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلک فليس من الله في شئ إلا أن تتقوا منهم تقاة" (سورۂ آل عمران/ ۲۸)۔

Marfat.com

۸-"أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون" (سورۂ مائدہ/۵۰)۔

۹-"ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا" (سورۂ نساء/۱۱۵)۔

۱۰-علامہ ابن القیم جوزی لکھتے ہیں: "إن من تحاكم أو حاكم إلى غير ما جاء به الرسول فقد حكم الطاغوت وتحاكم إليه...... فطاغوت كل قوم من يتحاكمون إليه غير الله ورسوله أو يعبدونه من دون إليه، أو يتبعونه على غير بصيرة من الله أو يطيعونه فيما لا يعلمون أنه طاعة الله فهذه طواغيت العالم، إذا تأملتها وتأملت أحوال الناس معها رأيت أكثرهم عدلوا عن عبادة الله إلى عبادة الطاغوت وعن التحاكم إلى الله وإلى الرسول إلى التحاكم إلى الطاغوت وعن طاعته ومتابعة رسوله إلى طاعة الطاغوت ومتابعته" (إعلام الموقعين عن رب العالمين ۱/۵۰) (مولانا نیاز احمد مدنی)۔

ان تمام وعیدوں کے باوجود اگر کوئی فریق غیر مسلم عدالت یا جج کے پاس اپنا معاملہ لے جاتا ہے اور وہ خلاف شرع فیصلہ کرتا ہے تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوگا، یہاں تک کہ اگر مسلم قاضی بھی اگر خلاف شرع فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً اور دیانتاً نافذ نہیں ہوگا (مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی)۔

دیانۃً نافذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے وہ تو مجبور ہے لیکن جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس فریق کے لئے اس چیز سے استفادہ شرعاً درست نہ ہوگا، یہی رائے اکثر مقالہ نگار حضرات کی ہے (مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا

Marfat.com

شمس الدین، مولانا اختر امام عادل، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی وغیرہ)۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"إنما أنا بشر، وانكم تختصمون إليّ، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحوما أسمع، فمن قضيت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذه، فإنما أقطع له قطعة من النار" (متفق علیہ)۔

۲-"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔

۳-"السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (بخاری ۲/۱۰۵۷، باب السمع والطاعة مالم تكن معصية)۔

۴-"لا طاعة في معصية إنما الطاعة في المعروف" متفق علیہ (مشکوۃ رص ۳۳۹، کتاب الامارۃ والقضاء)۔

۵-"من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه فان قضاء الحاكم لا يحل حراما ويحرم حلالا" (بخاری ۲/ ۱۰۶۴)۔

لیکن مولانا خورشید احمد اعظمی کا کہنا ہے کہ بعض امور میں ظاہراً اور باطناً اور بعض امور میں صرف ظاہراً نافذ ہوگا، اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی یہ رائے تحریر کی ہے کہ اگر حاکم نے ایسی شہادتوں پر اعتماد کیا ہے جو شرعاً نامعتبر اور ناکافی ہیں تو وہ دیانتاً نافذ نہیں ہوں گے......اور جن فیصلوں کی بنیاد اتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہو اور قانون کی نظر میں بھی، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں محض

Marfat.com

سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں،...... ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم بھی فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں (بحث ونظر ص ۴۵، شمارہ ۵۱) یہی رائے مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی اور مولانا اسرار الحق سبیلی وغیرہ کی بھی ہے۔

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی نے پہلے مقدمہ کی مثال یہ دی ہے: مورث کی موت سے ورثاء کے لئے میراث کا حق اور خرید وفروخت کی وجہ سے مبیع پر خریدار کی ملکیت وغیرہ، اور دوسرے مقدمہ کی مثال میں فسخ نکاح کا معاملہ ہے کہ اس میں محض اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قضاء قاضی بھی ضروری ہے، جبکہ مولانا اختر امام عادل اس مسئلہ کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ ایسے معاملات جن میں سبب ملک کی وضاحت نہ ہو کہ کس ذریعہ سے مدعی کو ملکیت یا حق ملکیت حاصل ہوئی ہے ان معاملات میں عدالت حقیقت کے خلاف فیصلہ کردے تو فیصلہ سے وہ چیز مدعی کے لئے فی الواقع حلال نہ ہوگی، البتہ ایسے معاملات جن میں سبب ملکیت کی وضاحت کی گئی ہو تو ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے استفادہ کا جواز:

اگر فیصلہ شرعی شہادت کے مطابق ہو اور جج کا مسلم ہونا شرط نہیں ہو تو اس فیصلہ سے استفادہ کی گنجائش ہے جیسے وراثت کا مسئلہ (مولانا قمر الزماں ندوی)۔

اور تقریباً یہی رائے مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابو العاص وحیدی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا سید امیر حسین جیلانی، اور مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی صاحبان کی ہے، بشرطیکہ وہ فیصلہ شریعت کے معارض نہ ہو اور شرعاً فی نفسہ اس کا استعمال جائز ہو۔

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں کہ جج کا فیصلہ اگر کتاب وسنت کے منصوص حکم کے

Marfat.com

خلاف ہے تو اس فیصلہ سے استفادہ کرنا جائز نہیں، اور اگر حکم کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو لیکن مستنبط کے مخالف ہو تب بھی بہتر یہی ہے استفادہ نہ کرے لیکن اس صورت میں استفادہ کرنے کی گنجائش احقر کے نزدیک ہو سکتی ہے، جیسا کہ فتاوی ہندیہ (۳/ ۳۱۲) کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"ثم إذا قضى بالاجتهاد فان خالف النص لا يجوز قضاءه وإن لم يخالف النص لكنه رأى بعد ذلك رأيا آخر لا يبطل ما مضى ويقضى فى المستأنف بمايراه"۔

مولانا اختر امام عادل کہتے ہیں کہ قضائے قاضی کے نفاذ کا مسئلہ قدیم سے فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک کسی بھی معاملہ میں عدالتی فیصلہ اگر خلاف واقعہ صادر ہو اور فریقین اس سے واقف ہوں تو یہ فیصلہ صرف ظاہری طور پر نافذ ہوگا، مگر حقیقی طور پر اس سے استفادہ جائز نہ ہوگا، لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کے اصول پر ایسے معاملات جن کو وجود میں لانے کا قاضی کو اختیار ہے ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ کرنا جائز ہے، اور جو معاملات اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہوں ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ درست نہیں، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"فالأصل أن قضاء القاضى بشاهدى الزور فيما له ولاية إنشائه فى الجملة يفيد الحل عند أبى حنيفة وقضاءه بهما فيما ليس له ولاية إنشائه أصلا لا يفيد الحل بالإجماع، وعند أبى يوسف ومحمد والشافعى رحمهم الله لا يفيد الحل فيهما جميعا" (بدائع الصنائع ۵/ ۴۵۸ کتاب القضاء)۔

امام ابوحنیفہ کے اس موقف کی بنیاد دو روایات ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم ألحن

Marfat.com

بحجته من بعض، وانما انا بشر فمن قضيت له من مال أخيه شيئا بغير حق فإنما أقطعه له قطعة من النار" (بخاری: کتاب المظالم/۲۴۵۸)۔

۲-دوسری روایت حضرت علیؓ کی ہے: "ذكر أبويوسف عن عمرو بن أبي المقدام عن ابيه أن رجلا من الحي خطب امرأة وهو دونها في الحسب، فابَت أن تزوجه فادعى أنه تزوجها وأقام شاهدين عند علي، فقالت: إني لم أتزوجه، فقال: قد زوجك الشاهدان فأمضى عليها النكاح" (احکام القرآن للجصاص ا/ ۲۵۳)۔

ان دونوں روایات کو سامنے رکھتے ہوئے امام صاحب نے مذکورہ بالا موقف اختیار کیا ہے، حضرت علی کی حدیث کو نکاح وطلاق اور ایسے معاملات سے متعلق کیا ہے جن میں سبب ملک کی وضاحت موجود ہو، اور حضور ﷺ کے مذکورہ بالا فرمان کو عام معاملات سے متعلق قرار دیا، اس طرح دونوں روایات میں تطبیق بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی کی رائے یہ ہے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے حنفیہ کے اس قول کے تحت گنجائش ہوسکتی ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوتا ہے۔

سوال ۴-(الف) تہذیبی وثقافتی انضمام اور وحدت ادیان کا تصور:

تمام مقالہ نگار حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وحدت ادیان کا تصور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے بلکہ یہ دراصل اسلام اور کفر کو جمع کرنے اور اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک سازش ہے (مثال کے طور پر دیکھئے: مقالہ مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد سلمان کھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا یعقوب

Marfat.com

قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہ)۔

سوال ۴-(ب): انسانی اخوت کی بنیاد پر مظلوم طبقات کا تعاون کرنا:

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں کو حتی المقدور انسانی اخوت کی بنیاد پر پسماندہ غیر مسلم برادریوں کی مدد کرنی چاہئے۔ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک مظلوم غیر مسلموں کا تعاون مسلمانوں کا اخلاقی، انسانی اور دینی فریضہ ہے اور مسلمان اس سلسلہ میں اللہ کے نزدیک جوابدہ ہیں خواہ ان کے پاس حکومت وطاقت ہو یا نہ ہو، اور انہیں تعاون کے ساتھ اسلام کی دعوت دینے کی بھی ضرورت ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا یعقوب قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، سید شکیل احمد انور وغیرہ)۔

مولانا محمد عبیداللہ صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے کے لئے صدقات نافلہ وغیرہ سے ان کی مدد کرنی چاہئے۔

سید خورشید حسن رضوی لکھتے ہیں کہ دلتوں اور مظلوم غیر مسلم طبقات کی مدد کرنا اسی وقت مفید ہوگا جب وہ خود اپنے اندر بیداری پیدا کر کے اپنے آپ کو اکثریت کے دام فریب سے نکالنے میں کامیاب ہوں گے، کیونکہ اس کے بغیر اگر صرف مسلمان ان کی مدد کریں گے تو اس سے ہندو اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف فتنہ برپا کرنے کا موقع ملے گا اور پہلے کی طرح اکثریت ان مظلوم طبقات کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے میں کامیاب ہو جائے گی، اور مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی کے بقول جہاد کی فرضیت مظلوم و بے سہارا انسانوں کی حفاظت ہی کے لئے ہوئی ہے۔

Marfat.com

سوال ۴-(ج): خدمت خلق کے لئے ادارے قائم کرنا:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا مومنانہ شان کے خلاف ہے، درست بات یہی ہے کہ ایسے اداروں کی خدمات کے دروازے بلاتفریق مذہب وملت تمام انسانوں کے لئے کھلے رہنے چاہئیں۔ یہ اور بات ہے کہ عام انسانوں سے مسلمانوں کا تعلق صرف انسانی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے جب کہ مسلمانوں کا آپسی تعلق انسانی کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت پر بھی مبنی ہوتا ہے، اس لئے ترجیح کی صورت اختیار کرنے میں بالخصوص جبکہ مسلمان زیادہ ضرورتمند ہوں، کوئی قباحت نہیں، لیکن تفریق بہر صورت غلط ہے (دیکھئے: مقالہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد عبید اللہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی وغیرہ)۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا محمد سلمان کھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، سید خورشید حسن رضوی اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر ان اداروں کے وسائل محدود ہوں تو ان کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر اور قرین مصلحت ہے، کیونکہ مسلمان پہلے ہی تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہیں، اب ایسی صورت میں ان کے اپنے مخصوص اداروں کی خدمات بھی اگر عام ہوگئیں تو ان کے مزید پسماندہ ہونے کا اندیشہ ہے، مولانا محی الدین غازی فلاحی نے ایسے اداروں کے قیام پر زور دیا ہے جن کی شناخت ملی کے بجائے انسانی ہو، اور مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اس قسم کے اداروں کو غیر جانبدارانہ ناموں سے موسوم کرنے کو مفید قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے بقول متعدد قرآنی سورتوں کے نام اس طرز پر ہیں مثلاً بقرہ، روم، عنکبوت وغیرہ۔ مولانا ظفر الاسلام، مولانا محمد سلمان کھلی اور مولانا قمر الزماں

Marfat.com

ندوی اسلام کے کٹر دشمن اور معاند کو مسلمان اداروں کی امداد کا مستحق نہیں مانتے ہیں، مقالہ نگار حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"ليس عليک هداهم ولكن الله يهدي من يشاء، وما تنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقون إلا ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف إليكم وأنتم لا تظلمون" (سورۂ بقرہ، ۲۷۲)۔

تفسیر ابن جریر (۵/ ۵۸۷) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام مشرکین پر خرچ نہیں کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی • مولانا راشد حسین ندوی)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابوبکر جصاص رازی کا یہ قول ہے: "المراد إباحة الصدقة عليهم وإن لم يكونوا على دين الاسلام وروي ذلک عن جماعة السلف" (مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

قرطبی نے آیت "وما تنفقوا من خير" کے ذیل میں لکھا ہے: "هذا الكلام متصل بذكر الصدقات فكأنه بين فيه جواز الصدقة على المشركين" (۳۳۷/۲) (مولانا ظفر الاسلام قاسمی)۔

۲-"ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا إنما نطعمكم لوجه الله لانريد منكم جزاء ولا شكورا" (سورۂ دہر، ۸، ۹)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جصاص کا یہ قول ہے کہ اسیران جنگ سے مراد غیر مسلم اور مشرک ہیں، لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ زکاۃ کے علاوہ ہر قسم کے صدقہ کی رقوم انہیں دی جاسکتی ہیں (احکام القرآن ۱/ ۵۴۸)۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی اور مفتی محبوب علی وجیہی نے ان اداروں کی خدمات کے عام ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس عمل سے کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ مولانا

Marfat.com

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی نے آیت: "ویمنعون الماعون" کی روشنی میں خدمت خلق میں عقیدہ و مذہب کی تفریق برتنے کو منافقوں کا شیوہ بتایا ہے۔

مولانا راشد حسین ندوی نے خدمت خلق کے لئے قائم مسلمانوں کے اداروں کو تمام اہل مذاہب کے لئے عام رکھنے کے ضمن میں دو امور کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا ہے: ایک یہ کہ غیر مسلموں کو زکاۃ کی رقوم نہ دی جائیں (ہدایہ ۱/۲۰۵) دوسرے یہ کہ اموال زکاۃ اور بطور خاص مسلمانوں سے لئے گئے چندوں میں چندہ دہندگان کی جہت کا خیال رکھا جائے (شامی ۳/۲۹۵) اسی خیال کا اظہار مولانا عبید اللہ، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ارشاد قاسمی اور مولانا محمد اقبال قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے بھی کیا ہے، مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے "تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم" سے استدلال کیا ہے۔

۳-"واعبدوا الله ولاتشركوا به شيئاً وبالوالدين إحسانا وبذي القربى واليتامى والمساكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل" (سورۂ نساء/۳۶) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔ مولانا ظفر الاسلام نے "الجار الجنب" کی تفسیر میں قرطبی کی یہ عبارت نقل کی ہے: "فالوصاة بالجار مأمور بها مندوب إليها مسلماً كان أو كافراً" (الجامع لأحكام القرآن ۵/۱۸۴) اس کے بعد ابن جریر کی تفسیر (۵/۵۱) سے یہ عبارت نقل کی ہے: "وأولى القولين في ذلك بالصواب قول من قال: معنى الجنب في هذا الموضع القريب البعيد مسلما كان أو مشركا، يهوديا كان أو نصرانيا"۔

۴-"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" (سورۂ ممتحنہ/۸)۔

۵-"تعاونوا على البر والتقوى" (سورۂ مائدہ/۲)۔

Marfat.com

۶-''خير الناس من ينفع الناس'' (الجامع الصغیر للسیوطی ۲/ ۹، کشف الخفا للعجلونی)۔

۷-''والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه''۔

۸-''بعثت لأتمم مكارم الأخلاق''۔

۹-''من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته''۔

۱۰-مولانا عامر ظفر اور مولانا محمد ارشد مدنی نے حضور ﷺ کی طرف سے حضرت اسماء بنت ابی بکر کو اپنی کافرہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اجازت دیئے جانے سے استدلال کیا ہے۔ مولانا عامر ظفر نے اس واقعہ کو امام نووی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

۱۱-''أطعموا الجائع وعودوا المريض وفكوا العاني'' (بخاری ۲/ ۸۴۳)۔

۱۲-''الخلق عيال الله''۔

۱۳-حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذي إذا انقطعت رحمه وصلها'' (ترمذی ۲/ ۱۳)۔

۱۴-حضرت عثمان غنیؓ کے خریدے ہوئے کنویں سے آپ ﷺ نے تمام اہل مدینہ کو پانی لینے کی اجازت دی۔ اس وقت مدینہ میں صرف اہل اسلام ہی آباد نہیں تھے بلکہ یہودی اور عیسائی بھی رہ رہے تھے اور سب بئر عثمان سے پانی پیتے تھے۔

مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی نے انسانوں سے تعلقات کی تین نوعیتیں ذکر کی ہیں، ایک موالات، دوسری مدارات، تیسری مواسات۔ ان کے بقول دل سے دوستی موالات ہے اور یہ ممنوع ہے، مفتی رفیع عثمانی اور مفتی ذاکر حسن نعمانی نے بھی تعلق کی اس قسم کو ممنوع قرار دیا ہے، مفتی محمد رفیع عثمانی نے آیت ''لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين'' سے استدلال کرتے ہوئے اس ضمن میں مفسر ابوالسعود کا حوالہ دیا ہے (تفسیر ابن السعود ۱/ ۲۲۶ بحوالہ جواہر الفقہ)۔

Marfat.com

مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی کے بقول مدارات یعنی غیر مسلم اگر کسی کے گھر آ جائے تو اس کی خاطر تواضع کرنا، اور مواسات یعنی ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونا، جائز ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے غیر مسلموں کی امداد کے ضمن میں "الأقرب فالأقرب" اور "الأحوج فالأحوج" کے اصول ذکر کیے ہیں۔

سوال ۴-(د): قدرتی آفات کے مواقع پر مسلم تنظیموں کا رویہ:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ایسی صورت میں مسلم تنظیموں کو حسن سلوک اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے، ان کا رویہ برادران وطن کے ساتھ ہمدردانہ ہونا چاہئے۔ ان کے فرقہ پرست عناصر کی تنگ نظری کا جواب ہمیں اپنی تنگ نظری سے نہیں دینا چاہئے بلکہ ہمیں اس سلسلے میں آپ ﷺ اور صحابہ کے اسوہ کو اپنانا چاہئے (دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا راشد حسین ندوی، سید شکیل احمد انور وغیرہ)۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی کے نزدیک فرقہ پرست عناصر کی طرف سے کی جانے والی تفریق کی صورت میں مسلمانوں سے حاصل کی گئی رقوم کو ان غریب مسلمانوں ہی پر صرف کرنا فرض ہے جن کو ظالمانہ طور پر محروم رکھا گیا ہو۔ مولانا موصوف نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: تمام ایمان والے ایک انسان کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے (مسلم، مشکاۃ ۲/ ۴۲۲)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ہنگامی صورت حال میں تفریق درست نہیں ہے البتہ عام حالات میں مسلمانوں کی ضروریات کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔

Marfat.com

مقالہ نگار حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱-"من يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والآخرة" (مشکاۃ)۔

۲-"عن الأحوص عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله الرجل أمرّ به فلا يقريني ولا يضيفني فيمر بي أفأجزيه قال: لا،اقر"(ترمذی ۲/۲۱،ابواب البر والصلۃ: باب ماجاء في الإحسان والعفو)۔

۳-"عن حذيفة قال: قال رسول الله ﷺ. لا تكونوا إمعة تقولون: إن أحسن الناس أحسناً وإن ظلموا ظلمنا ولكن وطنوا أنفسكم إن أحسن الناس أن تحسنوا وإن أساؤ افلا تظلموا"(ترمذی ۲/۲۱،ابواب البر والصلۃ: باب ماجاء في الإحسان والعفو)۔

۴-"الإسلام يعلو ولا يعلى"۔

۵-"فإذا الذي بينک وبينه عدواة كأنه ولي حميم"(سورۂ حم السجدہ/ ۳۴)۔

۶-آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کو بھی عام معافی دے دی، یہ متعصب لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن سلوک کی بہترین مثال ہے۔

۷-بلاذری کے مطابق حضرت عمرؓ نے سفر شام کے دوران زکاۃ کی مد سے غریب اور محتاج عیسائیوں کی مدد کرنے کا حکم دیا۔

۸-ابوعبید کی کتاب الاموال فقرہ/ ۱۹۹۶، ۱۹۹۷ کے مطابق صدقۂ فطر بھی عیسائی راہبوں کو دیا جاتا تھا (خطبات بھاولپور/ ۳۸۰ از ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم)۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

Marfat.com

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل

سوال نمبر ۱ (الف، ب، ج، د، ھ):

مفتی جمیل احمد نذیری (مبارکپور)

"غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل" کے پہلے سوال کی تمہید یوں ہے:

الف- اس وقت دنیا کے اکثر ممالک جمہوری نوعیت کے ہیں، جن میں انتخابات کے ذریعہ حکومت بنتی ہے۔ ان انتخابات میں تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے۔ جو لوگ الیکشن میں امیدوار ہوتے ہیں، انہیں اپنے آپ کو امیدواری کے لئے امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا پڑتا ہے، پھر جب عوامی انتخاب سے اسمبلی اور پارلیمنٹ وجود میں آتی ہے تو پارلیمنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ بہت سے ایسے قوانین بھی وضع کرتی ہے جو شریعت اسلامی کے مغائر، بلکہ اس سے متصادم ہوتے ہیں تو:

اس ... سوال کو (الف، ب) وغیرہ کے تحت کئی شقوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جواب پر مشتمل موصول شدہ مقالات کی تعداد پچاس ہے۔ مقالہ نگار حضرات درج ذیل ہیں:

مولانا راشد حسین ندوی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا محمد عبید اللہ اسعدی،

Marfat.com

مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا یعقوب قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عامر ظفر، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد صادق مبارکپوری، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا محمد سلمان کھلی، سید خورشید حسن رضوی، مفتی سید اسرار الحق سبیلی، سید شکیل احمد انور، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا محمد عبید اللہ (لاہور)، مولانا قاضی محمد ہارون مینگل (پاکستان)، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (پاکستان)، مولانا سید امیر حسین گیلانی (پاکستان)، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی (پاکستان)، مفتی ذاکر حسن نعمانی (پاکستان)، مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، ایم اے عبدالقادر مسلیار، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبداللطیف پالنپوری۔

شق الف:

پہلے سوال کی شق (الف) میں پوچھا گیا تھا: ''کیا ان ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا شرعاً جائز ہوگا؟''۔

مقالہ نگاروں کی غالب تعداد نے موجودہ جمہوری نظام کو غیر شرعی تسلیم کرنے کے باوجود قواعد فقہیہ ''الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف، یختار أھون الشرین، الضرورات تبیح المحظورات'' وغیرہ کے تحت غیر مسلموں کی مذہبی یا آمرانہ حکومت کے

Marfat.com

مقابلے میں اسے " أهون البليتين" قرار دے کر مذکورہ ساری چیزوں میں شرکت کی اجازت دی۔ کئی حضرات نے اس شرکت کو شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، بعض نے اختصار سے کام لیا ہے۔ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی کہتے ہیں کہ موجودہ جمہوری نظام میں اس نیت کے ساتھ شرکت کی جائے کہ یہ وقتی ضرورت ہے۔ اسی پر قانع بن جانے کا ذہن نہ ہو، شرعی خطوط پر اصول حکمرانی وقانون سازی روبعمل لانے کی کوشش یا کم از کم نیت ضرور ہونی چاہئے۔

بعض حضرات نے اس شرکت کی اجازت کے سلسلے میں مخصوص تعبیرات استعمال کی ہیں، مثلاً مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں: ''اکثر قوانین یا بالعموم خلاف اسلام بنتے ہوں یا بننے کا غالب گمان ہو تو ناجائز، ورنہ جائز''۔

احقر جمیل احمد نذیری نے لکھا ہے: موجودہ الیکشنی نظام میں غیر شرعی قوانین کی ترمیم وتنسیخ کی کوشش کی نیت رکھتے ہوئے حصہ لیا جائے، خواہ اس پر عمل کی نوبت آئے یا نہ آئے۔

اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کی درج ذیل عبارت سے استدلال کیا گیا ہے جو انہوں نے حصص کمپنی کے سودی معاملہ کے متعلق لکھی ہے:

''اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا۔ مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

مولانا ابوبکر قاسمی لکھتے ہیں: ''تاہم اس قسم کی حکومت میں شمولیت اس نیت وارادہ سے ہو کہ ہم خلاف شرع قوانین کی منظوری، وتجویز پر نکیر کریں گے اور دل وجان سے اس سے نفرت کریں گے''۔

مولانا عبید اللہ اسعدی لکھتے ہیں: ''ملکی قوانین میں دستور کے ساتھ وفاداری کا جہاں تک معاملہ ہے تو مخالف شرع قوانین کچھ ہی ہوتے ہیں اور یہ جواز بنیادی مقاصد ومصالح پر مبنی ہے''۔

Marfat.com

دستور سے وفاداری سے متعلق چند آراء اور ملاحظہ کیجئے: ''اراکین پارلیمنٹ ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھاتے ہیں نہ کہ قانون سے وفاداری کا، کیونکہ قانون کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ خواہ وہ پارلیمنٹ کا رکن ہو یا ایک عام شہری، تو اگر ملک کا دستور سیکولر ہو، بایں معنی کہ ہر شخص کو اس کے مذہبی معاملات میں آزادی حاصل ہوگی، یعنی مذہبی معاملات میں عدم مداخلت، جیسا کہ دنیا کے اکثر ممالک کے دستور میں شامل ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ملک کے دستور میں کوئی چیز شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوگی۔ لہذا اس ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہوگا'' (مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

''ہندوستان جیسے ملکوں کے دستور کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی بنیاد الحاد اور انکار خدا پر نہیں ہے، بلکہ عقیدے اور مذہب پر عمل کی آزادی اس کی بنیادی دفعات میں سے ہے۔ مسلمان اس کا حلف اسی کی نیت سے اٹھائے گا: ''إنما الأعمال بالنیات'' (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی لکھتے ہیں: جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا مسئلہ ہے تو اس کو غیر مسلم ممالک میں شمار نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ جمہوری ملک ہے اور جمہوری ملک میں تمام لوگوں کو یکساں طور پر مکمل باشندگی کا حق ہے۔

قاضی محمد ہارون صاحب غیر مسلم ممالک میں ہونے والے الیکشن کی دینی حیثیت تسلیم نہیں کرتے، وہ اس کی دنیوی اور معاشرتی حیثیت قرار دیتے ہیں۔ مفتی اسعد قاسم سنبھلی لکھتے ہیں: ''شرعی زبان میں اس عمل کو جائز کہتے ہوئے دل لرزتا ہے''۔

اس کے برخلاف درج ذیل حضرات نے الیکشن کی مذکورہ سرگرمیوں میں حصہ لینا واجب قرار دیا ہے۔

مفتی محمد ظفر عالم ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اختر امام عادل۔

Marfat.com

وہیں مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم (جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان)۔ الیکشن کی مذکورہ ساری سرگرمیوں میں شمولیت کو ناجائز کہتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہندوستان کا آئین ایک کفریہ آئین ہے اور وہاں مسلمانوں (منتخب نمائندوں) کو کفری آئین پر حلف وفاداری اٹھانا پڑتا ہے جو کہ رضا بالکفر کی وجہ سے حرام اور کفر ہے۔ پھر مسلمانوں کو اپنے مقاصد وحقوق کے جدوجہد کی تلقین کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اگر یہ صورت ممکن نہیں اور وہ شعائر وفرائض اسلام بہ آزادی نہیں بجالا سکتے تو ان پر ہجرت کرنا فرض ہے اور ہجرت ایسے علاقے میں کریں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو، وہ اپنے دین وایمان کو محفوظ کرسکیں، چاہے وہ علاقہ اسی ملک میں ہو یا کسی اور ملک میں''۔

لیکن اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلم اکثریتی ملک میں ہجرت کرنا بھی چاہے تو اس معاملہ میں زمینی حقیقت کیا ہے؟ اسے مولانا محمد شمس الدین صاحب کی زبانی سنئے:

''کسی بھی قوم کا اندازہ جمہوریت کے اندر اس کی مردم شماری سے لگایا جاتا ہے کہ اگر مردم شماری میں کوئی قوم دیگر اقوام پر سبقت حاصل کرلیتی ہے تو مملکت جمہوریہ اس کی طاقت کو تسلیم کرتی ہے اور پھر مردم شماری کا مدار اس کے یہاں ووٹ پر ہے اور اسی پر شہریت کا مدار بھی ہے۔ اگر ووٹر لسٹ میں نام درج ہے تو شہریت حاصل ہوگی ورنہ غیر شہری قرار دیا جاتا ہے، اور حقوق شہریت سے ایسے لوگوں کو محروم گردانا جاتا ہے، اس کی بہت زندہ مثال چند سال قبل کا واقعہ ہے جس میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو غیر ملکی، پاکستانی، بنگلہ دیشی قرار دے کر ان کے پیدائشی وطن سرزمین ہند سے نکال کر باڈر پر لے جاکر چھوڑا گیا جنہیں دوسری حکومت نے بھی قبول نہیں کیا اور پھر اس کے بعد انہیں موت کی میٹھی نیند سلا دیا گیا''۔

جن مقالہ نگار حضرات نے الیکشن اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دی یا اسے واجب کہا، انہوں نے امیدوار کے اوصاف وخصائل، امیدواری کے طریقے اور انتخابی مہم

Marfat.com

چلانے کے اصول پر بھی کافی بحث کی ہے، مثلاً امانت و دیانت، اخلاقی برتری، مخالف پر الزام تراشی اور الزام سے احتراز، جھوٹے وعدے نہ کرنا۔ رکن اسمبلی یا رکن پارلیمنٹ ہو جانے کی صورت میں رکنیت کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت، اسمبلی و پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مفادات کا پورا پورا تحفظ کرنے کا عزم و ارادہ وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنی باتوں کو آیات کریمہ و احادیث نبویہ سے مبرہن کیا ہے۔

اس سلسلے میں عہدہ و منصب طلب کرنے پر بھی تفصیلی گفتگو موجود ہے۔ غیر مسلم کا دیا ہوا منصب قبول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ بحث بھی آئی ہے۔ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے سورۂ یوسف آیت ۵۵ اور آیت ۷۶ نقل کرتے ہوئے دونوں کا جواز ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت کسی عہدہ کے لئے خود کو پیش کرنا جائز ہے جب دیانۃً یہ سمجھتا ہو کہ میں اس کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی ادا کر لے جاؤں گا۔ اگر میں خود کو نہیں پیش کروں گا، تو یہ منصب نااہلوں کے سپرد ہو جائے گا جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا :"سبحان الله فإذا لم يستعمل خياركم يستعمل شراركم" (التلخیص الحبیر لابن حجر ۲/۲۰۲) (سبحان اللہ! اگر تم میں اچھے لوگ کام میں نہ لگیں گے تو برے لوگوں کو یہ کام دلایا جائے گا) (مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

کئی مقالہ نگار حضرات نے امیدواروں کے لئے یہ شکل بتائی ہے کہ "مسلمانوں کی ایک جماعت اہل کو نامزد کرے" (مولانا عبد اللطیف پالنپوری، محمد سلمان کھلی، مفتی محمد رفیع عثمانی)۔

یہاں مولانا ثابت شمیم رشادی کے مقالہ کا یہ حصہ سامنے رہے تو بہتر ہے:

"جمہوریت میں کوئی خود کو نامزد نہیں کرتا، بلکہ چند افراد کسی کو نامزد کرتے ہیں اور وہ شخص الیکشن آفیسر کے سامنے اپنے کاغذات نامزدگی کو داخل کر کے اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، اور پھر عوام اپنے ووٹ کے ذریعہ اس فرد کے نمائندہ ہونے یا نہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں"۔

Marfat.com

شق (ب):

اس کا سوال یوں تھا: ''چونکہ ان انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات بھی متعلق ہو سکتے ہیں، تو کیا اس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ووٹ دینا شرعاً واجب قرار دیا جا سکتا ہے؟''۔

اس کے جواب میں زیادہ تر حضرات نے واجب ہی کہا ہے۔ کچھ حضرات نے جائز، کچھ حضرات نے بہتر، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی نے دنیوی اعتبار سے واجب کہا ہے اور یہ حدیث نقل کی ہے: ''أنتم أعلم بأمور دنیاکم''، لیکن راقم کے خیال میں شرعی واجب قرار دینے میں زیادتی فی الدین لازم آئے گا، جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں: ''واجب قرار دینا تو مشکل ہے، کیونکہ وجوب کے لئے قوی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، البتہ جائز یا مناسب قرار دیا جا سکتا ہے''۔ مولانا لکھتے ہیں کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ووٹ کے استعمال کی ایک شرعی حیثیت شہادت'' بھی بتائی ہے۔ لیکن یہ رائے پاکستان جیسے مسلم اکثریت والے ملک کو پیش نظر رکھ کر دی گئی معلوم ہوتی ہے، مگر ہندوستان جیسے غیر مسلم اکثریت والے ملک کی، مسلم اکثریت والے ملکوں سے برابری یا من کل الوجوہ مماثلت ضروری نہیں''۔ اس قسم کی بات مفتی اسعد قاسم سنبھلی نے بھی لکھی ہے۔

قاضی محمد ہارون مینگل لکھتے ہیں: ''اس موہوم امید پر ووٹ دینے کو شرعی واجب کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، اور نہ ہی غیر مسلم ممالک میں ووٹ دینے کو شہادت قرار دیا جا سکتا ہے، جو ضروری ہو اور اس کے کتمان کو گناہ قرار دیا جائے''۔

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی (پاکستان) نے ووٹ کے استعمال کی چار صورتیں بیان کر کے دو کو واجب، تیسری کو مستحسن ومباح، چوتھی کو ممنوع وحرام قرار دیا ہے (یعنی جب متعصب غیر مسلم کو ووٹ دینے کا مرحلہ ہو)۔

Marfat.com

ووٹ کی شرعی حیثیت کو متعین کرنے کے لئے مقالہ نگار حضرات نے ''شہادت''، ''وکالت''، ''شفاعت'' والی نصوص وآثار سے استدلال کیا ہے۔ بعض حضرات نے تفصیل کی ہے، بعض نے مختصراً لکھا ہے۔ البتہ مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس میں ایک چوتھی حیثیت ''مشورہ'' کا اضافہ بھی کیا ہے۔

شق (ج):

اس شق میں پوچھا گیا تھا: ''اگر بعض ایسی سیاسی جماعتیں الیکشن میں حصہ لیتی ہوں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، لیکن ان کے بعض امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب ہو تو کیا مسلمانوں کے لئے ان کی جماعتی فکر سے قطع نظر اشخاص وافراد کے ذاتی حالات کی بنا پر انہیں ووٹ دینا جائز ہوگا؟ اور کیا خود مسلمانوں کے لئے ایسی سیاسی جماعتوں میں شمولیت درست ہوگی؟''

اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات کا عام رجحان یہی ہے کہ نہ ایسی پارٹی میں شمولیت درست ہے، نہ ایسی پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دینا ہی درست ہے، خواہ ذاتی اعتبار سے وہ مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد ہی کیوں نہ ہو۔

مفتی اسعد قاسم سنبھلی لکھتے ہیں: قرآن کی اصطلاح میں وہ حزب الشیطان ہے۔ مضبوط ایمان کی موجودگی میں اس گروہ سے نبرد آزمائی ہی کے لئے تو امت کو مبعوث کیا گیا ہے، اب اس میں شمولیت کے کیا معنی؟

دونوں باتوں کو ناجائز کہنے والے بتاتے ہیں کہ موجودہ جماعتی سیاست، اور دل بدلے قانون کی موجودگی میں جماعت سے باہر فرد کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ شخص نہ چاہتے ہوئے بھی پارٹی اگر کوئی مسلم دشمن بل لائے تو حمایت پر مجبور ہوگا۔ دوم یہ کہ اس سے اس کی پارٹی کو اکثریت مل سکتی ہے۔

Marfat.com

اس کے برخلاف کچھ حضرات نے دونوں کی اجازت دی ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں: ''اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی نیت سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اگر بھاجپا میں شامل ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں''۔ مفتی عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں: ''دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت ممکن ہو تو شریک ہو سکتے ہیں''۔

یہاں مولانا ارشاد احمد قاسمی بھاگلپوری کی یہ عبارت بھی سامنے رہے تو بہتر ہے: خیال رہے کہ اس شخص سے فائدہ موہوم اور منشور کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونا یقینی ہے، لہذا یقینی کو موہوم کے تابع کر کے نہ ووٹ دینا جائز ہوگا اور نہ ایسی جماعتوں میں شمولیت جائز ہوگی۔

جو حضرات صرف امیدوار کو ووٹ دینے کی اجازت دیتے ہیں، ان کی آراء یہ ہیں: ''اگر اس سے بہتر کوئی امیدوار مسلمانوں کے حق میں نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں مسلمان اس امیدوار کو ووٹ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے حقوق دلوانے کا وعدہ کرے'' (مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا عامر ظفر ولد محمد صاحب)۔

''اگر کوئی ایسا بارسوخ ہو کہ اپنی جماعت کے پالیسی ساز افراد میں شامل ہو، وعدہ کرے کہ میں اپنی جماعت کی سوچ فکر اور ذہن کو بدلنے کی کوشش کروں گا تو اسے ووٹ دینے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے'' (جمیل احمد نذیری)۔

سیاسی تدبیر کے تقاضے کے طور پر استثنائی حالات میں ان کے کسی نیک خصلت امیدوار کو کامیاب کرانے کی خفیہ سعی کی جا سکتی ہے۔ اور اس طرح مضبوط کردار اور مخلصانہ ایمان کے حامل کسی مسلمان امیدوار کو ان کے ٹکٹ پر کامیاب کرانے میں حصہ لیا جا سکتا ہے یہ طرز عمل کسی موزوں متبادل کی عدم موجودگی میں ہی قابل غور ہے ورنہ نہیں (سید شکیل احمد انور حیدر آباد)۔

''اگر وہ اسمبلی تک ہی محدود ہے تو اسے ووٹ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت

Marfat.com

یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ کے حکام سے رابطہ رکھتا ہے، اس کا اثر ہے اور یقینی ہے کہ وہ مسلمانوں کا تحفظ کرے گا تو پھر اسے ووٹ دینا جائز ہوگا" (سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، پاکستان)۔

یہ وہ حضرات تھے، جنہوں نے مخصوص شرائط کے ساتھ ایسے امیدوار کو ووٹ دینے کی اجازت دی تھی، لیکن مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، سید امیر حسین گیلانی (پاکستان) نے امیدوار کی نیک خصلت اور مسلمانوں کے ساتھ مناسب رویہ کو ہی ووٹ دینے کے لئے کافی قرار دیا ہے۔ اور سید خورشید حسن رضوی حیدرآباد لکھتے ہیں: یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں، حالات کا سنجیدگی اور باریک بینی سے جائزہ لے کر جو بھی مناسب نظر آئے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

شق (د):

اس کا سوال یوں ہے: "اور کیا انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کی جا سکتی ہے یا نہیں، اور شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوگی؟"۔

اس سوال کا جواب تقریباً سارے ہی مقالہ نگار حضرات نے اثبات میں دیا ہے۔ کسی نے صرف جائز کہا ہے، کسی نے ضروری، کسی نے مستحسن۔ لیکن کچھ حضرات نے قیود لگائی ہیں۔

ملی مفادات کے تحت معاہدات کئے جا سکتے ہیں، لیکن اس مہم کو شرعی رنگ دینا یا مقتدی شخصیات کا اس میں شریک ہونا درست نہیں (مفتی اسعد قاسم سنبھلی)۔

بشرطیکہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہ ہو (مفتی محمد رفیع عثمانی)۔

بشرطیکہ وہ مذہب اسلام کے معاند اور مسلمانوں کے خلاف نہ ہوں (مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

بشرطیکہ اسلام اور مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو (مولانا اختر امام عادل)۔

Marfat.com

مقالہ نگار حضرات نے معاہدات کے جواز پر رسول اللہ ﷺ کے ان معاہدات سے استدلال کیا ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مختلف اوقات میں کبھی یہود سے، کبھی قریش مکہ سے، کبھی دوسرے قبائل سے کئے تھے۔

شق (ھ):

اس کا سوال یوں تھا: ''معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا امت مسلمہ کا شرعی فریضہ ہے۔ ان مقاصد کے لئے بعض اوقات سماج کے مختلف طبقات سے تعاون حاصل کرنا پڑتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ بعض دفعہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کاموں کو انجام دیا جاتا ہے، تو کیا سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کو روکنے کے لئے غیر مسلم بھائیوں کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے اور ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں؟''۔

اس کا جواب بھی تقریباً سارے مقالہ نگاروں نے اثبات میں دیا ہے، اس کی مشہور مثال ''حلف الفضول'' سے دی ہے۔ بعض حضرات نے صرف جائز کہنے پر اکتفاء کیا ہے، بعض حضرات نے شرطیں لگائی ہیں کہ مقاصد اسلام کو نقصان نہ پہنچے، مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو، وہ ہم کو منکر میں شریک نہ کریں تو جائز ہے۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عامر ظفر، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد عبیداللہ (لاہور)، مفتی محمد رفیع عثمانی (پاکستان)، مولانا سید امیر حسین گیلانی اور مولانا محمد اقبال قاسمی نے لکھا ہے کہ اس طرح کی تنظیمیں خود مسلمان بنائیں یا پھر ان میں مسلمانوں کا غلبہ ہو، آخری فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہو، مسلم شناخت کے ساتھ ہو تاکہ اس کا کریڈٹ مسلمانوں کو ملے۔

Marfat.com

مفتی اسعد قاسم سنبھلی نے اس سوال کو ہی عجیب قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''معروف و منکر خالص شرعی اصطلاحیں ہیں جن کے امر و نہی کی ذمہ داری قرآن کریم نے ہر جگہ اہل ایمان پر ڈالی ہے، ...... پھر دو سطروں کے بعد لکھتے ہیں: یہ سوال کچھ عجیب سا لگتا ہے، اول تو معروف و منکر کی تعیین ہی میں ہمارے اور ان کے درمیان بڑا اختلاف پیدا ہوگا اور شاید چند ہی چیزیں متفق علیہ ہوں گی۔ اب ہمارے مخاطب اگر غیر مسلم ہیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ وہ پہلے ایمان لانے کے مکلّف ہیں۔ اگر مخاطب مسلمان ہیں تو ان پر سب سے زیادہ اخلاقی دباؤ علماء امت ہی کا پڑتا ہے، دوسروں کی شرکت سے بدگمانی پیدا ہوگی اور حق و باطل کا تصور بھی ختم ہو جائے گا، اس لئے ایسے ادارے قائم کرنا اور ان میں شرکت کرنا درست نہیں۔ ہمیں یہ کام حسب سابق اپنے ہی طور پر کرنا چاہئے''۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کو بھی سوال کے ایک لفظ پر اشکال ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''نوٹ: سوال نمبر (۵) میں دو جگہ غیر مسلموں کے لئے ''غیر مسلم بھائیوں'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے کئی جگہ غیر مسلموں کو دوست بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور بھائی بنانا تو دور کی بات ہے، اخوت کا رشتہ تو صرف اہل اسلام کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔

پھر سورۂ ممتحنہ/۱، سورہ مائدہ/۵۷، سورہ مائدہ:۵۱، سورۂ حجرات:۱۰ کی آیات کریمہ نقل کی ہیں۔

✦✦✦

Marfat.com

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل

سوال نمبر ۲ (الف، ب، ج، د، ھ):

مفتی انور علی اعظمی، دار العلوم مئو

سوالنامہ ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل کے سوال ۲ کی سبھی پانچ شقوں کے عرض کی ذمہ داری راقم الحروف کے سپرد کی گئی ہے۔

اس سوال میں پانچ شقیں ہیں:

(الف) میں یہ پوچھا گیا ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا بہتر ہے تاکہ وہ غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق وکردار کے ذریعہ متاثر کرسکیں، یا اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا بہتر ہے تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں؟

اس سوال کے جواب میں زیادہ تر مقالہ نگاروں نے علاحدہ آبادی بنانے کو بہتر قرار دیا گیا ہے تاکہ غیر مسلموں کے مذہبی اور ثقافتی اثرات سے محفوظ رہ سکیں، اس رائے سے موافقت کرنے والوں میں مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوالعاص

Marfat.com

وحیدی، مولانا یعقوب قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عامر ظفر اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا سلمان کھلی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا شکیل احمد انور، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس الدین (نوگاؤں)، مولانا عبیداللہ (لاہور)، قاضی محمد ہارون (پاکستان)، مفتی ذاکر حسین (پشاور)، مولانا ارشاد احمد (گورینی)، مولانا ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ)، مفتی عبدالرحیم قاسمی (بھوپال)، مولانا اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی (دربھنگہ)، مولانا اختر امام عادل وغیرہ ہیں۔

اختلاف کرنے والوں میں ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا امیر حسین گیلانی (رکن جمعیت علماء اسلام پاکستان) لکھتے ہیں کہ پختہ اور مضبوط مسلمانوں کو مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا چاہئے اور کمزور مسلمانوں کو علاحدہ آبادی میں۔ یہی رائے مولانا ذاکر حسین (رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان) کی بھی ہے۔

مولانا ثابت شمیم رشادی لکھتے ہیں کہ سکونت کا مسئلہ حالات پر چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کی بھی یہی رائے ہے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی رائے ہے کہ دونوں طرح کی آبادی میں رہائش اختیار کرنا درست ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں ہندوستان جیسے ملک میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، نیز اپنے دین و ایمان کے تحفظ کے لئے علاحدہ آبادیوں میں رہنا تو بہت بہتر ہے، لیکن سارے مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا عملاً بہت مشکل ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ دیہات کے غریب مسلمانوں کے لئے مالیات کی فراہمی کا ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں

Marfat.com

میں بھی مسجدیں موجود ہیں، اگر سارے مسلمان ایسی آبادیاں چھوڑ کر اپنی الگ بستیاں بسانے کی کوشش کریں گے تو ہزاروں مسجدیں ویران ہوجائیں گی، ہزاروں مقابر کی بے حرمتی ہوگی۔ ابھی ہم ایک بابری مسجد کے مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں، ہمارے سامنے ایسے سینکڑوں مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بعض حضرات نے غیر مسلم آبادیوں سے الگ ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "أنا برئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين" . (رواه الثلاثة وإسناده صحيح) (سبل السلام ۴/ ۹۷) لیکن اس حدیث کا تعلق دارالحرب کے مسلمانوں سے ہے۔ بعض حضرات نے "ابوداؤد شریف" کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: "من جامع المشرک وسکن معه فإنه مثله" (بذل المجہود ۴/ ۷۲)، لیکن اس حدیث کی شرح میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں: "والأحسن أن يقال: معناه اجتمع معه أي اشترک في الرسوم والعادة والهيئة والزي.....ويحتمل أنه تغليظ" (۵/ ۶۷)۔

اس زمانہ میں بعض ترقی پسند مسلمان مسلم محلوں سے کوچ کر کے غیر مسلم محلوں میں بسنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو اپنی ترقی سمجھتے ہیں۔ اس کی بعض مثالیں احمد آباد (گجرات) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ طریقہ ان کی مذہبی بیزاری کی علامت ہے۔ بعض مسلمان اِکا دُکا غیر مسلم محلوں میں آباد دکھائی دیتے ہیں، وہاں مسجد بھی نہیں ہوتی، اسلامی شعار کے ساتھ رہنا بھی مشکل ہے۔ ایسے مسلمانوں کو یقیناً مسلم آبادیوں میں منتقل ہوجانا چاہئے، لیکن جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود ہیں، مساجد ومقابر ہیں، اگر ان آبادیوں میں غیر مسلموں کی رہائش بھی ہو تو وہاں ان کے مذہبی اور ثقافتی اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے دعوتی اور تبلیغی نظام کو مضبوط کیا جائے۔ دینی مراکز قائم کئے جائیں، مسلمانوں کی دینی حس بیدار کی جائے، آبادیاں چھوڑ کر بھاگنا ہمارے مسئلہ کا مستقل حل نہیں ہے، بلکہ اپنی

Marfat.com

کمزوریوں کا علاج تلاش کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اپنی غفلت دور کرنے کی فکر نہیں کریں گے تو کہیں بھی دینی تشخص کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا۔ اس کی مثال میں بہت سے مسلم شہروں بلکہ بعض مسلم ملکوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

ب۔ اس شق میں دو باتیں مذکور ہیں، مسئلہ کی وضاحت کے لئے ان کو الگ الگ کرنا مناسب ہوگا۔ ایک مسئلہ ہے کسی غیر مسلم میت کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کا۔ اس کے جواب میں تقریباً سارے مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ کسی غیر مسلم میت کے لئے ایصال ثواب، دعا اور استغفار جائز نہیں۔ واضح دلیلیں کتاب وسنت میں موجود ہیں: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ماتبين لهم أنهم أصحاب الجحيم" (سورۂ توبہ: ۱۱۳)۔

دوسری واضح دلیل صحیح مسلم "کتاب الجنائز" میں موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ماں کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو اللہ رب العزت نے اس کی اجازت نہیں دی، صرف آپ ﷺ کو زیارت قبر کی اجازت ملی، آپ ﷺ گئے اور خود بھی روئے اور ساتھ والوں کو بھی رلایا (صحیح مسلم کتاب الجنائز، جلد ۱)۔

اس شق میں دوسرا مسئلہ ہے کسی مشرک کے جنازہ میں شرکت کرنے اور آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنے کا۔

اکثر مقالہ نگاروں نے جنازہ اور آخری رسومات میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مانعین کے اسماء یہ ہیں: مولانا راشد حسین ندوی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا صادق مبارکپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا خورشید حسن رضوی، مولانا اسرار الحق سبیلی،

Marfat.com

سید شکیل انور، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس الدین (آسام)، مولانا عبید اللہ (لاہور)، قاضی محمد ہارون (پاکستان)، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔

سید امیر حسین گیلانی (پاکستان)، مفتی ذاکر حسین نعمانی (پشاور)، مولانا ارشاد احمد (گورینی)، مولانا عبد الرحیم (بھوپال)، مولانا ابوبکر قاسمی (دربھنگہ)، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ثابت شمیم رشادی اور مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ جنازہ سے آگے یا کنارے دوری بنائے ہوئے شرکت کی جاسکتی ہے۔ مولانا ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ) کی رائے بھی یہی ہے، مفتی جمیل احمد نذیری اور ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی نے جلوس جنازہ میں شرکت کی گنجائش ذکر کی ہے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی صاحب بھی اس رائے سے متفق ہیں۔

جلوس جنازہ میں شرکت کی اجازت دینے والوں نے مصنف عبد الرزاق کے آثار کا حوالہ دیا ہے۔ مانعین نے قرآنی آیت: "ولاتصل علی أحد منهم مات أبداً ولا تقم علی قبرہٖ" (سورۂ توبہ) سے استدلال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے انتقال پر حضرت علیؓ سے کہا: "اذهب فواره" (جاؤ اس نعش کو چھپادو)، ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خود نہیں گئے۔ اس لئے عام حالات میں مسلمانوں کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ کفار کے جنازہ اور مذہبی رسومات میں شرکت نہ کریں۔ بعض حالات استثنائی ہوتے ہیں، شریعت بھی شدید ضرورت کے وقت کچھ گنجائش دیتی ہے۔

مصنف عبد الرزاق کی روایات کو اسی طرح کی شدید مجبوریوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ عمومی حالات میں مسلمانوں کا وطیرہ وہی ہونا چاہئے جو قرآن کریم نے سید ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ میں ذکر کیا ہے: "فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه" (سورۂ توبہ)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعا کرتے رہے، لیکن جب ان کو معلوم ہوگیا کہ ان کا باپ اللہ کا

Marfat.com

دشمن ہے، یعنی حالت کفر پر مر چکا ہے تو ابراہیم علیہ السلام بالکل الگ ہو گئے۔ اس کے بعد اس کی ہمدردی اور مروت میں کوئی کام نہیں کیا۔ اس دور کے نامور مفتیان کرام مثلاً مفتی محمود الحسنؒ، مفتی نظام الدینؒ، مفتی عبد الرحیم لاجپوری، مفتی رشید احمد نعمانی وغیرہم کی رائے بھی یہی ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ فتنہ اور مداہنت کا دور ہے۔ اگر عمومی اجازت دے دی جائے تو مسلمانوں میں ایک مصلحت پسند طبقہ ہے، وہ اس اجازت کا غلط مطلب نکالے گا اور وہ کھلم کھلا غیر مسلموں کے جنازہ میں شرکت کرنے لگے گا۔ ان کے مذہبی نعروں سے متاثر ہوگا۔ اس لئے اس مسئلہ میں عمومی اجازت کا دروازہ بند کر دینا چاہئے، اگر کہیں کوئی شدید مجبوری ہو تو وہاں مفتی سے مسئلہ پوچھ کر ہی عمل کیا جائے۔

ج۔ غیر مذہبی تقریبات جیسے شادی، بچہ کی پیدائش وغیرہ کے مواقع پر کسی غیر مسلم کی طرف سے جو تحفے تحائف یا مٹھائی وغیرہ مسلمانوں کو بھیجے جاتے ہیں، ان کے بارے میں عمومی رجحان یہ ہے کہ ان کے لینے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اس میں یہ شرط ذکر کی ہے کہ اس کے پاک ہونے کا گمان غالب ہو، یا اس میں کوئی پلید اور ناپاک شی نہ ملی ہو۔ اس شرط سے اصل مسئلہ میں کوئی خلل نہیں پڑتا، کیونکہ ناپاکی کا معمولی سا بھی شبہ ہو جانے کے بعد کوئی مسلمان نہ اسے قبول کرے گا اور نہ ہی کھائے گا۔ مذہبی تقریبات سے متعلق جو تحائف ہوتے ہیں ان کی دو قسم ہے: ایک تو وہ جو بتوں کو چڑھائے ہوئے ہوں، جن کو پرشاد کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی عمومی رائے یہی ہے کہ ان کا لینا اور کھانا جائز نہیں ہے۔ مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی لکھتے ہیں کہ بتوں کا چڑھاوا وصول کر کے کسی غیر مسلم کو بطور ہدیہ بھیج دینا چاہئے، لیکن عام مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ ایسا ہدیہ قبول نہ کیا جائے، کیونکہ وہ "ما أهل به لغير الله" کے زمرہ میں آتا ہے۔ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں کہ ایسے ہدیہ کو قبول نہ کرنے کی معقول وجہ ان کو سمجھا دی جائے تا کہ کسی طرح کی بددلی نہ ہو۔ تہوار پر ملنے والے غیر مسلم کے تحفہ کی

Marfat.com

دوسری قسم وہ ہے جس کا پوجا پاٹ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ محض خوشی کا اظہار مقصود ہو، جیسے دیوالی کے موقع پر ملنے والا تحفہ، کاروباری تعلق کی بنا پر غیر مسلم اپنے مسلم تعلق والوں کو مٹھائیاں بھی دیتے ہیں اور سامان بھی۔ اگر کسی غیر مسلم کا کسی مسلم سے لمبا تجارتی لین دین ہو تو اس موقع پر بڑے بڑے قیمتی سامان، مثلاً فریج، کولر وغیرہ دیتا ہے اور عام تعلق والوں کو مٹھائی کی پرچیاں دیتے ہیں کہ فلاں دکان سے اتنی مٹھائی لے لو، اس دکاندار سے ان کا معاملہ پہلے طے ہوتا ہے۔ اس قسم کے ہدایا کے بارے میں عام رجحان جواز کا ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی دیوالی کے تحفہ کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ''الاقتضاء'' میں متعدد صحابہ کرام کے آثار مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں، ان سے غیر مسلموں کے تہوار کے تحفے قبول کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ مجوسیوں سے ہمارے تعلقات ہیں اور اس کی وجہ سے وہ اپنے تہوار کے موقع پر ہمیں ہدیہ دیتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: وہ اگر گوشت وغیرہ دیں تو نہ کھاؤ، البتہ پھل وغیرہ کھا سکتی ہو۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے بھی یہی منقول ہے، انہوں نے اپنے گھر والوں کو ہدایت کی کہ نیروز اور مہرجان کے موقع پر جو تحفے مجوسی لوگ بھیجتے ہیں ان میں سے پھل وغیرہ تو کھالو اور باقی چیزیں واپس کردو (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ الاقتضاء)۔

د۔ مساجد و مدارس اور مذہبی جلسوں میں غیر مسلموں کا تعاون درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اگر غیر مسلم اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے اور یہ اندیشہ بھی نہیں ہے کہ اس پر احسان جتلائے گا یا اس کے عوض اپنی عبادت گاہ یا مذہبی رسومات میں چندہ طلب کرے گا تو اس کا چندہ لینا درست ہے۔ اس کے قائل ہیں: مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عامر ظفر، مولانا

Marfat.com

خورشید احمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد صادق مبارکپوری، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا سید اسرارالحق سبیلی، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس الدین (آسام)، مولانا عبیداللہ لاہوری، سید امیر حسین گیلانی، مولانا عبدالرشید صاحب جونپوری، مولانا ذاکرحسن (پاکستان)، مولانا ارشاد احمد بھاگلپوری، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبدالقادر، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابراہیم گجیافلاحی۔

اس رائے سے اختلاف کرنے والوں میں مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابوالعاص وحیدی، قاضی محمد ہارون مینگل ہیں۔ مولانا سید خورشید حسن رضوی لکھتے ہیں کہ اس رجحان کی ہمت شکنی ہونی چاہئے۔ مولانا اسعد قاسم سنبھلی کہتے ہیں کہ فقہاء اسے درست نہیں سمجھتے، لیکن اس پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔ اسی طرح مولانا نیاز احمد مدنی اور مولانا ابوالعاص وحیدی نے بھی اپنی رائے پر کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔ قاضی محمد ہارون مینگل (پاکستان) نے عدم جواز پر (ردالمحتار ۳/ ۳۹۴) کی ایک عبارت نقل کی ہے، مگر وہ عبارت عدم جواز کے بجائے جواز پر صراحۃً دلالت کرتی ہے: **"أن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندھم کالوقف علی الفقراء"** اور **"علی مسجد القدس" الخ۔**

اس مسئلہ میں معقول اور مناسب رائے وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی، یعنی اگر چندہ دینے والے غیر مسلم اپنے اعتقاد میں اسے قربت سمجھتے ہیں اور اس کے عوض ان کی عبادتگاہ میں چندہ کے مطالبہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا پیسہ مساجد مدارس اور جلسوں میں قبول کیا جاسکتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتیان دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر اصحاب افتاء کی یہی رائے چلی آرہی ہے۔ ہمیں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ ہندوستان میں سینکڑوں کی تعداد

Marfat.com

میں ایسی مسجدیں ہیں جنہیں ہندوراجاؤں اورزمینداروں نے اپنی زمینوں پر اپنے صرفہ سے تعمیر کرایا اور علماء نے اس کو مسجد تسلیم کیا۔ آج بھی وہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ البتہ جہاں اس قسم کے اندیشے موجود ہوں کہ اس کے عوض وہ مندر میں چندہ کا مطالبہ کریں گے، وہاں یقیناً پرہیز کیا جانا چاہئے۔ بعض حضرات نے اس کو اسلامی غیرت کے خلاف لکھا ہے۔ میری سمجھ سے یہ بات وہیں ہوسکتی ہے جہاں ان سے مطالبہ کیا جائے اور اگر وہ بغیر مطالبہ کے محض قربت اور نیکی کے تصور سے دے رہے ہیں، وہاں اسلامی غیرت بھی برقرار رہتی ہے۔

ھ- ایک مسلمان دوسرے مذہبی گروہ کے تہوار میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل ہیں: مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا یعقوب قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا خورشید احمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا عبداللطیف، مولانا اسرار الحق سبیلی، شکیل احمد انور حیدرآباد، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا شمس الدین (آسام)، مولانا عبیداللہ (لاہور)، قاضی محمد ہارون مینگل، سید امیر حسین گیلانی (پاکستان)، ذاکرحسین نعمانی (پاکستان)، مولانا عبدالرشید جونپوری، مولانا ارشد مدنی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، ایم اے عبدالقادر، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ارشاد عالم بھاگلپوری۔

جواز کے قائلین میں مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور مولانا محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی نے ضرورت واضطرار کو بنیاد بنایا ہے۔ مولانا پاکستان میں رہتے ہیں،

Marfat.com

اس لئے انہیں اندازہ لگانے میں دشواری ہوئی، ہم لوگ ہندوستان میں اس حد تک مجبور ہرگز نہیں ہیں، لہذا ایسے مسائل میں ضرورت کو بنیاد بنا کر فسق و فجور اور شرک وکفر کے مراکز پر جانے کی اجازت دینا بہت سے مفاسد کو جنم دے گا اور ہمارے نوجوانوں کے لئے بے راہ روی کا سبب ہوگا۔

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دینا بھی درست نہیں۔اس کے قائل ہیں: مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا شکیل انور حیدرآباد، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی، مولانا شمس الدین (آسام)، مولانا عبید اللہ لاہور، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عبدالرشید جونپوری، مولانا ارشد مدنی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، ایم اے عبدالقادر، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل۔

مقالہ نگاروں میں بہت سے حضرات مبارکباد دینے کو درست قرار دیتے ہیں۔ان کے اسماء یہ ہیں: مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عامر ظفر، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ارشاد احمد بھاگلپوری، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی صاحب کا یہ جملہ بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ وارانہ یکجہتی، خیر سگالی اور رواداری کی نیت سے غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دی جاسکتی ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں اس کی گنجائش مولانا برہان الدین سنبھلی بھی دیتے ہیں۔عید کے موقع پر وہ مسلمانوں کو مبارکباد دیتے ہین۔اس کے جواب میں لفظی تہنیت مسلمان بھی دے دیں۔عیدملن کے جواب میں بعض شہروں میں ہولی ملن وغیرہ کی رسمی تقریبات ہوتی ہیں۔ان کا مقصد فرقہ وارانہ یکجہتی اور خیر سگالی ہوتا ہے۔ ہندوستان کے فرقہ وارانہ ماحول میں اس کی

Marfat.com

ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اس لئے اس طرح کے پروگرام میں کچھ مسلمان شریک ہولیں اور کچھ رسمی اور لفظی مبارکباد دے دیں، تاکہ مسلمانوں پر فرقہ واریت کا الزام نہ آئے۔

غیر مسلموں کی طرف سے افطار پارٹی کی رسم زیادہ تر سیاسی مقاصد سے کی جاتی ہے، اس سے ہمارے روزہ کا تقدس متاثر ہوتا ہے، ایسی پارٹیوں کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہئے۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل

سوال نمبر ۳ (الف، ب، ج):

سید اسرار الحق سبیلی، حیدر آباد

سوال نامہ: ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' کے سوال نمبر: ۳ سے متعلق عرض مسئلہ تیار کرنے کے لئے مجھے (۴۸) مقالات موصول ہوئے۔ یہ سوال تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ الف کا سوال ہے:

''آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے، اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھا جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے کیا یہ درست ہے''؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں، ہم نے انہیں (۶) گروہ میں تقسیم کیا ہے، ۹ حضرات نے اسے مطلق ناجائز قرار دیا ہے، ایک صاحب نے بدعت قرار دیا ہے، ۲ حضرات کی رائے میں یہ مکروہ ہے، ۳ حضرات نے اسے مشروط طور پر ناجائز قرار دیا ہے، جبکہ ۱۵ مقالہ نگار نے بہ حالت مجبوری اسے جائز قرار دیا ہے اور ۱۷ اصحاب نے اسے مطلق جائز قرار دیا ہے۔

۱- مطلق ناجائز قرار دینے والے ۹ حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا ابو العاص وحیدی، مفتی

Marfat.com

مجاہد الاسلام قاسمی (آسام)، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی۔

مولانا عبدالرشید قاسمی نے ایک آیت اور سیدنا عمر فاروقؓ کے قول سے استدلال کیا ہے:

''يا أيها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون'' (سورۂ بقرہ:۲۱)۔

''إني لأعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت النبي ﷺ يقبلک ما قبلتک'' (بخاری ۱/۲۱۷)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے دلیل میں ''جواہر الفقہ'' کی یہ عبارت ذکر کی ہے:

''لہذا کسی خاص ہیئت ونوعیت کا یقین، پھر اس کی خصوصیت کا اور اس میں خاص تقدس کا ادعا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے'' (جواہر الفقہ ۱/۱۴۵)۔

مولانا اختر امام عادل نے ''امداد الفتاوی'' میں حضرت تھانویؒ کا مفصل فتوی: ''عجالة كشف الحجاب عن مسألة تعظيم بعض الأنصاب'' کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے قومی جھنڈے کو سب سے بڑے ''سیاسی بت'' سے تعبیر کیا ہے، جس کو قرآن کی زبان میں ''الانصاب'' کہا جا سکتا ہے: ''يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان'' (سورۂ مائدہ:۸۹)۔ انہوں نے ''رد المحتار، البحر الرائق، فتاوی بزازیہ اور ہندیہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو عزت افزائی کے لئے سلام کرنا جائز نہیں۔ بعض فقہاء نے اس کو کفر تک کہا ہے، نیز غیر مسلم کی درازی عمر اور سدا سلامتی کی دعا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ انہوں نے ''اعلاء السنن'' اور ''فتح الباری'' کی روشنی میں جھنڈے کے گرد کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے دلائل کے لئے اپنی کتاب: ''موجودہ مسائل کا شرعی حل'' میں موجود مقالہ کا حوالہ دیا ہے، لیکن وہ کتاب مجھے دستیاب نہیں ہو سکی۔

Marfat.com

مفتی مجاہد الاسلام قاسمی نے "مسند احمد" کی یہ حدیث ذکر کی ہے: "ولو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها"۔

۲-جھنڈے کی سلامی کو بدعت قرار دینے والے واحد شخص مولانا محمد ارشد المدنی (جامعۃ الامام ابن تیمیہ) ہیں، انہوں نے اس بارے میں دو احادیث ذکر کی ہیں:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (بخاری: ۱/۱۷۳)۔

"إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة" (ابوداؤد ۲/۲۷۹)۔

۳-مکروہ قرار دینے والے دو حضرات: مولانا محمد اقبال قاسمی اور مولانا ظفر عالم ندوی ہیں۔ مولانا محمد اقبال قاسمی نے احترام میں غلو کی بنا پر مکروہ قرار دیا ہے اور مولانا ظفرؔ عالم ندوی نے اسے لا حاصل احترام کہا ہے، جو شریعت اسلامی کی روح کے خلاف ہے۔

۴-مشروط طور پر ناجائز قرار دینے والے تین اصحاب ہیں:

مولانا عامر ظفر، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی۔

ان حضرات کے نزدیک اگر سلامی کے وقت سر جھکایا جائے اور ہاتھ جوڑا جائے تو ہی ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے، واضح ہو کہ سلامی کے وقت سر جھکا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ سر اوپر کی طرف اور نگاہ پرچم کی طرف ہوتی ہے اور ایک ہتھیلی کان کے پاس ہوتی ہے۔

۵-بہ حالت مجبوری اور مصلحۃً جائز قرار دینے والے ۱۵ حضرات ہیں:

مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد سلمان (گجرات)، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد شمس الدین (آسام)، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مولانا راشد حسین ندوی، سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا محمد ارشاد بھاگل پوری، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد عبیداللہ (لاہور)۔

Marfat.com

مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مولانا محمد سلمان، راشد حسین ندوی اور مولانا محمد ارشاد بھاگل پوری نے ''فتاوی رحیمیہ'' کا حوالہ دیا ہے۔ ''فتاوی رحیمیہ'' کی عبارت ہے: ''یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے، اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے، بچنا اچھا ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بادل ناخواستہ کرنے میں مؤاخذہ نہیں ہوگا، انشاء اللہ'' (فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۲۸۸)۔

مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا محمد ارشاد اور مولانا راشد حسین ندوی نے مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتوی پیش کیا ہے، جو ۱۹۳۹ء میں ہفتہ وار ''نقیب'' پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ فتوی کا متن اس طرح ہے: ''جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتا ہے۔ سلامی ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہوسکتی ہے، مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے'' (نقیب، پٹنہ، جولائی ۱۹۳۹ء)۔

مفتی عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد شمس الدین اور مولانا ثابت شمیم رشادی نے فقہی قواعد: ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة'' اور ''الضرورات تبيح المحظورات'' پیش کئے ہیں۔ مولانا محمد ارشاد بھاگل پوری نے فقہی قاعدہ: ''إذا ضاق الأمر اتسع '' سے بھی استدلال کیا ہے۔

۶-۱۷ حضرات جنہوں نے جھنڈے کی سلامی کو مطلق جائز قرار دیا ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابراہیم، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، جناب سید خورشید حسن رضوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، جناب سید شکیل احمد انور۔

Marfat.com

اس گروہ نے جھنڈے کو ایک سیاسی رواج قرار دیا ہے کہ اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مفتی محبوب علی وجیہی نے لکھا ہے کہ جھنڈا فی نفسہ کوئی قابل احترام چیز نہیں ہے، صرف اس کی سلامی اس ملک کے اصول وقوانین کے احترام کو ظاہر کرنے کے لئے رکھی گئی ہے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس ملک کا ادب واحترام ہمارے دلوں میں ہے، اس نیت سے اگر جھنڈے کو سلامی دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قاضی محمد ہارون مینگل صاحب نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے اسلامی جھنڈے کو آخری دم تک گرنے نہیں دیا، احتراماً ہر قوم کو اپنا جھنڈا عزیز ہے، لہذا اگر وہ اس کا احترام کریں تو یہ ان کا حق ہے، خواہ ملک کا باشندہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ان کی رائے میں جھنڈے کی سلامی اس کا احترام اور اس کی سلامتی کی دعا ہے، اس کے احترام میں کوئی خرابی نہیں، لہذا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی کا کہنا ہے کہ ایک مسلمان کی طرف سے ایسے موقع پر نیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کا ملک جس کا یہ جھنڈا ہے، وہ خوش حال وشاداب، آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہے، غیر مسلم اکثریتی ملک ہونے کی صورت میں اللہ اس کے باشندوں کو اسلام کی طرف راغب ہونے کی توفیق عطا کرے۔ "إنما الأعمال بالنيات" کے بموجب اس نیت سے جھنڈے کو سلامی دی جاسکتی ہے۔ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی نے لکھا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں، انہوں نے حدیث: "ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن" سے استدلال کیا ہے۔

ان کے علاوہ مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی نقل کیا ہے۔ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدرآباد کے سمینار کی تجویز نقل کی ہے، یہ سمینار جون ۲۰۰۰ء میں حیدرآباد میں "غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے مسائل" کے عنوان سے منعقد ہوا تھا۔ مذکورہ

Marfat.com

مسئلہ سے متعلق اس کی تجویز اس طرح ہے: ''قومی پرچم کوسلامی دینا اور قومی ترانہ کے درمیان کھڑا ہونا عبادت و بندگی کے قبیل سے نہیں، بلکہ ملک سے محبت وتعلق کے اظہار کی ایک علامت سمجھی جاتی ہے، اس پہلو سے گواس کی گنجائش ہے، لیکن یہ اسلامی مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے'' (ماہ نامہ الرشاد اعظم گڑھ، نومبر ۲۰۰۰)۔

اسی طرح دیکھا جائے تو مقالہ نگاروں میں صرف دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ جھنڈے کو سلامی دینا کسی صورت جائز نہیں، اس رائے کے حاملین دس حضرات ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا نیاز احمد مدنی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی۔

باقی ۳۷ حضرات نے کسی نہ کسی صورت میں سلامی دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ ایک مقالہ نگار ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی نے اس مسئلہ سے متعلق اپنی رائے ذکر نہیں کی ہے۔

آخر میں ایک وضاحت یہ ہے کہ پرچم کشائی اور پرچم کی سلامی دراصل ایک سیاسی اور سرکاری عمل ہے، لیکن ملک کے اکثریتی طبقہ نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کو مشرکانہ رنگ دے دیا ہے۔ بعض جگہوں میں زمین پر ہندوستان کا نقشہ بنایا جاتا ہے، اس کے بیچ میں پرچم کی لکڑی نصب کی جاتی ہے، کسی پنڈت کے ذریعہ اگربتی جلائی جاتی ہے، ناریل پھوڑا جاتا ہے، ناریل کے پانی کا چھڑکاؤ ہندوستان کے نقشہ، گاندھی کی تصویر اور پرچم پر کیا جاتا ہے، گاندھی کی پیشانی پر لال ٹیکہ لگایا جاتا ہے، پرچم کشائی کے بعد آخر میں بھارت ماتا کی جے کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اسے صرف سیاسی رواج نہیں کہا جاسکتا، اور اب تو بھارت ماتا کا مندر بنانے کی بات کہی جارہی ہے۔

Marfat.com

شق (ب) میں سوال ہے:

بعض ملکوں میں ایسے قومی ترانے مروج ہیں، جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں۔ خود ہندوستان میں ''وندے ماترم'' پڑھنے کو کہا جاتا ہے، جس میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، کیا مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا جائز ہوگا؟

تمام ہی مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ وندے ماترم اور اس جیسے مشرکانہ گیت کا پڑھنا جائز نہیں۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا راشد حسین ندوی، سید خورشید حسن رضوی، مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی اور سید شکیل انور صاحب نے بہ حالت مجبوری وندے ماترم پڑھنے کی اجازت دی ہے، جبکہ مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین صاحب نے بہ حالت مجبوری بھی وندے ماترم پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی اور مولانا یعقوب قاسمی نے اس موقعہ پر کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اس طرح کی کوئی مجلس ہو اور اس میں شرکت لازم ہو تو ترانہ میں ذکر کردہ جملوں کو پڑھنے پر علی الاطلاق کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ وندے ماترم کے معنی جہاں وطن کی پوجا کرنے کے ہیں وہیں دوسرے معانی بھی ہیں، لہذا پڑھنے والا جو مراد لے اسی اعتبار سے اس کا حکم ہوگا، لیکن انہوں نے دوسرے معنی نہیں بتائے ہیں۔ راقم الحروف کا ناپختہ خیال ہے کہ اجتماعی طور پر وندے ماترم پڑھنے کی مجبوری ہو تو وندے ماترم کے بجائے دوسری نظم یا کلمہ توحید گنگنانا چاہئے، اور اجتماعی طور پر ایسے متنازع گیت کو قومی گیت سے خارج کرنے کا مطالبہ کرنا چاہئے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے لکھا ہے کہ ''وندے ماترم'' کے خلاف مسلم عوام اور

Marfat.com

عمائدین کو منظم ہو کر جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس کے لئے میڈیا کی پوری طاقت استعمال کرنی چاہئے اور پورا دباؤ بنانا چاہئے اور جس اسکول اور کالج میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دے دیا گیا ہو، وہاں سے اپنے بچے کو نکال لینا چاہئے۔

مولانا نعیم اختر قاسمی نے مشرکانہ ترانے اور اس میں شریک ہونے، دونوں کو ناجائز گردانا ہے۔ مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے مختصر جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکانہ مضامین پر مشتمل قومی ترانے مسلمانوں کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔ مفتی ذاکر حسن نعمانی نے وندے ماترم کو بہ طور حکایت پڑھنے کو درست قرار دیا ہے۔ انہوں نے دلیل میں یہ آیت پیش کی ہے: ''قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحانہ'' (سورۂ یونس: ۶۸) میں ''اتخذ اللہ ولدا'' کفریہ کلمہ ہے، مگر قرآن نے اس کو نقل کیا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔

وندے ماترم کو ناجائز قرار دینے والوں نے مختلف دلیلیں ذکر کی ہیں۔ مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین صاحب نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی ہے:

''قل أفغير الله تأمروني أعبد أيها الجاهلون، ولقد أوحي إليك وإلى الذين من قبلك ، لئن أشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخاسرين'' (سورۂ زمر: ۶۴، ۶۵)۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین صاحب نے یہ آیت ذکر کی ہے:

''إنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأ واه النار، وما للظالمين من أنصار'' (سورۂ مائدہ: ۷۲)۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی نے ''إن الشرك لظلم عظيم'' (سورۂ لقمان: ۱۳)، مولانا راشد حسین ندوی نے: ''إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد ضل ضلالا بعيدا'' (سورۂ نساء: ۱۱۶) اور مولانا

Marfat.com

محمد اقبال قاسمی نے: "ولئن اتبعت أهواء هم من بعد ما جاء ک من العلم إنک إذا لمن الظالمين" (سورۂ بقرہ:۱۴۵) آیات پیش کی ہیں۔

مولانا یعقوب قاسمی، مولانا محمد شمس الدین اور مفتی مجاہد الاسلام قاسمی نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔

مولانا محمد عبید اللہ (لاہور) نے "بخاری" کی یہ حدیث لکھی ہے:

"عن الربيع بنت معوذ بن عفراء ......فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آباء ي يوم بدر، إذ قالت إحداهن: "وفينا نبي يعلم ما في غد" . فقال النبي ﷺ: دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين" (رواہ البخاری، مشکاۃ ۲/۲۷۱)۔

مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا سید محمد ذاکر حسین صاحب جنہوں نے اضطرار کی حالت میں ونڈے ماترم پڑھنے کی اجازت دی ہے، دلیل میں یہ آیت پیش کی ہے:

"إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان" (سورۂ نحل:۱۰۶)۔

شق (ج) کا سوال ہے:

جو ادارے ملک کے باشندوں کو انصاف فراہم کرتے ہیں وہ ملک میں مروج قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی وجہ سے بعض اوقات ایسے فیصلے بھی کر سکتے ہیں جو اسلامی اور شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہوں، ایسے معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو انہیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے کیا اس کے لئے اس سے استفادہ کی گنجائش ہے؟

Marfat.com

تمام ہی مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ جس فریق کے حق میں غیر شرعی فیصلہ ہوا ہے، اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں مولانا ابراہیم، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد صادق مبارکپوری اور مولانا محمد شمس الدین صاحب نے حدیث:"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" سے استدلال کیا ہے۔مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد ارشد مدنی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید امیر حسین گیلانی اور مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

"إنكم تختصمون إلی، وإنما أنا بشر، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فإن قضيت لأحد منكم بشئ من حق أخيه، فإنما أقطع له من النار، فلا يأخذ منه شيئا" (ترمذی کتاب الاحکام۔ باب ماجاء فی التشدید: ۱/ ۲۴۸)۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب نے اس سلسلہ میں بخاری شریف کی دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

"السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب، وكره مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (بخاری: ۲/ ۱۰۵۷ باب السمع والطاعۃ مالم تکن معصیۃ)۔

"لا طاعة فی معصية، إنما الطاعة فی المعروف. متفق عليه" (مشکاۃ ۳۲۹ کتاب الامارۃ والقضاء)۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"إن القضاء لايحل حراما"۔

اور مولانا ثابت شمیم رشادی نے امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

Marfat.com

"من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه، فإن قضاء الحاكم لا يحل حراما ويحرم حلالا" (بخاری: ۲؍۱۰۶۴)۔

مذکورہ سوال کے جواب میں مولانا اختر امام عادل، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد اقبال قاسمی اور مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر حاکم نے ایسی شہادتوں پر اعتماد کیا جو شرعاً نامعتبر اور ناکافی ہیں، تو وہ فیصلہ دیانۃً نافذ نہیں ہوگا، جیسے زمین، جائداد وغیرہ کے مقدمہ میں عدالت حقیقت کے خلاف فیصلہ کردے، تو وہ چیز مدعی کے لئے حلال نہیں ہوگی، اس کے لئے اس فیصلہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا، اور جن فیصلوں کی بنیاد اتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہوں اور ملکی قانون کی نظر میں بھی، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں، جیسے مورث کی موت کی وجہ سے ورثاء کے لئے میراث کا حق، خرید وفروخت کی وجہ سے سامان پر خریدار کی ملکیت وغیرہ، ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا، لیکن دوسرے وہ امور جن میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، جیسے فسخ نکاح، فسخ نکاح کے لئے محض اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ ضروری ہے۔

اسی سوال کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اگر ایسے معاملات میں دونوں فریق مسلمان ہوں تو انہیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟

اس بارے میں مولانا عامر ظفر، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا محمد ارشاد قاسمی وغیرہ تقریباً سب ہی حضرات کی رائے ہے کہ خلاف شریعت فیصلہ کو ٹھکرا کر دارالقضاء یا شرعی پنچایت کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے۔

مفتی عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ فریقین میں سے کوئی عدالت میں جائے تو وہاں

Marfat.com

مسلم پرسنل لاء کو واضح کرنا چاہئے، اس کے باوجود غلط فیصلہ ہو تو اس کی اپیل کی جاسکتی ہے۔

جناب سید شکیل احمد انور صاحب نے لکھا ہے کہ ملکی قوانین کا جائزہ لے کر دیکھنا ضروری ہے کہ ان کے کون سے اجزاء اسلامی شریعت کے مغائر ہیں، ان اجزاء کو عوامی رائے عامہ کے طاقت وراظہار سے بدلوانا چاہئے۔ عدالتی چارہ جوئی میں ملکی قانون کے بموجب جو فیصلے ہوں، وہ اگر اسلامی قانون شخصی کے دائرہ میں ہوں اور مسلم حریف کے خلاف صادر ہوں تو انہیں مسلم پرسنل لا کی بنیاد پر نظر ثانی کے لئے رجوع کرنا چاہئے۔

مولانا یعقوب قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ خلاف شریعت فیصلہ میں فریقین اور جملہ مسلمانوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے اور شرعی احکام کے مطابق فیصلہ صادر کرانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسلمانوں کو شرعی قاضی کے تقرر کرنے کا حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے۔

راقم الحروف نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو چاہئے کہ دستوری طور پر ملک میں اپنا موقف مسلمہ مذہب اور تہذیبی وجود کے حامل کے طور پر منوالیں، اور اپنے عائلی قوانین اور مذہبی امور کے سلسلہ میں ملک کے دستوری ڈھانچہ کے اندر تہذیبی ومذہبی خودمختاری کے حامل بن جائیں۔ اسی طرح دستوری ڈھانچہ کے اندر تہذیبی و مذہبی خودمختاری کے حامل بن جائیں، اس طرح دستوری وقانونی انتظام کے بعد ملکی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا آف کورٹ قائم کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور اس میں مسلم قاضی اور ماہرین قانون اسلامی متعین کئے جاسکتے ہیں۔

مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ غیر مسلم ممالک کے مسلم باشندوں پر لازم ہے کہ حکومت وقت سے مطالبہ کریں کہ وہ کسی دین دار و پرہیزگار عالم کو مسلمانوں کا امیر مقرر کردے، یا از خود مسلمان کسی نیک وصالح عالم دین کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔ وہ امیر مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی کا تقرر کرے۔ مولانا

Marfat.com

نیاز احمد مدنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شرعی محکموں کے قیام کے ساتھ ساتھ عوام کے اندر بیداری پیدا کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ تحکیم الی اللہ اور تحکیم الی غیر اللہ کیا ہے، غیر اسلامی محکموں میں مقدمہ پیش کرنے سے کون سی شرعی قباحت لازم آتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کئی مقالہ نگاروں نے یہ آیات پیش کی ہیں:

"فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول، إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر، ذلك خير وأحسن تأويلا" (سورۂ نساء:۵۹)۔

"لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين، ومن يفعل ذلك فليس من الله في شئ إلا أن تتقوا منهم تقاة" (سورۂ آل عمران:۲۸)۔

"الم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أُنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت، وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا بعيدا" (سورۂ نساء:۶۰)۔

"فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورۂ نساء:۶۵)۔

"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون" (سورۂ مائدہ:۴۴)۔

✦✦✦

Marfat.com

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل

سوال نمبر ۴ (الف):

محمد ہشام الحق ندوی
(رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

• اس سوال کی تمہید یہ ذکر کی گئی ہے:

امت مسلمہ بنیادی طور پر ایک ایسی امت ہے جس کو لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس کے لئے ایک طرف یہ بات ضروری ہے کہ خود یہ امت فکر صحیح کی حامل ہو۔ حالات چاہے موافق ہوں یا ناموافق وہ احکام دین پر عامل ہو۔ دوسری طرف بندگان خدا کے ساتھ اس کا تعلق محبت وہمدردی اور اخوت ونصرت کا ہو۔

اس پس منظر میں پوچھے گئے سوالات چار شقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

شق (الف) کی تفصیل اس طرح ہے:

موجودہ دور میں عالمی سطح پر اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ لوگوں میں تمدنی اور ثقافتی وحدت پیدا ہو جائے۔ ثقافتی انجذاب اور تہذیبی انضمام کی اس کوشش میں مذہب کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لئے مغرب نے ایک کوشش تو یہ کی کہ مذہب کو انسان کی عملی زندگی سے علاحدہ کر دیا اور کچھ عباداتی رسوم ہی اس کے دائرہ میں باقی رکھی

Marfat.com

گئیں۔ مذہب کو مزید بے اثر کرنے کے لئے دوسری کوشش یہ کی جارہی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ راستے الگ الگ ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے اوران مذاہب کی حیثیت ایک ہی منزل تک جانے والے مختلف راستوں کی ہے۔ بہت سے مسلمان دانشور بھی اس فکر کے اسیر ہوتے جارہے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کیا یہ کسی بھی درجہ میں قابل قبول ہے؟

اس سوال کے عرض مسئلہ کے لئے اڑتالیس (۴۸) مقالات راقم الحروف کو موصول ہوئے۔ مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان)، مولانا سید امیر حسین گیلانی (جمعیت علماء اسلام، پاکستان)، مولانا محمد عبید اللہ اسعدی، مفتی ذاکر حسن نعمانی (پشاور، پاکستان)، مولانا محمد عبید اللہ (لاہور)، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی سید اسرار الحق سبیلی، قاری ظفر الاسلام، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، قاضی محمد ہارون مینگل (پاکستان)، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد سلمان کھلی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ثابت شمیم رشادی، سید خورشید حسن رضوی، سید شکیل احمد انور، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا عامر ظفر۔

Marfat.com

مذکورالصدر سوال کی اس شق کا جواب دیتے ہوئے تمام مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ثقافتی انجذاب، تہذیبی انضمام اور وحدت ادیان کے پرفریب نظریات کتاب وسنت کے مغائر اور شریعت اسلامی کی رو سے لغو اور باطل ہیں۔ مقالہ نگار حضرات کا عام احساس یہ ہے کہ یہ مسئلہ براہ راست اسلامی عقیدہ کا ہے، نیز یہ کہ یہ تصور درحقیقت اسلام کو غیر اسلام سے خلط ملط کرنے اور اسلام کی امتیازی حیثیت اور اس کے تشخص کے استیصال کی ناپاک کوشش ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں کسی قسم کی مصالحت اور مفاہمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مقالہ نگار حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ نوع انسانی سے اسلام کا مطالبہ محض اسلامی عقیدۂ توحید ورسالت اور اس کے دیگر لوازمات کو تسلیم کرنے کا نہیں، بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ دیگر ادیان و مذاہب پر اسلامی عقائد اور اسلامی شریعت کی بالادستی اور فوقیت تسلیم کی جائے اور اسلام کے آخری اور مکمل دین اور مستقل تہذیب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ اسلام کو دین حق اور دیگر تمام ادیان کو باطل سمجھا جائے۔

مقالہ نگار حضرات نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے استدلال کیا ہے:

۱-"إن الدين عند الله الإسلام" (سورۂ آل عمران:۱۹) (مقالہ: مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد اقبال قاسمی، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد شمس الدین)۔

۲-"اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً" (سورۂ مائدہ:۳) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی)۔

Marfat.com

۳-"ومن يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين"(سورۂ آل عمران:۸۵)(مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد عبید اللہ (پاکستان)، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی سید اسرار الحق سبیلی، مفتی اسعد قاسم سنبھلی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا شمس الدین)۔

۴-"وأن هذا صراطي مستقيماً، فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله، ذلكم وصاكم به لعلكم تتقون"(سورۂ انعام:۱۵۴)(مقالہ: مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد اقبال قاسمی)۔

۵-"ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساء ت مصيراً"(سورۂ نساء:۱۱۵)(مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی)۔

۶-"إن الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون أن يفرقوا بين الله ورسله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلا أولئك هم الكافرون حقا وأعتدنا للكافرين عذاباً مهينا"(سورۂ نساء:۱۵۰-۱۵۱)(مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

۷-"يا أيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة"(سورۂ بقرہ:۲۰۸)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل، مولانا ثابت شمیم رشادی)۔

۸-"لكل أمة جعلنا منسكاً هم ناسكوه فلا ينازعنك في الأمر وادع إلى ربك إنك لعلى هدى مستقيم، وإن جادلوك فقل الله أعلم بما تعملون، الله يحكم بينكم يوم القيامة فيما كنتم فيه تختلفون"(سورۂ حج:۶۷-۶۹)(مقالہ مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی)۔

Marfat.com

۹-"شرع لكم من الدين ما وصى به نوحاً والذي أوحينا إليک وما وصينا به إبراهيم وموسى وعيسى أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه"(سورۂ شوری/ ۱۳)(مقالہ: مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۱۰-"وأنزلنا إليک الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم عما جاء ک من الحق لكل جعلنا منكم شرعةً ومنهاجاً"(سورۂ مائدہ:۴۸)(مقالہ: مولانا ابوالعاص وحیدی)۔

۱۱-"ألا لله الدين الخالص"(سورۂ زمر: ۳)(مقالہ: قاری ظفرالاسلام)۔

۱۲-"ودّوا لوتدهن فيدهنون"(سورۂ قلم:۹)(مقالہ: مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۱۳-"وما أرسلناک إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً"(سورۂ سبا:۲۸)(مقالہ: مولانا محمد عبیداللہ، پاکستان)۔

۱۴-"وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة، ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه"(سورۂ آل عمران: ۸۱)(مقالہ: مولانا محمد عبیداللہ)۔

۱۵-"هو الذي أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون"(سورۂ توبہ:۳۳)(مقالہ: مولانا سید امیر حسین گیلانی)۔

۱۴-"لكم دينكم ولي دين"(سورۂ کافرون:۶)(مقالہ: قاری ظفر الاسلام، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۱۵-"ودوا لو تكفرون كما كفروا فتكون سواء فلا تتخذوا منهم

Marfat.com

أولیاء'' سورۂ نساء:۸۸)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

۱۶-''إنما اتخذتم من دون الله أوثانا مودة بينكم في الحيوة الدنيا'' (سورۂ عنکبوت:۲۴)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

۱۷-حدیث:''من تشبه بقوم فهو منهم''(ابوداؤد، کتاب اللباس، مسند احمد ۲/۵۰)(مقالہ: قاری ظفر الاسلام، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۱۸-حدیث:''خالفوا اليهود وخالفوا المشركين''(جامع صغیر۲۲۶) (مقالہ: قاری ظفر الاسلام، مولانا ارشاد قاسمی)۔

۱۹-حدیث:''وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: منْ هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي''(ترمذی، مشکاۃ المصابیح ۱/۳۰، باب الاعتصام)(مقالہ: مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا محمد اقبال قاسمی)۔

۲۰-''والذي نفس محمد بيده لو بدالكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل؛ ولو كان حيا وأدرك نبوتي لا تبعني'' (دارمی، مشکاۃ ۱/۶۸)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل، مفتی اسعد قاسم سنبھلی)۔

مولانا محمد ارشد مدنی نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱-''وكان النبي يبعث إلى قومه خاصةً وبعثت إلى الناس عامةً''(بخاری مع فتح الباری، کتاب التیمم)۔

۲-''بعثت إلى الأحمر والأسود''(مسلم، کتاب المساجد)۔

۳-''من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد''(بخاری، کتاب الصلح)۔

۴-''والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي

Marfat.com

ولا نصراني، ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار "
(مسلم،کتاب الإیمان)۔

مفتی سید اسرار الحق سبیلی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

"عن عبد الله بن مسعود ، قال: خطّ لنا رسول الله ﷺ خطاً، ثم قال: "هذا سبيل الله"، ثم خطّ خطوطاً عن يمينه وعن شماله، وقال: "هذه سبل، على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه" وقرأ: وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه "(احمد،نسائی،دارمی،مشکاۃ ۵۸/۱-۵۹)۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اور مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی نے وحدت دین کو اسلام کا مطلوب قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

"كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين، وأنزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه"(سورۂ بقرہ: ۲۱۳)
(مولانا اختر امام عادل اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے بھی اس آیت سے وحدت ادیان کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے)۔

مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی نے اس سیاق میں امت کی دو قسمیں بھی ذکر کی ہیں: امت اجابت اور امت دعوت۔ انہوں نے امت اجابت کو داعی اور امت دعوت کو مدعو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ امت اجابت کا فرض ہے کہ امت دعوت کو وحدت دین کی دعوت دے اور اس دعوت کی بنیاد نیکی کا پھیلانا، بدی کا مٹانا اور توحید کا عقیدہ ہو۔ کیونکہ ان کے بقول انبیاء کی دعوت دین کے بنیادی نکات یہی تین امور تھے۔ لہذا آج بھی اتحاد کی بنیاد یہی تین چیزیں ہوں گی۔ اپنی رائے کی تائید میں انہوں نے مندرجہ ذیل آیت بھی نقل کی ہے:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله "(سورۂ آل عمران: ۱۱۰)۔

Marfat.com

مولانا موصوف نے اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے انبیائی دعوت کے منہج پر بھی روشنی ڈالی ہے:

"أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجالهم بالتي هي أحسن" (سورۂ نحل: ۱۲۵)۔

مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی وحدت ادیان پر مبنی اتحاد کو مصنوعی اتحاد قرار دیتے ہیں۔ مولانا سید ذاکر حسین شاہ سیالوی کا خیال ہے کہ توحید، تثلیت اور دہریت کے قائلین کی حقیقی منزل ایک کیوں کر ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کمیونسٹوں کی الحاد اور انکار خدا پر مبنی غیر عملی وحدت کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر قسم کے جبر و استبداد کے باوجود یہ وحدت ستر سال کی مدت سے آگے نہ بڑھ سکی۔ دوسری طرف اسلام کی قائم کردہ وحدت گذشتہ چودہ صدیوں سے کسی اقتدار کے بغیر صرف باطنی قوت کے سہارے باقی ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا راشد حسین ندوی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مذہب کو خواہ مخواہ انسانوں کے درمیان واقع ہونے والے اختلافات اور جھگڑوں کی بنیاد قرار دے دیا گیا ہے، کیونکہ ان دونوں حضرات کے بقول اس قسم کے اختلافات تو ایک مذہب کے ماننے والوں کے درمیان بھی پائے جاتے رہے ہیں۔ مولانا راشد حسین ندوی نے اس کی مثال میں دو عظیم عالمی جنگوں، عراق ایران جنگ، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کے درمیان تصادم، افریقہ اور امریکہ میں کالوں اور گوروں کی لڑائی اور بھارت میں دلتوں اور اعلیٰ ذاتوں کی جنگ کا ذکر کیا ہے۔ مولانا موصوف کے بقول یہ تمام جنگیں ہم مذہبوں کے درمیان ہوئیں اور آج تک ان کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب کے نزدیک ان جھگڑوں کی اصل وجہ مفاد پرستی اور استحصال ہے، نہ کہ مذہب۔ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے عقائد و افکار پر قائم رہتے ہوئے انسانی وحدت کی بنیادیں تلاش کرنی چاہیئے۔

Marfat.com

مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا سید امیر حسین گیلانی، سید شکیل احمد انور اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی نے وحدت ادیان کے ساتھ ساتھ مذہب کو انسان کا پرائیویٹ معاملہ قرار دینے اور اس کو سماجی زندگی سے الگ تھلگ کرنے پر تنقید کی ہے۔ اس تصور کو رد کرتے ہوئے مولانا محمد شمس الدین اور سید شکیل احمد انور نے اسلام کی عالمگیر اور آفاقی حیثیت، فرد و اجتماع، معاشرہ و ریاست اور نظام حکومت و سلطنت کے بارے میں اس کی عطا کردہ واضح تعلیمات، اصول، روایت اور طرز حیات پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے نظریہ وحدت ادیان کے پیدا ہونے اور رواج پانے کے اسباب ومحرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے، چنانچہ سید خورشید حسن رضوی نے اس نظریہ کو ہندو فلسفہ کی پیداوار قرار دیا ہے، جبکہ سید شکیل احمد انور تہذیبی انضمام کے رجحانات کو وطن پرستی اور قوم پرستی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا ابو العاص وحیدی اور مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی نے نام نہاد دانشوروں کے ساتھ ساتھ اہل تصوف کو بھی اس نظریہ کی ترویج واشاعت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

وحدت ادیان کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے اسلام کے سوا دیگر مذہب کے ماننے والوں کے داخلی امور میں عدم مداخلت کے اسلامی اصول پر بھی بحث کی ہے۔ ان حضرات نے اس سلسلے میں آیت: ”لا إكراه في الدين“ سے استدلال کیا ہے۔ مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

”وقل الحق من ربكم فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر“ (سورۂ کہف: ۲۹)۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی کا استدلال اس آیت سے بھی ہے: ”ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم“ (سورۂ انعام: ۱۰۸)۔

Marfat.com

اس تناظر میں مفتی عبدالرحیم قاسمی نے اسلامی حکومتوں کی رواداری اور مذہبی آزادی کی شاندار روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل عبارتیں نقل کی ہیں:

۱-''فهذه بلاد العنوة وأقر أهلها فيها على مللهم وشرائعهم'' (کتاب الأموال) (یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کئے گئے تھے اور ان کے باشندے اپنے مذاہب اور شریعتوں پر باقی رکھے گئے تھے)۔

۲-''فهم أحرار في شهاداتهم ومناكحاتهم ومواريثهم وجميع أحكامهم'' (کتاب الأموال) (یہ لوگ اپنی گواہی کے احکام، نکاح، معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام شخصی احکام میں آزاد ہوں گے)۔

۳-تاریخ طبری جلد چار کے الفاظ یہ ہیں: ''ولا يحال بينهم وبين شرائعهم'' (ان کے اور ان کے قوانین کے درمیان حائل نہ ہوا جائے گا)۔

یہ تمام تفصیلات اس موضوع کے سلسلہ میں ظاہر کی جانے والی مقالہ نگار حضرات کی آراء سے متعلق تھیں۔

میرا خیال ہے کہ اس وقت گلوبلائزیشن کے تناظر میں یہ موضوع اس سے زیادہ تفصیل کا متقاضی ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ''تہذیبوں کے درمیان تصادم یا مذاکرات'' اور ''بقائے باہم'' جیسے موضوعات عالمی سطح پر زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں پروفیسر سموئیل ہنٹنگٹن کی کتاب ''تہذیبوں کے درمیان تصادم'' نے خصوصاً گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد ماحول کو اور زیادہ ہنگامہ خیز بنا دیا ہے۔ ہزاروں مضامین اس کے بعد اس موضوع پر اخبارات و رسائل کی زینت بن چکے ہیں اور ان کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ تہذیبوں کے خدوخال، ان کی نشوونما، ان کا ارتقاء، مختلف تہذیبوں کے مابین تاثیر و تاثر اور ان تمام پہلوؤں کے سلسلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کو مدلل اور مفصل طریقہ پر واضح کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

Marfat.com

میں سمجھتا ہوں کہ صورت حال کی نزاکت اور موضوع کی یہی وسعت و تہہ داری دراصل اس موضوع کے انتخاب کا جواز ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اگر ہم بحث و مناقشہ کے کارواں کو آگے بڑھاتے ہوئے اس موضوع کے تمام اہم نکات سامنے لانے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے دیگر اقوام و ملل سے ہمارے تعامل کی نوعیت بھی واضح ہو جائے گی اور اس کا منہج بھی متعین ہو جائے گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ بعض مقالہ نگار حضرات نے سوال کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی سہی ان پہلوؤں کی طرف مختصر اشارات کئے ہیں۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ مسائل

سوال نمبر ۴ (ب، ج، د):

ظفر الاسلام اعظمی
(شیخ الحدیث وصدر المدرسین، دار العلوم مئو)

بندہ کو سوال ۴ کے جز (ب، ج، د) کی بابت عرض مسئلہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جز (ب) کی تقریر یوں ہے:

دنیا کے بعض علاقوں میں غیر مسلموں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ظلم اور استحصال کا شکار بنائے ہوا ہے، ہندوستان میں ایک بہت بڑی آبادی جو دلت کہلاتی ہے، صدیوں سے ہندوؤں میں اونچی ذات سمجھے جانے والے طبقہ کے مظالم کا شکار ہے، جن کو سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ بنائے رکھنے کی منظم اور منصوبہ بند کوشش ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح بعض ملکوں میں کالی اور گوری نسل کے درمیان تفریق روا رکھی گئی ہے۔ اس صورت حال میں اس مظلوم طبقہ کے تئیں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ کیا مسلمانوں پر انسانی اخوت کے رشتہ سے ان کا تعاون کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے؟ یا چونکہ حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے وہ اس بارے میں جواب دہ نہیں ہیں؟

مقالہ نگا حضرات کی آراء سے درج ذیل نقاط سامنے آتے ہیں:

Marfat.com

۱-ایسی صورت میں مظلوم کی مدد بغیر کسی شرط کے کی جائے گی، ۲-شرط کے ساتھ کی جائے گی، ۳-ان کے ساتھ تعاون دینی فریضہ ہے، ۴-اخلاقی فریضہ ہے، ۵-تعاون نہ کرنے کی صورت میں وہ جواب دہ ہوں گے، ۶-وہ جواب دہ نہ ہوں گے، ۷-اس بابت سکوت اختیار کیا گیا ہے، ۸-صرف ظالم ومظلوم دونوں کو حق کی دعوت دیں گے، ۹-حق کی دعوت کے ساتھ ساتھ تعاون کریں گے۔

جن حضرات نے بغیر کسی شرط کے تعاون کا قول اختیار کیا ہے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا ابوبکر قاسمی (دربھنگہ)، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ارشد مدنی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا شمس الدین آسام، مفتی ذاکر حسین (پشاور)، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی ارشاد احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ (جامعہ اشرفیہ لاہور)، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا قمر الزماں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل (پاکستان)، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی (علیگڑھ)، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، سید شکیل احمد انور، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا یعقوب قاسمی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مولانا عامر ظفر (مئو)۔

بیشتر مقالہ نگار نے آیات قرآنی: "لا ینھاکم اللہ عن الذین..... یا أیھا الناس إنا خلقنا کم من ذکر وأنثی ، لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الامن ظلم، ولقد کرمنا بنی آدم" سے استدلال کیا ہے، اسی طرح "انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً ، من رأی منکم منکرا" وغیرہ احادیث مبارکہ سے دلیل پکڑی ہے۔ مولانا عامر ظفر صاحب

Marfat.com

نے استدلال میں آیت قرآنی: "ووصینا الانسان بوالدیه حملته أمه وهنا" پیش کی ہے، جبکہ مولانا ابوبکر قاسمی نے "سورۂ مائدہ" کی آیت کے ساتھ حدیث "أنصر أخاک" پیش کی ہے۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی نے "أطعموا الطعام" اور مولانا اختر امام عادل نے طبرانی، بزار اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن مشہور ظالم حجاج کی تقریر سنی، اس میں اس نے بہت سی غلط باتیں کہیں، میں نے سوچا کہ اس کی اصلاح کروں اور اس کی غلطی پر متوجہ کروں، لیکن مجھے قول رسول یاد آیا کہ "لا ینبغي للمومن أن یذل نفسه" میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ اپنے کو ذلیل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اپنے کو ایسے خطرات میں مبتلا کرنا جن سے حفاظت کی طاقت نہ ہو۔ موصوف نے اور بھی دلائل مجمع الزوائد ۶/ ۲۳۴، کتاب الخراج لابی یوسفؒ ۳۱۶ اے پیش فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی عبد الرحیم قاسمی (بھوپال)، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی (گجرات) اور مولانا ابو العاص وحیدی نے اپنے مدعا پر کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی (علی گڑھ) نے سنن ابوداؤد کی مشہور حدیث "ابغوني في الضعفاء فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائکم" اور سید ذاکر حسین نے سیرت ابن ہشام کی عبارت: "تألفتهما لیسلما" پیش فرمائی ہے۔ مولانا اقبال احمد قاسمی نے: "إن الناس إذا رأو الظالم فلم یأخذوا علی یدیه أو شک أن یعمهم الله بعقاب منه" (مشکوۃ)، نیز مولانا صادق مبارکپوری نے "بخاری" کی حدیث: "امرنا بسبع ونهانا عن سبع فذکر عیادة المریض.......... المظلوم" نقل فرمایا ہے۔ مولانا ارشاد احمد قاسمی نے "ردالمحتار" کی ایک عبارت: "لابأس للمسلم أن یعطي کافرا حربیا أو ذمیا" مفتی ذاکر حسن پشاوری نے فاحشہ کے کتے کو پانی پلانے کو اپنا مستدل ٹھہرایا ہے۔ مولانا ارشد مدنی کی دلیل اس طرح ہے: "جب معاہدوں کے تحت بنو خزاعہ مسلمانوں کے اور

Marfat.com

بنوبکر قریش کے حلیف بنے اور بنوبکر نے بنوخزاعہ پر یورش کردی اور قریش نے ان کی اسلحہ اور افراد کے ذریعہ پشت پناہی کی اور معاہدہ کو توڑ کر بنوخزاعہ کے ساتھ ظلم وزیادتی میں شریک ہو گئے تو آپ نے بنوخزاعہ کی مدد کی تھی (سیرت ابن ہشام)۔

جن حضرات نے شرط کے ساتھ مدد کئے جانے کا قول اختیار کیا ہے (یعنی مسلمانوں کو اگر ان کی مدد کرنے پر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو مدد کرنی چاہئے) ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا اختر امام عادل، مفتی عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا خو[illegible]د احمد اعظمی، مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا سلمان (گجرات)، مولانا راشد حسین ندوی، سید خورشید حسن رضوی۔

مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں: بلا اس کی فکر کئے ہوئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے یا نہیں، مگر عصری سیاست پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ اعلی ذات والے ہماری اعانت کا مقصد کچھ اور نہ سمجھ بیٹھیں۔ اسی طرح مولانا اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں: ''مدد تو کرنا چاہئے مگر پیش پیش نہیں رہنا چاہئے، نیز اس کا بھی خیال رہے کہ اونچی ذات کے لوگ مسلمانوں کے مخالف اور درپئے آزار نہ ہوں اور دلتوں کو مدد کر کے اتنا قوی نہ بنا دیا جائے کہ وہ کل مسلمانوں کو اپنے ظلم وستم کا شکار بنانا شروع کر دیں۔ مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی تحریر کرتے ہیں: ''سیاسی تحریک وتدبیر کے ذریعہ ان پسماندہ طبقوں کو حقوق دلائیں''۔ مآل کے اعتبار سے یہ تینوں آراء تقریباً ایک ہی ہیں۔

اس تعاون کو بعضوں نے اخلاقی فریضہ شمار کیا ہے اور بیشتر حضرات نے دینی فریضہ۔ مولانا ابراہیم گجیا فلاحی (گجرات) اس کو اخلاقی فریضہ شمار کرتے ہیں۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی کی تحریر سے کوئی واضح پہلو نہیں نکلتا، کیوں کہ انہوں نے اولاً تحریر فرمایا ہے کہ ''مسلمانوں کے لئے غیر مسلم طبقہ کا تعاون مذہبی فریضہ نہیں، پھر آگے تحریر فرماتے ہیں: بقدر وسعت تعاون میں کوئی

Marfat.com

مضائقہ نہیں، یہ نہ معلوم ہوسکا کہ بقدر وسعت تعاون کرنے پر اطلاق کیا ہوگا؟ اخلاقی فریضہ یا دینی فریضہ''۔ان دو کے علاوہ تمام مقالہ نگار نے اسے دینی فریضہ شمار کیا ہے۔

تعاون نہ کرنے کی صورت میں جوابدہی کے قائلین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا قمرالزماں ندوی، مولانا قاضی محمد ہارون، مولانا محمد ظفر عالم ندوی۔

مولانا سنبھلی تحریر فرماتے ہیں: ''ستم رسیدہ کی مدد علی الکفایہ ہے نہ کہ فرض عین''۔

عدم جواب دہی کے قائلین مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی ہیں۔

مفتی اسعد قاسم سنبھلی تعاون کے بجائے مساوات کی بنیاد پر صرف انہیں دعوت دینے کے قائل ہیں۔سید شکیل احمد انور (حیدرآباد) تحریر کرتے ہیں: ''مدد تو دیں مگر ظالم و مظلوم دونوں کو دعوت حق ضرور دیں، ورنہ اس کے بغیر مساوات وغیرہ اندھے کنوئیں میں قیمتی مال ومتاع ضائع کرنے کے مترادف ہوگی''۔

ان تین کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگار حضرات نے اس سلسلہ میں سکوت فرمایا ہے۔

قبل اس کے بندہ کچھ عرض کرے، چند باتیں تمہیداً پیش خدمت ہیں:

۱-ہندوستان کے حالات دیگر ممالک سے جداگانہ ہیں۔

۲-فرقہ وارانہ فسادات میں لوٹ مار کرنے والے اور ہوتے ہیں اور آرگنائز وایڈوائزر (مشیر) کوئی اور۔

۳-اس دور میں اکثریت کے لوگ (سیل فش) مفاد پرست ہوتے ہیں، اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم پر زیادتی اور ہمارے استحصال کے وقت دلت ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں؟

۴-''اذا ابتلی ببلیتین فلیختر أیھما أھون''اور''الضرر الأشد یزال

Marfat.com

بالضرر الأخف"(الاشباه والنظائر) کا ضابطہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں راقم عرض کرتا ہے کہ دلتوں کا تعاون تو کیا جائے گا، مگر اس عہد و پیمان کے ساتھ کہ ہمیں مظلوم کا ساتھ دینا ہے، خواہ مظلوم سیاسی اعتبار سے ہو، یا سماجی و معاشرتی اعتبار سے، مسلمان ہو یا دلت جیسی بھی زیادتی ہوگی، ہم دونوں ہی اس زیادتی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس سلسلہ میں "حلف الفضول" کا واقعہ بھی مستدل بنایا جاسکتا ہے۔

جز (ج) کی تقریر یوں ہے:

یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کی بڑی اہمیت ہے۔ اور قرآن وحدیث میں مختلف طریقوں پر اس کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسرے اہل مذاہب سے امت مسلمہ کا رشتہ اخوت انسانی پر مبنی ہے اور مسلمانوں سے اس کا دوہرا تعلق ہے: ایک انسانی بھائی چارہ کا اور دوسرے اسلامی اور ایمانی اخوت کا۔ ان حالات میں مسلمان اگر خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں، جیسے ہاسپٹل وغیرہ، تو انہیں ان اداروں سے غیر مسلم حضرات کو نفع پہنچانے میں کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر ہے، یا بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت و اعانت کے دروازہ کو کھلا رکھنا؟

اس جز کے تحت مقالہ نگار کے رجحانات مختلف ہیں:

۱- ان اداروں کو بلاتفریق مذہب وملت نفع پہنچانا چاہئے۔

۲- ان اداروں کو مخصوص رکھنا چاہئے۔

۳- مساوی حالات میں ترجیح ہونی چاہئے۔

مولانا محمد اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں: "اگر غیر مسلم طبقہ خوش حال ہے تو مسلمانوں کے لئے خاص رکھنا چاہئے"۔ مولانا محی الدین غازی فلاحی لکھتے ہیں: "اگر اداروں کے وسائل

Marfat.com

محدود ہوں تو انہیں مسلمانوں کے لئے خاص رکھنا چاہئے، بصورت دیگران کے دروازے سب ضرورتمندوں کے لئے کھلے رکھنے چاہئیں، ویسے کچھ مسلم ادارے ایسے ضرور ہونے چاہئیں جن کی محض ملی کے بجائے انسانی شناخت ہو۔ ان حضرات نے اپنے دعوی پر کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی۔

مساوی حالات میں ترجیح کے قائلین: ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی عقیل الرحمٰن، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، سید شکیل احمد انور، مولانا یعقوب قاسمی وغیرہ ہیں۔ مولانا برہان الدین سنبھلی تحریر فرماتے ہیں: بقدر استطاعت شرعاً مکلف ہیں اور اس میں ''الأ قرب فالأ قرب'' اور اصل ''الاحوج فالاحوج'' بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ مولانا سلمان صاحب رقم طراز ہیں: ''اگر وسعت ہو تو ترجیح مسلمانوں کو ہوگی اور اگر وسعت نہ ہو تو اس ادارہ کو مسلمانوں کے لئے خاص رکھنا ہوگا۔ مولانا قاضی محمد ہارون مینگل اور مولانا عبداللطیفؒ پالنپوری کا خیال ہے کہ اگر گنجائش ہو تو دونوں کے لئے، ورنہ صرف مسلمانوں کے لئے امداد خاص ہوگی۔ مولانا ارشد مدنی صاحب کی رائے ہے کہ غیر مسلمین کو بھی فائدہ پہنچانا چاہئے بشرطیکہ جنگی حالت نہ ہو اور وہ مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور نہ کرتے ہوں۔ مولانا مفتی اسعد قاسم صاحب تحریر کرتے ہیں: اس طرح کے اداروں کا بڑا حصہ مسلمانوں پر خرچ کیا جائے گا۔ مسلمان دوہرے حق کا مستحق ہے، آگے آپ فرماتے ہیں کہ انتظامی سطح پر صرف مسلمان خاص ہوگا، ہاں خدمت عام ہوگی۔ مولانا محمد اقبال صاحب لکھتے ہیں کہ اگر پہلے سے سرکاری ادارے اس طرح کے قائم ہیں جو مسلم وغیر مسلم کے لئے عام ہیں تو بہتر ہے کہ مسلمانوں کے لئے خاص کیا جائے۔ چونکہ سرکاری ادارہ میں زیادہ تر ملازم غیر مسلم ہوتے ہیں اور تعصب سے کام لیتے ہیں اور اگر پہلے سے ادارہ قائم نہ ہو تو دیکھنا چاہئے کہ وہاں آباد غیر مسلم طبقہ خوش حال تو نہیں ہے، اگر خوش حال ہو تو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کی تحریر ساکت ہے۔ مذکورین کے علاوہ تمام مقالہ نگار حضرات بلا تفریق مذہب و ملت فلاحی ورفاہی

Marfat.com

اداروں سے مدد پہنچانے کے قائل ہیں اور دلائل میں بیشتر حضرات نے ”لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم“ اور ”ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ“ نیز احادیث پاک ”ارحموا من فی الأرض یرحمکم من في السماء“ اور بعضوں نے ثمامہ بن اثال کے مکہ مکرمہ میں قحط کے موقع پر مدد کرنے اور خود حضور اکرم ﷺ کے پانچ سو اشرفیوں کے بطور امداد بھیجنے کو پیش کیا ہے۔

عارض کے خیال میں دونوں ہی کو انتفاع کا حق حاصل ہوگا، مگر اولیت وترجیح مسلمانوں کو ہوگی، نیز مسلمانوں کے مقامی حالات، تعداد اور ان کی مالی حالت کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ بعض فلاحی ادارے ایسا بھی کرتے ہیں کہ ناداروں کے علاج ومعالجہ کے لئے اسپتال کو خط لکھ دیتے ہیں کہ وہ اس مریض کا علاج کردے اور اس کی رقم کا بل ادارہ سے وصول کرے۔ اگر یہ فلاحی ادارے بھی ایسا کریں تو توسع میں کمی آسکتی ہے اور ترجیح کی یک گونہ صورت بن سکتی ہے۔

جز (د) کی تقریر یوں ہے:

جب کوئی قدرتی آفت آتی ہے، جیسے زلزلہ، سیلاب، متعدی امراض وغیرہ، تو اس کا اثر سماج میں بسنے والے تمام ہی لوگوں پر پڑتا ہے، اور سبھی لوگ مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں بعض فرقہ پرست عناصر ایسے ہیں کہ ایسی مصیبت کی گھڑی میں بھی وہ مختلف طبقات کے درمیان تفریق وامتیاز سے کام لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی بھی بہت سی تنظیمیں ایسے مواقع پر ریلیف کا کام انجام دیتی ہیں، تو ان حالات میں برادران وطن کے ساتھ مسلم تنظیموں کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟

اس جز کے تحت مقالہ نگار کی مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: اکثر مقالہ نگار حضرات بلاتفریق مذہب وملت مساوی طور پر امداد دیئے جانے کے قائل ہیں۔ کسی نے استدلال میں ”من یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی

Marfat.com

الدنیا والآخرۃ"(مشکاۃ) پیش کی ہے تو کسی نے "أطعموا الطعام" کا سہارا لیا ہے۔ بیشتر حضرات نے اپنے مدعا پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا سلمان صاحب اور مولانا قمر الزماں ندوی صاحب نے یکساں طور پر مدد دیے جانے کے قول کے بعد فرقہ پرستوں کے مسلمانوں سے بغض رکھنے والے فرقہ پرستوں کا استثناء کیا ہے۔ مولانا یعقوب قاسمی تحریر کرتے ہیں: برابری کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مسلم طبقہ اپنے طبقہ کی امداد سے بے نیاز ہو گیا ہے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو ترجیح دینا چاہئے۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی کا خیال ہے کہ تعصب سے کام نہ لیں مگر اتنا خیال ضرور رکھیں کہ وہ مسلمان جو تعصب کا شکار ہوئے ہیں ان تک امداد پہنچانے کی کوشش کریں۔ سید محمد ذاکر حسن شاہ سیالوی فرماتے ہیں: اگر کفار کا میلان اسلام کی طرف ہو اور دعوت اسلامی وہاں پھیل سکتی ہو تو اولین فرصت میں غیر مسلمین کو دیا جائے۔ مولانا موصوف نے (الفقہ الاسلامی ۲۰۰۹/۳) کی ایک عبارت کو مستدل ٹھہرایا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو ترجیح دینا چاہئے۔ اس رائے کے قائلین درج ذیل ہیں:

مولانا عامر ظفر (مئو)، مفتی عقیل الرحمن، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، سید خورشید حسن رضوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی۔

بیشتر مقالہ نگار نے کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ دلیل دینے والوں میں سے بعض نے آیت قرآنی: "فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم "اور تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر کی عبارتوں کو بنیاد ٹھہرایا ہے۔ مولانا راشد حسین ندوی شرط کے ساتھ اولیت کے قائل ہیں، وہ لکھتے ہیں "ضرورت و حاجت کو دیکھا جائے، لیکن مسلمانوں کو پس پشت رکھا جا رہا ہو اور غیر مسلمین کے لئے مختلف تنظیمیں ہوں تو مسلمانوں کو اولیت دی جائے گی۔ مولانا برہان الدین

Marfat.com

سنبھلی نے ''الأقدم فالأقدم اور الأحوج فالأحوج'' کا ضابطہ ملحوظ رکھنے کا قول اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی تحریر کرتے ہیں: ہنگامی حالات وفوری امداد میں تفریق نہ ہو، البتہ مستقل آبادکاری میں مسلمانوں کو ترجیح ہوگی، لیکن اصلاحی صاحب نے اپنے مدعا پر کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی۔ مولانا مفتی ارشاد احمد قاسمی تحریر کرتے ہیں: ''زکاۃ کی رقوم ہوں یا غالب مقدار زکاۃ کی ہو تو مسلمانوں کے لئے خاص ہے''۔ موصوف نے ایک مشورہ بھی دیا ہے کہ چندہ عام مظلوموں اور غریبوں کے نام کیا جائے، مصالح کے پیش نظر اکثر مسلمان پر اور اقل غیر مسلمین پر خرچ کیا جائے۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب کے یہاں بھی زکاۃ کی رقوم صرف مسلمانوں پر غیر زکاۃ کی رقوم دونوں پر صرف کی جائے گی، مگر ترجیح مسلمانوں کو ہوگی۔

تیسری رائے مولانا عبدالرحیم قاسمی صاحب کی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کے چندوں سے دی جانے والی رقم صرف غریب مسلمانوں کو ہی دینا فرض ہوگا، جن کو دوسری تنظیموں نے محروم کردیا ہے''۔ اسی طرح مولانا محی الدین غازی فلاحی لکھتے ہیں: اگر مسلمانوں کی مدد کے لئے مسلم تنظیموں کے علاوہ کوئی دوسرا انتظام نہ ہو اور ان کے وسائل بھی محدود ہوں تو صرف مسلمان ہی خاص ہوں گے۔ مولانا مفتی اسعد قاسم سنبھلی کی تحریر سے بھی من وجہ اختصاص مترشح ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں: اگر ان کا فنڈ زکاۃ سے ہے تو غیر مسلم کی امداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر امداد سے ہے تو اولاً مسلمانوں کی امداد کی جائے گی، ان کی امداد سے کچھ بچتا رہے تو غیر مسلمین کے شریف خاندان کی دادرسی کی جاسکتی ہے۔ مولانا محمد اقبال صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

عارض کے خیال میں ترجیح دینے والوں کی رائے میں قوت معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آیت ربانی: ''إنما المؤمنون إخوۃ'' کے علاوہ الفاروق (۲/ ۲۰۳) کی اس عبارت سے استدلال کیا جاسکتا ہے: علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں: ''اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی گئی تو عبداللہ نے عذر کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے"۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بابت (بخاری ۲ / ۶۱۰) پر مذکور حدیث پیش کردی جائے:

"عن عمر أمر رسول الله أسامة على قوم فطعنوا في إمارته فقال: إن تطعنوا في إمارته فقد طعنتم في إمارة أبيه من قبله، وأيم الله لقد كان خليقا للإمارة وإن كان من أحب الناس إليّ، وإن هذا لمن أحب الناس إليّ بعده"۔

اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحب زادہ عبداللہ کو صرف پانچ سو درہم دیئے۔ حضرت عبداللہ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے تو اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معرکہ میں پیش پیش رہا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں! لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں (خلفائے راشدین / ۱۶۳)۔

مزید تحسین کی تائید میں (بخاری / ۱۹۸) کی درج ذیل حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

"فانطلقت إلى رسول الله ﷺ فوجدت امرأة من الانصار على الباب حاجتها مثل حاجتي فمر علينا بلال فقلنا: سل النبي ﷺ: أيجزئ عني أن أتصدق على زوجي وأيتام لي في حجري وقلنا لا تخبر بنا فدخل، فسأله فقال: من هما، قال: زينب فقال: أي الزينب، فقال امرأة عبد الله، قال: نعم لها أجران اجر القرابة وأجر الصدقة"۔

اس لئے جب باہم مسلمانوں میں ایک دوسرے پر ترجیح دی جاسکتی ہے تو مسلمانوں کو غیر مسلموں پر بدرجہ اولیٰ ترجیح دی جاسکتی ہے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

مفصل مقالات:

مولانا بدر الحسن قاسمی

ڈاکٹر نور الدین الخادمی

مولانا اختر امام عادل

مفتی سید اسرار الحق سبیلی

مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

مولانا راشد حسین ندوی

مولانا محمد اقبال قاسمی

مولانا محمد ارشاد قاسمی

مولانا محمد ارشد مدنی

مولانا محمد شمس الدین

مولانا تنظیم عالم قاسمی

Marfat.com

Marfat.com

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے حدود اور سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کا حکم

مولانا بدر الحسن قاسمی، کویت

۱- ارشاد باری تعالی ہے:

"وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین "(سورۂ انبیاء: ۱۰۷)۔

"قل یا أیها الناس إنی رسول الله الیکم جمیعا"(سورۂ اعراف: ۱۵۸)۔

" یا أیها الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فآمنوا خیرا لکم " (سورۂ نساء:)۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت خاص ان کی قوموں کے لئے ہوا کرتی تھی، لیکن میری بعثت تمام انسانوں کے لئے ہوئی ہے" (بخاری)۔

یہ اور ان کے علاوہ دوسری قرآنی آیات اور احادیث شریفہ سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام کا پیغام تمام بنی نوع انسانی کے لئے عام ہے، اسلامی شریعت کسی خاص امت یا علاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ایک عالمی شریعت ہے، اور مذہب اسلام تمام قوموں اور امتوں کا مشترک حق ہے، اس کی راہ میں قومی، خاندانی، لسانی یا رنگ ونسل کی بنیاد پر کوئی بھی رکاوٹ نہیں ہے، اسلام دنیا میں صرف اس لئے آیا ہے کہ وہ انسان کو فکری، اعتقادی، عقلی، وجدانی اور اخلاقی اعتبار سے بلند و برتر بنائے۔

Marfat.com

اس اعتبار سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک ازلی رشتہ قائم ہے، کیونکہ اگر غیر مسلم موجود نہ ہوں گے تو مسلمان اسلام قبول کرنے کی اور اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت کسے دیں گے؟

جنگ کبھی کبھار پیش آنے والی ایک حالت ہے، اور اس کا سہارا اضطرار کی حالت میں یا ان رکاوٹوں کی وجہ سے لینا پڑتا ہے جو اسلام مخالف افراد یا طاقتیں پیدا کرتی ہیں، اور عقیدہ کے انتخاب و اختیار کے لئے حاصل انسانی آزادی میں کھلم کھلا مداخلت ہونے لگتی ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے غزوات کا سہارا اسی وقت لیا تھا جب کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کے سامنے ساری راہیں مسدود کر دی تھیں، انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، اور ان کے سامنے اور کوئی بھی راستہ کھلا نہیں رکھا تھا، لہذا اگر دین کے ساتھ زیادتی نہ ہو رہی ہو، مسلمانوں پر حملے نہ ہو رہے ہوں، عہد و پیماں کی پامالی نہ ہو رہی ہو، کمزوروں کو ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنایا جا رہا ہو، تو ایسی حالت میں اسلامی نقطہ نظر سے جنگ و قتال اور غزوات و فوج کشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" (بقرہ:۱۹۰)، اور ارشاد ہے: "لا إکراہ فی الدین" (بقرہ:۲۵۶)، اور ارشاد ہے: "وإن جنحوا للسلم فاجنح لھا" (انفال:۶۱)۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے کسی طالب حق پر تلوار نہیں اٹھایا، اور نہ ہی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روا رکھا، اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں دشمنوں سے جنگ کی ہے جو برسرپیکار تھے، یا بعض معاصرین فقہاء کی تعبیر کے مطابق بدعہدی کے مجرم تھے۔

لہذا جنگ اسلام کی نظر میں نہ ہی اقدامی ہے کہ کفار کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجاتے رہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے کفار کو اس لئے پیدا نہیں فرمایا کہ قتل و قتال کے ذریعہ انہیں

Marfat.com

فنا کردیا جائے، اور نہ ہی یہ جنگ دفاعی ہے کہ مسلم علاقوں پر حملہ کا انتظار کیا جائے، بلکہ اسلامی لحاظ سے جنگ کبھی اقدامی ہوگی اور کبھی دفاعی۔ اقدامی جنگ اس وقت ہوگی جب انسانیت پر ظلم بہت زیادہ بڑھ جائے گا اور دفاعی اس وقت جب دعوت اسلامی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی۔

اسلام ایسے بلند اصولوں اور اعلیٰ قدروں کے ساتھ آیا ہے جو انسانی زندگی کو منظم اور دنیا و آخرت میں انسانوں کی سعادت کی ضمانت دیتے ہیں، لہذا اسلام کا یہ حق ہے کہ امتوں اور قوموں کے درمیان ان اصولوں اور قدروں کی نشر واشاعت کا اہتمام کرے، اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ سارے ہی نظام اور نظریات پھیلنا چاہتے ہیں خواہ وہ انسان کے وضع کردہ ہوں، تو پھر وہ نظام جو اس ذات کا وضع کردہ ہے جو انسانی نفوس کے امراض وعلل سے آگاہ اور ان کے علاج ومعالجہ سے واقف ہے، اس کا زیادہ مستحق ہے کہ لوگوں کے درمیان عام ہو اور پھیلے، اسلام کسی خاص علاقہ یا خاص امت کے ساتھ مربوط نہیں ہے، وہ ایک قیامت تک رہنے والا اور تمام انسانوں کے لئے آیا ہوا دین ہے۔

اسلام چونکہ ایک عقیدہ اور چند اصول واقدار کا نام ہے جن پر اہل اسلام ایمان رکھتے ہیں، لہذا اس کی نشر واشاعت اس کا حق ہونا چاہئے، اور اسی طرح ان اصول ومبادی واقدار کا دفاع بھی اسلام کی نشر واشاعت کے تعلق سے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف خوش اسلوبی سے بلائیں۔

ارشاد ہے: "أدع إلى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" (نحل:۱۲۵)، اور ارشاد ہے: "ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن" (عنکبوت:۴۶)۔

نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش رہتی تھی کہ جنگ کا سہارا نہ لینا پڑے، اسی لئے جب

Marfat.com

آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو وصیت کی تھی کہ دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ کرنا، دعوت قبول کرنے سے وہ انکار بھی کر دیں تو اس وقت تک ان سے قتال نہ کرنا جب تک کہ وہ خود جنگ نہ شروع کریں، اگر وہ جنگ شروع بھی کر دیں تو اس وقت تک ان پر تلوار نہ چلانا جب تک تم میں سے کسی کو قتل نہ کر دیں، پھر تم انہیں یہ دکھا دینا اور کہنا کہ کیا اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالی تمہارے ہاتھ کسی ایک شخص کو ہدایت بخش دے وہ تمہارے لئے سارے جہاں سے بہتر ہے۔

اسی طرح اسلام غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے، ارشاد ہے: "**لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من ديار كم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين**" (سورۂ ممتحنہ: ۸)۔

انسان معصوم اور اس کی جان قابل احترام ہے تاکہ خدا کی مفوضہ ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکے، اس کے قتل کی اجازت ایک عارضی شیء ہے، وہ بھی اس کے شر کو دور کرنے اور نقصان کو روکنے کے لئے ہے، فقہاء کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کافر بحیثیت کافر قتل کا سزاوار نہیں، اور نہ ہی کفر بحیثیت کفران کے جنگ کرنے کی علت ہے۔

علامہ امام ابن الہمام کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کا یہ قول: "**وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة**" بتاتا ہے کہ ہمیں ان سے جس جنگ کا حکم دیا گیا ہے وہ ان کے برسر پیکار ہونے کی جزاء اور اس کا نتیجہ ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالی کا یہ قول: "**وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة**" کہ ان کی طرف سے مسلمانوں کو اپنے دین سے پھرنے کے لئے کسی آزمائش و ابتلاء کا ظہور نہ ہو، خواہ مار پیٹ کے ذریعہ ہو یا جنگ و قتال کی شکل میں۔

اور اس بات پر تو تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ کفار میں سے غیر جنگجو کو قتل نہیں کیا جائے گا

Marfat.com

اور نہ ہی بچوں، عورتوں اور راہبوں کو۔ جہاں تک فقہاء اسلام کے دنیا کو دو حصوں دار الاسلام اور دار الحرب میں تقسیم کر رکھنے کا تعلق ہے تو وہ کسی نص کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ حالات کے پیش نظر مجتہدین فقہاء کا استنباط ہے، جیسا کہ علامہ ابوزہرہ نے اپنے مقالہ: ''نظریۃ الحرب فی الاسلام'' میں لکھا ہے۔

۲-اسلام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفسیاتی رکاوٹوں اور پابندیوں کو روا نہیں رکھتا، اس لئے کہ وہ ایک آسمانی دین ہے اور تمام نوع انسانی کی ہدایت اور عدل وانصاف و طہارت و پاکیزگی پر قائم تہذیب وتمدن کو وجود بخشنے کے لئے آیا ہے، لہذا اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مشترک اقامتی علاقوں میں رہائش پذیر ہوں بشرطیکہ مسلمان اپنے اسلامی عقائد واخلاق اور آداب واطوار پر کاربند ہوں، تاکہ ان بہت سے لوگوں کے لئے امن وامان اور خیر و عافیت، انجذاب وکشش اور رشد وہدایت کا سبب بنیں جو طبقاتی اور رنگ ونسل پر مبنی امتیاز اور بھید وبھاؤ کی مصیبت میں گرفتار ہیں، اور انتہائی مشکل اور صبر آزما معاشرتی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ تو اسلام کے مقاصد واغراض کا ایک جز ہے کہ وہ محنت کش، پریشان حال اور کمزور لوگوں کی مصیبتوں کو دور کرے، ان کی گردنوں میں پڑی بیڑیوں کو توڑے، لوگوں کو غلط عقائد اور وحشیانہ رسم ورواج سے نجات دلائے، مسلمانوں کو غیروں کے ساتھ زندگی گذارنے کی ممانعت صرف وہاں ہے جہاں مسلمانوں کے خاندان اور مسلم بچوں میں اعتقادی واخلاقی برائیوں کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہو، لیکن اگر مسلم خاندان غیر مسلموں کے ساتھ اپنی اخلاقیات کو محفوظ رکھتے ہوئے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ہوئے، آزادی کے ساتھ اسلامی شعائر کی ادائیگی کرتے ہوئے اور اپنے بچوں ونونہالوں کے دینی عقیدہ کو محفوظ رکھتے ہوئے زندگی گذارنے پر قادر ہے تو ایسی حالت میں مشترک محلوں میں قیام کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

Marfat.com

البتہ اگر اسلامی شعائر کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہوں، یا مسلم خاندانوں کے اخلاق واطوار غیر مسلموں کے رنگ میں ڈھل جانے کا اندیشہ ہو تو اس قسم کے مشترک رہائشی علاقوں میں قیام کرنا درست نہ ہوگا، تاکہ مسلم خاندان اپنے دین وعقیدہ کو محفوظ رکھ سکے، اور نئی نسل شرکیات ومنشیات یا اخلاقی انارکی کے دلدل میں پھنسنے سے محفوظ رہے۔

۳۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ونیکی اور عدل وقسط کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلے میں امام طبریؒ کا قول ہے: سب سے صحیح رائے وہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عدل ونیکی کے برتاؤ کے حکم میں تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے شامل ہیں کہ ان کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرو، اللہ تعالی نے عمومیت کے ساتھ اپنے اس قول میں سبھوں کو شامل رکھا ہے، اور اس میں کسی قوم وملت کی تخصیص نہیں ہے، اور جن لوگوں نے اس کے نسخ کا دعوی کیا ہے ان کی بات بے معنی ہے۔

امام قرطبی (تفسیر قرطبی ۱۸/۵۹، احکام القرآن لابن العربی ۴/۱۷۸۵) فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کو رخصت واجازت دی گئی ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں جو مسلمانوں سے عداوت نہیں رکھتے اور نہ ان سے جنگ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمان خیر واحسان کا معاملہ کریں، اس طور پر کہ بطور احسان اپنے اموال کا کچھ حصہ بھی انہیں دیں۔

مفسر قرآن امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''وہ (اللہ تعالی) ان کفار کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے منع نہیں کرتا جو تم سے برسرپیکار نہیں ہیں کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو'' (تفسیر ابن کثیر ۴/۳۷۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کفار کے ساتھ صلہ اور حسن سلوک جائز ہے بشرطیکہ وہ برسرپیکار نہ ہوں، اور یہ اخلاق کی اعلی ترین مثالوں میں سے ہے جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں'' (موطا امام مالک)۔

Marfat.com

۴-زلزلہ وسیلاب جیسے طبعی حوادث کی حالت میں ایک مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ امدادی کاموں میں حصہ لے، مال واشیاء امداد میں پیش کرے، اور مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہ کرے، گرچہ ایک مسلمان کی جان کی حفاظت دوسروں کے مقابلے میں اولی ہے۔

بہت سی شرعی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں چند درج ذیل ہیں:

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" (ممتحنہ:۸)، اور ارشاد ہے: **"ليس عليك هداهم ولكن الله يهدي من يشاء وما تنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقون إلا ابتغاء وجه الله"** (بقرہ:۲۷۲)، اور ارشاد ہے: **"ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا"** (سورۂ دہر:۸)۔

• امام بخاری ومسلم نے حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں: قریش کے ساتھ صلح کے زمانے میں (صلح حدیبیہ) میں میری والدہ جو کہ مشرک تھیں مجھ سے ملاقات کے لئے آئیں، میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ بڑی امیدوں سے میرے پاس آئی ہیں تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، ان کے ساتھ صلہ کرو"۔

گرچہ مکہ والوں نے آپ ﷺ کو بہت ستایا تھا اور آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دیا تھا پھر بھی آپ ﷺ نے امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت کے مطابق قحط کے زمانے میں مکہ والوں کے پاس کچھ مال بھجوایا کہ غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے (شرح السیر الکبیر ۱/ ۱۴۴)۔

اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے شام کے سفر کے دوران بیت المال سے ان نصرانیوں کی امداد کا حکم دیا تھا جو جذام کے مرض میں گرفتار تھے، اور بستر مرگ پر ہوتے ہوئے ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی تھی حالانکہ جس کے خنجر سے آپؓ کا سینہ چاک ہوا وہ ابولؤلو مجوسی تھا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر اپنے غلام کو تاکیدی حکم دیا کرتے تھے کہ وہ قربانی کا گوشت اپنے یہودی پڑوسی کو ضرور دیا کرے، ایک یہودی کے ساتھ اس قدر اہتمام پر ان کے غلام کو حیرت ہوئی تو آپ نے کہا: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید کی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت تک میں شریک قرار دے دیں گے (بخاری ومسلم)۔

اسی طرح حضرت عکرمہ، ابن سیرین اور امام زہری کی رائے میں غیر مسلم کو صدقہ فطر تک دینا جائز ہے، ان نصوص و آراء کی روشنی میں غیر مسلموں کو طبعی حوادث سے بچانے کے لئے ان کی امداد کرنے میں کوئی ممانعت باقی نہیں رہ جاتی۔

۵- جہاں تک کفار بیماروں کی عیادت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اصل امام بخاریؒ کی وہ روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک یہودی غلام تھا جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کے پاس اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مشرک کی عیادت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام ماوردی کہتے ہیں: ذمی کی عیادت جائز ہے اور حصول ثواب اس تعلق پر ہے جو جوار، قرابت یا صحبت کی وجہ سے ہو۔

آپ ﷺ نے اپنے عم محترم ابو طالب کی عیادت بھی ان کی بیماری کے زمانے میں فرمائی تھی اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا تھا۔

البحر الرائق کے مصنف فرماتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں مشرکین کی عیادت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے یہ عمل بھی حسن سلوک کی ہی ایک قسم ہے اور اسلام کی خوبیوں میں سے ہے، حضرت امام احمد بن حنبل سے کفار کی عیادت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ ﷺ نے یہودی کی عیادت نہیں کی تھی اور ان پر اسلام نہیں پیش کیا تھا؟ ان سب کے باوجود بعض فقہاء کی رائے میں یہ جواز امید اسلام کے ساتھ مشروط ہے، علامہ ابن

Marfat.com

بطال فرماتے ہیں: اس کی عیادت کا جواز اسی وقت ہے جب یہ امید ہو کہ یہ عمل قبول اسلام کو اس کے نزدیک مرغوب بنادے گا، اور اگر اس کی امید نہ ہو تو یہ جائز نہیں، جو بات ظاہر ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف مقاصد سے حالات مختلف ہو سکتے ہیں، ہو سکتا ہے اس کی عیادت کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کسی اور مصلحت کی تکمیل ہوتی ہو (المغنی ۲/۴۰۹)۔

اسی طرح اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کافر کی تعزیت کر سکتا ہے اگر کوئی اس کا رشتہ دار مرجائے، سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ مسلمان کافر کی تعزیت کرے گا اور کہے گا: ''عظمت و سلطنت صرف اللہ کے لئے ہے''، امام حسن بصری فرماتے تھے کہ جب کسی کافر کی تعزیت کرو تو کہو: ''لا یصیبک إلا خیر'' امام ابن بطہ کا قول ہے: کافر کی تعزیت کے وقت مندرجہ ذیل کلمات کہیں جائیں گے، ''اللہ تمہاری مصیبت پر تمہیں تمہارے دوسرے دینی بھائیوں سے بہتر اجر دے'' (المغنی ۲/۴۰۹)۔

ہماری رائے یہ ہے کہ الفاظ کی تعیین و تحدید کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کافر کی تعزیت کرنے والا شخص جو مناسب حال کلمات سمجھے گا اختیار کرے گا، بشرطیکہ اس میں شرک کی تعظیم اور اہل شرک کی سربلندی کی دعا نہ ہو، امام شافعی سے ایک قول منقول ہے اور وہ امام احمد کی طرف منسوب ہے کہ کافر کی عیادت صرف اسی حالت میں جائز ہے جب اس کے اسلام کی امید ہو، لیکن اگر کافر مریضوں کی عیادت محاسن اسلام میں سے ہے تو کسی کافر کی موت پر ان کی تعزیت اولی ہے، خواہ ان میں سے کسی کے اسلام کی امید ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد عام ہے: ''لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم إن اللہ یحب المقسطین'' (الممتحنہ: ۸)۔

۶- جھنڈا ایک قومی شعار ہے، اور کسی استعماری قوت/سامراج کی براہ راست غلامی سے ملک کی آزادی کی علامت کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ملک پرامن ہوتا

Marfat.com

ہے تو وہ جھنڈا فضا میں لہراتا رہتا ہے، اور جب ملک اپنی آزادی وخودمختاری میں کسی حادثہ کا شکار ہوتا ہے، یا اس کے کسی رہنما کی موت ہو جاتی ہے یا کسی طبعی حادثہ کے نتیجہ میں کسی بربادی ونقصان سے دوچار ہوتا ہے تو اس جھنڈے کو سرنگوں کر دیا جاتا ہے، جھنڈے کو بطور شعار اختیار کرنا ایک قومی روایت ہے جو تمام قوموں اور ملکوں میں رائج ہے، اور شرعی مباحات میں سے ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوات وغیرہ کے مواقع پر جھنڈے کو استعمال کیا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ جس نے سب سے پہلے جھنڈا استعمال کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (اثر رقم ۲۵/۲۶/۷/۲۷/۴)۔

غزوہ احد میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ مشرکین کا جھنڈا کون اٹھائے گا؟ کہا گیا: بنو عبدالدار، آپ نے فرمایا کہ ہم ان سے زیادہ مستحق وفا ہیں، مصعب بن عمیر کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، حاضر ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس علم کو اٹھالو، مصعب بن عمیر نے جھنڈا اٹھالیا اور آپ ﷺ کے آگے چلنے لگے، وہ سب سے عظیم ترین جھنڈا تھا، اوس کا جھنڈا اسعد بن حضیر اور خزرج کا جھنڈا اسعد بن ابوعبادہ کے حوالہ کیا گیا۔

غزوہ موتہ کے موقع پر آپ ﷺ نے سفید علم اختیار کیا تھا، اور اسے حضرت زید بن حارثہ کے حوالہ کیا تھا، اور اسی طرح غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے علم اور جھنڈے بنوائے، اور سب سے عظیم ترین علم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالے فرمایا۔

جھنڈا چونکہ ایک قومی علامت ہے، اور آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جھنڈوں کو استعمال فرمایا، انہیں علامت وفا تصور کیا، علم کو بلند رکھنے کا اہتمام فرمایا، اس مہم کے لئے بعض صحابہ کرام کی تخصیص فرمائی، اور صحابہ کرام نے دوران جنگ اس کے نہ جھکنے دینے کی پوری کوشش کی جیسا کہ غزوہ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہ، عبداللہ بن رواحہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہم کے عمل سے ظاہر ہے کہ انہوں نے کسی طرح باری باری علم اٹھائے رکھا، اور

Marfat.com

اسے بلند باقی رکھنے کے لئے حتی الامکان کوشش کی، یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ علم کے اختیار کرنے، کسی جماعت یا حکومت کی طرف سے اسے بلند رکھنے، اسے جھکنے سے بچانے اور اسے ایک رمز اور شعار تصور کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اب جہاں تک جھنڈے کو سلامی دینے کا سوال ہے تو اگر یہ ایک رمزی عمل ہے، جیسے اسے لہراتے وقت کھڑا ہو جانا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس عمل کے ساتھ اس کی تقدیس اور اس کے سامنے سر جھکانے جیسے شرکیہ مظاہر نہ ہوں۔

یہی حکم قومی ترانہ کا بھی ہے، اگر اس کے احترام و اعزاز اور اس کے لئے قیام میں کوتاہی وطنی وقومی خیانت تصور کیا جاتا ہو اور اس پر ضرر و نقصان مرتب ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں اس کی تکریم اور اس کے لئے قیام جائز ہوگا، البتہ اگر نقصانات کا اندیشہ نہ ہو اور اس کے بغیر بھی سلامتی کی ضمانت ہو تو اس سے اجتناب بہتر ہوگا۔

جہاں تک ہندوستان کے متنازعہ قومی ترانہ کا تعلق ہے تو اس کا پڑھنا یا اس کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں کہ اس میں زمین کی عبادت و پرستش جیسے معانی شامل ہیں اور ارض وطن کے لئے ایسے اوصاف استعمال کئے گئے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالی کے علاوہ کسی اور کے لئے درست و جائز نہیں ہیں۔

۷- غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی اور مالی معاملات جیسے بیع وشراء، کرایہ داری و رہن وغیرہ میں شرکت ایک مباح اور رائج عمل ہے، آپ ﷺ کے زمانے سے مروج اور مسلمانوں کے درمیان معمول بہ ہے، ان معاملات میں سے وہی ممنوع ہیں جو حرام ہیں، جیسے سود، منشیات، شراب اور سور کا گوشت اور ایسی ہی دوسری چیزیں، غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کی کچھ اور دوسری قسمیں بھی ہیں، مثال کے طور پر آپ ﷺ نے یوم حنین کے موقع پر صفوان سے ایک ڈھال عاریۃً لیا تھا، صفوان نے کہا کہ اے محمد! کیا اس پر آپ کا دائمی قبضہ رہے گا؟ آپ ﷺ

Marfat.com

نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ عاریۃ لے رہا ہوں، اور واپسی کی ضمانت ہے (ابوداؤد، حاکم، النسائی)، عاریت لینا معاملات اور آپسی عہد و معاہدہ کی قسم کی چیز ہے، اور اس میں مسلمان ہونے کی کوئی شرط نہیں، اس لئے کہ معاملات کے تعلق سے اصل اباحت و اجازت ہے، الا یہ کہ اس کی حرمت پر دلیل موجود ہو۔

امام ابن مفلح نے (آداب شرعیہ) میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو کسی کافر کے پاس امانت رکھنے کی ضرورت ہو تو یہ اس کے لئے جائز ہے (الآداب الشرعیہ ۲/۴۶۷)۔ خود آپ ﷺ نے شاہ ایلہ کا ہدیہ کردہ سفید خچر قبول فرمایا تھا، اور اسے آپ ﷺ نے ایک چادر عنایت فرمائی تھی، اسی طرح دومۃ الجندل کے حاکم نے آپ ﷺ کو ریشم کا جبہ (عمدۃ القاری ۱۳/۱۶۸) اور مقوقس نے ایک باندی بطور ہدیہ پیش کیا تھا (فتح الباری ۵/۲۳۱)۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر کا دیا ہوا ہدیہ مسلمان قبول کر سکتا ہے، اور اس پر کافر کو بدلہ دینا بھی جائز ہے تاکہ کسی کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے اونچا نہ رہے، بدر کے قیدیوں کے تعلق سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور اس نے ان قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی ہوتی تو اس کی خاطر ان سبھوں کو رہا کر دیتا (بخاری)۔ اور یہ اس کی ان کوششوں کا بدلہ تھا جو اس نے کعبہ میں معلق صحیفہ کے پھاڑنے میں کی تھی، اور بعض روایتوں میں ہے کہ طائف سے واپسی کے دن آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کا انعام ہوتا۔

علامہ بدرالدین عینی نے آپ ﷺ کے بنو دیل کے ایک شخص کو ہجرت کے موقع پر بطور رہنما اجرت پر لینے کے واقعہ پر استدلال کرتے ہوئے کہا ہے: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کو بھی محرم راز اور اپنے مال و دولت کا امین بنایا جا سکتا ہے اگر ان کی طرف سے امانت و مروت اور وفا شعاری کا تجربہ ہو، جس طرح آپ نے اس مشرک کو اپنا رہبر و محرم راز بنایا تھا۔

جہاں تک غیر مسلموں کے ساتھ معاملات و تعلق کے عام ضابطہ کا تعلق ہے تو وہ وہی

Marfat.com

ہے جو علماء اسلام اور فقہاء کرام نے بڑی دقت ومہارت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں جیسا کہ محدث ظفر احمد عثمانی نے احکام القرآن میں نقل فرمایا ہے: کفار کے ساتھ تعلق کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱-موالات یعنی دوستی وقلبی تعلق

۲-مدارات یعنی ان کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا۔

۳-مواسات یعنی کچھ دے دلا کر ان کو فائدہ پہنچانا۔

جہاں تک پہلی قسم یعنی موالات کا تعلق ہے تو یہ بالکل ہی جائز نہیں، اور اسی کو اللہ تعالی کے اس قول میں منع کیا گیا ہے: "**لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم**" اور "**يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم أولياء**"۔

مدارات تین مواقع پر جائز ہیں:

۱-دفع ضرر کے لئے۔

۲-کافر کی دینی مصلحت کے لئے یعنی مدارات کے ذریعہ اس کے اسلام لانے کی توقع ہو۔

۳-اگر وہ مہمان ہو یا معزز لوگوں میں سے ہو تو اس کے اکرام کے لئے۔

خود اپنی مصلحت یا یعنی مال وجاہ کے حصول کے لئے غیر مسلم کی مدارات جائز نہ ہوگی، خاص کر اگر اس سے دین میں کسی ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، اور اللہ تعالی اس قول میں موالات سے مراد مدارات ہی ہے: "**لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء**"، اور اسی لئے دفع ضرر کی حالت کو مستثنی کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "**إلا أن تتقوا منهم تقاة**"، اس کے علاوہ دوسری آیات میں موالات سے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں، اسی لئے وہاں کسی بھی قسم کا استثناء نہیں ہے۔

Marfat.com

کافر کی اس کی دینی مصلحت کی خاطر مدارات کے جواز کی دلیل سورہ عبس میں اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "فأنت له تصدی" اس آیت میں جس بات پر نکیر کی گئی ہے وہ کافر کو مومن پر مقدم کرنا ہے، نہ کہ صرف اس کی مدارات، اور بحیثیت مہمان کسی غیر مسلم کی مدارات کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے جس میں بنو ثقیف کو مسجد میں ٹھہرانے کی بات کہی گئی ہے۔

اور شخصی منفعت جیسے جاہ و مال کے حصول کی خاطر غیر مسلم کے مدارات کی حرمت کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "أیبغون عندهم العزة"۔ اب رہی تیسری قسم یعنی مواسات، تو مواسات اہل حرب کے ساتھ جائز نہیں، البتہ ذمی اور ان جیسے لوگوں کے ساتھ جائز ہے، اور اس کی صراحت سورۂ ممتحنہ میں موجود ہے، جو "لا ینهاکم" سے لے کر "هم الظالمون" تک کی قرآنی آیت میں ہے، وہاں مواسات کی تعبیر "تولی" سے مجازا کی گئی ہے، اور اس مجاز کا قرینہ یہ الفاظ ہیں: "أن تبروهم و تقسطوا إلیهم" اور مدارات کا جواز صرف اس وقت ہے جب اس کے وقوع کا ظن غالب ہو، محض وہم وگمان کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اسی وہم وگمان کو محل انکار سمجھا گیا ہے، قرآن کی آیت: "نخشی أن تصیبنا دائرة" میں مدارات کا یہی حکم ان لوگوں کے تعلق سے ہے جو اہل فسق وھوی میں سے ہیں۔

جہاں تک غیر مسلموں سے مدد لینے کی بات ہے تو آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے مدد طلب کی تھی، حالانکہ غزوہ حنین کے موقع پر وہ مشرک تھا۔

آپ ﷺ نے بنو قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی تھی، اور مال غنیمت میں انہیں حصہ بھی دیا تھا۔

آپ ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص سے مدد لی تھی اور قریش کے خلاف اسے بطور جاسوس استعمال کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ میں سے ابن عبد البر اور حنابلہ ایک دوسری رائے

Marfat.com

میں غیر مسلموں سے مدد طلب کرنے کو کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں، خود آپ ﷺ نے مدینہ میں داخل ہوتے وقت یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، حلف الفضول میں شرکت کی تعریف کی اور اسے مستحسن قرار دیا تھا، اور طائف سے واپسی کے وقت مطعم بن عدی کے جوار میں داخل ہوئے تھے، یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ کفار کے ساتھ گٹھ جوڑ جائز ہے، اور پارلیمنٹ وغیرہ میں غیر مسلموں کو نمائندگی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے مفاد میں ہو۔

سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کا حکم:

نظام حکومت یا حاکم کے انتخاب کے لئے اسلام نے کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، بلکہ عدل وانصاف کے قائم کرنے کا ایک عمومی فریم ورک بنانے پر ہی اکتفاء کیا ہے، آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آیا، اور پھر اس کے بعد سے عالم اسلام میں سیاسی طرز عمل یا نظامہائے حکومت کبھی خلافت راشدہ کے طرز پر تھے، تو کبھی منضبط بادشاہی وجود میں آئی، تو کہیں انتہائی آمرانہ نظام قائم ہوا۔

اسلام کا شورائی نظام موجودہ جمہوری نظام سے زیادہ فطرت کے قریب، زیادہ منضبط اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے، بشرطیکہ حاکم آمرانہ مزاج نہ رکھتا ہو، لیکن جب سے مسلمانوں نے عملی میدانوں میں اپنی گرفت کھودی ہے اور علم وفن اور صنعت وحرفت کے میدان میں مغربی دنیا کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی ہے اور بر وبحر اور فضا سب کے سب مغربی ٹکنالوجی کے زیر سایہ اور ان کے بھیانک اسلحہ خانوں کی زد پر آگئے ہیں موجودہ دور کے حالات نے دار الکفر اور دار الحرب کے مفاہیم کو بدل کر ہی رکھ دیا ہے۔

دوسری طرف دنیا کی ساری حکومتیں اور ممالک خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اقوام متحدہ کے نظام میں آگئی ہیں اور اس کی ممبر ہیں، اسی طرح اکثر وبیشتر ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات

Marfat.com

قائم ہیں، لہذا اس انداز میں کفر و اسلام کی بنیاد پر ایک ملک کو دوسرے سے الگ کرنا جیسا کہ قدیم کتب فقہ میں موجود ہے اب ناممکن سا ہو گیا ہے، بلکہ اب استثنائی حالتوں کے علاوہ جیسے اسرائیل، کوئی ایسا ملک نہیں رہ گیا ہے جس کو دارالحرب کا نام دیا جا سکے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کی حفاظت کے لئے دارالاسلام ہجرت کے مقابلے میں بعض غیر اسلامی حکومتوں اور ملکوں کو زیادہ پر امن اور اپنے حقوق کے لئے زیادہ طاقتور ضامن پاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مفکرین اور دانشوران غیر مسلم حکومتوں جیسے یورپ و امریکا وغیرہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور اسی طرح لاکھوں مسلم طلبہ مغربی دانشگاہوں میں داخلہ کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں تا کہ وہ اپنی علمی سرگرمیوں کو مکمل کر سکیں اور وہیں قیام کر سکیں۔

دوسری طرف حکومتوں اور ملکوں کے دائرے میں دیکھئے تو زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہو چکی ہے، حقیقی طور پر ایک بھی ایسی مسلم حکومت یا مسلم ملک موجود نہیں ہے جو ان تمام مسلمانوں کو اپنی حدود میں جگہ دے سکے جو غیر مسلم حکومتوں کے زیر سایہ جیتے ہیں، اور ایسا ملک ہوتا بھی تو وہ اپنی سرحدیں اس کام کے لئے کھول کر نہیں رکھ سکتا، اور اگر سرحدیں کھل بھی جائیں تو اس کے سلبی و منفی نتائج کا علم تو صرف اللہ کو ہی ہے، دسیوں سال سے بنگلہ دیش میں لاکھوں غیر بنگالی مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے کسی سے مخفی نہیں ہے، ایسی صورت میں کھوکھلی مثالیت جیسے کہ دارالکفر سے دارالاسلام کی ہجرت یا فرار بالدین کی بات کرنا بالکل ہی غیر منطقی امر ہے، کتنے ایسے مسلم ممالک ہیں جہاں اپنے دین کے پابند لوگ کانٹوں پر جیتے اور اجنبی ملکوں اور دور دراز جزیروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کون سا دارالاسلام اس بات کے لئے تیار اور قادر ہے کہ وہ دو سو ملین ہندوستانی مسلمانوں یا فلپائن، روس اور چین جیسے غیر مسلم ممالک میں آباد لاکھوں مسلمانوں کو اپنے یہاں جگہ دے سکے، بالفرض اگر یہ ہو بھی جائے تو اس سے پیدا ہونے والے منفی اثرات کم خطرناک نہیں ہوں گے، بلکہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے مفاد کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ مسلم اقلیتوں کے لئے ڈیموکریٹک نظام حکومت کا کوئی بدل نہیں ہے، ایسی حکومتوں میں رہنا جو ڈیموکریسی کو بطور نظام حکومت اور لادینیت (یعنی کسی مذہب کو نہ نقصان پہنچانا اور نہ ہی کسی کی جانبداری کرنا) کو بطور نظام فکر اپناتی ہیں اقلیتوں کے لئے سب سے بڑی نعمت اور دینی وقومی بنیادوں پر خونریزیوں اور نیست ونابود کرنے کی کوششوں سے ان کی حفاظت کا سب سے بڑا وسیلہ ہے، جیسا کہ بوسنیا وغیرہ کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے، ڈیموکریسی نہ تو کھلا کفر ہے اور نہ صریح منکر، بلکہ آمرانہ حکومتوں کو لگام لگانے کے سلسلے میں وہ اسلامی تعلیمات کے مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اس لئے کہ سیاسی ادوار کا اختلاف وتعدد، صحافت کی آزادی، نظام قضا کی خودمختاری اور اپوزیشن میں اقلیت کے حقوق یہ سب وہ چیزیں ہیں جو قوموں اور امتوں کی شریفانہ زندگی کے لئے مطلوب ہیں۔

جہاں تک حلال کو حرام اور حرام کو حلال یا فرائض کے ساقط کرنے کا تعلق ہے تو اس قسم کے قوانین ناقابل قبول ہیں، خواہ وہ جمہوری ممالک کے پارلیمنٹوں سے بنے ہوں یا کسی آمریت پسند حاکم کے صادر کردہ احکام وفرامین کی شکل میں ہوں، اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، اور مسلمان اس قسم کے قوانین کو قبول کرنے پر مجبور نہیں ہیں جو اسلام کی واضح تعلیمات سے متصادم ہوں، بلکہ ان کا فرض ہے کہ اس قسم کے قوانین کے خلاف کھڑے ہوں، اب جو مسلمان ڈیموکریسی کی دعوت دیتا ہے وہ یہ دعوت اسی اعتبار سے دیتا ہے کہ وہ حکومت کی ایک شکل ہے اور ڈیموکریسی کا طریقہ اس لئے اپنانا کہ اس کے ذریعہ عدل وانصاف قائم ہوسکے، شورائی نظام وجود میں آئے، حقوق انسانی کا احترام ہو اور ظلم وزیادتی کو روکا جائے، تو اس میں کوئی ممانعت نہیں، اس میں یہ اصول کارفرما ہے کہ جس کام کے بغیر کسی واجب پر عمل نہیں ہوسکتا ہو وہ کام بھی واجب ہے، مقاصد شرعیہ کے لئے اگر کوئی وسیلہ متعین ہوجائے تو وہ وسیلہ بھی مقاصد کا ہی حکم لے لیتا ہے، ڈیموکریسی کی دعوت لازما حاکمیت کا انکار نہیں ہے، اور محض خوارج جیسے نعرہ بلند کرنے میں

Marfat.com

کوئی فائدہ نہیں، جس کے بارے میں کہا جا چکا ہے: "کلمة حق أرید بها باطل"۔ جو چیزیں دین کی ثابت شدہ ہیں ان پر ان مجلسوں اور پارلیمنٹوں میں ووٹنگ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

غیر اسلامی ملکوں میں ڈیموکریسی کو قائم کرنا ضروری نہیں ہے کہ اسلام مخالف ہی ہو، ہاں اکثریت کی رائے اور اعتماد کی وجہ سے حکمراں جماعت کو دودھاری ہتھیار ہاتھ لگ جاتا ہے جو کبھی مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے جاری دباؤ اور بعض ایسے جزئی قوانین کے اجراء کی کوششیں ہیں جو مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا سے متعارض ہیں، لیکن اکثر قوانین جو پارلیمنٹ پاس کرتی ہے وہ انتظامی قسم کی ہوتی ہیں اور وہ قریب و بعید کہیں سے دین پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں، اس لئے میری رائے میں انتخابی سرگرمیوں میں شرکت ممنوع نہیں ہوگی، اس لئے کہ پارلیمنٹ کی راہ سے آنے والی خرابیوں کا تدارک بھی پارلیمنٹ میں ہی ہوسکتا ہے۔

لیکن جہاں تک پارلیمانی عمل میں عدم شرکت، مسلمانوں کی اس میں عدم نمائندگی اور ممبران کی طرف سے عدم اختلاف کا تعلق ہے تو اس صورت میں اس بات کا زیادہ موقع فراہم ہوتا ہے کہ ایسے قوانین وضع ہوجائیں جو اسلامی تعلیمات سے متعارض ہوں اور اس کے نتیجہ میں خطرہ بڑھ جائے اور مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیاست شرعیہ کا مطلب ہے ایسے قوانین وضوابط جو حکومتی اداروں کو منظم کرتے ہیں، قوم کے معاملات کو انجام دیتے ہیں، روح شریعت سے متفق ہوتے ہیں اور اس کے مقاصد کو عملی جامہ پہناتے ہیں، ایسی سیاست شرعیہ کی تفصیلات صراحتاً قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہیں۔

علامہ ابن عقیل فرماتے ہیں: "سیاست ان اعمال وسرگرمیوں کا نام ہے جن کی موجودگی میں لوگ صلاح سے قریب تر اور فساد وبگاڑ سے بعید تر رہ سکتے ہوں، خواہ ان اعمال کو آپ ﷺ نے مشروع نہ فرمایا ہو (الطرق الحکمیۃ رص ۱۳)۔

Marfat.com

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: سیاست حاکم کی طرف سے کوئی بھی ایسا عمل ہے جو وہ کسی مصلحت کو نظر میں رکھ کر انجام دیتا ہو، خواہ اس کے متعلق کوئی دلیل وارد نہ ہو، سیاست شرعیہ عموما جلب مصلحت اور دفع مضرت پر مبنی ہوتی ہے، جیسا کہ سد ذرائع کے اصول سے سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ بات فطری ہے کہ حالات کا اعتبار کیا جائے گا، اور مختلف میدانوں کے اہل اختصاص کی آراء کی روشنی میں آئندہ کے منصوبے بنائے جائیں گے۔

جہاں تک سیاسی سرگرمیوں میں مشارکت، یا ایسے نظامہائے حکومت میں مناصب کے قبول کرنے کا سوال ہے جو لادینی ہیں، یا وضعی قوانین پر عمل پیرا ہیں تو یہ ہر زمانے میں بحث کا موضوع رہے ہیں، ایک جماعت اس مشارکت کو جملۃ وتفصیلاً نامقبول قرار دیتی ہے اور اسے خدائی قوانین کے مقابلے میں انسانی قوانین کو تسلیم کرنا تصور کرتی ہے۔

ان کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں خدا کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرنے پر کفر، یا فسق یا ظلم کا حکم لگایا گیا ہے۔

اور وہ نصوص ہیں جو حاکمیت کو صرف اللہ کے لئے خاص کرتی ہیں جیسے

"إن الحكم إلا لله، أمر أن لا تعبدوا إلا إياه" (سورۂ یوسف: ۴۰)۔

اسی طرح وہ ممانعت ہے جو شریعت الٰہی کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے تعلق سے وارد ہوئی ہے۔

وہ آیات ہیں جو ظالموں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے منع کرتی ہیں۔

وہ آیات واحادیث ہیں جو موالات کفار سے منع کرتی ہیں۔

اس لئے کہ ان نصوص کی دلالت واضح اور قطعی ہیں، ان میں تمام مسلمانوں اور حکمرانوں کو شریعت الٰہی پر عمل کرنے کا پابند بنایا گیا ہے، اور طاغوت پرستی سے منع کیا گیا ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر راضی نہیں ہوگا وہ مومن نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

منہاج السنۃ میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کو واجب نہیں سمجھتا وہ کافر ہے، جو لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کی اتباع کے بغیر اپنی طرف سے عدل خیال کر کے فیصلہ کو جائز قرار دیتا ہے وہ بھی کافر ہے، انہیں نصوص کی وجہ سے بعض معاصر علماء کی رائے میں عدم مشارکت ہی اصل ہے۔

محمد قطبؒ فرماتے ہیں:

ان تمام حالات میں اس مسلمان کے لئے جو جاہلیت کے حکم کا انکار کرتا ہے وزیر ہونا جائز نہیں (اقضاء المعاصر ۵۰۹)۔

بعض لوگ تو اس موضوع کو شرک سے جوڑ دیتے ہیں کہ شرک کے عدم جواز سے پتہ چلتا ہے کہ حکم جاہلیت میں شرکت بھی ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کی نظر میں ظالمین اور کفار کی وزارت میں شرکت حق اللہ کے ساتھ زیادتی اور اس کی پامالی ہے۔

اس میں ظالمین کے ساتھ موالات اور اخروی مصلحت کا ضیاع ہے۔

ظالمین کے اعمال کو مستحسن قرار دینا ہے۔

عوام کو گمراہ کرنا اور ظالم حکمران پر اعتماد پیدا کرنا ہے۔

اس میں ظالموں کے ساتھ شریک بنا کر نیک لوگوں کو بدنام کرنا ہے۔

اس رائے کے مقابلے میں ایک دوسری رائے بھی ہے جو مشارکت کے جواز کی قائل ہے، اس کی دلیل یوسف علیہ السلام کا وہ مطالبہ ہے جو انہوں نے عزیز مصر سے کیا تھا "اجعلنی علی خزائن الأرض، إني حفيظ عليم"، دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود مختار نہیں تھے بلکہ بادشاہ کے تابع تھے، حکومت میں کوئی بڑی اور بنیادی تبدیلی لانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے اور بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دین پر نہیں تھا، یہ نص عموم رکھتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے، یوسف علیہ السلام کی یہ دلیل کہ وہ

Marfat.com

حفیظ علیم ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر صاحب اہلیت کو یہ محسوس ہو کہ عدل کے قیام اور دفع شر کا امکان ہے یا یہ کہ وہ وطن اور اہل وطن کے لئے واضح مصلحت سمجھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے، یا حکومت میں شریک ہو، خواہ حکومت اسلامی نہ ہو۔

اس کی تائید نجاشی والے واقعہ سے بھی ہوتی ہے، وہ اپنے اسلام لانے کے باوجود خدا کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلہ کرتے رہے، اور ایک غیر مسلم قوم کے بادشاہ بنے رہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں کافر اور خارج از ملت قرار نہیں دیا، بلکہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی، انہوں نے آپ ﷺ کے پاس ایک خط بھیجا تھا کہ میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں، امام ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے ایک ڈھال اور بڑے نفع بخش تھے۔

ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر اسلامی حکومت میں مشارکت جائز ہے اگر اس پر کوئی بڑی مصلحت مرتب ہوتی ہو یا نقصان کا دفعیہ ہوسکتا ہو، خواہ شرکت کرنے والا حالات میں بنیادی تبدیلی لانے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

مشہور مفسر قرآن امام شہاب آلوسی حضرت یوسفؑ کا قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس میں منصب یا ذمہ داری کے مطالبہ کے جواز کی دلیل ہے اگر طالب منصب اقامت عدل پر قدرت رکھتا ہو، خواہ کسی کافر یا ظالم سے ہی کیوں نہ مطالبہ کرنا پڑے (روح المعانی ۵/۳)۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی وزارت یا سیاسی انتظامیہ میں مشارکت کا مقصد موجودہ پارلیمانی نظام یا جدید وزارتی انتظامیہ کے تحت نہ ظالموں کی ماتحتی ہے، نہ موالات کفار اور نہ غیر شریعت الٰہی کی تحکیم ہے، بلکہ وضعی نظام میں شرکت سے شرکت کرنے والے کا مقصد اگر وہ اپنے دین کا پابند ہے تو عدل کا قیام اور حتی الامکان شریعت الٰہی کی تطبیق ہے، اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ مداہنت نہ ہو۔

Marfat.com

اس موقف کی تائید سلطان العلماء عز بن عبد السلام کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے قواعد میں بہت ہی سنجیدہ اور فقہی اسلوب میں کہا ہے:

اگر مسلمانوں کے رسوخ کو پختہ کرنے اور ان کے وجود کی حفاظت کے لئے غیر اسلامی حکومت میں مشارکت ہی واحد وسیلہ ہو تو اس کے جائز ہونے بلکہ بعض حالات میں واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ معاملہ قیام عدل، دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے مفاد ومصالح پر شرکت کرنے والے کی قدرت سے مربوط ہے۔

اصل تو یہی ہے کہ انسان اس نظام میں شریک نہ ہو جو عدل کی بنیادوں پر قائم نہیں ہے، لیکن جیسا کہ کہا گیا: "مالا یدرک کله لا یترک جله" اور اسلامی شریعت کے مقاصد میں حسب امکان ظلم اور برائی کو کم کرنا اور جرم وزیادتی کے دائرے کو تنگ کرنا شامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاتقوا الله ما استطعتم" (تغابن:۱۶)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "لا یکلف الله نفسا إلا وسعها" (بقرہ:۲۸۶)۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جتنا ممکن ہو اس پر عمل کرو"۔

صحابہ کرامؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور قریش کے ظلم وزیادتی سے بچنے کے لئے نجاشی کے پاس پناہ گزیں ہوئے، اس لئے کہ یہ معاملہ نسبتاً آسان تھا، اور نجاشی اپنے اسلام لانے کے باوجود حکومت کرتے رہے، حالانکہ ان کی حکومت اسلامی نہیں تھی۔

اخف الضررین کا اختیار ایک اصولی مسئلہ ہے اور عقل وشرع دونوں کے نزدیک مقبول ہے، فقہاء نے منکرات پر سکوت کو اس وقت جائز قرار دیا ہے جب کسی منکر پر انکار اس سے کسی بڑے منکر کا سبب بن سکتا ہو۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کو انہیں بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا لیکن فتنہ کے خوف سے ترک کر دیا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "اگر تمہاری قوم ابھی ابھی شرک سے نہ نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کرا دیتا" (یہ متفق علیہ روایت ہے)۔

Marfat.com

بچھڑے کی پرستش وعبادت ایک فتنہ تھی، حضرت ہارون علیہ السلام اس فتنہ پر افتراق امت کے خوف سے خاموش رہے، انہوں نے فرمایا: ''اے میرے بھائی! میری داڑھی و بال پکڑ کر نہ کھینچو، مجھے ڈر تھا کہ آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ پیدا کر دیا اور میری باتوں کا خیال نہ رکھا (طہ: ۹۴)۔

اگر انسان سب سے بہترین عمل پر قادر نہ ہو اور حالات نامناسب ہوں تو کم تر پر اکتفاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہی اصول ہیں جیسے:

المشقة تجلب التيسير۔

الضرارات تبيح المحظورات۔

الضرر يزال۔

اسی طرح دوسرے فقہی اصول وقواعد ہیں جو اس مسلمان کے سامنے وسیع آفاق کھول دیتے ہیں جو مخصوص اور استثنائی حالات میں گھرا ہو، پھر یہ کہ احکام شریعت کی بنا آسانی ویسر پر ہے نہ کہ حرج وتنگی اور دشواری پر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر**'' (بقرہ: ۱۸۵)۔

''**وما جعل عليكم في الدين من حرج**'' (حج: ۷۸)۔

''**فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم**'' (بقرہ: ۱۷۳)۔

''**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**'' (نحل: ۱۰۶)۔

''**ذلك تخفيف من ربكم ورحمة**'' (بقرہ: ۱۷۸)۔

''**يريد الله أن يخفف عنكم وخلق الإنسان ضعيفا**'' (نساء: ۲۸)۔

خود فقہاء کرام نے مقلد قاضی کی ولایت کو مجتہد قاضی کی عدم موجودگی میں جائز قرار دیا

Marfat.com

ہے، اسی طرح فاسق کی شہادت کو بھی اگر کوئی عادل موجود نہ ہو، اور فاجر کے ساتھ جہاد کو بھی اگر کوئی نیک اور پرہیزگار امیر نہ ہو۔

امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک امیر ہے، قوی ہے لیکن فاجر ہے، اور دوسرا نیک و صالح ہے لیکن کمزور وضعیف ہے، دونوں میں سے کس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا: طاقتور فاجر کا فجور اس کی ذات کے لئے ہے، اور اس کی قوت وطاقت مسلمانوں کے لئے مفید ہے، جبکہ کمزور اور نیک کی نیکی تو اس کی اپنی ذات کے لئے ہے لیکن اس کے ضعف کا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا، تو انسان کو جہاد طاقتور کے ساتھ مل کر کرنا چاہئے خواہ وہ فاجر ہو۔

حالات اور چیزوں کی درستگی واصلاح میں تدریج کا اختیار کرنا احکام شریعت اور سنت راشدین میں سے ہے، خود شریعت نے شراب کو حرام قرار دینے میں تدریجی اسلوب اختیار کیا ہے، اسی طرح تدریجی اسلوب ایک تکوینی سنت ہے جو انسان وحیوان اور نباتات سب میں جاری ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ڈیموکریٹک عمل میں شرکت شرعاً جائز ہے تو رائے دہندگی ونمائندگی، ووٹنگ کے عمل کی تنظیم، انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینا عمومی مقصد کے حصول کے لئے جائز ہوگا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم ووٹنگ کو شہادت کے مرتبہ پر رکھیں جیسا کہ بعض معاصر فقہاء کی رائے ہے، یا اسے سفارش وتوکیل اعتبار کریں، خواہ الیکشن میں آزادانہ کھڑے ہوں یا کسی سیاسی پارٹی کے ٹکٹ پر، پاکستان کی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے جو ووٹنگ کی تعریف کی ہے کہ وہ توکیل وتفویض ہے تو اس میں شہادت کا معنی شامل ہے اور وہ (تولیت) کو مستلزم ہے، یہ کہنا کہ وہ توکیل ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رائے دہندگی میں گواہی، سفارش اور نیابت کے مفاہیم باہم گنجلک ہیں، اور فقہاء کے لئے اس مسئلہ کی شرعی نوعیت کی تعیین مشکل ہے، اس لئے کہ یہ ایک نئی اصطلاح ہے جو شریعت کے مفاہیم اور مصادر کی پرداخت نہیں ہے، بہرحال

Marfat.com

اگر عرف یہ ہے کہ مصلحت مقاصد شریعت میں سے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی حفاظت کے ذریعہ مصلحت حاصل ہو تو سیاسی گٹھ بندی، سیاسی پارٹی اور سیاسی ادارے کی تشکیل جائز ہے، تاکہ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت ہو سکے، جس طرح غیر مسلم ملکوں کے حکومتی محکموں اور پارلیمانی اداروں میں شرکت جائز ہے، جہاں تک ہر قسم کی مشارکت کے انکار پر اصرار، موالات وغیرہ مصطلحات ومفاہیم کی تفسیر وتشریح میں غلو پسندی، خلافت راشدہ، اسلامی حکومت یا حکومت الٰہی کے قیام کا نعرہ کی بات ہے تو یہ سب خوبصورت خواب رہ جائیں گے، شترمرگ کی طرح ریت میں سر چھپانے اور امر واقع کے انکار کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور اسی قسم کی فکر نے مسلمانوں کی زندگی کو حرام بنا رکھا ہے۔

ڈیموکریسی گرچہ اسلام کا جز نہیں ہے لیکن اس کے مثبت اور صالح قواعد جن سے یہ نظام تیار ہوتا ہے پہلے ہی سے اسلام میں موجود ہیں۔

حقوق، مساوات اور عدل وانصاف کے اصول موجودہ دنیا میں ڈیموکریٹک طریقوں سے ہی حقیقت بن سکتے ہیں، حقیقی ڈیموکریسی اس وقت لوگوں پر لوگوں کے ظلم کو روکنے، ظالم حکمراں کو اس کے منصب سے معزول کرنے اور موثر شورائی نظام کو وجود میں لانے کا ذریعہ بن گئی ہے، اور یہ ساری چیزیں اسلامی شریعت کے مقاصد اور اس کی فیاضانہ تعلیمات کا ایک حصہ ہیں۔

جہاں تک حلف برداری یا دستور کی قسم کھانے کا تعلق ہے تو وہ ایک قسم کا عہد ہے کہ دستور کے دفعات کی پابندی کی جائے گی اور منصب وعہدہ کے دوران پوری امانتداری اور باریکی کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جائے گی، دقیق معنوں میں وہ شرعی حلف نہیں ہے، اور ہوسکتا ہے کہ وہ بعض آمریت پسند حکومتوں میں حاکم کے نام کی قسم کھانے سے کمتر ہو، حلف برداری کے لئے تیار کی جانے والی عبارتوں میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، ان کو صحیح عقیدہ کے مطابق بنایا جاسکتا ہے تاکہ وہ دین اسلام کی تعلیمات کے منافی نہ ہوں۔

Marfat.com

مسلم اقلیتوں کے عائلی قوانین کی حفاظت کا ایک مثالی نظام اور ایک انوکھا تجربہ:

جب مسلم پر غیر مسلم کی ولایت ناقابل قبول ہے تو آخر ان مسلمانوں کے مسائل کا کیا حل ہے جو غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کی حیثیت سے زندگی گذارتے ہیں؟ وہ اپنے وجود کی حفاظت اور بحیثیت مسلمان کیسے جی سکتے ہیں جبکہ ان کے تمام سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی وضعی قوانین یا شرکیہ احکام کے تابع ہیں، جو سراسر اسلامی احکام کے منافی ہیں؟ ولایت خواہ خاص ہو یا عمومی سب غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے؟ وہ غیر شرعی احکام اور غیر مسلم حکام کی ولایت میں اپنے نکاح وطلاق اور وقف ومیراث جیسے معاملات حل کرنے پر مجبور ہیں۔

مسلم اقلیتوں کی حیثیت سے بسنے والے مسلمانوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اور موجودہ نظامہائے حکومت میں انہیں اس کی اجازت نہیں مل سکتی کہ وہ مسلم ممالک کو ہجرت کر جائیں، اگر وہ اختیاری طور پر یا جبری حالات کے تحت نکل بھی جائیں تو دنیا میں کوئی بھی ایسی مسلم حکومت نہیں ہے جو تیار یا اس بات پر قادر ہو کہ اتنی بڑی تعداد میں ہجرت کرنے والی مسلم اقلیتوں کا استقبال کر سکے، اور انہیں اپنی زمین میں بسا سکے۔ اور کسی بھی مسلم ملک کی نیشنلیٹی دے سکے، پھر کیا طریقہ ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد اسلامی شریعت کے سائے میں رہ سکے، جبکہ دنیا کے اکثر ممالک کفار ومشرکین، یہود ونصاری یا ملحدین وکمیونسٹوں جیسے لوگوں کے محکوم ہیں۔

صرف ایشیا کے جنوب مشرق میں ایسی غیر مسلم حکومتیں پائی جاتی ہیں جن میں مسلم اقلیتوں کی بہت بڑی تعداد رہتی ہے، مثال کے طور پر ہندوستان میں تقریبا نو سوملین ہندو، بدھسٹ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان تقریبا دوسوملین مسلمان رہتے ہیں، فلپائن، سری لنکا اور نیپال میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد رہتی ہے، اب ان مسلمانوں کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ عائلی قوانین کی حد تک بھی اسلامی احکام کے سائے میں زندگی گذار سکیں، حالانکہ عائلی قوانین کی طرف سے غفلت مسلمانوں کے وجود اور ان کے تشخص کے لئے خطرہ

Marfat.com

ہے، اور بت پرستانہ تہذیب، شیطانی ومشرکانہ زندگی، بے دینی، کمیونزم یا اباحیت وجنسی بے راہ روی کے ماحول میں ان کی اولاد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

مراکز افتاء میں جو سوالات اور استفتاءات آتے ہیں، جن میں اس ناقابل حل مسئلہ اور ان ممالک میں بسنے والی مسلم خواتین کے مسائل کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جو بسا اوقات شوہروں کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے یا کبھی وہاں کی سرکاری عدالتوں کے غلط رویہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، ان کے جوابات پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ آج بھی قائم ہے، اور زمانے کے فقہاء کے نزدیک اس کے حقیقی حل موجود نہیں ہیں جو مسلمانوں کو ان کی پریشانیوں سے نجات دلا سکے، اور ان کے طرز زندگی کو منظم بنا سکے، اور ان پر عمل کرنا غیر مسلم ملکوں میں رہتے ہوئے آسان بھی نہیں ہے، یہ جوابات انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں یہ بعض حالات میں قابل عمل ہوتے ہیں اور بعض دوسرے حالات میں نہیں۔

ان حالات کے پیش نظر میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ اس تجربہ کو پیش کروں جو مسلمانوں اور خاص طور سے غیر اسلامی ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے عائلی مشکلات کے حل کرنے میں ایک منفردانہ حیثیت رکھتا ہے، میری رائے میں اس تجربہ کے ذریعہ مسلمانوں کے وجود وتشخص کو ضائع ہونے اور تحلیل ہونے سے بچانے میں مدد مل سکتی ہے، وہ طویل عملی تجربہ ہے جس کی عمر ستر سال سے بھی زیادہ ہے اور جس کو مضبوط شرعی وفقہی سند بھی حاصل ہے، اس انوکھے تجربہ سے میری مراد امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ ہے جو ہندوستان میں ستر سال سے قائم ہے اور بڑی سرگرمی کے ساتھ، بڑے علماء وفقہاء کی رہنمائی ونگرانی میں اپنا کام کر رہی ہے۔

اس تجربہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی شخصیت کا انتخاب بطور امیر ہوتا ہے اور اس کا کردار دقیق معنوں میں شیخ الاسلام کا کردار ہوتا ہے، اس کی قوت کا مدار اس پر ہے کہ اس کا انتخاب اعیان شہر، ارباب حل وعقد یا مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے کیا ہے، اس

Marfat.com

کے انتخاب اوراس منصب پراس کی تقرری کے بعداس کا کرداراورعمل یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات کوسیاسی حساسیت سے دور رہتے ہوئے غیر مسلم حکومت کے ساتھ مل کر منظم کرتا ہے، اوران معاملات کو چھیڑنے سے گریز کرتا ہے جوملک کے داخلی امن وسلامتی یاان امور سے تعلق رکھتے ہیں یا جودستورملک کے شہری قوانین یا جنائی قوانین کے تحت آتے ہیں، بلکہ منتخب امیر کا کام مسلمانوں کے تشخص کی حفاظت کرنا ہوتا ہے، وہ حکومتی اداروں اور اہل کاروں کو اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کے شخصی یا عائلی قوانین میں مداخلت کریں، اس منصب پر تقرری کے بعد اسے قاضیوں کی تقرری کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اس نظام کے ذریعہ کبھی کبھی عائلی مسائل کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی بحیثیت حکم مسلمانوں کے درمیان نزاع اور جھگڑوں میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

امیر کے معین کردہ قضاۃ ہی بنیادی طور پر عائلی مسائل جیسے: نکاح، طلاق، فسخ اور تفریق بین الزوجین وغیرہ کوضروری شرائط کی موجودگی میں دقیق فقہی معیار کے مطابق حل کرنے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں، ان مسائل کی کارروائی سول کورٹ کے ہی طریقہ پرانجام پاتی ہے، یہ کارروائیاں تقریبا مفت یا دوسری عدالتوں کی بہ نسبت بہت کم خرچ پرانجام پاتی ہیں، جس کی وجہ سے مسلمان اس کی طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں، مزید برآں اس کے ذریعہ مسلمانوں میں شعور کی بیداری، اپنی عائلی وشخصی زندگی کوشرعی بنیادوں پر قائم کرنے اور نکاح وطلاق، وقف ومیراث جیسے مسائل میں وضعی ومشرکانہ قوانین کے اجتناب میں مدد ملتی ہے، امیر یا صدر تنظیم اموال زکاۃ کے جمع کرنے اوران کوشرعی طریقہ سے ان کے مصارف میں خرچ کرنے کے لئے بیت المال قائم کرتے ہیں، مسلمانوں کی زندگی میں اس قسم کی داخلی تنظیم نے ہندوستان کے دوصوبے بہار و اڑیسہ میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے، یہاں تک بعض اوقات غیر مسلم حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ ان مسلم قاضیوں کے فیصلوں کو مانیں جن کو امارت شرعیہ کی طرف معین کیا گیا

Marfat.com

ہے، اوران کے فیصلوں کا احترام کریں، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں عظمت کا مقام رکھتے ہیں۔

اس جیسے نظام کی شرعی بنیاد وہ عمومی احادیث وآثار ہیں جن میں مسلمانوں کو اجتماعی زندگی اپنانے اور ایک امیر کے ماتحت رہنے کی دعوت دی گئی ہے، خواہ سفر میں تین ہی آدمی کیوں نہ ہوں، نیز دوسری اور بھی بہت سی دلیلیں ہیں جیسے عید وجمعہ قائم کرنا جس میں مسلمانون کو کسی ایسی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جو نگرانی اور منظم کرنے کا کام کرے، کتب فقہیہ میں ایسی بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں جو اس قسم کے نظام کو قائم کرنے کی تائید کرتی ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: ''اگر ولاۃ کفار ہوں تو بھی مسلمانوں کے لئے اقامت جمعہ و اعیاد جائز ہے، مسلمانوں کی رضامندی کے ذریعہ قاضی ان کے درمیان قاضی رہے گا اور مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے لئے ایک مسلم والی تلاش کرلیں''۔

علامہ ابن الہمام اپنی کتاب فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''اگر سلطان نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کی تقلید جائز ہو جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ہوا ہے جن پر کفار نے غلبہ حاصل کرلیا ہے جیسے مغرب میں قرطبہ وبلنسیہ اور بلاد حبشہ، اور انہوں نے مسلمانوں کو اس پر باقی رکھا ان سے لیا جائے گا تو مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کرلیں اور اس کو اپنا والی بنالیں، اور وہ والی کسی قاضی کی تعیین کرے، یا خود ہی قضا کے فرائض انجام دے'' (فتح القدیر ۳۶۵/۶)۔

کتب فقہیہ میں ''مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے قاضی قاضی بن جائے گا'' کی عبارت بار بار آئی ہے، لیکن بہت سی مسلم اقلیتوں نے اس حکم سے غفلت برتا، نتیجۃً وہ اپنا وجود کھو بیٹھیں، اور ذلت وپستی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوگئیں، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امارت شرعیہ کا معائنہ اوراس کے قاضیوں کی تدریب کے نظام کا مطالعہ کرنے کے بعد امارت شرعیہ کے

Marfat.com

مثل ایک نظام اپنایا جائے، مرحوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ اس نظام کے ممتاز ترین قاضیوں میں سے تھے، انہوں نے اور مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم نے ہندوستان میں اسلامی وجود کی حفاظت اور مسلمانوں کے عائلی قوانین کے دفاع میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

جنوبی افریقہ کے مسلمانوں نے بھی عنصری نظام کے خاتمہ کے بعد اس نظام سے استفادہ کا ارادہ کیا، ان کے عائلی قوانین سے متعلق اسلامی دستور کی تدوین ہوئی، اسے حکومت کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو منظور کرے جو نکاح وطلاق وتفریق سے متعلق احکام شریعت کے مطابق سالوں سے مدون ومرتب ہیں۔

فقہاء کی تصریحات کسی ایک فقہی مسلک تک محدود نہیں ہیں بلکہ عام کتب فقہیہ میں بہت سی نصوص موجود ہیں۔

کویت سے شائع شدہ موسوعہ فقہیہ میں چاروں معروف فقہی مسالک کا خلاصہ ایسے شہر کے بارے میں ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی امام یا خلیفہ نہ ہو، یا کسی شہر پر کفار کا غلبہ وقبضہ ہو، ان کی مستند کتابوں سے یہ نقل کیا ہے کہ آپسی جھگڑوں میں صلح وصفائی اور مسلمانوں کے امور کی تنظیم کے لئے قضاۃ کی تعیین ممکن ہے، ان مسالک کا خلاصہ یہ ہے:

اگر سلطان نہ ہو اور نہ ہی جس کی تقلید درست ہے وہ ہو یا وہاں تک پہنچنا دشوار ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ آپس میں سے کسی پر اتفاق کر کے اس کو والی بنالیں، والی قاضی کی تعیین کرے گا، یا خود ہی قضاء کے فرائض انجام دے گا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر امام کا وجود یا اس سے رابطہ دشوار ہو تو اہل رائے واہل علم ومعرفت ان میں سے کسی ایک کو جس میں قضاء کی شرائط کامل ہوں قاضی بنالیں گے، اور یہ تعین ضرورت کی وجہ سے امام کی نیابت میں ہوگا۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ قاضی کی تعیین جائز ہوگی اگر اس کی تعیین پر تمام اہل اختیار متفق ہوں، اور وہ اس کی مدد ونصرت پر قادر ہوں، بشرطیکہ دوسرے کے پاس فیصلہ کرانا ممکن نہ ہو۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شہر قاضی سے خالی ہو جائے اور تمام اہل شہر جمع ہو کر اپنے لئے کسی قاضی کو متعین کرلیں، تو اگر امام مفقود ہوگا تو یہ عمل درست ہوگا اور اس کے احکام نافذ ہوں گے لیکن اگر امام موجود ہوگا تو یہ درست نہ ہوگا (فتح القدیر ۴۶۱/۵، رد المحتار ۳۶۹/۵، روضۃ القضاء ۶۰/۱، تبصرۃ الحکام ۲۱/۱، ادب القاضی للماوردی ۱۲۹/۱، ۱۴۱)۔

یہ فقہی نصوص ان مسلمانوں کو ایک راہ فراہم کرتی ہیں جو اقلیتوں کی حیثیت سے رہتے ہیں تا کہ وہ اپنے قانونی حق کا استعمال کرسکیں، اور کسی دینی ذمہ دار پر اتفاق کرلیں جو کہ امیر، شیخ الاسلام یا مسلمانوں کا والی کہلائے گا، قضاۃ کی تعیین بھی دعاۃ کی طرح مختلف صوبوں کے لئے ہوگی، اور عائلی قوانین کی حد تک اسے فیصلہ کا اختیار ہوگا، لیکن تمام امور میں اس کو اختیار اعلیٰ حاصل نہ ہوگا۔

ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ قاضی یا دینی ذمہ دار کی تعیین اگر اس کی ضرورت ہو، تو جائز ہے، فقہاء حنابلہ کی کتابیں اس کی صراحت کرتی ہیں:

اگر شہر کے دو جانب ہوں اور قاضی کی تعیین پر ایک ہی جانب راضی ہو، دوسری نہیں تو اس مخصوص جانب میں اس کی تعیین درست ہوگی اور دوسری جانب میں باطل ہوگی، اس لئے کہ دو جانبوں کا امتیاز دو شہروں کے امتیاز کی طرح ہے، اگر ولایت درست ہوگی تو اس کے احکام نافذ ہوں گے، اور طوعاً وکرہاً ولایت کے منعقد ہونے کی وجہ سے وہ احکام لازم قرار پائیں گے (المغنی ۱۰۶/۹، کشاف القناع ۲۸۸/۶)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم اقلیتیں بے ترتیبی اور بے تنظیمی کی زندگی گزار رہی ہیں، اکثر و بیشتر مراکز اور اسلامی مجالس جو کہ دعوتی مراکز ہیں، انتہائی قابل احترام ہونے کے باوجود

Marfat.com

فقہاء سے تقریباً خالی ہیں، اور اگر ہیں بھی تو وہ صرف مسلمانوں کے عمومی مسائل میں جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جبکہ فسخ و تفریق جیسے مسائل میں فیصلہ کے لئے مسلم اقلیتوں کی پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں، اس لئے ہمارا مشورہ ہے:

مسلمانوں کو اپنے معاملات کو منظم رکھنے کی اہمیت کی طرف اور اپنے عمومی مسائل کے ذمہ دار کے طور پر کسی بابصیرت دینی شخصیت کے اختیار و انتخاب کی طرف متوجہ کیا جائے، وہ ذمہ دار حسب ضرورت ایک قاضی یا ایک سے زیادہ قاضیوں کو مذاہب اربعہ کی کتب میں مذکور نصوص کے مطابق مقرر کرے۔

مسلمانوں کے عائلی قوانین کی حفاظت اور دینی تشخص کے دفاع کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے قائم کردہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تجربہ کا جائزہ لیا جائے۔

مختلف ملکوں میں جس قدر بھی آزادی حاصل ہو اس میں رہتے ہوئے قاضیوں کی تعیین و فصل خصومات کی عملی تطبیق کے لئے ہندوستان کے بعض صوبوں میں قائم امارت شرعیہ کے تجربہ سے استفادہ کیا جائے۔

اور ان ممالک میں جو ڈیموکریسی کے منہج پر ہیں، اور سیاسی سرگرمیوں اور پارٹیوں کی تشکیل پر کوئی پابندی نہیں رکھتی ہیں، مسلم فقہاء پر واجب ہے کہ ایک شرعی رہنما ادارہ قائم کریں جو سیاست شرعیہ کی معرفت اور اس میں اختصاص رکھتی ہو تا کہ وہ انتخابات ورائے دہندگی کے تعلق سے مسلمانوں کی رہنمائی کرے، مسلمانوں کی ہمدرد پارٹیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کے شرعی حدود و ضوابط متعین کرے، اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ پر امن بقائے باہم کے اصول طے کرے، تا کہ موقع پرست اہل سیاست کے درمیان آکر یہ اہم کام بربادی کا شکار نہ ہو جائے، مسلمان اپنے مصالح و مفاد کے لئے ایک پلڑے کو دوسرے پر بھاری کر دینے پر قادر ہوں، انہیں اتنا رسوخ حاصل ہو کہ درپیش خطرات اور نقصانات کا ازالہ کر سکیں اور حالات کو وہ زیادہ سے زیادہ اپنے قابو

Marfat.com

میں کر سکیں یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے۔

اخیر میں کویت کی وزارت اوقاف وشؤون اسلامیہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نے اس بامقصد فقہی سمینار میں شرکت کا موقع فراہم کیا، وزارت نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتھ آغاز سے ہی بہترین تعاون کیا ہے، اللہ تعالی اس کے ذمہ داروں کو جزائے خیر دے، جن میں سرفہرست عزت مآب وزیر اوقاف وشؤون اسلامیہ جناب ڈاکٹر عبد اللہ معتوق المعتوق اور وزارت اوقاف کے وکیل جناب عادل عبد اللہ الفلاح ہیں، اللہ تعالی کویت کو ہر قسم کے شر اور برائی سے محفوظ رکھے۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے شرعی احکام

ڈاکٹر نور الدین الخادمی (تونس)

تمہید:

"غیر مسلم ممالک کی سیاست میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے شرعی احکام" کی بحث بالکل نئی اور تازہ بحث ہے، جو غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو پیش آنے والے ایک بالکل نئے مسئلے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت پیش آیا جب ان غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد دن بہ دن روز افزوں ہوتی گئی اور زندگی کے مختلف میدانوں میں ان کی موجودگی، فعالیت اور اثر ورسوخ میں نمایاں اضافہ سامنے آیا۔ اس نئے پیش آمدہ مسئلے نے کئی ایک سوالات کھڑے کیے۔ جو اس کی قانونی حیثیت اور اسلامی اصول واحکام اور مقاصد واقدار سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس لیے پیش آمدہ مسئلے کے تئیں جو آراء وفتاوی موجود ہیں وہ بنیادی طور پر دو بڑے اور متضاد رجحانات کے درمیان بٹے ہوئے ہیں: ان میں سے ایک رجحان جواز کا اور دوسرا اس کے ممنوع وناجائز ہونے کا ہے۔ دونوں رجحان رکھنے والی جماعتوں میں سے ہر ایک اپنے موقف کی تائید اور دوسروں کے موقف کی تردید کے لیے اپنے پاس دلائل وبراہین رکھتی ہے۔

میں یہاں ان تمام آراء اور دلائل کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنا نہیں چاہتا، اس لیے کہ وہ

Marfat.com

معروف ومشہور ہیں اور متقدمین کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ موجود ہے۔ تاہم ان میں سے بعض کو میں اس مقالے کی آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اس مقدمے میں بنیادی طور پر میرا مقصد تاکید ووضاحت کے ساتھ یہ بتانا ہے کہ یہ مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل اور موجودہ ترقی یافتہ زمانے کی پیداوار ہے۔ مزید یہ کہ یہ بہت سے مسلمانوں، بالخصوص ایسے مسلمان کفار کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں، ان کی اہم دینی ضرورت ہے۔

بنابریں اس مسئلے کے تعلق سے فقہی احکام وضوابط کو عوام کے سامنے لانے کی کوشش نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے غیر مسلم ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کی ان کے معاملات کی توضیح، ان ملکوں میں ان کے وجود کے استحکام اور ان کی زندگی کے کارواں کو صحیح رخ دینے میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ اجتہادی منہج کی فعالیت اور فقہی اداروں اور اکیڈمیوں کی قوت وتوانائی بھی اس سے کھل کر سامنے آتی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام کی اس طرح کے مسائل سے نبردآزما ہونے کی اہلیت، اس کے احکامات وتعلیمات کے دائمی اور آخری ہونے کے اثبات میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس بنا پر اسلامک فقہ اکیڈمی آف انڈیا نے اس مسئلے اور اس طرح کے دیگر بہت سے نئے مسائل پر غور وتحقیق کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ اور علمائے راسخین اور چیدہ اسکالرس کی آراومواقف کی روشنی میں ماضی میں منعقد ہونے والی اپنی علمی نشستوں اور فقہی کانفرنسوں میں ان پر بحث بھی کی ہے اور مستقبل میں بھی وہ اس کا ارادہ رکھتی ہے، چنانچہ اس موقع پر میں اس کانفرنس میں حصہ لینے اور شریک ہونے والے علما حضرات کا شکرگزار ہوں اور فقہ اکیڈمی اور اس کے ذمہ داروں، خصوصاً اکیڈمی کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا، ان کی دعوت کریمانہ اور بھرپور استقبال وتواضع کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اسی طرح ہمیں اپنے مرحوم بھائی اور شیخ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (اللہ ان پر رحم فرمائے اور انہیں شہدا اور صالحین کے جوار میں جگہ عنایت فرمائے) کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اخیر میں

Marfat.com

میں اپنے محترم بھائیوں سے ان غلطیوں اور کمیوں کے لیے معذرت کا طالب ہوں جو اس تحریر میں در آئی ہوں۔ اس لیے کہ یہ موضوع حساس اور دماغ سوز ہے اور اس تعلق سے بے نیازی ممکن نہیں کہ کوئی بھی اسکالر یا قاری ہماری صحیح رہنمائی یا ہم سے صادر ہونے والی غلطیوں کی نشان دہی اور تصویب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ: **وفوق كل ذی علم علیم** (ہر ذی علم کے اوپر اس سے زیادہ جاننے والا ہے) نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: **وقل رب زدنی علماً** (اور کہہ دیجئے کہ اے رب ہمارے علم میں اضافہ کردیجئے)۔

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شرکت سے کیا مراد ہے:

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شرکت سے مراد وہاں کی سیاسی سرگرمیاں یا سیاسی عمل انجام دینا، یا سیاست کو عملی سطح پر برتنا ہے، اور اصحاب علم کی تعریف کے مطابق سیاست امور عامہ کی تنظیم اور عوامی زندگی کو ایسا رخ دینے اور اس کا اس طرح بندوبست کرنے کو کہتے ہیں جو انھیں مصالح سے ہم کنار اور مفاسد سے دور کرنے والے ہوں۔ ابن نجیم نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ ایسا فعل ہے جو حکمراں کی طرف سے نظر میں آنے والے کسی فائدے کے لیے کیا جائے۔ خواہ اس تعلق سے کوئی جزئی دلیل پیش نہ کی جاسکے۔ جب کہ ابن عقیلؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ کسی بھی ایسے عمل کو کہتے ہیں کہ جس کے تحت لوگ صلاح اور بہتری سے زیادہ قریب اور شر وفساد سے زیادہ دور ہوسکیں خواہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہ ہو۔ مزید برآں سیاسی شرکت ان تمام وسائل، کیفیات اور حرکت وعمل کو شامل ہے جو سیاست میں شامل یا سرگرم ایک شخص کے ذریعہ انجام پاتا ہے، ان وسائل وکیفیات اور حرکت وعمل میں سے چند یہ ہیں:

- سیاسی پارٹی تشکیل دینا، اس میں شامل ہونا، اس کے لیے اشتہار اور پروپیگنڈہ کرنا،

Marfat.com

اس کا دفاع کرنا نیز اس کی ذمہ داریاں نبھانا اور اس کے آثار ونتائج کو قبول کرنا۔

- انتخاب میں امیدوار بننا یا بنایا جانا، کنویسنگ کرنا، رائے عامہ کی جانچ پرکھ کرنا اور اس کا جائزہ لینا۔
- کسی دوسری پارٹی کے ساتھ اتحاد (الائنس) قائم کرنا، سیاسی بلاک تشکیل دینا اور سیاسی داؤ پیچ اختیار کرنا۔
- پیش آمدہ مشکلات کا جائزہ لینا اور ان کے حل دریافت کرنا۔
- انتظام وانصرام، حکومت، وزارت اور دستور سے تعلق رکھنے والے کاموں میں حصہ نبھانا۔

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شرکت کی اوصاف وخصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ اس کا تعلق غیر اسلامی ماحول سے ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ شرکت اسلامی اصول وقواعد کے ماتحت اور ان کے مطابق نہیں ہوتی، بلکہ وہ ایسی چیزوں کی پابند اور ان سے جڑی ہوتی ہے جو زیادہ تر حالات میں اسلام کی مخالف اور اس کے متناقض ہوتی ہے۔ اس لیے سیاست میں شرکت کا یہ عمل عام معنوں میں اس طرح کا صرف ایک سادہ سیاسی عمل ہی نہیں ہوتا جس کے تحت پارٹیوں سے رابطہ وتعلق، پروپیگنڈے کا نظم، انتخابی مہم کے لیے ضروری اخراجات کی فراہمی جیسی چیزیں آتی ہیں، بلکہ اس کے تحت وہ تمام محرکات اور سرگرمیاں آتی ہیں جو ان پارٹیوں اور جماعتوں کی حمایت وپشت پناہی پر مبنی اور اسلام کے مخالف اور معارض ہوتی ہیں۔ ایسے میں اس سوال کی حیرتناکی اور پیچیدگی بڑھ جاتی ہے اور اس کا جواب بھی پیچ در پیچ اور شاخ در شاخ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے میں نے یہ بات کہی تھی کہ یہ مسئلہ اپنی دشواری اور پیچیدگی میں غایت درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس مسئلے کے تعلق سے صرف جزئی دلیل، نص واحد اور ظاہری اور لفظی توجیہ ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر اجتہادی غور وفکر کی نگاہ ڈالی جائے، جس میں

Marfat.com

عمومی سطح پر دلائل کی رعایت اور بڑے اور بنیادی اصول وقواعد اور معتبر مقاصد شریعت کی رعایت شامل ہو۔

غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں سے کیا مراد ہے:

غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں سے مراد ایسے مسلمان ہیں جو ان ممالک میں بستے ہوں جو مسلمانوں کے نہ ہوں، یعنی مغربی ممالک اور بعض مشرقی ممالک جیسے چین، جاپان، متحدہ روس وغیرہ۔

ان مسلمانوں کی ایسے ملکوں میں بسنے والی اقلیت، گروپ یا کمیونٹی کی حیثیت سے شناخت کی جاتی ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کی اصل انہی ممالک سے وابستہ ہے جیسے یورپی، امریکی، روسی، چینی یا کناڈائی اصل یا اوریجن رکھنے والے مسلمان۔ دوسری قسم ان مسلمانوں پر مشتمل ہے جو مسلم ممالک سے ان غیر مسلم ممالک میں روزگار، تعلیم، شادی بیاہ یا اسی طرح کے کسی اور سبب سے آکر مقیم ہوگئی ہو۔ ان دونوں قسموں کو اختصار کے ساتھ دیسی یا مقامی مسلمان اور مقیم یا باہر سے آئے ہوئے مسلمان کے طور پر جانا جاتا ہے۔

ان مسلمانوں کو زندگی کی متعدد مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے جن میں بعض سیاسی مشکلات بھی ہیں جیسے: ان ممالک میں پائی جانے والی سیاسی جماعتوں، قانون، نظام، سیاسی اور جماعتی تجربات کے ساتھ تعامل کے تعلق سے ان کا موقف کیا متعین ہونا چاہیے؟ یہ مسئلہ اس صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ سیاسی پارٹیاں، جماعتیں اور نظام وقانون کلی یا جزئی طور پر اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام اور ڈھانچے سے متعارض ہوتے ہیں۔

علمائے متقدمین:

علمائے متقدمین نے صراحت کے ساتھ اس مسئلے سے تعرض نہیں کیا ہے۔ اس لیے کہ

Marfat.com

یہ مسئلہ ان کے وقت میں اس شکل میں موجود نہیں تھا جس شکل میں آج موجود نظر آ رہا ہے، غیر مسلم ممالک میں سیاست، سیاسی پارٹی اور انتخاب کا عمل نیا ہے۔ وہ ادھر کی بعض دہائیوں میں پیدا ہوا اور فروغ پایا ہے۔ نیز خود مسلمانوں کی طرف سے سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کا عمل بھی پچھلے کچھ عرصوں میں ابھر کر سامنے آیا، جب مسلمانوں نے ایسے ممالک کا رخ کیا اور وہاں ان کی تعداد میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہونے لگا۔

تاہم ان متقدمین علما وفقہا نے ایسے مسائل کے بارے میں کلام کیا ہے جو سیاسی عمل میں شرکت، اس کے بارے میں فیصلہ دینے اور اس کو اصول وقواعد کی روشنی میں منضبط کرنے کے تعلق سے فقہی مرجع اور فریم ورک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مسائل میں سے چند یہ ہیں: ولاء اور براء، تقیہ، غیر مسلموں سے استعانت، ایک مسلمان کا فاجر وفاسق شخص اور کافر بادشاہ کی طرف سے عطا کردہ منصب پر فائز ہونے کا مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں علما کے دو فریق ہیں: ایک فریق شروط وقیود کے ساتھ اس کی اجازت کا قائل ہے، اس قبیل کے علما میں ابن عطیہ، الماوردی، الکیاالھراسی، القرطبی، ابن تیمیہ، الآلوسی کا نام آتا ہے۔ دوسرا فریق وہ ہے جو اس کی ممانعت کرتا ہے اور اس کے عدم جواز کا قائل ہے۔

ان دونوں رجحانات اور مواقف کی بنیادیں:

علمائے متقدمین کے یہ دونوں رجحانات علمائے معاصرین کے سامنے ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کے مؤیدین اور اس کے اپنے اصول وقواعد ہیں۔ میں ایجاز واختصار کے ساتھ یہاں ان اصول وقواعد کو پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ جہاں تک متعلقہ موقف کے حاملین اور ان کے رضا کار ومؤیدین کی بات ہے تو میرے خیال میں اس کے ذکر کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ ان کا تفصیلی تذکرہ رسائل ومجلات، کتابچے، فکری سیاسی اور جماعتی لٹریچر وغیرہ میں موجود ہیں، وہاں انھیں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

پہلا رجحان - غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شرکت اور اس کی اثر اندازی:

اس رجحان کے حاملین کا نظریہ یہ ہے کہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کی طرف سے سیاسی عمل میں شرکت میں کوئی حرج نہیں۔ ان کے اپنے اس نظریے کے حق میں متعدد دلائل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

- بہت سے ایسے شرعی نصوص ہیں جن سے غیر مسلم ملکوں میں ولایت عامہ کی ذمہ داری نبھانے کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔ جیسے:

ایک غیر مسلم ملک اور ماحول میں یوسف علیہ السلام کا ولایت طلب کرنا، نجاشی جیسے صالح شخص کا ایسے نظام کے تحت حکمرانی کرنا وغیرہ۔ دعوت الی اللہ، اصلاح و رہنمائی، تربیت اور تعمیری سطح پر ماحول پر اثر اندازی کو حقیقی اور عملی شکل دینا، اس لیے کہ سیاسی زندگی میں اہل مغرب کے ساتھ اشتراک، ان کے ساتھ ربط قائم کرنے؛ اسلام اور اسلامی اقدار و اخلاق سے انھیں روشناس کرانے، انھیں اسلام کے حلقۂ بگوش کرنے اور مسلمانوں کی محدودیت، ان کے اپنے وجود میں سمٹے رہنے اور سماجی مقاطعہ جیسی صورت حال کو بدلنے کا موقع ملتا ہے، جو حقیقت میں اسلامی وجود کو حاشیے پر لا کھڑا کرتا اور حقیقی کردار سے دور تر کر دیتا ہے۔

- مسلمانوں کے مسائل کا حل اور مغربی ممالک میں ان کی اقامت کو آسان اور سہل بنانا اور انھیں ایسی چیزوں سے ہم کنار کرنا جو ان کے لیے نفع بخش اور مفید ہوں۔ چنانچہ ظاہری بات ہے کہ ان ممالک کے سیاسی عمل میں شرکت کے نتیجے میں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں ہیں اور وہ ان کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

- اس سیاسی شرکت کے ذریعہ ان ممالک میں مقیم مسلمانوں کی اعانت اس کا طریقہ وہ ہے جسے آج کل پریشر گروپ، سیاسی بلاک اور لابیز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں بسنے والے مسلمان اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ وہ ان ممالک کو اس بات پر مجبور یا مطمئن کر سکیں

Marfat.com

کہ وہ وہاں کی مسلم کمیونٹی یا دنیا کے دیگر خطوں میں بسنے والے مسلمانوں کو درپیش مسائل کے تعلق سے مثبت رویہ اختیار کریں۔

- شریعت کی عمومی خصوصیات (صلاحیت، واقعیت، توازن، ہمہ گیری اور دوامیت) پر زور دینا اوران کو فعال ومتحرک بنانا، اس لیے ہے کہ سیاسی شرکت کے عمل کی شریعت کی بنیاد پر تشکیل اورصورت گری اس بات کی تائید واثبات کا اہم ذریعہ ہوسکتی ہے کہ اسلامی شریعت مغرب اور دنیا کے دوسرے خطوں کے لیے بھی مناسب اور مفید ہے۔ اس میں موجودہ حالات اور زمانے کی رعایت شامل ہے، اوران موجودہ حالات اور زمانے کا تعلق دنیا کے تمام ممالک اور عوام سے ہے۔ اسی طرح وہ تمام احوال وظروف کے ساتھ تعامل کرتی ہے، جس میں مغربی اور دوسرے ایسے غیر اسلامی ممالک بھی شامل ہیں جن کے احوال اور سیاسی، قانونی، انتخابی نظام اور میدان کار کے تعلق سے شرعی حیثیت سے کلام کیا جاسکتا ہے۔
- موجودہ صورت حال کی رعایت اور عرف وعادات کے اعتبار کے اصول پر عمل آوری فقہاء، مجتہدین، قضاۃ، مصلحین، دعاۃ اور مربین اور دوسرے لوگوں نے اس اصول کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے۔ انھوں نے افتاء، اجتہاد، قضا نیز اصلاح وتربیت اور دینی رہنمائی کے عمل میں اسے ناگزیر شرط کا درجہ دیا ہے۔ جہاں ان علما کے مطابق اگر غیر مسلم ممالک کی سیاست میں مسلمان شریک نہ ہوں تو یہ موجودہ تقاضے سے تجاہل برتنے اور ایک ضروری شرط سے عمداً چشم پوشی اختیار کرنے کے مترادف ہوگا۔

دوسرا رجحان - سیاسی عمل میں شرکت سے ممانعت اور لوگوں کو اس سے دور رہنے کی ترغیب:

اس رجحان کے حاملین غیر مسلم ممالک میں موجود مسلمانوں کو وہاں کے سیاسی عمل میں

Marfat.com

شرکت سے لازمی طور پر روکتے اور منع کرتے ہیں۔ اس کے لیے ان کے پاس متعدد دلائل ہیں:

- بہت سی وہ نصوص جو ایسے لوگوں کو جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اپنے فیصلے نہیں کرتے کفر و فسوق اور ظلم سے متصف کرتی ہیں۔ جن کے مطابق، حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ وہ شریعت خداوندی کے علاوہ کسی اور شریعت کو اپنا حکم بنانے، ظالمین کی طرف جھکنے اور ان کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کرنے نیز کفار سے استعانت کرنے جیسے عمل سے روکتی ہیں۔
- ولاء اور براء اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا نیز یہ اصول کہ مسلمانوں کی اعانت کی جائے اور کفار کے ساتھ معاندت کا رویہ رکھا جائے۔ اس رجحان کے حاملین کی نظر میں غیر مسلم ممالک کے سیاسی عمل میں مسلمانوں کی شرکت اس اصول کے سراسر خلاف ہے اور وہ کفار و ملحدین سے دوستی اور ان کے ساتھ تعاون واشتراک کے عمل میں مسلمانوں کو مشغول کرنے والا اور خود مسلمانوں سے دور کر دینے والا عمل ہے۔ بلکہ بسا اوقات کفار کی طرف سے مسلمانوں کے تئیں دشمنی کے رویے پر خاموشی اختیار کیے جانے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کو مدد دینے کے نتیجے میں مسلمانوں کا عمل خود مسلمانوں کے خلاف اور ان کے حق میں نقصان دہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی شریعت میں ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول، چناں چہ سیاسی شرکت اسلام کے منہج واقدار اور اس کے احکام کے مخالف نظامہائے سیاست کا اعتراف کرنے اور انھیں اعتبار بخشنے نیز ان کے فساد انگیز پہلوؤں اور قبیح پالیسیوں سے چشم پوشی اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ تمام چیزیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قاعدے کے سراسر خلاف ہیں، اس لیے کہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں یہ اصول معروف کا اقرار کرنے اور لوگوں کو اس کی دعوت دینے اور منکر کا انکار کرنے اور اس سے لوگوں کو باز رکھنے نیز اس منکر کو دور یا کم کرنے پر مبنی ہے۔
- یہ اصول کہ مسلمانوں کی شخصیت کی ایسی تشکیل کی جانی چاہیے جو دوسروں کے مقابلے

Marfat.com

میں منفرد خوبیوں اور امتیازات سے متصف ہو، اس بنا پر دیکھا جائے تو سیاسی شرکت ان کی شخصیت کے ایسے خط وخال کے ضیاع کا باعث بنتی ہے، کیونکہ وہ اس عمل کے نتیجے میں ایک بالکل دوسری اور الگ دنیا میں گھل مل جاتی اور موجودہ سیاسی صورت حال کی تابع اور ماتحت ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر بھی اپنے رفقا کی تقلید اور سیاسی نعروں اور شعارات کے پیچھے سرپٹ بھاگنے کا تقلیدی مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔

- سیاسی شرکت کا فائدے سے خالی ہونے کا اصول، چناں چہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اس کے نتیجے میں لوگوں کا مال، وقت اور کوشش یوں ہی بے کار ضائع جاتی ہے، اور اس کا کوئی قابل ذکر فائدہ سامنے نہیں آتا۔ اس کی حقیقت اس وقت کھل کر سامنے آتی ہے جب سیاسی عمل میں شریک مسلمان اس بات کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ دوسری غیر اسلامی جماعتوں بالخصوص مغربی ممالک کی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں ان کی مالی، تنظیمی، ابلاغی یا تقنیاتی قوت کس قدر کم ہے۔

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شرکت کے فقہی احکام:

- ان دونوں رجحانات اور رایوں کو پیش نظر رکھ کر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے تعلق سے کوئی متعین فقہی رائے اختیار کی جائے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب کہ اس مسئلے کو تمام شرعی قواعد وضوابط اور مقاصد شریعت کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

یہ عمل اس رائے کو سامنے لانے میں موزوں فریم ورک کی حیثیت رکھتی ہے۔ بالخصوص اس لیے کہ اس مسئلہ کا تعلق ان اجتہادی مسائل سے ہے جن کے تعلق سے صریح اور واضح نصوص موجود نہیں ہے۔ اسی طرح وہ مختلف فیہ مسائل میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے اور اس کے متعلقات ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے ہیں، جس کا سبب اس کے

Marfat.com

دائرے اور آثار ونتائج اور دوسری چیزوں کا مختلف ہونا ہے، ان آثار ونتائج کو سامنے رکھ کر اس سلسلے میں گفتگو کرنا معقول اور مناسب فقہی احکام کے استنباط میں مددگار ہوگا۔

اس بنا پر سیاسی شرکت کے دائرے کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ فقہی احکام کا اسی پر دارومدار ہے۔ بہرحال اس تعلق سے سب سے پہلے یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ مغربی ممالک کے سیاسی عمل میں شرکت کے ممکنہ میدانات کیا ہیں؟

غیر مسلم ممالک کے سیاسی عمل میں شرکت کے میدانات:

سیاسی عمل میں شرکت خود سیاسی عمل کے دائرے، ملک اور اس کے سیاسی نظام اور اس کے اپنے سیاسی وثقافتی ماحول کے مختلف اور گوناگوں ہونے کی بنا پر مختلف اور گوناگوں ہوتا ہے۔

ان میدانوں میں سے چند یہ ہیں:

- سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کی تشکیل کا میدان یا دائرہ کار۔
- غیر اسلامی پارٹیوں اور تنظیموں کے ساتھ تعامل کا میدان یا دائرہ کار۔

سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کی تشکیل کا میدان:

غیر مسلم ممالک خصوصاً مغربی ممالک میں نافذ ملکی قانون کے تحت وہاں بسنے والے مسلمانوں کے لیے ایسی سیاسی پارٹی، ایسوسی ایشن، تنظیم، یا قانونی ادارے کی تشکیل کے ذریعہ سیاسی زندگی میں شرکت اور حصہ داری ممکن ہوگئی ہے، جن کے ذریعہ پُرامن اور قانونی طور پر وہ اپنے آرا وافکار کو دوسروں تک پہنچا سکیں، اپنے حقوق ومطالبات حاصل کرسکیں، نیز اپنے خیالات کی نشر واشاعت کرسکیں اور لوگوں کو ان کی طرف بلاسکیں۔

سیاسی پارٹی اور سیاسی تنظیم کی تشکیل کے دائرے کا فقہی حکم:

اس عمل سے متعلق حکم کی تعیین وتحدید، اس کی نوعیت ومزاج اور اس کے اہداف ونتائج

Marfat.com

کی بنیاد پر ہوتی ہے، چناں چہ اگر یہ عمل نافع اور مفید ہوتو اسے اپنانے اور انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اگر یہ عمل مسلمانوں کے حق میں نمایاں فوائد کا باعث ہوں اس کی وجہ سے ان ممالک میں ان کے وجود کو تقویت ملے، ان کی اجتماعیت میں مضبوطی اور دینی صورت حال کو پائدار بنانے میں مدد ملتی ہوتو اس صورت میں اسے عمومی تاکید اور وجوب کفائی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس وجوب کفائی کا تعلق انھی لوگوں سے ہوتا ہے جو سیاسی شرکت کے بارے میں نظریہ سازی، منصوبہ بندی، تنظیم وتطبیق وغیرہ کی ذمہ داری انجام دے رہے ہوں، جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے توان کا کام اپنی حیثیت اور کردار کے مطابق اس عمل میں ہاتھ بٹانا اور اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا ہے، اور یہ ان قاعدوں پر مبنی ہے کہ ایسی چیز جس کے بغیر واجب کی انجام دہی ممکن نہ ہوتو وہ بھی واجب ہوتی ہے (مالا یتم الواجب الا به فهو واجب) اور وسائل کے احکام وہی ہیں جو مقاصد کے احکام ہیں۔ (الوسائل لها أحكام المقاصد)۔

سیاسی جماعت یا تنظیم کی تشکیل سے متعلق فقہی حکم کے اصول ومقاصد:

یہ حکم متعدد اصول اور مقاصد شریعت سے تعلق رکھتا ہے:

☆ جلب مصالح اور ان کی تکثیر وتکمیل اور دفع مفاسد اور ان کی تقلیل وتخفیف کا اصول، اس بنا پر دیکھا جائے تو سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کی تشکیل بہت سے مصالح کے حصول اور بہت سے مفاسد کے دفعیہ کا ذریعہ بنتی ہے۔ ان مصالح میں سے اسلام کے مستقبل اور منفرد وجود کے تحفظ کا عمل ہے۔ نیز سیاست، حقوق، تمدن ومعاشرت اور معاش واقتصاد سے تعلق رکھنے والے ایسے بہت سے فائدے ہیں، جن کا حصول متعلقہ ممالک کے سیاسی وثقافتی نظام میں شرکت اور عملی سطح پر انھیں برتنے کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

☆ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ،دعوت الی اللہ،حتی المقدور اصلاح ورہنمائی کا ارادہ اور کوشش (إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت– القرآن) کا اصول چناں چہ مسلمانوں کے تحت تشکیل دی گئی سیاسی جماعتیں دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اسی جماعتوں کے ذریعہ تعمیری پروگرام مرتب کیے جائیں۔ مفید خیالات کی اشاعت کی جائے، لوگوں کے دلوں اور موجودہ حالات وواقعات پر اپنا اثر قائم کرنے والے اعمال واخلاق اور سرگرمیاں اختیار کی جائیں۔ اس طرح سیاست اور قانون کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے مفاسد ورذائل کا خاتمہ اوران کی جگہ فضائل اور پاکیزہ اقدار کو تحریک اور فروغ دینا ممکن ہوجاتا ہے۔

☆ موالات اور مدد کا اصول۔ اس کے تحت اس طرح کی مسلم سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں بہت سے عربی اور اسلامی قضایا کی نصرت وحمایت میں نہایت نمایاں کردار ادا کرسکتی ہیں جیسے: فلسطین کا مسئلہ، امت کی ترقی اور عروج کا مسئلہ وغیرہ۔ اس ضمن میں صہیونی لابی اور خارجہ سیاست پر ان کے اثر ورسوخ کا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

☆ موجودہ صورت حال کو سامنے رکھ کر اسلامی شریعت کے احکام کے عملی نفاذ کا اصول۔ چناں چہ عمومی سطح پر مسلم عوام اور خصوصی سطح پر علما اور دعاۃ اس کے پابند ہیں کہ وہ موجودہ صورت کو سامنے رکھ کر شرعی احکام وضع کریں اور انھیں زندگی کے میدان میں لائیں۔ اور یہ اس شکل میں ممکن ہے، جس کا تذکرہ علامہ شاطبیؒ نے کیا ہے کہ شارع کے مقاصد میں اطاعت وامتثال کے لیے قانون اسلامی کی توضیع ہے، اس بنا پر یہ بات قطعاً مستبعد نہیں کہ سیاسی عمل میں مسلسل اور مستقل شرکت کے نتیجے میں علم، شریعت اور اس کی پاسداری کے تعلق سے نوع بہ نوع کے سینکڑوں فائدے سامنے آئیں اور کچھ عرصوں اور نسلوں کے بعد اسلامی شریعت کو فیصل بنانے اور اس کے تحت سیاسی نظام کو ترتیب دینے میں اس کا اہم رول ہوسکتا ہے۔ کسے معلوم کہ مغرب کی

Marfat.com

آئندہ نسلیں اولاً خدا کے فضل وکرم اور اس کے بعد اس وقت مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی اس طرح کی جہد وکاوش کے نتیجے میں ہدایت واستقامت کے راستے پر آ جائیں۔

غیر اسلامی پارٹیوں اور تنظیموں کے ساتھ تعامل کا دائرہ اور میدان:

یہ میدان پہلے میدان سے زیادہ غامض اور پیچیدہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں کم از کم تنظیمی، انسانی اور فکری آزادی وخود مختاری کو پیش نگاہ نہیں رکھا جاتا، تقریباً یہی حال پہلے دائرے اور میدان کا ہے، یعنی اس عمل میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ باہم مختلط ہوتے ہیں۔ دونوں ہی ایسی سیاسی پارٹی اور تنظیم میں شریک کار ہوتے ہیں جو غیر اسلامی اساس پر قائم ہوتی ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کس حد تک غیر اسلامی افکار واصول کی تائید وحمایت کرسکتا ہے؟ کس حد تک وہ کسی غیر مسلم کو انتخابی امیدوار کی شکل میں چن سکتا ہے اور لبرل، نیشنلسٹ یا عیسائی طریقۂ کار کو اختیار کرسکتا ہے۔ اس دائرہ کار سے متعلق حکم کی تعیین، اس کے استعمال ونتائج، اصول ومقاصد شریعت اور شرعی محاکے کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ تعامل کا فقہی حکم:

اس دائرۂ کار سے متعلق فقہی حکم اس کے اہداف ونتائج یعنی ان کے تحت مرتب ہونے والے تمام مصالح ومنافع اور مفاسد ونقصانات کی روشنی میں طے پاتا ہے۔ چناں چہ اگر یہ تعامل مسلمانوں کے حق میں غالب اور جائز منافع وفوائد کو شامل ہو تو ان کے حصول اور انھیں عمل میں لانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر مفاسد مصالح وفوائد پر غالب ہوں یا سیاست، دین اور تہذیب کے تعلق سے ان کا نقصان فائدے سے بڑھ کر ہو تو اسے بلاشبہ ترک کر دیا جائے گا، اور اس کا متبادل خیر کی صورت میں تلاش کیا جائے گا اور یہ عمل کبھی مباح اور کبھی فرض کفایہ ہوگا اور اس کی ان دونوں حیثیتوں کا تعلق ان مختلف احوال وظروف اور نتائج وحقائق سے ہے۔ جن پر غور وفکر

Marfat.com

اور جن کا تتبع اور استقراء کیا جاتا ہے۔

اس لیے ہر سیاسی بلاک یا اسلامی گروپ کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ غور وفکر اور مشورے سے کام لے، تاکہ اس کے لیے یہ عمل جس صورت میں مناسب ہے، اس کا استنباط کر سکے۔

یہ فقہی حکم متعدد معتبر اور ثابت شدہ اصول وضوابط سے تعلق رکھتا ہے اور اس چیز پر مبنی ہے جسے فقہ الموازنات، فقہ الاولویات یا فقہ النوازل وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف نصوص کے ظاہر یا متقدمین علما وفقہا کے اقوال پر بھروسہ کرتے ہوئے سیاسی عمل میں شرکت پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لیے کہ، جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا، یہ مسئلہ نئے زمانے کی پیداوار ہے اور اس سلسلے میں کوئی واضح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔

اس حکم کے شرعی اصول ومقاصد:

یہ حکم مختلف اصول اور مقاصد شریعت کی رعایت پر مبنی ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

- جلب مصالح یا ان کی تکثیر اور دفع مفاسد یا ان کی تقلیل۔ اس اصول کے مطابق، شریعت اسلامی کا مقصود انسان کے مصالح کو وجود میں لانا اور حاصل کرنا ہے۔ اگر یہ مشکل ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کے حصول کی کوشش وکاوش کی جانی چاہیے۔ اس لیے کہ اگر کل کا وقوع مشکل ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بڑے یا چھوٹے حصے کو اس بنا پر ترک کر دیا جائے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: ''جس چیز کا مکمل حصول ممکن نہ ہو تو اس کے اکثر حصے کے حصول کو ترک نہیں کیا جاتا''۔ (مالا یدرک کله لا یترک جله) ٹھیک اسی طرح شریعت کا مقصود مفاسد اور شر کا ازالہ ہے، تاہم اگر پورے طور پر شرور ومفاسد کا ازالہ دشوار ہو تو یہ بھی کم نہیں کہ ان کے غالب اور اکثر حصے یا بعض حصے کا ازالہ ہو جائے۔

Marfat.com

جلب مصلحت اور دفع مضرت کا یہ قاعدہ زیر نظر مسئلے کے تعلق سے فقہی حکم کی تحدید وتعیین میں زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے، چنانچہ غیر مسلم ممالک کے سیاسی عمل میں مسلمانوں کی شرکت سے نہایت بڑے پیمانے پر نہیں تو کم از کم چھوٹے پیمانے پر ہی سہی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں، ان فائدوں میں مسلمانوں کا اپنے سیاسی، دستوری اور قانونی وجود کو مضبوط کرنا شامل ہے اور اس کا زندگی اور تمدن و معاشرت سے تعلق رکھنے والے دوسرے اہم معاملات پر خوش گوار اثر مرتب ہوسکتا ہے۔ اس کا ایک فائدہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ آدمی سیاسی عمل میں شرکت کے ذریعہ عملی طور پر معاشرے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور انھیں کفر و الحاد سے نکال کر اسلام کے حلقہ بگوش کرنے کے عمل میں خاصی مدد ملتی ہے۔

اسی طرح اس کے ذریعہ بہت یا چند مفاسد کو دور کرنے کا موقع ملتا ہے، جیسے دینی واجبات کی ادائیگی سے محرومی، حقوق مدنیت کی سرگرمیوں میں عملی طور پر شریک ہونے کی محرومی۔ اسی طرح ملک سے بھگا یا نکال دینا، مسلمانوں کو سیاست کا آلۂ کار بنا کر ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ اپنے آپ میں سمٹے رہنے والے، علاحدگی پسند اور غلو پسند لوگ ہیں، اور وہ اپنے دلوں میں دوسری تہذیبوں کے تئیں بغض و عداوت رکھتے ہیں۔

- دو شر یا مفاسد کے تعارض کے وقت ان میں سے چھوٹے کا ارتکاب اور بڑے سے اجتناب کیا جاتا ہے، اور قاعدے کے مطابق، زیادہ شدید اور سخت ضرر کو چھوٹے اور ہلکے ضرر سے زائل کیا جاتا اور اسے اختیار کر لیا جاتا ہے۔ سیاسی عمل میں شرکت کے اس مسئلے میں دو طرح کے شر یا مفاسد کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو سیاست میں شرکت کی بنیاد پر سامنے آتا ہے، جیسے اپنی انفرادیت اور شخصی امتیاز کو کھو دینا، ولاء اور براء کے اصول کو توڑنا، نیز امت کے مقابلے میں ان کے دشمنوں کی اعانت وغیرہ۔ دوسرا شر وہ ہے جو سیاسی عمل میں عدم شرکت کی بنیاد پر سامنے آتا ہے۔ جیسے مختلف حقوق سے محرومی، دعوت و اصلاح اور اپنے وجود کو متعلقہ ممالک میں مستحکم اور

Marfat.com

پائیدار بنانے کے مواقع کا ہاتھ سے نکل جانا وغیرہ۔ یہ دونوں مفاسد ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ ایسے میں ضروری ہوگا کہ ان دونوں میں سے جو پہلو غالب ہو اسے ترجیح دی جائے۔ یعنی جو شر یا مفسدہ زیادہ بڑا، زیادہ دیر تک رہنے والا اور پھیلا ہوا ہو، اسے دور کیا جانا چاہیے اور دوسرے شر یا مفسدے کو گوارہ کرنا چاہیے اور ایسا کرنا مقاصد شریعت کے اسی مذکورہ اہم اور عظیم الشان قاعدے نیز قاعدہ العبرۃ للغالب (غالب پہلو کا اعتبار کیا جاتا ہے) اور قاعدہ دنیا میں مصالح و مفاسد کا ہونا ان کا غالب اور غیر خالص ہونا ہے، پر مبنی ہے۔

مصالح اور مفاسد کے تعلق سے اصلاً چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے، وہ ان کے غالب اور غیر خالص ہونے کی بنیاد پر ہے۔ یعنی شرعی مصلحت بعض نقصانات سے خالی نہیں ہوتی، لیکن یہ نقصان یا ضرر کم اور تھوڑا ہوتا ہے، اسی طرح شرعی مفسدہ بعض فائدے سے خالی نہیں ہوتا لیکن یہ فائدہ کم اور تھوڑا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل شراب اور جوے کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: وإثمهما أكبر من نفعهما (اور ان کا گناہ یا نقصان ان کے فائدے سے زیادہ بڑھ کر ہے) اسلامی فقہ میں اس قبیل سے قصاص کی مصلحت ہے۔ قصاص کا منشا جان کا تحفظ ہے (ولكم في القصاص حياة) اس مصلحت کے حصول سے ارتکاب جرم کرنے والے کو ضرر پہنچتا ہے، لیکن یہ ضرر شریعت کی نظر میں ہلکا اور تھوڑا ہے۔ اس بنا پر قصاص سے نہ تو دست بردار ہوا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ترک کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اصل اعتبار غالب اور مصلحت غالبہ کا ہے۔ اس لیے اس میں موجود ضرر سے چشم پوشی اختیار کی جائے گی، کیونکہ جان کا تحفظ قتل کے مجرم کو قصاص کی تکلیف سے بچا کر آرام پہنچانے پر مقدم ہے۔ اس لیے کہ قصاص کی یہ تکلیف واذیت کم ہے اور مجرم کو اس سے بچانا اہم فائدے اور مصلحت کو ضائع کرنا اور اس کی جگہ بڑے مفسدے اور ضرر کو مول لینا ہے۔ یہ بڑا مفسدہ یا ضرر انسانی جان کا غیر محفوظ ہونا اور اسے قتل وتخریب اور ہلاکت و بربادی سے دوچار کرنا ہے۔

Marfat.com

غیر مسلم ممالک کی سیاست میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو بہت سے اہم فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، تاہم یہ عمل کسی قدر ضرر اور فساد سے مطلقاً خالی نہیں ہے، جیسے ایسے فکری اور سیاسی اصول سے متعلق خاموشی اختیار کر لینا جو سراسر اسلامی شریعت کے مخالف اور اس سے متصادم ہیں، جب کہ انھی پر اس سیاسی جماعت کی بنیاد قائم ہو جس کے ایڈر اور پروگرام کو مسلمان اپنا امیدوار اور ایشو بناتے ہوں۔ بلاشبہ یہ ضرر اور فساد ہے اور اس لیے وہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں تاہم اس ضرر کا ارتکاب کیا جائے گا تا کہ اس کے ذریعہ اہم فائدے کو حاصل اور بڑی برائی سے بچا جا سکے، اس صورت میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ دل سے اسے برا جانیں اور اسلام کی تعلیمات و ہدایات کو اپنے قلوب میں جاگزیں اور گرد و پیش کے ماحول میں زندہ اور پائیدار کرنے کی کوشش کریں۔ لوگوں کے سامنے حق اور باطل کی حقیقت واصلیت کو واشگاف کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح یہ بات بھی ان کے لیے لازم ہوگی کہ ان کی نیت وقصد خالص اللہ کے لیے ہو۔ وہ اس سیاسی شرکت کو اپنی ذاتی تشہیر اور ریا کا ذریعہ نہ بنائیں۔ محض وقتی سیاسی فائدے کے حصول اپنی یا پارٹی کی جیت، مال و دولت اور دنیاوی نعمتوں سے سرفراز ہونے کو اپنا مقصد نہ بنائیں۔ اس کے بجائے انھیں اپنی نیتوں کو خالص اور بے آمیز کرنا چاہیے اور اپنے اس عمل اور کوشش کے اجر کی اللہ سے امید کرنی چاہیے اور زیادہ اور ''بڑے'' حق کی بازیافت کے لیے ''چھوٹے باطل'' کو گوارہ اور اس پر صبر کرنا چاہیے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ سیاسی عمل میں شرکت کی بنا پر مسلمان چھوٹے فائدے کے حصول کے ساتھ بڑے فساد کے شکار ہو کر رہ جائیں۔ مثلاً شرکت کو لے کر داخلی سطح پر مسلمانوں کے اندر اختلال وانتشار اور فتنے کا پیدا ہونا جس کے نتیجے میں باہمی مخالفت بغض وحسد بلکہ بسا اوقات اس سے آگے بڑھ کر قتل وقتال اور خوں ریزی کی بھی نوبت آ جاتی ہے۔ اس فتنے اور فساد کے ساتھ ناظمین اور ذمہ داروں کو بعض مالی فائدے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ شہرت مل سکتی ہے۔

Marfat.com

بعض عہدے اور مرتبے حاصل ہو سکتے ہیں۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہ نفع نہایت قلیل اور اس کے مقابلے میں خسارہ زیادہ ہے۔ بہر حال بڑا فائدہ وہ ہے جو اصلاً مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی اور ہم آہنگی کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں اس عمل کو ترک کر دیا جائے گا اور اس میں شمولیت اختیار نہیں کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ اصل اعتبار غالب پہلو کا ہے۔ اور یہ کہ فساد اور شر کو دور اور زائل کیا جائے گا، خواہ وہ بعض بھلائی اور خیر کی طرف لے جانے والی ہو۔ (**قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما**)۔

- غیر مسلم ممالک دارالدعوۃ ہیں دارالحرب نہیں۔ اس لیے کہ ان ملکوں میں مسلمان ایک معاہدے کے تحت مقیم ہیں، جن پر ان کی جماعت کے لوگوں کی طرف سے دستخط کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس معاہدے میں شامل دفعات اور شرائط کی پابندی کو قبول کیا ہے۔ اس بنا پر ایسے ممالک کو دارالحرب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بجائے وہ ایسا دار ہے جس میں حکمت و موعظت اور حجت و برہان سے دوسروں کو قائل کرنے نیز ان ممالک میں رائج اصول سیاست و معاشرت کی رعایت و پاسداری کی بنیاد پر دعوت و اصلاح اور اپنے اثرات و نقوش قائم کرنے کے خاصے مواقع ہیں۔ مزید براں ان ممالک میں مسلمانوں کو اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے اور بنیادی حقوق کے حصول کی آزادی حاصل ہے۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی سیاسی شرکت کے اصول وضوابط اور ان کے لازمی حدود:

سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ تعامل کے دائرہ کار سے متعلق فقہی حکم اپنے اطلاق اور عموم پر نہیں ہے، بلکہ وہ ایسے امور سے وابستہ ہے جو ان کی ضابطہ بندی اور صحیح تشکیل کرتے ہیں۔ حتی کہ وہ مقاصد اور قواعد جن کا تعلق اس حکم سے ہے وہ بھی شرعی، اخلاقی اور انسانی

Marfat.com

اعتبار سے مطلق قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ ان اصول وضوابط کو سامنے رکھنا، اس سیاسی شرکت کی شرعی، واخلاقی خصوصیت کو منظر عام پر لانا اس کی اعلیٰ کامیابی اور فائدے کی ضمانت دیتا ہے، نیز وہ تردد اور تامل کا رویہ رکھنے والوں کو مطمئن کرتا اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے اطمینان اور جوش وخروش میں مزید اضافے کا باعث بنتا ہے۔

سیاسی عمل میں شرکت کے ضابطے:

- خود شرعی مصلحت کے ضابطے: جیسا کہ ہم سیاسی شرکت کے بارے میں بیان کر چکے ہیں، فقہی احکام کا دارومدار فائدے کی تحصیل پر ہے۔ خواہ ہم یہ کہیں کہ یہاں مصلحت نام ہے نفعِ غالب کے حصول اور فسادِ غالب کے منع وازالے کا اور یہ فائدہ جس کا حصول مقصود ہے وہ منضبط اور مشروط ہے۔ نہ تو وہ عام اور اور مطلق ہے اور نہ ہی ہوائے نفسانی اور تغیر پذیر حالات کے ماتحت اور محکوم ہے۔ ان شرائط اور ضابطوں کی پابندی کی بنیاد پر سیاسی شرکت کا یہ حکم صحیح اور درست قرار پاتا ہے اور سیاسی عمل میں شریک لوگوں کو وہ ہدایت استقامت کی راہ دکھاتا ہے۔

فائدے یا مصلحت کے تعلق سے ضوابط کا خلاصہ:

مصلحت یا فائدے کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اسے صرف دنیاوی فوائد ومنافع پر ہی موقوف رکھا جائے اور اس کی اساس یہ ہے کہ یہ دنیا و آخرت کا اعلانیہ ہے اور یہ کہ تمام دینوی اعمال صرف اس لیے وضع کیے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ جنت کی ابدی سعادت حاصل ہو۔ اس بنا پر سیاسی شرکت کو صرف ایسے ہی فقہی فائدوں کے حصول پر جو صرف ہماری لذت وتفریح کی ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں اور قائم ودائم رہنے والے ان آثار ونتائج کے ترک پر موقوف ہونا چاہیے جو اصلاح نفس، زندگی کو کج روی اور انحرافات سے محفوظ رکھنے کی صورت میں سامنے آتے اور خدائی رضا وخوشنودی اور حصول مغفرت وجنت کا

Marfat.com

ذریعہ بنتے ہیں۔

- مصالح یا فوائد کے ضمن میں عبودیت، اخلاق اور انسانیت کے معنی شامل ہیں۔ چناں چہ غیر مسلم ممالک میں سیاسی شرکت کے عمل کے لیے چاہیے کہ وہ قصد و نیت اور ثواب خواہی نیز شارع کی مراد اور اس کی تعلیمات و ہدایات کے اعتبار سے عبودیت کی صفت سے متصف ہو۔ اس طرح اخلاقی فضائل اور انسانی اقدار کی پاسداری کے اعتبار سے اسے اخلاقی اور انسانی عمل کی صفت سے متصف ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ صرف عملی منافع اور مادی استحصال کی بنیادوں پر قائم ہو، جس میں نہ تو دین کی رعایت شامل ہو نہ اخلاق و ادب اور احسان و ترحم کی۔

- مصالح غالب، راجح، کلی، عام اور قطعی ہوتے ہیں۔ علمائے متقدمین و متاخرین کے مطابق، مصالح کے غالب اور راجح ہونے سے مراد ان کا غیر خالص یا دوسرے لفظوں میں بعض نقصانات اور تکلیف و فساد کے ساتھ ملا ہوا ہونا ہے۔ اس لیے صحیح معنوں میں خالص مصالح اور خالص مفاسد کا پایا جانا مشکل ہے۔ ان علما نے ذکر کیا ہے کہ مصلحت کے کلی یا عام ہونے سے مراد ان کا زندگی کے متعین دائرہ کار اور متعین زمرے پر موقوف و منحصر نہ ہونا ہے، معاملات پر نظر ڈالنے میں ہمہ گیری کا نقطۂ نظر اپنایا جانا چاہیے۔ اسی طرح سیاسی شرکت کے فائدوں کی تحصیل کے سلسلے میں تمام یا اکثر مسلمانوں کی رعایت کی جانی چاہیے، چناں چہ مثال کے طور پر سیاسی شرکت کے فوائد و منافع کو صرف اس عمل سے وابستہ چند لوگوں یا کسی ایک سیاسی و انتخابی جماعت یا گروپ پر منحصر اور موقوف ہونا جائز نہیں ہوگا کہ اس صورت میں وہاں کے دوسرے تمام مسلمان اور مسلم جماعتوں کا نقصان ہو جائے۔

- اسلامی مبادی اور اساسیات سے خارج اور منحرف نہ ہونا، جیسے دین کی کسی ضروری چیز کا انکار کر دینا یا مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کے ساتھ تعاون کرنا۔ اسی طرح مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ ایک مسلمان کے مقابلے میں کسی کافر کی حمایت و نصرت کرے

Marfat.com

الا یہ کہ مسلمان ظالم ہو۔ مسلم جماعتوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ دہری وفاداری نبھانے کی کوشش کریں، یعنی وہ علاقے، قوم، وطن یا رشتے اور قرابت کی بنیاد پر کسی کو اہمیت اور وزن دیں۔ اس لیے کہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہی میزان اور پیمانہ ہونا چاہیے اور وہ اسلام ہے۔

سیاسی عمل میں شرکت کے لازمی امور:

لازمی امور سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی رعایت غیر مسلم ممالک کے سیاسی عمل یا سرگرمیوں میں شرکت کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ لازمی امور جائز اور مؤثر سیاسی شرکت کو وجود میں لانے والے شروط وضوابط کے ساتھ مل کر مکمل ہوتے ہیں۔

ان لازمی امور میں سے چند یہ ہیں:

- سیاسی عمل میں شرکت کے معاملات ومتعلقات، اس کے فوائد واثرات پر اچھی طرح غور وفکر کرنا تاکہ اس عمل میں مشغول یا اس کو انجام دینے یا اس سے بچے رہنے کے بارے میں کوئی بالکل واضح اور فیصلہ کن موقف تک پہنچا جا سکے۔ یہ موقف یا تو یقین قطعی کے ساتھ ہوگا یا ظن غالب کے ساتھ۔
- ظن کے غالب ہونے کا فقہ واجتہاد اور احکام کے باب میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں وہاں مقیم افراد، جماعتوں، پارٹیوں، تنظیموں اور اسلامی مراکز کے مابین شورائیت کی فضا کو استحکام اور فروغ دینا کافی معین ومددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ممالک کے علما علمی اکادمیوں، فقہ وتحقیق کے مراکز اور اداروں کے ساتھ باہمی تبادلۂ خیال اور مشورہ بھی اس عمل میں اہم معاونانہ کردار ادا کرسکتا ہے۔
- سیاسی عمل میں شرکت کے لیے سب سے زیادہ بابصیرت اور اہلیت واستعداد رکھنے والے فعال شخص کا انتخاب کرنا، اس لیے کہ عمومی سطح پر سیاست میں حصہ لینا اور خاص طور پر جب کہ اس کا تعلق غیر مسلم ممالک سے ہو، نظریہ سازی اور ارادۂ وعمل کے اعتبار سے اعلی قدرت

Marfat.com

وقابلیت کا متقاضی ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں کا مقصود یہ ہے کہ ان ممالک کی سیاست میں شرکت کا عمل بہتر طور پر عمل میں آئے اور اس عمل کے ضروری اور مطلوبہ فوائد حاصل کیے جاسکیں اور اس کی مضرتوں سے بچا جا سکے۔

- علمی، انتظامی اور سیاسی ادارہ کی تشکیل جس کا کام یہ ہو کہ وہ سیاست میں شرکت کے عمل کی ضروری تنظیم وترتیب کا فریضہ انجام دے سکے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے انھیں اس تعمیری ومؤثر سیاسی شرکت کے عمل مثبت اور فائدہ بخش ہونے کے بارے میں قائل ومطمئن کر سکے۔

- دعوت اور سیاسی عمل کے تعلق سے مسلم جماعتوں اور ان کے طریقۂ کار کی تنظیم وترتیب کے ذریعہ ان کے تحفظ کا جواز اور یہ جائز اہداف ومقاصد کے حصول کے لیے دوسری جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل اور تعاون میں مانع نہیں ہے۔

- اسلامی شریعت کی اصل مقاصدی فقہی روح اور مزاج کی اشاعت وتوسیع۔ معتبر اور مستند اجتہادی، تعلیلی اور مصلحتی علم وثقافت کا پھیلاؤ، نیز لوگوں کے ذہنوں کو اس طور پر تشکیل دینا اور تیار کرنا کہ وہ اس معاصر اجتہادی منہج کو قبول کر سکیں جو موجودہ زمانے اور عرف وعادت، اولویات وترجیحات، فقہ موازنات کی تطبیق، اطلاق وعمومیت اور ظاہری ساخت پر حد سے زیادہ اعتماد سے اجتناب اور معانی ومقاصد کی طرف التفات پر مبنی ہے، اور جس میں اشکال وکیفیات اور ثابت وقطعی کو بھی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیا جاتا۔ تعطیل، جدت کاری اور ترمیم وتبدیلی کو قبول نہیں کیا جاتا۔ علمائے متقدمین نے اس کی صراحت کی ہے کہ شریعت میں مقاصد ومعانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور ان کی ظاہری ساخت کا نہیں۔ احکام کی مشروعیت کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں کی مصالح وفوائد سے ہے۔ زمان ومکان اور احوال کی تبدیلی سے فتویٰ بدل جاتا ہے۔ زمانے کی تبدیلی سے احکام کے بدل جانے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان علما نے یہ بھی صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ اسلامی قانون کی دو قسمیں ہیں: ثابت وقطعی اور ظنی وتغیر پذیر، نیز

Marfat.com

یہ کہ وسائل اور مقاصد کے احکام یکساں ہیں وغیرہ...اس مقاصدی علم وثقافت اور اجتہاد وتعلیل سے متعلق شعور وآگہی کو مسلمانوں میں فروغ دینا، انھیں اسلام کے صحیح فہم سے قریب تر کرنا، اس واقعی اسلامی عمل اور سرگرمی کو وجود میں لاتا ہے جس میں موجودہ دنیا کے مطابق اپنی ذات کی تعمیر اور قوت واستحکام کے حصول کی صلاحیت پائی جائے، اسی طرح اس کے نتیجے میں سیاسی عمل میں شرکت کے تئیں اطمینان وقبولیت اور اس کے فائدوں کے اقرار کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

مصادر ومراجع:

١-الاجتهاد المقاصدی: نور الدين الخادمي، طبع وزارة الأوقاف والشؤون الاسلاميه، قطر ۱۴۱۹ھ،قطر کے اشاعتی سلسلے ''کتاب الامۃ'' کے تحت یہ کتاب شائع ہوئی (شمارہ ۶۵ /۶۶)۔

٢- ارشاد الفحول الى تحقيق الحق من علم الأصول: دار المعرفة، بيروت، تاریخ مذکور نہیں۔

٣- اصول الفقه: محمد ابو زهره۔

٤- الذخيرة: شهاب الدين القرافی۔

٥- القواعد الفقهية: الدكتور علی احمد الندوی: دار القلم دمشق چوتھا ایڈیشن ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء۔

٦- قواعد المقری: تحقيق احمد بن عبدالله بن حميد، طبع جامعة ام القری– مکہ مکرمہ۔تاریخ مذکور نہیں۔

٧- واعد الوسائل فی الشريعة الاسلامية: مصطفى بن كرامة الله مخدوم: دار اشبيليا، رياض پہلا ایڈیشن ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

٨- مشاركة المسلم الأمريكي في الحياة السياسية الأمريكية: الدكتور علی محمد الصواء، استاذ فقه مقارن، كلية الشريعة، جامعه اردن، مجلة الشريعة والدراسات الاسلاميه جلد:۱۷، شمارہ:۵۱،شوال ۱۴۲۳ھ/دسمبر ۲۰۰۳ء۔

٩- مقاصد الشريعة عند الامام العزبن عبدالسلام: الدكتور عمر بن صالح بن عمر: دار النفائس، اردن، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء۔

١٠- منهج فقه الموازنات في الشريعة الاسلامية: الدكتور عبدالمجيد محمد اسماعيل السوسرة: مجلة البحوث الفقهية المعاصرة: شمارہ ۵۱ جلد: ۱۳ ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

١١- الموافقات فی اصول الشريعة: ابو اسحاق الشاطبی: دار المعرفة بيروت، لبنان، تاریخ مذکور نہیں۔

Marfat.com

غیر مسلم ملکوں میں آباد مسلمانوں کے مسائل اور ان کا شرعی حل

مولانا اختر امام عادل

(جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور، بہار)

۱-الف: جمہوری انتخابات-احکام اور مسائل:

موجودہ دور جس میں مسلمان متعدد ممالک میں اقتدار سے محروم ہیں، اور اقلیتی زندگی گذار رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے ان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں متعدد مسائل پیدا ہو گئے ہیں، ان مسائل میں ایک اہم ترین مسئلہ جمہوری ممالک میں انتخابات کا ہے، جہاں کسی ایک قوم، خاندان یا مذہب کی نہیں بلکہ اکثریت کے ووٹ سے کامیاب ہونے والی سیاسی جماعت کی حکومت ہوتی ہے، اور ان انتخابات میں بحیثیت امیدوار اور بحیثیت رائے دہندہ ہر قوم و مذہب کے افراد کو حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے، یعنی گویا یہ پرامن سیاسی مسابقت کا دور ہے اور اس میں جو پیچھے رہ جائے گا وہ بہت سے حقوق و ترقیات سے محروم رہ جائے گا۔

سلف صالحین کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقوق عامہ کے تحفظ کے لئے عہدہ کی طلب اور اس کے لئے تگ و دو ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں اہلیت موجود ہو، اور اس کے آگے نہ بڑھنے کی صورت میں وہ چیز کسی غلط ہاتھ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

Marfat.com

البتہ بہتر یہ ہے کہ خود پرچہ امیدواری داخل نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے دوسرے لوگ پرچہ نامزدگی داخل کریں، تاکہ طلب عہدہ کی بنا پر لوگوں کی نگاہ میں متہم نہ ہو۔

رہی یہ بات کہ جمہوری ممالک میں جو پارلیمنٹ وجود میں آتی ہے اس کو اسلامی قانون سے کوئی غرض نہیں ہوتی، اور کبھی وہ ایسا قانون بھی بنا سکتی ہے جو شریعت کے خلاف ہو جبکہ پارلیامنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے۔

یہ صورت حال بظاہر دشوار نظر آتی ہے، لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، اس لئے کہ جمہوری ممالک میں پارلیامنٹ کے اراکین کو ملک کے جس دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، وہ ملک کا وہ دستور ہے جس پر پورے قانون کی اساس ہے، اور جو اصولی طور پر ناقابل ترمیم مانا جاتا ہے، اور دو تہائی اکثریت سے جن قوانین میں تبدیلی ہوتی ہے ان سے حزب اختلاف کو اختلاف کرنے کا حق ہوتا ہے، اور اگر مان لیا جائے کہ زبردست اکثریت سے دستور میں بھی تبدیلی ممکن ہو تو مخالف اقلیت اظہار اختلاف کا حق رکھتی ہے، اور کم از کم پارلیامنٹ کی سطح تک اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے، اور اس حد تک اختلاف رائے کے بعد میرے خیال میں متعلقہ ممبران پر حکومت کے اعمال کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

اس موقع پر ووٹ یا حق رائے دہی کی شرعی حیثیت بھی پیش نظر رہنی چاہئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ووٹ کی تین حیثیتیں متعین کی ہیں:

۱- ایک حیثیت شہادت کی ہے۔

اس لحاظ سے اس پر شہادت کے احکام مرتب ہوں گے اور اصول شہادت کے مطابق جھوٹی شہادت دینا بدترین جرم ہے، اس کو شرک کے ساتھ گناہ کبائر میں شمار کیا گیا ہے (متفق علیہ، نیل الاوطار ۸/ ۵۶۵)۔

Marfat.com

۲-ووٹ کی دوسری حیثیت سفارش کی ہے، اس لحاظ سے قرآن نے سفارش کا جو اصول بیان کیا ہے اس کی رعایت ضروری ہوگی۔

۳-ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے۔

۴-اور میرے نزدیک ایک چوتھی حیثیت رائے اور مشورہ کی بھی ہے، جیسا کہ حق رائے دہی کی اصطلاح سے مترشح ہوتا ہے، یعنی انتخابی کمیشن جس کو ملک کا سربراہ اور اس کے رفقاء کار چننے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ سارے ملک کے عوام سے اس بارے میں مشورہ لیتا ہے، اور ان کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مختلف امیدوار جو میدان میں موجود ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بارے میں اپنی رائے دیں کہ کون شخص ملک کے لئے بحیثیت حاکم یا بحیثیت معاون حکومت زیادہ موزوں ہے؟ اور ووٹرز بیلٹ پیپر پر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرتے ہیں، اور انتخابی بورڈ کو رازدارانہ طور پر اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہیں۔

اس اعتبار سے مشورہ اور رائے کا جو ضابطہ ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، احادیث میں مشورہ اور رائے کو امانت قرار دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "المستشار مؤتمن" (رواہ الترمذی، مشکوۃ ر ۴۳۰) (یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے)۔

ب-ووٹ دینے کا حکم:

گویا ووٹ کی شرعی طور پر چار حیثیتیں ممکن ہیں، شہادت، شفاعت، وکالت اور مشورہ۔ شہادت کے نقطہ نظر سے ووٹ دینا واجب ہے اس لئے کہ قرآن نے سچی شہادت کو لازم قرار دیا ہے۔

"کونوا قوامین لله شهداء بالقسط" (سورۂ مائدہ ر ۷)، دوسری جگہ ارشاد ہے: "کونوا قوامین بالقسط شهداء لله" (سورۂ نساء ر ۱۲۵)۔

Marfat.com

ووٹ کی چار حیثیتوں میں سے ایک حیثیت کے لحاظ سے ووٹ دینا واجب معلوم ہوتا ہے، خواہ اس کے ثمرات کچھ بھی ہوں، اور باقی تین حیثیت کے لحاظ سے اصلاً ووٹ دینا واجب نہیں ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، لیکن ثمرات کے لحاظ سے اس کی اہمیت بڑھ سکتی ہے، یعنی اس پر وجوب یا عدم وجوب کا حکم اس وقت کے حالات کی نزاکت کے لحاظ سے لگایا جائے گا، اس طرح دونوں پہلوؤں کے پیش نظر کم از کم یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ جمہوری انتخابات میں ووٹ دینے والا شخص نہ دینے والے کے مقابلے میں شریعت کے نزدیک زیادہ بہتر اور لائق تحسین ہے۔

ج-امیدوار کے انتخاب کا معیار:

آزاد امیدواروں کے انتخاب کے بارے میں فیصلہ ان کی ذاتی زندگی، عادات واطوار اور مسلمانوں کے حق میں ان کے نظریات وخیالات سے کیا جائے گا، جو امیدوار مجموعی طور پر بہتر نظر آئے اس کو ووٹ دیا جائے گا۔

البتہ جو لوگ کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے میدان میں اترتے ہیں، ان میں بنیادی طور پر اس سیاسی جماعت کی پالیسی، انتخابی منشور، اور اس کے ہائی کمان کے خیالات ونظریات کا اعتبار ہوگا، جس کے نمائندہ کی حیثیت سے وہ میدان میں اترتے ہیں۔

د-سیاسی جماعتوں سے اتحاد کا اصول:

انتخابات کے موقع پر مختلف سیاسی پارٹیاں مختلف مفادات کے تحت ایک دوسرے سے معاہدات کا سلسلہ بھی شروع کرتی ہیں، ایسے موقع پر اگر کوئی مسلم سیاسی جماعت کسی غیر مسلم سیاسی جماعت سے ملی مفادات کے تحت بعض معاہدات کرنا چاہے تو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، خواہ وہ غیر مسلم سیاسی جماعت سخت گیر اور متعصبانہ نظریات ہی کی حامل کیوں نہ ہو، بشرطیکہ مسلم

Marfat.com

جماعت یا مسلم امیدواروں کا سیاسی تشخص اور ملی وقار مجروح نہ ہو، اور معاہد جماعت اپنے انتخابی منشور سے ان تحت گیر اور متعصبانہ نظریات کو خارج کرنے پر آمادہ ہو جو مسلمانوں کے مفادات سے متصادم ہوں، اور مشترکہ بنیادوں پر انتخاب لڑنے کے لئے تیار ہو۔

۵- مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سماجی تعلقات:

جن علاقوں میں مسلمان غیر مسلم اقوام کے درمیان رہتے ہیں وہاں سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی قربت کی وجہ سے مختلف مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

تہذیبی اختلاط اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

سب سے پہلا مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سماجی قربت ایک دوسرے کی تہذیبی اور اخلاقی زندگی پر کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے؟

مسلمانوں کو ہر ممکن حد تک غیر مسلموں کے طور وطریق اور ان کے رسم وروایات سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے، ان کی مشابہت اور نقل اتارنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، عبادات اور معاشرت کے تمام ممکنہ مسائل میں ایسی راہ منتخب کی گئی جس میں کسی قسم کے غیر اسلامی اثرات نہ پائے جائیں، اس موضوع پر متعدد حدیثیں موجود ہیں، جن میں اسلامی معاشرہ کو غیر اسلامی تہذیب سے پاک رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من تشبه بقوم فهو منهم**" (رواہ احمد وابوداؤد، مشکوۃ ر ۳۷۵ کتاب اللباس) (جو کسی قوم کی نقل اتارے اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوگا)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اوپر دوز عفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے تو ارشاد فرمایا: "**إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسهما**" (رواہ مسلم، مشکوۃ ر ۳۷۴) (یہ کفار کا لباس ہے اس کو مت پہنو)۔

Marfat.com

حضرت رکانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس**" (ترمذی: کتاب اللباس ۱/۳۵۸، حدیث غریب وقال الترمذی اسنادہ لیس بقائم) (ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق یہ ہے کہ ہمارا عمامہ ٹوپیوں پر ہوتا ہے ان کا نہیں)۔

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا: " میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں تم پر اہل جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاندی کی، اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے" (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی، مشکوۃ/۳۷۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم**" (متفق علیہ، مشکوۃ: باب الرجل/۳۸۰) (یہود و نصاری بالوں میں خضاب نہیں لگاتے، تو تم ان کی مخالفت کرو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**غيروا الشيب ولا تشبهوا اليهود**" (حدیث حسن صحیح ہے، ترمذی: کتاب اللباس ۱۰/۳۰۵) (سفیدی کو بدلو اور یہود کی نقل نہ اتارو)۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہود و نصاری اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع**" (رواہ مسلم، مشکوۃ: باب صیام التطوع/۱۷۹) (آئندہ سال اگر زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا)۔

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللحد لنا والشق لغيرنا" (ترمذی: ابواب الجنائز/۲۰۲) (لحد ہمارے لئے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے)۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ اور اتوار کے دن بطور خاص روزہ رکھتے تھے اور فرماتے: "إنهما يوما عيد للمشركين فأحب أن أخالفهم" (رواہ ابوداؤد والنسائی وصححہ ابن حبان، فتح الباری ۴/۳۰۵) (یہ دونوں دن مشرکوں کے عید کے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں)۔

حضرت شداد بن اوس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالفوا اليهود فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم" (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ: باب الستر ۃ/۷۳) (یہود کی مخالفت کرو، وہ اپنے جوتوں اور خف میں نماز نہیں پڑھتے)۔

حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں ایک عربی کمان تھی، آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ نے فرمایا اس کو پھینک دو اور اس طرح کی کمان لو (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ/۳۳۸)۔

حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تقطعوا اللحم بالسكين فإنه من صنع الأعاجم" (رواہ ابوداؤد، البیہقی فی شعب الایمان، وقالا: ليس هو بالقوى، مشکوۃ: کتاب الاطعمۃ/۳۶۶) (گوشت کو چھری سے نہ کاٹو، اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے)۔

حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کئی باتوں سے منع فرمایا: ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ آدمی اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگائے اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طرز ہے، یا یہ کہ اپنے مونڈھے پر ریشم لگائے اس لئے کہ یہ بھی عجمیوں کا طریقہ ہے (رواہ ابوداؤد والنسائی، مشکوۃ: کتاب اللباس/۳۷۶)۔

Marfat.com

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن كدتم لتفعلوا فعل الفارس يقومون على ملوكهم وهم قعود فلا تفعلوا" (اعلاء السنن ۱۷ / ۴۲۳) (قریب ہے کہ تم لوگ فارس و روم والوں کی طرح کرنے لگو، وہ لوگ بھی اپنے بادشاہوں کے اردگرد کھڑے رہتے تھے اور وہ بیٹھے ہوتے، ایسا نہ کرو)۔

حضور ﷺ کو اپنی امت کے تہذیبی اختلاط کا شدید اندیشہ تھا، ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: "لتتبعن سنن من قبلكم شبراً بشر وذراعاً-بذراع حتى لو دخلوا جحر ضبّ تبعتموهم قيل: يا رسول الله اليهود والنصارى قال: فمن؟" (متفق علیہ، مشکوۃ: باب تغیر الناس / ۴۵۸) (تم اپنے سے پہلے والوں کی پوری طرح پیروی کروگے بالشت در بالشت ہاتھ در ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو ان کی دیکھا دیکھی تم بھی اس بل میں گھس پڑوگے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی مراد پہلے والوں سے یہود و نصاری ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: پھر اور کون؟)۔

کتب احادیث میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی اختلاط سے منع کیا گیا ہے، قطع نظر اس سے کہ ان میں سے کون سا حکم کس درجہ کا ہے؟ ان احادیث میں جو بنیادی روح ہے وہ ہے مسلمانوں کی تہذیبی اور سماجی تطہیر کا حکم۔

۲-(الف): مخلوط آبادی میں قیام کا حکم:

میرے خیال میں مسلمانوں کی علیحدہ آبادی کی صورت اگر ممکن ہو تو اس کو اولین اہمیت دی جانی چاہئے، بصورت دیگر مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں قیام کرنا ناجائز نہیں ہے، بلکہ ایسے مسلمان جن کی زندگیاں صحیح اسلامی نمونوں پر استوار ہوں، ایسے لوگوں کے لئے مخلوط آبادی

Marfat.com

میں قیام اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہوگا، اور انہیں لوگوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اسلامی اخلاق وسیرت سے غیر مسلم متاثر ہوں گے اور اس سلسلہ میں سب سے بڑا نمونہ صحابہ کرام کی زندگی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اکثر صحابہ روئے زمین کے مختلف حصوں میں اسلام اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ واشاعت کے لئے پھیل گئے، اور غیر مسلموں کے درمیان قیام پذیر ہوئے، اور اپنی دعوت وتبلیغ نیز اپنی اسلامی زندگیوں سے اسلام کے تعلق سے ان کے اندر مثبت تبدیلیاں پیدا کیں، صحابہ کے بعد اولیاء اللہ اور مشائخ بھی اس طریق پر گامزن رہے، اور یقیناً یہ اس معیار کے لوگوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے، لیکن عام مسلمانوں کے حق میں یہ مفید نہیں ہوگا۔

ب- غیر مسلموں سے سماجی تعلقات کا معیار:

جہاں تک غیر مسلموں سے سماجی تعلقات، ایک دوسرے کی خوشی وغم میں شرکت اور مدد اور لین دین کے مسائل کا تعلق ہے، تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا، اسلام ایک انسانیت دوست، انسانیت نواز اور امن پرست مذہب ہے، وہ مذہبی مسائل میں جبر کا قائل نہیں ہے، اور اسی لئے جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے نہ ان کا سماجی بائکاٹ کرتا ہے نہ لوگوں کو ان سے عداوت ودشمنی پر بھڑکاتا ہے، نہ ان کی حق تلفی کی اجازت دیتا ہے، بلکہ وہ تمام انسانی اور شہری حقوق جو کسی انسان کو مل سکتے ہیں ان کو عطا کرتا ہے۔

اسلام ساری انسانیت کا دوست ہے اور ہر ایک سے اس کے حدود کے مطابق تعلقات رکھنے کی اجازت دیتا ہے، البتہ ہر تعلق میں یہ لحاظ ضروری ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کی غیرت ووقار پر سوالیہ نشان نہ لگے، اور وہ اسلام کے مزاج یا اس کے بنیادی اصولوں میں سے کسی اصول سے متصادم نہ ہو، اس تمہید کے بعد اب اس ذیل کے چند مسائل پر نظر ڈالتے ہیں، جو اس باب کے تحت بالعموم اٹھائے جاتے ہیں:

Marfat.com

غیر مسلموں کی خوشی وغم میں شرکت:

باہم سماجی اور انسانی تعلقات کی بنیاد پر ایک دوسری کی خوشی وغم میں شرکت کرنی پڑتی ہے، اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ خلاف شرع کسی امر کا ارتکاب کرنا نہ پڑے، خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ غیر مسلم کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، بخاری و ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے:

"قال كان غلام يهودى يخدم رسول الله ﷺ فمرض فأتاه النبى ﷺ يعوده فقعد عند رأسه فقال له: أسلم فنظر إلى أبيه ـ وهو عنده ـ فقال له: اطع أبا القاسم، فأسلم فخرج النبى ﷺ وهو يقول الحمد لله الذى أنقذه بى من النار" (رواہ احمد والبخاری وابوداؤد، نیل الاوطار ۷/۲۷۹، اعلاء السنن ۱۲/۵۳۴) (ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور اس کے سرہانے میں تشریف فرما ہوئے، پھر آپ نے اس سے کہا، مسلمان ہوجا، وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا جو وہیں پر موجود تھا، اس کے باپ نے کہا: ابو القاسم کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، حضور ﷺ اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ اس کو آگ سے نجات مرحمت فرمائی)۔

غیر مسلم کی تجہیز وتکفین میں شرکت:

رہا یہ کہ غیر مسلم کے جنازہ یا اس کی تجہیز وتکفین میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ تو اس سلسلے میں علماء کی عبارتوں سے حکم شرعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرنے والا غیر مسلم کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار ہو اور اس سے زیادہ کوئی قریب ترین اہل تعلق موجود نہ ہو جو اس کی تجہیز وتکفین کی ذمہ داری اٹھا سکے، تو ایسے شخص کے لئے اپنے غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز وتکفین میں شرکت کرنا اور

Marfat.com

اس ذمہ داری کو نبھانا جائز ہے، اور اس حکم کا اصل مأخذ حضرت ابو طالب کا واقعہ انتقال ہے:

''حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا اور حضرت علی نے رسول اکرم ﷺ کو چچا کی موت کی خبر دی تو آپ ﷺ نے حضرت علی کو ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا، اس لئے کہ حضرت علی بحیثیت بیٹا ان سے زیادہ قریب تھے، یہ روایت مختلف طرق سے مختلف کتابوں میں آئی ہے (نصب الرایہ ۲/۲۸۱، اعلاء السنن ۸/۲۸۲ بروایت ابوداؤد، نسائی، طبرانی، احمد، ابو یعلی، بزار اور بیہقی، التلخیص الحبیر لابن حجر ۱/۱۵۷، ۱۵۸)۔

ج - غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ:

غیر مسلمون سے جائز مقاصد کے تحت عام حالات میں ہدیوں اور تحفوں کا تبادلہ جائز ہے، البتہ مخصوص حالات میں اس سے احتیاط کی جائے تو بہتر ہے، رسول اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں دونوں طرح کا عمل منقول ہے، آپ نے کئی غیر مسلموں کا ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ اور بعض کو خود بھی ہدیہ دیا ہے، جبکہ کئی غیر مسلموں کا ہدیہ آپ ؐ نے رد فرما دیا ہے۔

غیر مسلموں کی دعوت:

اسی طرح غیر مسلموں کی دعوت کرنے یا ان کی دعوت قبول کرنے کا بھی یہی حکم ہے، اگر شرح صدر ہو، اپنی صلابت ایمانی کے کمزور ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اور اس کی عادت نہ بنالی جائے تو غیر مسلموں کی دعوت قبول بھی کی جاسکتی ہے، اور ان کی ضیافت بھی کی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ عورت کی دعوت قبول کی اور اس کا بھیجا ہوا گوشت تناول فرمایا، یہ بھی دریافت نہیں فرمایا کہ یہ کس کا ذبیحہ ہے (احکام القرآن للجصاص ۲/۳۹۴)۔

Marfat.com

غیر مسلموں کے تہواروں کا تحفہ:

البتہ مذہبی تہوار میں مثلاً دیوالی یا ہولی یا کرسمس وغیرہ کے موقع پر جو تحفے یا دعوتیں دی جاتی ہیں ان میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

صحابہ اور سلف صالحین سے اس سلسلے میں دو قسم کے رجحانات منقول ہیں، مثلاً:

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے منقول ہے کہ کسی غیر مسلم نے ان کی خدمت میں نیروز کا ہدیہ پیش کیا تو آپ نے قبول کرلیا (الاقتضاء لابن تیمیہ، ۱۲۰)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ مجوسیوں سے ہمارے تعلقات ہیں اور اس کی وجہ سے وہ اپنے تہوار کے موقع پر ہمیں ہدیہ دیتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اس دن جو ذبیحے ہوتے ہیں ان میں اگر گوشت وغیرہ دیں تو نہ کھاؤ، البتہ پھل وغیرہ کھا سکتی ہو (حوالہ بالا)۔

حضرت ابو برزہ اسلمی سے منقول ہے کہ مجوسیوں سے ان کے بعض روابط تھے، ان کے پڑوس میں وہ لوگ آباد تھے، نیروز اور مہرجان کے موقع پر وہ لوگ تحفے وغیرہ بھیجا کرتے تھے تو وہ اپنے گھر والوں سے فرماتے کہ پھل وغیرہ تو کھالو اور باقی چیزیں واپس کردو۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایا اور تحائف کے باب میں تہوار سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نہ اس سے غیر مسلموں کی اعانت لازم آتی ہے، اس لئے غیر حربی کافروں کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، خواہ وہ تہوار کے موقع پر ہو یا کسی اور موقع پر'' (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ۱۲۰؍۱)۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی یہی رائے ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''صرف دو جزو خاص قابل تعرض کے باقی رہ گئے، ایک یہ کہ ہدیہ دیوالی کا شاید اس تہوار کی تعظیم کے لئے ہو جس کو فقہاء نے سخت ممنوع لکھا ہے، دوسرا یہ کہ اس میں تصاویر بھی ہوتی

Marfat.com

ہیں ان کا اقتناء، واحترام مستلزم للتقوم واستعمال لازم آتا ہے اور بعض فروع میں تصاویر کے تقوم کی نفی کی گئی ہے، تو اس میں اس حکم شرعی کا بھی معارضہ ہے، جواب اول کا یہ ہے کہ یہ عادت سے معلوم ہے کہ اس ہدیہ کا سبب مہدی لہ کی تعظیم ہے نہ کہ تہوار کی تعظیم، اور جواب ثانی کا یہ ہے کہ مقصود اہداء میں صورت نہیں بلکہ مادہ ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ مہدی لہ فوراً تصاویر کو توڑ ڈالے' (امداد الفتاوی ۳/ ۴۸۲)۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ذخیرۃ الفتاوی کی ایک عبارت نقل کی ہے، اس تہوار کے موقع پر غیر مسلموں کے تحائف قبول کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، ذخیرہ کی عبارت ہے:

"لا ینبغی للمؤمن أن یقبل هدیة کافر فی یوم عید ولو قبل لا یعطیهم ولا یرسل إلیهم" (فتاوی عبدالحی ۱/ ۴۰۳) (مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ کافر کا ہدیہ تہوار کے موقع پر قبول کرے، اور اگر قبول کرے تو ان کو ہرگز کوئی تحفہ بدلہ میں نہ دے اور نہ کسی کے ہاتھ بھیجے)۔

"فی یوم عید" کا اطلاق مسلم اور غیر مسلم دونوں کے تہواروں پر ہو سکتا ہے:

تھوڑی گنجائش تو ذخیرہ کی عبارت میں بھی موجود ہے۔ دونوں رجحانات کے درمیان تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ مذہبی تہواروں کے موقع پر دو طرح کے تحفے آتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو بتوں اور دیوتاؤں پر چڑھائے جاتے ہیں؛ جن کو برادران وطن "پرشاد" کہتے ہیں، ان کا قبول کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ "ما اهل به لغیر الله" کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے، اور ذخیرہ کی عبارت کا محل غالباً یہی صورت ہے، اور بعض وہ ہوتے ہیں جو اس موقع پر لوگوں میں تقسیم کرنے یا بچوں کے کھانے کے لئے بنائے جاتے ہیں، اس قسم کے تحفے قبول کرنے کی گنجائش ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور حضرت تھانوی کے فتوی کا محل غالباً یہی شکل ہے۔

Marfat.com

اسی طرح سابقہ تفصیلات سے حکم شرعی یہ منقح ہو کر سامنے آتا ہے کہ غیر مسلموں کے غیر مذہبی تحائف قبول کرنا شرح صدر اور حالات کے مطابق جائز ہے، اور اگر حالات اجازت نہ دیں یا غیر مسلم کی نیت وعمل پر اطمینان نہ ہو تو قبول کرنا مناسب نہیں، اور مذہبی تحائف اگر بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں تو قبول کرنا جائز نہیں، اور اگر بتوں پر چڑھائے ہوئے نہ ہوں تو قبول کرنا جائز ہے۔

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں میں تحفے دینا:

ذخیرۃ الفتاویٰ کے مذکورہ بالا جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ہدیہ دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، نہ ہدیہ کے بدلے میں ہدیہ دینا درست ہے اور نہ اپنی طرف سے اس میں پہل کرنا درست ہے، علامہ ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں جو بحث کی ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے (اقتضاء الصراط المستقیم ر ۱۱۱)۔

د- غیر مسلموں سے چندہ لینا اور دینا:

مساجد و مدارس کے لئے غیر مسلموں کا چندہ قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ ثواب سمجھ کر دیں، مساجد و مدارس کے مصالح کے خلاف نہ ہو، مسلمانوں پر آئندہ ان کے احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو، اور وہ اس کے بدلہ اپنے عبادت خانوں کے لئے مسلمان سے چندہ نہ طلب کریں، ان شرائط کے ساتھ ہمارے علماء نے غیر مسلموں کا چندہ لینے کی اجازت دی ہے (امداد الفتاویٰ ۲ / ۶۶۴، ۶۶۸، ۱۲۹، ۱۳۰)۔

ھ- غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت:

اسی سے اس کا حکم بھی نکلتا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی میلوں اور تقریبات میں

Marfat.com

مسلمانوں کی شرکت یا ان کے عبادت خانوں میں مسلمانوں کا جانا تفریح یا نمائندگی کی نیت سے جائز نہیں ہے، البتہ تجارت کی نیت سے جانا جبکہ وہاں معصیت نہ ہو اور مندر وغیرہ میں داخل ہونے کی نوبت نہ آئے تو اس کی گنجائش ہے۔

۳- جھنڈے کو سلامی دینا:

غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں بعض ایسے مسائل سے دوچار ہوتی ہیں، جن کو دوسری قومیں محض سیاسی اور قومی مسئلہ سمجھتی ہیں، لیکن مسلمانوں کے لئے وہ مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں، مثلاً:

(الف) آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے اور اسے جھنڈے کا احترام کہا جاتا ہے، جھنڈے کی سلامی کے وقت کسی شخص کا بیٹھا رہنا خلاف ادب اور قومی جرم مانا جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے ہمارے علماء دیوبند میں اس سلسلے میں دو رجحانات پائے جاتے ہیں:

۱- ایک نقطہ نظر مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا ہے، مفتی صاحب موصوف کا فتوی یہ ہے: ''جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے، اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتی ہے، وہ ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہو سکتی ہے، مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے''

(نقیب: جلد ۷، پھلواری شریف پٹنہ، ۱۶ رجمادی الاول ۱۳۵۸ھ، ۹ رجولائی ۱۹۳۹ء یکشنبہ)۔

۲- دوسرا نقطہ نظر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے، حضرت کا مفصل فتوی امداد الفتاوی میں ''عجالۃ کشف الحجاب عن مسئلہ تعظیم بعض الانصاب'' کے نام سے موجود ہے، حضرت نے اس عمل کو ناجائز اور غیر اسلامی قرار دیا ہے، اور اپنے موقف کی دلیلیں بھی ذکر کی ہیں۔

Marfat.com

غور کیا جائے تو یہ دوسرا نقطہ نظر دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے۔

ب- ''بندے ماترم'' یا اس قسم کے دیگر قومی ترانوں کا حکم:

ب: جہاں تک ایسے قومی ترانوں کا مسئلہ ہے جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہوں، ایسے ترانے خواہ جھنڈے کے پاس ہوں یا کسی دوسرے مقام پر کسی جگہ پڑھنا یا گانا جائز نہیں۔

البتہ ایسا شخص جو اس کے لئے مجبور ہو، اور ترانہ نہ پڑھنے کی صورت میں شدید نقصانات کا اندیشہ ہو ایسے شخص کے لئے بادل ناخواستہ یہ کلمات زبان سے دہرانے کی اجازت ہوگی، قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں: ''إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان'' (مگر جن پر زبردستی کی جائے، اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

• اگر چہ اس صورت میں بھی عزیمت یہ ہے کہ زبان سے یہ کلمات ادا نہ کرے، لیکن اپنے تحفظ کے لئے مذکورہ کلمات زبان سے ادا کرنے کی رخصت ہے۔

ج- باہمی نزاعات میں غیر اسلامی عدالتوں کے فیصلے:

غیر مسلم ممالک میں ایک اہم ترین مسئلہ باہمی نزاعات میں عدالتوں سے ملنے والے فیصلوں کا ہے، عدالتیں اپنے یہاں مروج قانون شہادت یا دیگر قوانین کو بنیاد بنا کر فیصلے کرتی ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہو وہ فی الواقع فرضی ہو، یا اسلامی اصولوں کی روشنی میں غلط ہو، اور فریقین جانتے ہوں کہ فیصلہ غلط ہوا ہے، ایسی صورت میں اگر مقدمہ کے دونوں فریق مسلمان ہوں تو ان کے لئے اس فیصلہ سے استفادہ کرنا شرعی طور پر جائز ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصول پر ایسے معاملات جن کو وجود میں لانے کا قاضی کو اختیار ہے، ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ کرنا جائز ہے، اور جو معاملات

Marfat.com

اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہوں، ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایسے معاملات جن میں سبب ملک کی وضاحت نہ ہو کہ کس ذریعہ سے مدعی کو ملکیت یا حق ملکیت حاصل ہوئی ہے مثلاً کسی زمین، جائداد یا سامان پر ملکیت کا دعوی کرنے ایسے معاملات میں عدالت حقیقت کے خلاف فیصلہ کردے تو فیصلہ سے وہ چیز مدعی کے لئے فی الواقع حلال نہیں ہوگی، بلکہ اگر وہ مسلمان ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ حقیقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے ہوئے حق، حقدار کو پہنچائے۔

البتہ ایسے معاملات جن میں سبب ملک کی وضاحت کی گئی ہو، مثلاً یہ چیز میری ہے اور میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے وغیرہ، یا نکاح و طلاق کے معاملات ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ نافذ ہوگا، اور اگرچہ کہ فیصلہ خلاف واقع صادر ہو لیکن فیصلہ کے بعد وہ چیز اس فریق کے لئے جائز ہو جائے گی جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے۔

۴-ج،د: ہنگامی مواقع پر غیر مسلموں کی امداد:

یقیناً اسلام میں خدمت خلق کی بڑی اہمیت ہے، اور انسانیت کے ناطے اسلام ہر ایک کی خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے، انسان تو انسان اسلام جانوروں کی خدمت کو بھی باعث اجر قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: "إن لنا في البهائم أجرا؟" (چوپایوں میں بھی ہم کو اجر ملے گا؟) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "في كل ذات كبد رطبة أجر" (ہر زندہ جگر والی مخلوق میں اجر ہے) (بخاری و مسلم، اعلاء السنن ۱۶/ ۱۵۲)۔

اسلام حسب توفیق ساری انسانیت کی خدمت کا حکم دیتا ہے، اور انسانی بنیاد پر غیر مسلموں کی نصرت و اعانت کی اجازت ہی نہیں ترغیب دیتا ہے۔

Marfat.com

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئیں جب کہ وہ مشرک تھیں، قریش سے معاہدہ کا زمانہ تھا، میں نے حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی مدد کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں کرو'' (متفق علیہ، مشکاۃ ۴۱۸، ۴۱۹)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الخلق عیال الله، فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله'' (رواہ البیہقی، مشکاۃ ۴۲۵) (ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے جس کا برتاؤ اس کی مخلوق کے ساتھ زیادہ اچھا ہو)۔

اس طرح کی متعدد احادیث موجود ہیں جو انسانی بنیادوں پر تمام انسانوں کی خدمت کی ترغیب دیتی ہیں، اس لئے اگر مسلمان خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں یا قدرتی آفات کے موقع پر امدادی اسکیم لے کر چلیں تو حتی المقدور غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کریں، مسلمانوں سے دوہرے رشتہ کی بنا پر ان کو اولیت ضرور دی جائے گی، لیکن اگر گنجائش ہو تو غیر مسلموں کو بھی اس میں ضرور شامل کرنا چاہئے، بالخصوص ہندوستان جیسے ممالک میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے، غیر مسلموں میں اس سے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اچھا ماحول قائم ہوگا۔

حضرت ثمامہ بن اثال نے اہل مکہ کو رسد بھیجنے پر پابندی لگادی، اہل مکہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی تو آپ نے حضرت ثمامہ کو ہدایت کی کہ جس طرح پہلے مکہ غلہ آتا تھا اسی طرح آنے دیا جائے (مسند احمد بن حنبل ۲/۲۴۸، الوثائق السیاسیۃ ۷۵، ۷۶)۔

اس لئے غیر مسلموں کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ جو بھی رہے، لیکن مسلمانوں کو اپنے اسلامی اخلاق اور اصولوں کو چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مفتی سید اسرار الحق سبیلی، حیدر آباد

محور اول

الف، ب: مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا اور امیدوار بننا:

الیکشن پر بحث کرنے سے پہلے جمہوریت کی تشریح اور اس کے خد و خال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جمہوریت کو انگریزی زبان میں (Democracy) کہا جاتا ہے، یہ یونانی لفظ Kratos اور Demos سے ماخوذ ہے، Demos کا معنی ہے: عوام اور kratos کا مطلب ہے: اقتدار، اس طرح ڈیموکریسی یا جمہوریت کا مفہوم ہوتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ عوام کے تئیں ہے، دوسرے الفاظ میں اسے ''عوامی حکومت'' بھی کہا جا سکتا ہے، مشہور عوامی رہنما ابراہم لنکن نے جمہوریت کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ عوام کے ذریعہ بنائی گئی، عوام کی خاطر اور عوام کی حکومت ہے۔ Govt of People, by the people and for the people

عام طور پر دو اقسام کی جمہوریت بیان کی گئی ہے:

۱- راست جمہوریت (Direct Democracy)

۲- بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

جس حکومت میں تمام شہری راست طور پر شریک ہوتے ہیں، راست جمہوریت کہلاتی

Marfat.com

ہے، یہ جمہوریت اسپارٹہ اور ایتھنس (یونان) وغیرہ میں تھی، آج ممالک میں آبادی اور وسعت میں اضافہ کے پیش نظر راست جمہوریت ممکن نہیں، اس لئے بالواسطہ جمہوریت کو اپنا لیا گیا ہے، جس میں حکومت کی باگ ڈور عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، اس لئے اس کو بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت Representative Democracy کہا جاتا ہے، اس حکومت میں بھی اقتدار عوام کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، یہاں لیڈر شپ یعنی سیاسی حکمت عملی میں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، عوام اس رہنمائی کا حق اپنے منتخب نمائندوں کو دیتے ہیں، لہذا جمہوری ممالک میں عوام میں عمدہ رہنمائی کی صلاحیت کو فروغ دینا اور ان کا سیاسی شعور بیدار کرنا ضروری ہے۔

اس لحاظ سے ووٹ کی حیثیت وکیل نامزد کرنے کی ہے، کہ عوام ووٹوں کے ذریعہ اپنے سیاسی اور قومی مسائل کو بخیر وخوبی انجام دینے کے لئے سیاسی قائدین کو اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کرتے ہیں، (اگر انتخاب کے معاملہ میں ہم نے کسی تنگ نظری اور ناانصافی کا مظاہرہ کیا، ذاتی مفادات کو مدنظر رکھا اور نااہل اور ظالم شخص رپارٹی کو منتخب کیا تو اس کا گناہ اس کو منتخب کرنے والے اشخاص کو بھی ہوگا)، لہذا ایک ایسی قوم جس کی زندگی کا مقصد فساد کو دور کر کے اصلاح پیدا کرنا، سماجی ناانصافی کو ختم کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا، سماجی اونچ نیچ اور تعصب کو ختم کر کے مساوات اور بھائی چارہ کا ماحول پیدا کرنا، اور ساتھ ہی اپنا ملی تشخص اور امتیاز برقرار رکھنا ہے، اس کے لئے جمہوری ممالک میں الیکشن میں حصہ لینے، اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوئے الیکشن میں امیدوار بننے اور کسی ہمدرد، مخلص اور انصاف پسند خدمت گار کے لئے انتخابی مہم چلانے کے سوا کوئی دوسرا پر امن راستہ بہ ظاہر نظر نہیں آتا، اور یہ ان کے لئے نہ صرف جائز ہے، بلکہ مسلمانوں کو الیکشن کی اہمیت، اس کے دور رس نتائج اور الیکشن کے تئیں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ جمہوری ملک میں پر امن زندگی گزارنے کے لائق ہوں، وہ اپنے دینی، دنیوی،

Marfat.com

معاشی اور معاشرتی مسائل کو بہتر طریقہ پر حل کروانے کے موقف میں ہوں، اور وہ ایک باعزت شہری کی طرح ملک میں جینے اور ابنائے وطن کے دوش بہ دوش ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کے اہل ہوں۔

ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے بعض اہل علم نے اس کو شہادت کے درجہ میں رکھا ہے کہ ووٹ دینے والا کسی امیدوار کے حق میں گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ شخص حکومت کے کاموں میں شریک ہونے کے لائق اور قوم وملت کے حق میں مفید ہے، اس پر اسے اعتماد ہے، اگر ووٹ کی حیثیت شہادت مان لی جائے تو قرآن کریم کی آیات سے اس کا وجوب ثابت کیا جاسکتا ہے۔

"ولا یأب الشھداء إذا مادعوا" (سورۂ بقرہ/ ۲۸۲) (اور گواہ انکار نہ کیا کریں جب (گواہی کے لئے) انہیں بلایا جائے)۔

"ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فإنه آثم قلبه" (سورۂ بقرہ/ ۲۸۳) (اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو اس کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے)۔

"وأقیموا الشھادۃ للہ" (اللہ کے لئے گواہی کا قیام عمل میں لاؤ)۔

اگر ووٹ کی حیثیت وکالت مانی جائے، جیسا کہ جمہوریت کی تشریح سے واضح ہوتا ہے، تو اس کا وجوب قرآن پاک کی ان آیات سے ثابت ہوگا، جن میں انصاف قائم کرنے، اصلاحی کام کرنے، نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ بہت سے احکام دیئے گئے ہیں، اگر استطاعت ہو تو یہ ازخود انجام دینا چاہئے، نہیں تو وکالۃً یہ فریضہ انجام دینا چاہئے، جمہوری ممالک میں عوام کے لئے اسی کا موقع ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات دیکھی جائیں: (سورہ نساء : ۱۱۴، ۱۳۵، سورۂ مائدہ/ ۲، ۸، سورۂ انفال: ۱، سورۂ حج : ۷۷، سورۂ حجرات: ۹، ۱۰ اور ان احادیث کو بھی ملاحظہ فرمائیں: مسلم / ۴۹، ۲۵۸، ۲۶۹۹، ۱۸۹۳، بخاری ۵/ ۷۰، ۳/ ۲۴۰)۔

Marfat.com

اب امیدوار بننے کے بارے میں عرض ہے کہ اسلام میں عہدہ طلب کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"إنكم ستحرصون على الإمارة، وستكون ندامة يوم القيامة" (بخاری ۱۳/ ۱۱۱) (عنقریب تم لوگ حکومت کی حرص کرو گے، اور یہ عنقریب قیامت میں شرمندگی کا باعث ہوگی)۔

دوسری روایت ہے: "سیدنا ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے دو بیٹے نبی ﷺ کے پاس گئے، ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اپنی سلطنت میں کوئی عہدہ عنایت کیجئے، دوسرے نے بھی یہی بات کہی، نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہم ایسے آدمی کو عہدہ نہیں دیتے جو اس کی مانگ کرے اور اس کی حرص رکھے" (بخاری ۱۳/ ۱۱۲، مسلم ۳/ ۱۴۵۶)۔

لیکن جمہوری ممالک میں بغیر عہدہ طلب کیے عہدہ ملنا ممکن نہیں، نیز جب عہدوں پر نااہل، غیر ذمہ دار، غاصب، ظالم اور متعصب لوگ فائز ہو جائیں تو ایسی حالت میں لائق، ذمہ دار اور انصاف پسند حضرات کے لئے اللہ کی مخلوق کو ظلم، ناانصافی، پسماندگی اور غربت سے چھٹکارا دلانا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے کہا تھا۔

اگر سیدنا یوسف علیہ السلام بادشاہ سے عہدہ کی درخواست نہیں کرتے تو یہ عہدہ اور اللہ کی نعمت (رحمت) کے حصول کا امکان بہ ظاہر مفقود تھا، کیونکہ مصر میں خاندانی بادشاہت وراثتاً چلی آ رہی تھی۔

آج کم از کم ہندوستان کی صورت حال اس سے کہیں زیادہ بدتر نظر آتی ہے، حکمراں اور نوکر شاہی طبقہ مالی استحکام میں بہت زیادہ ملوث ہے، ملک میں ایک اچھی تعداد فاقہ کشوں اور بے روزگاروں کی ہے، مالی پریشانی سے تنگ آ کر بہت سے لوگ خصوصاً کاشت کار طبقہ خودکشی پر مجبور ہو رہا ہے، منفعت بخش قومی اثاثہ جات کو فروخت کیا جا رہا ہے، سرمایہ کاری کی تخفیف کے

Marfat.com

لئے مستقل مرکزی وزارت قائم کی گئی ہے، اس طرح ملک کی معیشت کھوکھلی کی جا رہی ہے۔

اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کو جو جمہوریہ ہند میں نصف صدی سے زائد عرصہ گزار دینے کے بعد بھی الیکشن کو بہت ہی معمولی چیز سمجھے ہوئے ہیں، اور اس کے دینی اور ملی اثرات سے نابلد ہیں، ان کو الیکشن کے دینی، ملی، قومی، تہذیبی، سماجی، معاشرتی، حفاظتی (سیکورٹی) اور اقتصادی اثرات سے واقف کرانے اور شعور پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

ج - مخالف اسلام پارٹیوں میں شرکت وتعاون:

ایسی یاسی پارٹیاں جنہوں نے قوم پرستی اور فرقہ پرستی کے جذبات، تعصب اور نفرت کو ہوا دی ہے، اور وہ اسلام، مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کا پرچار کرکے ملک کی اکثریت کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے کوشاں ہیں، اور وہ نسل کشی، کشت وخون اور فسادات کی آگ بھڑکا کر حکومت میں اکثریت حاصل کرنے کا ناپاک ارادہ رکھتی ہیں، ایسی پارٹیوں کو ووٹ دینا اور اس میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہوگا، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تعاونوا على الإثم والعدوانِ واتقوا الله إن الله شديد العقاب" (سورۂ مائدہ/ ۲) (گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے)۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ایسی پارٹیوں کے بعض امیدوار جو ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب ہو، تو ان کو ووٹ دینے میں کیا قباحت ہے، تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ایسے امیدوار کو ووٹ دینے سے ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ایک ووٹ کی کمی زیادتی سے حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی ہیں، ایسے امیدوار کو ووٹ دینے میں ہوسکتا ہے کہ علاقائی سطح پر مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو، لیکن قومی سطح پر مسلمانوں کا قومی نقصان ہوگا، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

Marfat.com

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح" (الاشباہ والنظائر للسیوطی ر ۸۷) (مفاسد کو دور کرنا مصالح کو حاصل کرنے سے بہتر ہے)۔

د- سیکولر پارٹیوں سے مفاہمت:

انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیکولر سیاسی پارٹیوں سے مفاہمت، اتحاد، ان میں شرکت، ان کی حمایت اور مسلم مفادات کی بنیاد پر ان سے معاہدے کرنے کی شریعت میں گنجائش ہے، آج کے حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کو علاحدہ سیاسی پارٹی قائم کرنے کے بجائے سیکولر پارٹیوں سے ملی مفادات کی بنیاد پر مفاہمت کو ترجیح دینا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد مدینہ کے یہود اور آس پاس کے غیر مسلم قبائل سے معاہدہ کیا تھا، جسے "میثاق مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کہ وہ بیرونی حملہ آوروں کا متحدہ مقابلہ کریں گے، اور ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہوگی، گویا یہ سیاسی اور دفاعی نوعیت کا معاہدہ تھا، آج کے حالات کے پیش نظر شرعاً یہ ضروری ہے۔

ھ- مشترکہ رفاہی اداروں کا قیام:

مسلمان اگر ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کریں جن کے تحت خدمت خلق کا فریضہ انجام دیا جائے، معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کی جائے، اچھی باتوں کی ترویج اور بری باتوں سے روکا جائے، تو ایسے اداروں اور تنظیموں میں غیر مسلم بھائیوں کو شریک کرنے میں کوئی حرج نہیں، سیرت نبوی میں اس کی مثال بعثت سے پہلے حلف الفضول میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت کی صورت میں ملتی ہے، جس میں مکہ کے مظلوم افراد کی دادرسی اور امن و سلامتی کو یقینی بنانے کا معاہدہ کیا گیا تھا، بعثت کے بعد آخری زمانہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج تک میں اس معاہدہ پر قائم ہوں، اگر آج بھی مجھے اس کے لئے بلایا جائے تو میں اس کے

Marfat.com

لئے تیار ہوں۔ "ولو أدعى به في الإسلام لأجبت" (سیرت ابن ہشام ۱/۱۳۴)۔

محور دوم

الف: علاحدہ مسلم آبادی میں رہائش:

(ہندوستانی) مسلمانوں کے لئے علاحدہ مسلم آبادی، مسلم محلہ اور علاقہ میں رہنا مخلوط آبادیوں میں رہنے سے زیادہ بہتر ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"أنا بريء من كل مسلم يقيم بين المشركين"، رواه الثلاثة وإسناده صحيح" (سبل السلام ۴/۷۹) (میں ان تمام مسلمانوں سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہائش پذیر ہیں)۔

لیکن یہ حدیث دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی بابت ہے، جن پر ہجرت واجب ہے (سبل السلام ۴/۷۹)۔

علاحدہ آبادی میں رہنے سے مسلمان غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے زیادہ محفوظ رہ سکیں گے، نیز فسادات کے موقع پر بھی مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی زیادہ حفاظت ممکن ہے، مخلوط آبادی میں رہنے سے اس بات کا کم امکان ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق و کردار سے متاثر کریں گے، بلکہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات کو قبول کرنے کا زیادہ امکان ہے، نیز اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ وہ غیر مسلموں کے درمیان اسلام کے تئیں منفی خیالات کو پروان چڑھائیں گے، اور اپنی بداخلاقی اور لڑائیوں کے ذریعہ اسلام کی رسوائی کا سبب بنیں گے۔

ب- غیر مسلموں کے جلوس جنازہ میں شرکت اور ان کے لئے ایصال ثواب:

کسی غیر مسلم پڑوسی یا دوست کا انتقال ہو جائے تو اس کے گھر جا کر اس کو دیکھنا اور اس

Marfat.com

کے اہل خاندان سے تعزیت کی جا سکتی ہے، لیکن اس کے جلوس جنازہ میں شریک ہونا اور آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا جائز نہیں ہوگا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره، إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (سورۂ توبہ، ۸۴) (ان میں سے کوئی مر جائے، تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھیے، اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں)۔

اسی طرح ان کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی جائز نہیں ہوگا، اللہ تعالی کا واضح ارشاد ہے:

"ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم" (التوبہ، ۱۱۳) (پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس امر کے ان پر ظاہر ہو جانے کے بعد کہ وہ لوگ دوزخی ہیں)۔

ج- غیر مسلموں کی تقریبات کی مٹھائیاں:

غیر مسلموں کی غیر مذہبی تقریبات جیسے شادی وغیرہ کی مٹھائیاں استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ وہ حلال اور پاک ہوں، البتہ مذہبی تقریبات کی مٹھائیاں وغیرہ جنہیں "پرشاد" کہا جاتا ہے، اور جنہیں مورتیوں پر چڑھایا جاتا ہے یا ان کے سامنے رکھ کر مذہبی رسوم ادا کئے جاتے ہیں ان کا کھانا ناجائز ہوگا۔ یہ اپنی روح اور منشاء کے اعتبار سے: "وما ذبح على النصب" (سورۂ مائدہ، ۳) (اور جو پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے) (حرام ہے) میں داخل ہے۔

Marfat.com

اسلام میں اس طرح کی مٹھائیاں کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور نہ کسی طور اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

د- پوجا میں چندہ دینا:

مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر میں چندے دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ شرک اور بت پرستی کا براہ راست مالی تعاون ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ مساجد، مدارس اور مذہبی جلسوں کے لئے غیر مسلموں کا چندہ قبول کریں۔

نیز اگر غیر مسلموں سے چندے وصول کئے جائیں تو وہ بھی مسلمانوں سے چندہ دینے کی خواہش کریں گے۔

ھ- الف: تہواروں میں شرکت:

مسلمانوں کے لئے دوسرے مذہبی گروہوں کے تہواروں اور مذہبی تقریبات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا، مسلمانوں کو کفر اور شرک کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ یا مداہنت کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرک سے بیزاری کا اظہار کریں، اور مشرکانہ رسوم و رواج سے دور رہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

"**یا قوم إني بریء مما تشرکون، إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين**" (سورۂ أنعام/۷۹،۸۰) (اے میری قوم! میں تمہارے مشرکانہ عمل سے بیزار ہوں، میں یکسو ہو کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

Marfat.com

ب- غیر مسلموں کو تہوار کی مبارکباد دینا:

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کے موقع پر مبارک باد دینا درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ جو مذاہب اسلام کی نگاہ میں باطل ہیں، جن کے تہواروں میں مشرکانہ رسوم ادا کیئے جاتے ہیں، بے حیائی، فضول خرچی اور لہو ولعب کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، ایسے کاموں پر انہیں مبارکباد دینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

محور سوم

الف: قومی پرچم کو سلامی دینا:

ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، سرکاری مدارس اور سرکاری اداروں میں مذہبی رسوم ادا کرنے کی قانونی طور پر اجازت نہیں ہے، گو آج سیکولر ہندوستان کو واحد مذہبی ملک میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور غالباً اسی جذبہ کے تحت ''وندے ماترم'' کو قومی گیت قرار دیا گیا ہے، آج کل یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع سے زمین پر ہندوستان کا نقشہ بنایا جاتا ہے، اس پر پرچم کی لکڑی نصب کی جاتی ہے، پرچم لہرانے سے پہلے کسی پنڈت کو بلا کر اگربتی جلائی جاتی ہے، ناریل پھوڑا جاتا ہے، ناریل کے پانی کا چھڑکاؤ ہندوستان کے نقشہ، گاندھی کی تصویر اور پرچم پر کیا جاتا ہے، پرچم کشائی کی جاتی ہے، اس کے ساتھ ہی بھارت کے نقشہ پر پھول کی بارش ہوتی ہے، پرچم کو سلامی دی جاتی ہے، بھارت کا ترانہ پڑھا جاتا ہے، آخر میں بھارت ماتا کی جے، سرسوتی ماتا کی جے کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے اسلام ان تمام چیزوں کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ یہ تمام کام ہندوؤں نے اپنے عقیدے کے مطابق گھڑ لئے ہیں، اور سیکولر ملک ہندوستان کے قومی تہوار (یوم آزادی، یوم جمہوریہ) کی تقریب کو اپنے عقیدے کے مطابق رنگ دیا ہے، ان کے عقیدے کے مطابق بھارت کی سرزمین ان کی ماں (ماتا) ہے، شمال کا حصہ سر ہے، جنوب کا پاؤں، مشرق ومغرب

Marfat.com

دونوں ہاتھ ہیں، چنانچہ درگا دیوی کی تصویر بعض جگہوں میں ہندوستان کے نقشہ کے اندر دکھائی دیتی ہے، جبکہ ہندوستان کو آزادی دلانے والے صرف ہندو ہی نہیں، بلکہ سکھ اور عیسائی کے علاوہ مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

اس لئے مسلمانوں کو خانگی اداروں میں ان تمام رسوم کے بغیر پرچم کشائی کا عمل انجام دینا چاہئے، اگر پرچم کشائی کی جگہوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو تو مسلمانوں کو ان رسوم سے علاحدہ رہنا چاہئے، اور دل ہی دل میں شرک سے بیزاری کرنا چاہئے، زیادہ سے زیادہ اس موقع پر کھڑے ہونے کی اور قومی ترانہ ''جن گن من'' پڑھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، مسلمانوں کو پرچم کو سلامی دینے کی بھی ضرورت نہیں، صرف کھڑا رہنا کافی ہے، مسلمانوں کے سلامی نہ دینے پر کوئی توجہ بھی نہیں دیتا، لیکن اگر کہیں مجبور کیا جائے تو کراہت کے ساتھ سلامی دی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ شرک کے دائرہ میں نہیں ہے، البتہ ان کے علاوہ دوسرے مشرکانہ افعال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

ب- وندے ماترم پڑھنا:

ہندوستان میں قومی گیت کے طور پر مسلمانوں کا ''وندے ماترم پڑھنا''، یا کسی بھی سیکولر ملک میں مسلمانوں کا ایسا قومی گیت پڑھنا جس میں سرزمین وطن کو معبود کا درجہ دیا گیا ہو، جائز نہیں ہوگا، مسلمانوں کو خود اس کے پڑھنے سے رکنا چاہئے، اور اپنے گھر والوں کو اس کے نہ پڑھنے کی تاکید کرنی چاہئے، کیونکہ اس کا پڑھنا کلمہ شرک زبان سے ادا کرنے کے برابر ہے، اگر مسلمان اپنے طور پر کسی سیاسی جلسہ کا انعقاد کریں تو ان کو یہ گیت اپنے پروگرام میں نہیں رکھنا چاہئے، اگر غیر مسلم، سیاسی یا سرکاری تقریب میں پڑھ رہے ہوں، تو اگر گنجائش ہو تو بیٹھ کر اپنا اختلاف ظاہر کرنا چاہئے، ورنہ کم از کم خاموش کھڑے رہنا چاہئے، اور دل میں کلمہ ایمان ادا کرتے رہنا چاہئے۔

Marfat.com

ج: ہندوستانی عدالت کا فیصلہ:

جن مسائل میں سبب شرعی کا وجود کافی نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ اور حکم ضروری ہے، ان مسائل میں غیر مسلم ججوں کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، قاضی کا فیصلہ ضروری ہوگا، مثال کے طور پر غیر مسلم جج کا فسخ نکاح درست نہیں ہوگا، بلکہ شرعی دار القضاء سے رجوع ہونا پڑے گا، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ عائلی معاملات کو ہندوستانی عدالت کے پاس لے جانے کے بجائے دار القضاء میں شریعت کے مطابق حل کرائیں۔ نیز ہندستانی مسلمانوں خصوصاً آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو چاہئے کہ دستوری طور پر اپنے ملک میں اپنا موقف مسلمہ مذہب اور تہذیبی وجود کے حامل (Recognised Religious and Cultural Entity) کے طور پر منوالیں، اور اپنے عائلی قوانین جیسے: نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ اور دیگر مذہبی امور کے سلسلہ میں ملک کے دستوری ڈھانچہ کے اندر تہذیبی و مذہبی خودمختاری۔

(Religious and cultural autonomy) کے حامل بن جائیں، اس طرح دستوری و قانونی انتظام کے بعد ملکی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا آف کورٹ قائم کرانے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور اس میں مسلم قاضی اور ماہرین قانون اسلامی متعین کئے جاسکتے ہیں۔

محور چہارم

الف- اسلام ہی راہ نجات:

آج بہت سے صلح پسند غیر مسلم یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ مذاہب اللہ تک پہنچنے کے الگ الگ راستے ہیں، سب کی منزل ایک ہی ہے، بہت سے مسلمان بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، بعض مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ باہمی اتحاد و یکجہتی کو باقی رکھنے اور فسادات سے بچنے کے لئے اس طرح کی بات کہی جاسکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی بات کرنا ایک

Marfat.com

مسلمان کے لئے جائز نہیں، اس طرح کی بات کرنے والے تہذیبی انضمام کی فکر کے آلہ کار ہور ہے ہیں، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے اسلامی اصولوں کو مسخ نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام سب سے منفرد، انسانیت کا نجات دہندہ اور برحق مذہب ہے، دوسرے مذاہب باطل اور اللہ کے نزدیک نامقبول ہیں، اسلام کا راستہ جنت کی طرف لے جانے والا اور اللہ تک پہنچنے والا ہے، دوسرے مذاہب کے راستے جہنم کی طرف جانے والے اور شیطان تک پہنچنے والے ہیں، اس بارے میں قرآن وحدیث کے ارشادات بالکل واضح ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا: "یہ اللہ کا راستہ ہے" پھر اس خط کی سیدھی اور بائیں جانب چند خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ چند راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک راستہ پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائیں: "وإن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه" (یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو) (رواہ احمد والنسائی، الدارمی بحوالہ مشکاۃ)۔

ب- پس ماندہ طبقات کے تئیں مسلمانوں کا رویہ:

پس ماندہ طبقات جن کو برہمن سماج میں اچھوت کا درجہ حاصل ہے، اور آج بھی انہیں انتہائی حقیر سمجھا جاتا ہے، مسلمانوں کو ایسے طبقات کے ساتھ نرمی، ہمدردی اور خیرخواہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، مسلمانوں کو ان کی تحقیر کرنے سے بچنا چاہئے، اسلام نے انسانی مساوات کا جو درس دیا ہے، اور سماج میں ہر ایک طبقہ کو یکساں طور پر زندگی گزارنے کا جو حق دیا ہے اس سے انہیں واقف کرانا چاہئے، ضرورت پڑنے پر ان کی مدد اور حمایت کرنی چاہئے، فلاحی کاموں میں انہیں شریک کرنا چاہئے، انہیں اسلام سے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور حکیمانہ انداز میں انہیں اسلام کی دعوت دینی چاہئے، غرض حکومت نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں میں جس قدر

Marfat.com

استطاعت ہو ایسے طبقات کو انصاف دلانے کی کوشش کرنی چاہئے، ان کے ساتھ نرمی، ہمدردی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين" (سورۂ ممتحنہ/ ۸) (اللہ تعالی تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ تعالی انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں)۔

حدیث میں ہے:

"عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله، وأحسبه قال: وكالقائم الذي لا يفتر وكالصائم لا يفطر" (بخاری ۱/ ۳۶۶، مسلم: ۲۹۸۲) (سیدنا ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ضرورت مند اور مسکین کی خاطر دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے"، میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اور وہ ایسے نمازی کی طرح ہے جو کبھی نماز ختم نہ کرے، اور ایسے روزہ دار کی طرح ہے جو افطار نہ کرے)۔

ج- خدمت خلق کے ادارے:

خدمت خلق کے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر نہیں ہے، بلکہ بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت و اعانت کے دروازے کھلے رکھنا چاہئے، اللہ تعالی نے مومنوں کی صفات بیان کی ہیں:

"ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا، إنما نطعمكم

Marfat.com

لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شکورا"(سورۂ دہر/۹)(اور وہ لوگ (محض) اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو محض اللہ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ (زبانی) شکریہ)۔

اگر ہم غیر مسلم ضرورت مندوں کے لئے اعانت کا دروازہ بند کردیں، تو یہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہوگا، اور یہ مومنانہ صفات کے خلاف ہوگا۔

د - آفت سماوی کے وقت راحت رسانی:

آفت سماوی جیسے زلزلہ، سیلاب اور وبائی امراض جیسی عام مصیبت کے وقت بھی بعض فرقہ پرست عناصر امداد اور راحت رسانی کے کاموں کا مظاہرہ کرتے ہوئے پائے گئے ہیں، ایسے موقع پر امداد و راحت رسانی انجام دینے والی مسلم تنظیموں کو چاہئے کہ وہ تعصب کا مظاہرہ تو نہ کریں، مگر اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ جو لوگ تعصب کا شکار ہوئے ہیں اور امداد سے بالکل محروم رہے ہیں، پہلے ان تک امداد پہنچانے کی کوشش کریں۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا عبدالرشید قاسمی (جونپور)

۱- الیکشن یا انتخابات:

الیکشن چناؤ کو کہتے ہیں، اور یہ جملہ اب محاورہ بن گیا ہے (فیروز اللغات/۱۲۰)۔

جمہوری حکومت کے لئے الیکشن خشت اول ہے، اگر بغیر الیکشن کے چند افراد نظام حکومت چلائیں تو آج کی اصطلاح میں ایسی حکومت جمہوری، عوامی، قومی نہیں ہوگی بلکہ آمریت کی ایک نئی شکل ہوگی۔

ووٹ:

ووٹ کا معنی کسی معاملہ کے لئے رائے دینا، عوامی نمائندوں کے انتخاب کے لئے تحریری اظہار رائے کی پرچی دینا وغیرہ ہے۔

(موصوف نے تقریباً چار صفحات میں ووٹ کی شرعی وملی حیثیت اور اس کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے ان عناوین کے تحت مفصل گفتگو کی ہے: ووٹ، ووٹ ایک رائے، ووٹ ایک امانت، ووٹ دینے میں غلطی ہوجائے، ووٹ ایک شہادت، ووٹ ایک سفارش، ووٹ ایک وکیل، ووٹ ایک سیاسی بیعت، ملی مسائل، ہجرت حبشہ، حلف الفضول او معاہدی یہود وغیرہ)۔

الف- مسلمان کو موجودہ جمہوری نظام پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے اور اس کے دل میں ہمیشہ یہ

Marfat.com

آرزو رہنی چاہئے کہ اس زمین پر بھی خدائی حکمرانی نافذ العمل ہو اور کبھی وہ گھڑی ضرور آئے جس کے علم بردار خلفائے راشدین تھے، پس بدرجہ مجبوری جمہوری نظام قبول کیا جائے، کیونکہ غیر مسلموں کی مذہبی حکومت سے جمہوری حکومت دینی اور ملی اعتبار سے کم مضر ہے، بلکہ آج کے حالات میں ضروری ہے، ورنہ مسلمانوں کے سیاست سے کنارہ کش ہونے کی صورت اور سیاسی حقوق حاصل نہ کرنے میں خطرہ ہے کہ مذہبی اور قومی سطح پر مسلمان نت نئی مشکلات میں گھر جائیں گے، آئینی اداروں میں جو آوازیں ان کے حق میں اٹھتی رہتی ہیں وہ خاموش ہو جائیں گی، مسلمان مذہبی، تعلیمی، تبلیغی اور معاشرتی نیز اقتصادی حقوق کی حفاظت کرنے سے محروم ہو جائیں گے، پس معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے الیکشن میں حصہ لینا ووٹ دینا، امیدوار ہونا اور انتخابی مہم چلانا صحیح ہے۔

ب۔ ووٹ دینا شرعاً واجب ہے:

شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت، امانت، سفارش، وکالت اور سیاسی بیعت کی سی ہے، گواہی نہ دینا، غلط طریقے سے دینا، ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا اور امانت میں خرد برد کرنا حرام ہے۔

قرآن کریم میں ہے: "**فإن أمن بعضكم بعضا فليؤد الذى اؤتمن أمانته وليتق الله ربه ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**" (سورۂ بقرہ، ۲۸۳)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "**من كتم شهادة إذا دعى إليها كان كمن شهد بالزور**" (جمع الفوائد ۱، ۶۲) (جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "**ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادة قبل أن يسئلها**" (ایضاً ۱، ۲۶۱) (کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون

Marfat.com

ہے، وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کردے)، ووٹ بھی بلا شک و شبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، انتخابات سے مسلمانوں کے ملی و مذہبی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں جس کا مشاہدہ ہے، لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ زیادہ سے زیادہ ووٹ کا صحیح استعمال کریں۔

ج-فرقہ پرست جماعتیں:

تنظیم، جماعت اور پارٹی بعد میں بنتی ہے، اس کی بنیاد وہ مرکزی نقطہ ہوتا ہے جس کے اشارہ پر تنظیم جنبش کرتی ہے، کبھی کسی ممبر کا مسلمانوں کے ساتھ مناسب رویہ ہو تو اس سے ان کی جماعتی فکر اور وفاداری پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ عصری سیاست کا یہ کمال ہے، ہندوستان میں جو تنظیمیں اسلام اور مسلمانوں کے حسد میں جھلس رہی ہیں، مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحبؒ نے ان کی نبض شناسی یوں کی ہے: ''اس کا اصل مزاج اور اس کے وعدے اور ارادے نہیں بدلے، وہ اکثریت کے نہ صرف سیاسی و انتظامی اقتدار بلکہ ثقافتی، تہذیبی، تعلیمی، لسانی اور ایک حد تک اعتقادی اقتدار بلکہ انقلاب کی قائل وداعی اور ایک طرح سے تہذیبی، ذہنی نسل کشی کی قائل ہے، اور اس کے لئے بتدریج عمل کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے، اس میں یونیفارم سول کوڈ، تعلیم گاہوں میں زبان اور رسم الخط کا تغیر، ہندو علم الاصنام، اجودھیا مندر کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں، موجودہ وزیر اعظم کی ثناء گوئی یوں کی گئی، آپ خلیق ہیں، نرم مزاج ہیں، مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں اور سیکولرزم کے پابند ہیں، جناب آج بھی بزعم خود جمہوری اصولوں کے کاربند ہیں، ان کی سینہ زوری کو حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے: خود اٹل بہاری باجپئی نے اپنے انٹرنیٹ کے ایک مضمون میں اس بات کا فخریہ اعلان کیا ہے کہ ان کی رگوں میں جو روح کارفرماں ہیں وہ آر ایس ایس کی پروردہ ہے'' (کاروان زندگی ۷/۱۱۵، ۱۱۶)۔

Marfat.com

یہ فرقہ پرست جماعتیں کبر ونخوت اور مسلم دشمنی کی شکار ہیں، پس اس طرح کی جماعت اوراس کے ممبران کوووٹ دیناظلم کرنے کے مرادف ہے۔

بدی اور ظلم پر مدد کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"، علامہ ابن کثیرؒ نے بروایت طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کے لئے چلا وہ اسلام سے نکل گیا''۔

تفسیر روح المعانی میں آیت کریمہ "فلن أکون ظهیرا للمجرمین" کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز آواز دی جائے گی کہ کہاں ہیں ظالم لوگ؟ اوران کے مددگار، یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کے دوات، قلم کو درست کیا ہے، وہ سب ایک لوہے کے تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے'' (معارف القرآن ۲۵-۳)۔

یہ فرقہ پرست پارٹیاں ظالم ہیں، ان کے مظالم روز روشن کی طرح عیاں ہیں، ان وعیدوں کے بعد بھی کس کی ہمت ہے کہ وہ ان کے قریب ہوں، اس کے بعد بھی ووٹ دیتا ہے، یا ممبری قبول کرتا ہے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا، نیز ووٹ دینے میں ملت اسلامیہ کے لئے مضرت ہے جس کا ہمیں مشاہدہ ہے، لہذا جن جماعتوں کا مطمح نظر ملت اسلامیہ کو ذلیل اور ختم کرنا ہے، انہیں ووٹ دینا یا ان کی جماعت میں شریک ہونا درست نہیں۔

د- غیر مسلم سیاسی جماعتوں میں شرکت:

ہر وہ معاملہ جس میں ملی، مذہبی، تعلیمی اور اقتصادی فوائد ہوں ان کے لئے غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے اوران میں شرکت درست ہے، چونکہ ان پارٹیوں کے منشور میں بھی یہی باتیں ہوتی ہیں، تو پھر یہ معاہدے خیر میں تعاون کے مثل ہوں گے، اور ہمیں تعاون کا حکم ہوا

Marfat.com

ہے:"وتعاونوا علی البر والتقوی"، محسن انسانیت ﷺ کا معاہدہ یہود اور حلف الفضول سے مقصود یہی تھا، ہمارے اسلاف نے کانگریس میں شرکت انہی اغراض سے کی تھی۔

۵-انسانیت کی بہتری کی تدبیر کرنا:

"وتعاونوا علی البر والتقوی" اللہ تعالی نے غیروں سے معاملہ کرنے کے اہم قاعدہ اور اصول بتائے ہیں، علامہ رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں: "البر اسم لمجموع ما يتقرب به إلى الله تعالى من الإيمان والأخلاق والآداب والأعمال وكل واحد منها يعد خصلة أو شعبة من البر" (تفسیر قرآن ا-۴۳۹) (بر، ان اعمال کے مجموعہ کا نام ہے جس کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی حاصل کی جاتی ہے، نیکی، ایمان، اخلاق، آداب اعمال میں ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک بہترین عادت اور نیکی کا شعبہ شمار ہوتا ہے)، خلاصہ یہ کہ بر بہت جامع مفہوم رکھتا ہے، نیکی کی چھوٹی بڑی قسم اس کے اندر آ جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان، غیر مسلموں کے ساتھ فلاحی کاموں میں تعاون کر سکتے اور لے سکتے ہیں۔

۶-(الف) مخلوط آبادی:

مشترکہ آبادی اختیار کرنے میں دو مسئلے پیدا ہوں گے: ایک اسلامی تعلیمات واخلاق کی قولاً عملاً تبلیغ کرنا، دوسرا مسئلہ ہماری نسلوں پر غیر اسلامی تہذیب کا اثر پڑنا، دونوں مسئلے اہم ہیں، لہذا غیر مسلموں میں اس نیت سے رہائش اختیار کرے کہ انہیں اسلام کی دعوت دے گا اور ان کو مسلمان بنائے گا اور جو مسلمان وہاں مقیم ہیں انہیں شریعت کے احکام بتلائے گا اور ان کو دین اسلام پر جمے رہنے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب دے گا، اس نیت سے رہائش اختیار کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، حضرت مفکر اسلامؒ اسی کے قائل اور داعی رہے، چنانچہ اس آیت

Marfat.com

کریمہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"یا ایها الذین آمنوا ان تتقوا الله یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیئاتکم ویغفر لکم والله ذو الفضل العظیم" (انفال:۲۹) (اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور تقوی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے اندر ایک شان امتیازی پیدا کر دے گا اور اللہ بڑا فضل والا ہے)۔

حیرت اور بڑی ندامت اور تاسف کی بات ہے کہ مسلمان کسی ملک میں اتنی بڑی تعداد میں موجود ہوں اور اس ملک کے باشندوں پر اثر نہ پڑے اور زندگی ایک ہی رخ پر چلتی رہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے "ان تتقوا الله" پر پورا عمل نہیں کیا، آگے فرماتے ہیں کہ بعض ملکوں میں جن میں مسلمان تھوڑی تعداد میں بھی پہنچے ہیں ان میں انقلاب آ گیا، ترکی، اسپین، اور افریقہ کے کتنے ملکوں میں قوت و وسعت کے ساتھ اسلام پھیلا اور ان ملکوں کا صدیوں تک کا طرز زندگی بدل ڈالا۔

نیز فرماتے ہیں: "ہندوستان بہر حال ہمارا وطن ہے، ہم کو اللہ نے یہاں پیدا کیا ہے اور ہمارے لئے اس سرزمین کا انتخاب کیا، آدمی کو اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے، یہ ہمارا گھر ہے، اس میں ہمیں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے لوگوں کی اصلاح ہو، بلکہ زندگی میں انقلاب آئے، تمام دنیا میں جو اندھیرا ہو رہا ہے اس میں کمی ہو، ظلم بند ہو، خدا کا خوف عام ہو، انسانیت کا احترام پیدا ہو" (کاروان زندگی ۲۶۰-۷)۔

یہ بھی صحیح ہے کہ جوار اور تہذیب کا اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مدنی آقا نے یوں فرمایا: "من جامع المشرک وسکن معه فإنه مثله" (ابوداؤد ار ۳۸۵) (جو شخص مشرک کے ساتھ موافقت کرے اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے وہ اسی کے مثل ہے)، عرف عام میں موافقت دوسرے کی بات کی تائید اور اس کا طرز عمل اختیار کرنے کو کہتے ہیں، اب ارشاد نبوی کا

Marfat.com

مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مشرکین کا ہم خیال اور ان کے طرز عمل اور بود و باش کو اختیار کرتا ہے اس کا شمار مشرکین میں ہوگا، اس مؤمن میں شمار نہیں ہوگا جو دعوت اسلامی اور تعلیمات نبوی کی تبلیغ کے لئے مشرکین کے مابین رہائش اختیار کرتا ہے۔ ایک طرف تعلیمات اسلامی کی تبلیغ اور دوسری طرف تہذیبی اثر بظاہر دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایسا نہیں ہے، کیونکہ ہمارے ذہن میں یہ کیوں آیا کہ ہماری نسل غیر اسلامی تہذیب کا شکار ہو جائے گی ہمارے ذہن نے اس کی ہدایت کیوں نہ کی کہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک پرکشش معاشرہ تشکیل دیں، اس میں ہماری نسل صوم وصلاۃ کی پابند ہو اور غیر مسلم بھی راحت کی سانس لیں، اگر بالفرض ایک علاقہ مخصوص کرلیں اور ہمارا مزاج تعلیمات نبوی میں ڈھل نہ سکے تو نسل کا مسئلہ دور اپنی خیر منانا پڑے گا، لہذا علاحدہ رہائش کی فکر کے بجائے مخلوط آبادی میں تعلیمات نبوی پر عمل کرنا چاہئے اور خوشگوار ماحول میں حکمت و مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری نسل انشاء اللہ ان کی تہذیب سے محفوظ رہے گی۔

ب- غیر مسلموں کے جنازے میں شرکت اور ان پر قرآن خوانی کرنا:

"ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم" (توبہ، ۱۳)(نبی اور جو مؤمنین ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں، جب ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ اہل دوزخ ہیں) اور ارشاد ہے: "وما كان استغفار ابراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه" (سورۂ توبہ، ۱۱۴)۔ (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے حق میں دعا مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے

Marfat.com

اس سے کرلیا تھا، پھر جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے)، کیونکہ جب موت کفر پر ہوئی تو شائبہ مغفرت بھی نہیں رہا، اس لئے کہ ارشاد باری ہے: "ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره" (سورۂ توبہ/ ۸۴) (اور ان میں سے کوئی مرجائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھئے، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے جلوس جنازہ میں شرکت کرنے، ان کے کریا کرم کے وقت کھڑے ہونے، ساتھ میں چلنے، کندھے دینے، غم کا اظہار کرنے اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنے اور ان پر قرآن خوانی کرنے کی شریعت میں گنجائش نہیں۔

ج- غیر مسلموں کے تحفے:

یہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک شادی، بچہ کی پیدائش اور دوکان و مکان کے افتتاح کے موقع پر ایسے تحفے کا لینا جائز ہے، "ولا بأس بطعام المجوسی کله إلا الذبیحة فإن ذبیحتهم حرام" (عالمگیری ۵/ ۳۴۸) (سوائے مجوس کے ذبیحہ کے تمام کھانوں میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے)۔ دوسرا تحفہ جو مندروں، تیرتھ گاہوں اور استھانوں کا چڑھاوا ہوتا ہے، اس کو پرشاد کہتے ہیں، اس کا قبول کرنا اور کھانا حرام ہے، کیونکہ وہ سب "ما ذبح علی النصب" میں داخل ہیں۔

د- غیر مسلموں کے مذہبی امور میں چندہ دینا:

مسلمان کا غیر مسلموں کے مذہبی امور میں چندہ دینا صحیح نہیں، کیونکہ یہ بھی تعاون علی الاثم ہے، البتہ چندہ لینے کی گنجائش ہے بشرطیکہ وہ ثواب یا اجرت کے طور پر دیں، اگر سیاسی غرض یا اس نیت سے چندہ دیں کہ مندروں کی تعمیر یا مذہبی امور میں چندہ لیں گے تو پھر ایسے چندہ کا قبول کرنا جائز نہیں، کیونکہ فی نفسہ چندہ دینا غلط نہیں بلکہ اس چندہ کا استعمال غلط موقع پر کرنا

Marfat.com

ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:"إنه ليس عليها منكرا وإنما المنكر في استعمالها المحظور"(۳۴۸/۵)۔

۵(الف)-غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت:

غیر مسلموں کی تقریبات کئی طرح کی ہوتی ہیں:

۱-مثلاً شادی کی تقریب تو اس میں شرکت کی گنجائش نکل سکتی ہے، کیونکہ شادی کے موقع سے شرکت کی غرض مسرت کا اظہار اور مبارک باد دینا ہے۔

۲-غیر مسلموں کے یہاں بوقت موت بھی تقریب ہوتی ہے، اس میں شرکت کی گنجائش نہیں، قران کریم میں ہے:"ولا تصل على أحد منهم مات أبدا ولا تقم على قبره"، جب قبر پر قیام کی گنجائش نہیں تو شرکت کی اجازت کیوں کر ہو، کیونکہ شرکت میں وقت خرچ ہوگا۔

۳-غیر مسلموں کی موت کے چند دنوں بعد ایک تقریب ہوتی ہے، اس میں قریبی رشتہ دار اور دوست جمع ہوتے ہیں اور تعزیتی کلمات کہے جاتے ہیں، اس تقریب میں شرکت اور تعزیتی کلمات کہنے کی اجازت ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:"إذا مات الكافر قال لوالديه أو قريبه في تعزيته أخلف الله عليك خيرا منه وأصلحك أى أصلحك بالاسلام ورزقك مسلما لأن خيرية به تظهر"(۳۴۸/۵)(جب کافر کا انتقال ہوجائے تو اس کے والد یا رشتے دار سے تعزیت کے طور پر یوں کہے: اللہ تم کو اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور تمہاری حالت درست کرے، یعنی اسلام کی توفیق دے کر تمہارا حال درست فرمائے، اور تم کو مسلمان بچہ عنایت کرے، کیونکہ اسی سے بہتری ظاہر ہوسکتی ہے)۔

۴-پوجا پاٹ وغیرہ کی بھی تقریب ہوتی ہے جس میں شرک اور کفر کے افعال اور

Marfat.com

اقوال انجام دیئے جاتے ہیں اور شرک وکفر اللہ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہے: "**إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك**" (سورۂ نساء:۱۴۸)۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی تقریبات جب منکرات سے خالی نہیں ہوتیں تو غیر مسلموں کی تقریبات کا کیا کہنا، ان کی تقریبات کا مطلب لہو ولعب اور افعال کفر وشرک ہوتا ہے، پس غیر مسلموں کی وہ تقریبات جو لہو ولعب اور افعال کفر وشرک پر مشتمل ہوں ان میں شرکت درست نہیں۔

(ب)-تہواروں پر مبارکباد دینا:

"**ولئن اتبعت أهوائهم بعد الذى جاءك من العلم مالك من الله من ولى ولا نصير**" (سورۂ بقرہ ۱۲۰) (اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لئے اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی یار ہوگا اور نہ مددگار)۔

جب امت کو غیر مسلمون کی خواہشات سے اجتناب کا اس قدر صریح حکم ہے تو مبارکباد دینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، اس لئے کہ مبارکباد دینے کا مطلب ان کی خواہشات کی تائید کرنا ہے، تائید کبھی صراحتا ہوتی ہے اور کبھی اشارۃ اور مبارکباد دینا اشارۃً تائید ہے، پس مبارکباد دینا جائز نہیں۔

۳-(الف) پرچم کشائی اور سلامی:

پرچم کشائی اور سلامی دو نیتوں سے ہوگی، پرچم کشائی اگر بندگی کے طور پر کی گئی تو حرام ہے، کیونکہ بندگی صرف اللہ پاک کی ہوگی۔ "**یا ایها الناس اعبدوا ربكم الذى خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون**" (سورۂ بقرہ/۲۱) (اے انسانو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے قبل والوں کو، عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ)، آیت ربانی سے

Marfat.com

اس امر کا اظہار ہوا کہ بندگی صرف اللہ رب العزت کی ہوگی، کیونکہ اللہ نے ہی نیست سے ہست اور عدم سے وجود بخشا، اس میں اس کا کوئی معاون نہیں، پھر بندگی کسی اور کی کیوں؟ اسلام نے صرف طواف کعبہ کے لئے اور حجر اسود کے بوسہ دینے کے لئے اور سلامی کے لئے قیام کی اجازت دی ہے، اس لئے تکریم واحترام کی منشاء سے بھی سلامی اور قومی پرچم کشائی کی گنجائش نہیں، خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ حج کے لئے تشریف لائے، حجر اسود کے بوسہ دینے کے بعد فرمایا: ''إنی **لأعلم أنک حجر لا تضرولا تنفع ولولا أنی رأیت النبی ﷺ یقبلک ما قبلتک**'' (بخاری ۱/۲۱۷) (میں بخوبی جانتا ہوں کہ تو پتھر ہی ہے نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع، اگر میں اللہ کے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا)۔

البتہ بوقت پرچم کشائی دیکھا دیکھی کھڑا ہوا تو عالمگیری سے اس جزئیہ سے پرچم کشائی اور سلامی کے لئے قیام کی اجازت نکل سکتی ہے: ''**إذا دخل ذمی علی مسلم فقام له إن قام طمعا فی إسلامه فلا بأس به**'' (اگر کوئی کافر مسلمان کے پاس آئے اور مسلمان اس کے اسلام قبول کرنے کی امید پر کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں)، لیکن ظاہراً مشابہت اور بھیڑ میں باعث اضافہ ہوگا، اسلام اپنے چاہنے والوں پر ایک الگ رنگ کا طالب ہے جس میں کسی رنگ کی مماثلت نہ ہو، ارشاد باری ہے: ''**صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عابدون**'' (سورۂ بقرہ/۱۳۸) (اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ ہے ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں)، لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے پرچم کشائی اور سلامی صحیح نہیں۔

ب-مشرکانہ ترانے:

مشرکانہ گیت اور ترانے کو مشرکانہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں مخلوق کو خالق کا مقام دے دیا گیا، حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

"هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" خطاب عام نوع انسانی سے ہے، ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود ومطاع ہو پھر یہ کیسی حماقت کہ تم اور کسی مخلوق کو مقصود ومطاع بنالو، آیت ہر قسم کی شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کافی ہے، علامہ رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں:"والأنداد عند جمهور المفسرين أعم من الأصنام والأوثان فيشمل الرؤساء الذين خضع بعض الناس خضوعا دينيا" (تفسیر قرآن ار ۷۴، ۷۶، ۷۷، ۷۸) (جمہور مفسرین کے نزدیک انداد اصنام سے عام ہے اس کے معنی میں سرداران قوم بھی شامل ہیں)۔

مذکورہ آیات اور تفسیری آراء سے ثابت ہوا کہ جن اشعار، گیت اور القاب وآداب میں شرک پایا جائے ان کا پڑھنا اور استعمال کرنا جائز نہیں، پس وندے ماترم کے پڑھنے کی اجازت کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ اس کے لئے قیام کی بھی اجازت نہیں۔

(ج) غیر مسلم کے فیصلے:

"فإن تنازعتم فی شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تومنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تاويلا" (نساء/۵۹) (پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹالیا کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے، اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:"ومنها الإسلام إلى قوله لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهولاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات وهي الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى" (بدائع الصنائع ۳/۷) (آداب قاضی میں سے یہ ہے کہ قاضی مسلمان ہو، کیونکہ قضاء باب الولایات میں بڑی ولایت ہے اور بچے اور کافر

Marfat.com

ادنی ولایت کے بھی اہل نہیں اور ادنی ولایت شہادت کا درجہ ہے، پس یہ لوگ اعلی درجہ کی ولایت کے بدرجہ اولی اہل نہیں)۔

پس عبارت بالا سے ثابت ہوا کہ قاضی کو مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہے اور کافر کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں، نیز اگر دونوں فریق مسلمانوں ہوں تو انہیں کافر کو حاکم بنانا جائز نہیں اگر بنایا تو گنہگار ہوں گے، ارشاد باری ہے: "لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء إلا أن تتقوا منه تقة" (سورۂ آل عمران ر ۲۸) (ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو حاکم نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ رکھتے ہو)۔

صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی نے اندیشہ کی وضاحت یہ کی ہے: "إلا أن تخافوا من جهتهم أمرا یجب اتقاه" (مگر جب کہ تمہیں ان کی طرف سے کسی ایسی بات کا ڈر ہو تو اس سے بچنا ضروری)، پس معلوم ہوا کہ بخوشی کافر کو ثالث مقرر کرنا جائز نہیں الا یہ کہ ضرر کا اندیشہ ہو، اگر فریقین مسلمان ہیں تو ان کے لئے عرفی عدالتوں میں جانا جائز نہیں اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک گیا تو بوقت مجبوری ثانی کا بھی جانا جائز ہوگا، کیونکہ فریق ثانی کی عدم حاضری کی صورت میں سزا ہوگی، اور دونوں فریقوں میں سے جس کے حق میں فیصلہ ہوا تو اگر شرعی طور پر حق دار ہے تو اس حق کا لینا صحیح ہے اور اگر کافر حاکم نے نامعتبر اور ناکافی شہادتوں کی بنا پر فیصلہ کر دیا تو جس کے حق میں یہ فیصلہ ہوا ہے وہ دیانتاً نافذ نہیں ہوگا (تفسیر قرآن ار ۲۰۳)۔

۴-(الف) منزل ایک ہی ہے:

یہ کہنا کہ راستے الگ الگ ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے عہد نبوی میں بھی مشرکین اسی

Marfat.com

جیسی بے ہودہ باتیں کرتے تھے، صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں:"قال مقاتل یعنی مشرک العرب کذلک قالوا فی نبیهم وأصحابه أنهم لیسوا علی شیء من الدین" (تفسیر قرآن ۱/ ۲۲۲) (امام مقاتل فرماتے ہیں کہ اسی طرح مشرکین عرب آپ ﷺ اور صحابہؓ کے بارے میں کہتے کہ یہ لوگ کسی مذہب پر نہیں)، ایمان والوں کی زندگی اصول پر مبنی ہوتی ہے اور یہ اصول اور ضوابط بواسطہ نبی حجۃ الوداع کے موقع پر مکمل کئے گئے اور آپ کی ۲۳ سالہ عملی زندگی اصول وضوابط کے لئے سنگ میل ہے تو پھر اسلام اور افکار باطلہ دونوں کی منزل ایک کیوں کر ہوگی، لہذا یہ کہنا کہ راستے الگ الگ ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے اسلامی نقطہ نظر سے ایک غلط بات ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ عملاً وقولاً اس کی تردید کریں۔

(ب) ظلم اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرنا:

ارشاد ربانی ہے:"فلولا کان من القرون من قبلکم أولو بقیة ینهون عن الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منهم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانوا مجرمین" (سورۂ ہود/ ۱۱۶) (جو امتیں تم سے پہلے گذر چکیں ہیں ان میں ایسے باشعور انسان کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی پھیلانے سے روکتے، ہاں ایسے تھوڑے سے تھے جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے ان ہی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش وآرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے)، پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں پر اخلاقی بگاڑ اور مالی استحصال اور کمزوروں پر مظالم اور رسوم ولوازم کا احتساب ضروری ہے۔

نیز ارشاد ہے:"کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله" (سورۂ آل عمران/ ۱۲۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)، ملت اسلامیہ پر لازم ہے کہ مظلوموں کی اعانت کریں یہ ان کا ایک مذہبی فریضہ ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انصر أخاک ظالما أو مظلوما، فقال رجل يا رسول الله أنصره مظلوما كيف أنصره ظالما، قال: تمنع من الظلم فذلك نصرک إياه" (مسلم ۲/ ۳۲۰) (اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم، سائل نے عرض کیا اللہ کے رسول مظلوم کی مدد کر سکتا ہوں ظالم کی مدد کا کیا طریقہ ہے، فرمایا: ظلم سے روک دو یہی تمہاری ظالم کے ساتھ مدد ہے)۔

لہذا غیر مسلموں کا وہ طبقہ جو غیر مسلموں ہی کی اعلی ذاتوں کے ظلم کا شکار ہے اس کی اعانت کی جائے، بلا اس کی فکر کئے ہوئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے یا نہیں، مگر عصری سیاست پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ اعلی ذات والے ہماری اعانت کا مقصد کچھ اور نہ سمجھ بیٹھیں۔

ج: خدمت خلق کے لئے اداروں کا قیام:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اطعموا الجائع وعودوا المريض وفكوا العاني" (بخاری ۲/ ۸۴۳) (بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو، قیدی کو قید سے چھڑاؤ)۔

حدیث پاک میں خدمت خلق کی تین صورتیں بیان ہوئیں، ۱- بھوکوں کو کھانا کھلانا، ۲- بیمار کی مزاج پرسی کرنا، ۳- کوئی ناجائز مقدمات میں گرفتار ہو تو اسے چھڑانا، اللہ نے حیثیت دی ہو تو اس کی ضمانت کرادے، موقع پر پیسہ خرچ کردے۔

حدیث پاک سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدمت کی صورت میں یہ نہ دیکھا جائے کہ مبتلا بہ کی فکر کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء" (مشکوۃ ۲/ ۴۲۳) (اللہ رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے، تم

Marfat.com

زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا)۔

"ارحموا من فی الارض" میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان ہی نہیں بلکہ کوئی بھی مخلوق ہو اس پر بھی رحم کیا جائے، لہذا اسپتال وغیرہ کو مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس خدمت خلق میں ملت اسلامیہ پر بھی یکساں توجہ رہے۔

د۔ ریلیف کی تقسیم:

ریلیف کمزور، مظلوم اور مصیبت و آفت زدہ لوگوں کی خدمت کا ایک بڑا ذریعہ ہے، عصر حاضر میں امداد اور تعاون کے نام سے بڑے بڑے ادارے قائم ہو چکے ہیں، موجودہ حالات میں کہ فرقہ پرست تعاون کرنے میں مذہب، ملت اور فکر کے زاویہ سے نگاہ ڈالتے ہیں، پھر مصیبت زدہ کی مصیبت پر نظر عنایت کرتے ہیں، یہ ان کا ظرف، ان کی تعلیم اور ان کی ہی تربیت ہوتی ہے، انہیں ان کی تربیت گاہوں سے فرقہ پرستی کا چشمہ لگا کر بھیجا گیا ہے، وہ اس چشمے سے مسلمانوں کو تعاون کا مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ مسلمانوں کے نام پر آئی ہوئی امداد کو ہڑپ لیا اور اپنے ووٹروں پر تقسیم کر دیا، یہ تو ہوتا ہی رہے گا، ہمارا ظرف یہ ہونا چاہئے کہ مذہب وملت سے ماوراء ہو کر پریشان حال کی پریشانی کو دور کریں، ہمیں ہر وقت اپنے نبی ﷺ کی اس بے مثال ہدایت پر عمل کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ" (مشکوۃ) (جس شخص نے کسی تنگ دست کے لئے آسانی کی اللہ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا)۔

پس مسلم تنظیموں کا رویہ برادران وطن کے ساتھ ہمدردانہ اور اخوت و تعاون کا ہونا چاہئے، ورنہ پھر فرقہ پرست اور مسلمانوں میں کس بات کا امتیاز ہوگا؟۔

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی
(رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

ابتدائیہ:

اسلام نے انسان کو خواہ وہ جس مذہب اور جس ملک سے تعلق رکھتا ہو محترم و مکرم قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: "**ولقد کرمنا بنی آدمی**" (سورۂ بنی اسرائیل / ۷۰) (بے شک ہم نے انسان (بنی آدم) کو عزت و تکریم بخشی)۔

یہاں سب بنی آدم مراد ہیں، صرف مسلمان نہیں ہیں، مزید ارشاد یوں ہے: "**لقد خلقنا الإنسان فی أحسن تقویم**" (سورۂ تین / ۴) (یقیناً ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا)۔

واضح ہو کہ ہر انسان خواہ کسی بھی مذہب و ملت پر ہو اچھی صورت اور عزت و تکریم والا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إن اللہ خلق آدم علی صورتہ**" (مشکوۃ) (یقیناً اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)۔

دوسرے لفظوں میں انسان تخلیق الہیہ کا شاہکار ہے، لہذا وہ روح کائنات اور اصل حیات ہے، رہا مذہب تو وہ اس کے تشخص کا ذریعہ ہے، جس طرح قوم و قبیلہ تشخص کا ذریعہ ہیں، اسلام اولاد آدم کو وحدت واکائی تصور کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: "**ھو الذی خلقکم من نفس**

Marfat.com

واحدة" (سورۂ اعراف/۱۸۹) (اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے)۔

قرآن حکیم سراپا رحمت ہے، وہ بلا وجہ انسانوں سے مقاطعت کا حکم نہیں دیتا، وہ تو بنی نوع انسان کو ساتھ لے کر چلنے کا حکم دیتا ہے، اس کا خطاب ہی الناس (سب لوگوں) سے ہے، "المسلمون" (صرف مسلمانوں) سے نہیں۔

ایک قاعدہ کلیہ:

اگر مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے، انہیں گھروں سے نکالا جاتا ہے، یا انہیں گھروں سے نکالنے پر مخالفین کی حمایت کی جاتی ہے تو ایسے لوگوں سے قلبی لگاؤ نہیں ہوسکتا، ان سے لگاؤ ظلم ہوگا، ارشاد خداوندی ہے: "إنما ينهكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا علی إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون" (سورۂ ممتحنہ/۹) (اللہ تعالیٰ تو صرف تمہیں ان لوگوں سے منع فرماتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا تمہیں نکالنے پر مدد کی، کہ ان سے دوستی کرو، اور جو ان سے دوستی کریں وہی ظالم ہیں)۔

اب رہی بات ان کی جو نہ مسلمانوں کو مارتے ہیں، نہ گھروں سے نکالتے ہیں اور نہ ہی گھروں سے نکالنے میں کسی گروہ کی مدد کرتے ہیں، تو ان کے لئے یہ حکم ہے، قرآن حکیم اعلان فرماتا ہے: "لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" (سورۂ ممتحنہ: ۸) (اللہ تعالیٰ تمہیں ان غیر مسلموں سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں)۔

Marfat.com

بات واضح ہوگئی کہ دشمن اور مخالفت کرنے والے غیر مسلموں کے علاوہ دیگر سب غیر مسلموں سے ہمیں حسن سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے معاملے میں انصاف کو لازم قرار دیا گیا ہے، دونوں آیات کے بین السطور سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کو صرف اسلام کی وجہ سے مارا جارہا تھا اور گھروں سے نکالا جارہا تھا، اس کے علاوہ مسلمانوں کا اور کوئی قصور نہیں تھا، وہ غیر مسلموں سے نہیں لڑ رہے تھے، بلکہ غیر مسلموں کی دہشت گردی کا شکار تھے۔

اس مختصری تمہید کے بعد ہم بھیجے گئے سوالات کے جوابات کی طرف آتے ہیں:

ا- الف: دور حاضر میں ووٹ بہت بڑی قوت ہے، اس سے قومی وملی تحفظ کا کام کیا جاسکتا ہے، اور کسی غیر مسلم حکومت کے اندر مختلف طبقات کی زیادتیوں سے بھی بچا سکتا ہے، یہ مسلمانوں کی شدید ضرورت ہے جس سے انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں سے بچا جاسکتا ہے اور ضرورت کے پیش آنے پر عمومی احکام بدل جاتے ہیں۔

علامہ وہبہ زحیلی نے اس نظریہ کی اس مقام پر طویل تفصیلات دی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ جمہوری نظام کئی معاملات میں اسلام سے میل نہیں کھاتا، مگر دیگر نظاموں سے اسلام کے نزدیک تر ہے، لہذا تغیر زمانی سے کچھ احکام کی تبدیلی کا نظریہ بھی اسلام کا مسلمہ نظریہ ہے: "لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الزمان" (زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں ہوسکتا)۔

اب جدید حالات میں ایسے ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں نظریہ ضرورت اور تغیر زمانی کی وجہ سے ملت کے مفاد میں الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور انتخابی مہم میں شریک ہونا شرعاً جائز ہوگا، اس طرح وہ اپنے حقوق کا پورا نہیں تو ایک حد تک تحفظ کرسکیں گے، معاشرے میں ان کی ایک آواز ہوگی اور وہ ایک حد تک اسلام کے اچھے اصولوں کو متعارف

Marfat.com

بھی کرائیں گے اور ابنائے وطن کے ساتھ عوامی فلاح و بہبود اور نیکی کے کاموں میں حصہ ڈال سکیں گے، یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"لا حرج فی الإسلام من قیام الدولة المسلمة بالتعاون مع المخلصین من غیر المسلمین سواء کانوا من أهل الکتاب أم من غیرهم أتباع الدیانات الأخری وذلک من أجل تحقیق الخیر المشترک والدفاع عن المصالح العامة والتعاون علی إقامة العدل و نشر الأمن وصیانة الدماء أن تسفک وحمایة الحرمات أن تنتهک ولو علی شروط یبدو فیها بعض الأحجاف، عملا بالمثل الرائع الذی وضعه لنا الرسول ﷺ فی صلح الحدیبیه: والله لا تدعونی قریش إلی خطة یسألونی فیها صلة الرحم ویعظمون فیها حرمات الله إلا أعطیتهم إیاه" (نیل الأوطار ۸/ ۳۴، الفقہ الإسلامی ۸/ ۶۴۱۸)۔

(اسلام میں کوئی حرج نہیں کہ اسلامی حکومت مخلص غیر مسلموں سے تعاون کرے، وہ غیر مسلم اہل کتاب ہوں یا دوسرے مذاہب کے ماننے والے ہوں، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس طرح مشترکہ بھلائی کے کام متحقق ہو سکتے ہیں اور مصالح عامہ کی تکمیل ہو سکتی ہے، عدل قائم کرنے میں تعاون ہو سکتا ہے، امن پھیل سکتا ہے، خونریزی سے بچا جا سکتا ہے، عزتوں کی بربادی سے بھی بچا جا سکتا ہے، بلکہ ایسی شرطوں پر بھی تعاون ہو سکتا ہے جن میں بہ ظاہر مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے، یہ حضور علیہ السلام کی شاندار مثال پر عمل ہوگا، جو آپ علیہ السلام نے صلح حدیبیہ میں ہمارے لئے وضع فرمائی تھی۔ الفاظ یہ تھے: قسم بخدا قریش بھی مجھے جب ایسی بات کی طرف بلائیں گے جس میں وہ صلہ رحمی کے طالب ہوں گے اور اللہ کریم کی حرمتوں کی تعظیم کریں گے تو میں وہ انہیں عطا کر دوں گا)۔

جب مسلمان اکثریت میں ہوں تو ان کی حکومت ایسا کر سکتی ہے، اور جب اقلیت میں

Marfat.com

ہوں تو ان باتوں کے حصول میں وہ غیر مسلم قوت سے بطور اولی تعاون کر سکتے ہیں۔

علامہ موصوف نے اگلے صفحات میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ایسا تعاون صرف اہل کتاب سے نہیں بلکہ ہر مذہب کے لوگوں سے ہوسکتا ہے (ملاحظہ ہوں: صفحات ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۶۴)۔

ہاں اگر اسمبلی میں ایسا بل پاس ہو رہا ہے کہ وہ اسلام کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے تو وہاں اس کے حق میں ووٹ نہ دیا جائے۔

(ب) اگر کوئی مسلم امیدوار انتخاب میں کھڑا ہے تو اسے لازماً ووٹ دیا جائے، غیر مسلم امیدوار کو اس امید پر ووٹ دینا کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرے گا، ضروری ہے، غیر جانبدار غیر مسلم کو ووٹ دینا مستحسن ہے، متعصب غیر مسلم جس سے اسلام کی مخالفت اور مسلمان دشمنی یقینی ہو ووٹ دینا حرام ہے، تو غیر مسلم ملک میں ووٹ کے استعمال کی یہ چار صورتیں ہیں، پہلی دو میں ووٹ لازم وواجب ہے، تیسری صورت میں مستحسن ومباح ہے، اور چوتھی صورت میں ممنوع وحرام ہے۔

آپ اگر ووٹ مسلمان کو دے رہے ہیں تو اس کی اہلیت اسلامی نکتہ نگاہ سے جانچی جائے گی، اور آپ اگر ووٹ غیر مسلم کو دے رہے ہیں تو اس کی اہلیت اس طرح جانچیں گے کہ وہ مسلم اقلیت کے کاز کے لئے کس حد تک مفید ہے، جو امیدوار زیادہ مفید ہوگا وہ ووٹ کا زیادہ حقدار اور اہل ہے، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ عدل وانصاف کے کام کرنے میں وہ کیسا ہے، رفاہی کاموں میں وہ کس حد تک مفید ہے، عظمتوں اور عزتوں کی حفاظت کر سکتا ہے یا نہیں، عوامی مسائل کے حل میں اس کا کردار کیا ہے، اس جانچ کے بعد آپ اسے ووٹ دیں گے، حکم قرآن پاک ملاحظہ فرمائیں: "**إن الله يأ مركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل**" (سورہ نساء ر ۹۴) (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں

Marfat.com

اہل لوگوں کو دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو)۔

اب جو اہل ہو، انصاف والا ہو وہی ووٹ کی امانت کا حق دار ہوگا۔

(ج) ایسی جماعتوں کو ووٹ دینا جو اسلام اور مسلمانوں کی سخت مخالف اور دشمن ہیں، جو موقع ملنے پر مسلمانوں کو قتل کرتی ہیں، مال لوٹتی ہیں، عمارات جلاتی ہیں، عصمتیں تباہ کرتی ہیں، شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ارشاد ربانی ہے: "ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" (سورہ ہود، ۱۱۳) (ظالموں کی طرف میلان نہ کرو پھر تمہیں آگ چھولے گی)۔

اس حکم خداوندی نے ایک قاعدہ بتا دیا کہ ظالم کا ساتھ نہیں دینا ہے، اب غیر مسلم ملکوں میں جن جماعتوں کا شیوہ ہی مسلمانوں کو مارنا، قتل کرنا، عزت لوٹنا، گھر جلانا اور مال تباہ کرنا ہے، وہ ظلم کی انتہا کر رہی ہیں، لہذا ان سے تعاون شرعاً حرام ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان سے تعاون کر کے اپنی تباہی کا سامان کیا جائے۔

رہی یہ بات کہ ایسی جماعتوں کا کوئی ممبر ذاتی طور پر نیک خصلت ہو تو اس سے تعاون کیا جائے یا نہیں؟ تو مسئلہ کی نوعیات الگ ہیں، یہ بات تو واضح ہے کہ وہ اسمبلی میں اپنی پارٹی کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکے گا، اگر وہ اسمبلی تک ہی محدود ہے تو اسے ووٹ دینا ہرگز جائز نہیں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ کے حکام سے رابطہ رکھتا ہے، اس کا اثر ہے اور یقین ہے کہ وہ مسلمانوں کا تحفظ کرے گا تو پھر اسے ووٹ دینا جائز ہوگا۔

اب تیسری شق کی طرف آتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کو خود ایسی جماعتوں میں شامل ہونا جائز ہے، اوپر والی قرآنی آیت کی روشنی میں یہ قطعاً جائز نہیں ہے، بہت سارے غیر مسلم ممالک میں ایسے مسلمانوں کے تعاون کے مثبت نتائج نہیں نکلے ہیں، بلکہ الٹا انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے، یہ وہ حقائق ہیں جنہیں دنیا بھر کے مسلمان جانتے ہیں، لہذا ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جانے سے اجتناب بہتر ہے۔

Marfat.com

(د) ملی مفادات کے تحت انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کئے جاسکتے ہیں، ان میں شراکت بھی کی جاسکتی ہے، اور حمایت بھی ہوسکتی ہے، ہم اوپر جز (الف) میں الفقہ الاسلامی ۸/ ۸۴۱۸ کے مصنف علامہ زحیلی کے حوالے سے بات کر آئے ہیں، سیدنا رسول مکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ فرمایا تھا اور جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا وہ ہم نیل الاوطار علامہ شوکانی ۸/ ۳۴ کے حوالے سے مذکورہ بالا عبارت میں نقل کر چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ زحیلی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

"والخلاصة أن الاسلام لا يتوانى لحظة واحدة عن سعيه لإقامة علاقات طيبة مع غير المسلمين لتحقيق التعاون البناء في سبيل الخير والعدل والبر والأمن و حماية الحرمات ونحو ذلك" (الفقہ الاسلامی ۸/ ۶۴۲۱) (خلاصہ کلام یہ ہے کہ یقیناً اسلام ایک لمحہ کے لئے اپنی اس تگ ودو میں سستی نہیں کرتا کہ غیر مسلموں کے ساتھ پاکیزہ رابطے رکھے تاکہ ایسے تعاون کا تحقق ہوسکے، جو خیر کے راستے، عدل، نیکی، امن اور عزتوں کے تحفظ وغیرہ پر مبنی ہو)۔

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ ہر قسم کے غیر مسلموں سے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں اور ان سے مدد بھی کی جاسکتی، نیز انتخاب کے موقع پر ایسے روابط ومراسم بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت ہے۔

(ھ) اگرچہ اس سوال کا جواب شق (د) میں ضمناً آ گیا ہے، مگر ہم اس کی کچھ مزید وضاحت کئے دیتے ہیں، قرآن حکیم کا ارشاد ہے: "وتعاونوا على البر والتقوى" (سورہ مائدہ/ ۲) (اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرو)۔

معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا، معاشرے میں عدل وانصاف اور سلامتی کی فضا قائم کرنا، مریضوں کی دیکھ بھال دواؤں اور رقوم سے کرنا، نادار

Marfat.com

طلباء کی لباس، کتب اور غذا سے مدد کرنا وغیرہ سب برّ (نیکی) میں شامل ہیں اور متقی انسانوں کا یہ شیوہ ہیں۔

اسلام سلامتی، عدل وانصاف، رواداری اور فلاح انسانیت کا مذہب ہے، ہمیں تو جہاد کے دوران میں بھی نبی رحمت ﷺ نے کفار کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ میں لوگوں کی بہتری کے لئے حضور ﷺ نے یہود ونصاری اور مشرکین سے معاہدے کئے ہیں۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں: "أخرج الإمام أحمد وأبوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم عن أنس بن مالکؓ أن النبی ﷺ قال: جاھدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم" (امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا: مشرکوں سے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو) (الفقہ الاسلامی ۳/۲۰۱۴)۔

واضح بات ہے کہ استمالت قلبی کے لئے مالی امداد ہوگی، اگر تنظیمیں ہیں تو ان سے تعاون ہوگا، اور مل کر انسانیت کی بہبود کے لئے آگے بڑھنا ہوگا، مسلمان حکومتوں میں ذمیوں سے مل کر مسلمان ایسے سارے معاملات کرتے رہے ہیں تو کافر حکومت کے تحت اسلامی مصلحتوں کے لئے ایسا کرنا بہتر واولی ہوگا۔

انسانیت کی فلاح کے لئے ہم اپنے صدقات غیر مسلموں کو دے سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

"وتحل الصدقة أيضا على فاسق و کافر من يهود ونصراني أو مجوسي، ذمي أو حربي" (ایضا ۳/۲۰۵۷) (صدقہ فاسق اور کافر کو دینا جائز ہے، خواہ وہ یہودی ہو، نصرانی ہو، مجوسی ہو، ذمی ہو یا حربی ہو)۔

Marfat.com

یاد رہے کہ ذمی وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی ریاست کی ذمہ داری پر اسلامی ملک میں رہتا ہو، اور حربی وہ غیر مسلم ہے جو غیر اسلامی حکومت کے تحت رہ رہا ہو اور اس غیر اسلامی حکومت سے مسلمان حالت جنگ میں ہوں، غور فرمایئے اگر غیر مسلم حکومت کے تحت ایک غیر مسلم شخص کو صدقہ دیا جاسکتا ہے، جو خالص نیکی اور اسلامی تشخص کا کام ہے تو باقی معاملات جو خالص دنیوی مسئلہ ہیں وہ کیوں نہیں کیے جاسکیں گے؟

صاحب کتاب نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے قرآن حکیم سے دلیل لی ہے، ارشاد ربانی ہے:

"ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً" (اور وہ مسلمان اللہ تعالی کی محبت کی وجہ سے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔

مسکین اور یتیم تو مسلمان معاشرے میں موجود تھے، اسیر سے مراد تو اس دور میں صرف غیر مسلم جنگی شخص ہی بقول مصنف ہوسکتا ہے۔

صدقہ دیں، کھانا کھلائیں تو پھر دنیوی معاملات کیوں نہ کریں، صرف ضروری بات یہ ہے کہ آپ اپنی انفرادیت اور تشخص کو قائم رکھیں، اکثریت میں جذب نہ ہوجائیں، پھر کچھ اکثریتیں جذب کی مختلف تاریخی ادوار میں بہت شوقین رہی ہیں، لہذا ان کے ساتھ معاملات میں اپنے تشخص پر خصوصی توجہ ضروری ہے۔

۲-الف: اسلام کسی انسان سے مسلمانوں کو نفرت نہیں سکھاتا، اور بلا امتیاز مذہب وملت انسانیت کی خدمت کا درس دیتا ہے، مگر اسلامی اقدار کے تحفظ کو مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: "یا أیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة" (سورۂ بقرہ/۲۰۹) (مسلمانو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ)۔

اس سے واضح ہوا کہ مسلمان کے لئے اسلامی اقدار، معتقدات اور طرز زندگی پر عمل

Marfat.com

ضروری ہے، اگر ان معاملات میں پختگی ہے تو غیر مسلم معاشرے میں مل کر رہنے میں قطعاً حرج نہیں ہے، آپ کے اخلاق عالیہ اور اعمال فاضلہ سے لوگ متاثر ہوں گے، ہمارے اسلاف خواجہ اکبر سید معین الدین اجمیری، شیخ محترم سید نظام الدین اولیاء وغیرہ علیہم الرضوان نے غیر مسلم معاشرے میں رہ کر غیر مسلموں کو کتنا متاثر فرمایا، ہمیں بھی اسی انداز سے خدمت کرتے ہوئے اسلامی اقدار کو غیر مسلموں کے قلوب واذہان میں اتارنا چاہئے۔

اگر ہم خام ہیں اور اندیشہ ہے کہ غیر مسلم تہذیب کا ہم شکار ہو جائیں گے تو الگ آبادیوں میں رہنا بہتر ہے، مگر آج تو ساری دنیا ایک گلوبل ویلی بن چکی ہے، آپ کیسے بچ سکیں گے، بہر حال مسلمان زعماء، علماء اور مفکرین کوشش کریں تا کہ مسلمانوں کا تشخص بحال رہ سکے (وما ذلک علی اللہ بعزیز)۔

ب: ہر معاشرے کی کچھ اقدار ہوتی ہیں، اگر وہ شرک نہیں ہیں تو اسلام ان سے نہیں روکتا، مثلاً ایک کافر کو ایسی قدروں کے پیش نظر آپ اپنے کھانے میں شریک کر لیتے ہیں تو جائز ہے، اسی طرح اگر غیر مسلم حلال وطیب کھا رہا ہے تو آپ اس کے ساتھ کھا سکتے ہیں، مثلاً کاٹا ہوا فروٹ، چاول پکے ہوئے ہوں، اور ان میں کوئی حرام شے ملی ہوئی نہیں ہے تو آپ کھا سکتے ہیں، حالت اضطرار وضرورت میں بھی کھا سکتے ہیں اور حالت اختیار میں بھی کھا سکتے ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۴۴۲)۔

جلوس جنازہ میں بھی کوئی غلط از قسم شرک رسم نہ ہو تو شمولیت کر سکتے ہیں، عبرت کے لئے ان کی آخری رسوم میں بھی میت کے پاس رہ سکتے ہیں، صرف اپنے دل کو حسب ارشادات قرآنی اطمینان دولت ایمان سے دلانا ضروری ہے، اگر جبراً بھی آپ سے کوئی کام کرایا جا رہا ہو تو دلی اطمینان ایمانی ہونا ضروری ہے، ارشاد ربانی ہے: "إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان" (سورہ نحل/۱۰۶) (ہاں جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو)۔

Marfat.com

غیر مسلموں کے لئے البتہ قرآن پڑھنا اور اس کا ایصال ثواب کرنا شرعاً ممنوع ہے، رواداری کا یہ مطلب نہیں کہ شرعی اصولوں کو چھوڑ دیا جائے، قرآن حکیم پڑھ کر صرف مسلمانوں کو ہی ایصال ثواب ہوتا ہے، ہمارے چاروں مجتہد ائمہ کا یہی مسلک ہے، اطمینان قلبی کے لئے کچھ حوالہ جات پیش ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں سے کئی معاملات میں معاملہ کرنا جائز ہے:

''جس نے اپنے مجوسی کرایہ دار یا مجوسی خادم کو (گوشت خریدنے) بھیجا، اس نے گوشت خریدا اور واپس آ کر کہا کہ میں نے یہودی، عیسائی یا مسلمان سے خریدا ہے، تو یہ گوشت کھانا جائز ہے، کیونکہ معاملات میں کافر (مجوسی) کا قول معتبر ہے، یہ خبر صحیح ہے، کیونکہ عقل و دین رکھنے والے کی طرف سے صادر ہوئی ہے، وہ اپنے دین میں جھوٹ کو حرام سمجھتا ہے اور حاجت اس خبر کی قبولیت کی طرف متوجہ کرتی ہے، کیونکہ معاملات کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں'' (ہدایہ ۴/ ۴۵۳)۔

جو واقعات کثرت سے وقوع پذیر ہوں وہاں شریعت رعایت دیتی ہے اور عام حالات میں ممنوع چیز کی اجازت دے دیتی ہے، اب ایک قوم آپ کے غم و خوشی میں شریک ہوتی ہے تو جواباً آپ کو اپنا تشخص برقرار رکھتے ہوئے ان کے غم و خوشی میں شریک ہونا چاہئے، یہ عبارت خصوصی توجہ کی طالب ہے:

"ولا بأس بعيادة اليهودي والنصراني لأنه نوع برٍّ في حقهم وما نهينا من ذلك وصح أن النبي ﷺ عاد يهودياً مرض بجواره'' (ہدایہ ۴/ ۴۷۴ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان) (یہودی یا نصرانی کی بیمار پرسی میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ ان کے حق میں ایک قسم کی نیکی ہے، ہمیں اس سے (شرعاً) منع نہیں کیا گیا، اور یہ واقعہ صحیح ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے پڑوسی بیمار یہودی کی عیادت فرمائی)۔

Marfat.com

اس بات پر خصوصی توجہ فرمائیں کہ پیغمبر اعظم ﷺ نے بنفس نفیس ایک کافر کی عیادت فرمائی، ہمارے فقہاء نے اسے ایک قسم کی نیکی قرار دیا تو پھر ہم بھی غیر مسلموں کی عیادت کر سکتے ہیں، ان کے جلوس جنازہ کے ساتھ جا سکتے ہیں، کیونکہ شریعت نے اس سے منع نہیں کیا ہے، اور عملاً ایک خبر پر رسول اللہ ﷺ نے مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے، یہ افعال ایک قسم کی نیکی ہیں، یہ غمزدوں کی دلجوئی ہیں لہذا ممنوع نہیں ہیں۔

ج: اوپر بہت سے حوالے گزر چکے ہیں کہ پاک صاف یعنی حلال چیزیں غیر مسلموں سے لی بھی جا سکتی ہیں اور دی بھی جا سکتی ہیں، اپنے ساتھ انہیں قربانی کا گوشت بھی کھلایا جا سکتا ہے، صرف حرام کھانا ممنوع ہے، اور اس بات کا غیر مسلموں کو پتہ ہے، لہذا وہ مسلمانوں کو ہدیہ میں حرام چیزیں نہیں بھیجا کرتے۔

بتوں کا چڑھاوا وصول کر کے کسی غیر مسلم کو بطور ہدیہ بھیج دینا چاہئے، اس کے دو فائدے ہوں گے، جس نے آپ کو بھیجا ہے آپ وصول کرلیں گے تو اس کی دل شکنی نہیں ہوگی اور جس دوسرے غیر مسلم کو بھیجیں گے وہ اسے اپنے لئے باعث عزت سمجھ کر خوش ہوگا، البتہ بتوں پر چڑھاوا خود نہ کھائیں یہی بہتر ہے۔

غیر مسلموں کے تحائف قبول کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، ان سے مٹھائی وغیرہ لینا اور دینا جائز ہوگا، دعوتوں میں اگر کوئی بات ناپسندیدہ بھی ہو تو دعوت چھوڑنا غلط ہوگا۔

ہدایہ میں ہے: "**ومن دعی إلی ولیمة أو طعام فوجد ثمه لعباً أو غناء فلا بأس بأن یقعد ویأکل، قال أبو حنیفة: ابتلیت بھذا مرة فصبرت**" (ہدایہ ۴/۴۵۵) (اگر کسی کو ولیمے یا کھانے کی دعوت دی جائے (وہ وہاں جائے) اور وہاں لہو ولعب اور گانا بجانا پائے تو کوئی حرج نہیں کہ وہاں بیٹھ جائے اور کھانا کھائے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایسی مشکل میں مبتلا ہوا تو میں نے صبر کیا)۔

Marfat.com

لہذا اگر غیر مسلم اپنی عیدوں، تقریبات اور شادی وغیرہ میں بلاتے ہیں یا کھانے پینے کی چیزیں بھیجتے ہیں تو اسلام کے وسیع اخلاق کے پیش نظر آپ کو قبول کرنے ہوں گے۔

د: غیر مسلم مدرسے تعمیر کرا سکتے ہیں، مختلف معاملات میں مسلمانوں کی امداد کر سکتے ہیں، اور مسلمان انہیں مدد دے سکتے ہیں، ہاں قرآن حکیم نے صرف مساجد کی تعمیر کے لئے غیر مسلموں سے رقم یا چندہ لینے کی ممانعت فرمائی ہے، اگر وہ رقم پیش کریں تو مسجد کمیٹی وہ رقم کسی اور مصرف مثلاً غسل خانے اور مسجد سے باہر کی گلیوں پر خرچ کر دے اور غیر مسلموں کو اس کا مصرف نہ بتائے تو یہ جائز ہوگا، اب تعمیر مسجد کے سلسلے میں قرآنی حکم بھی پڑھ لیں:

"إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلوة وآتى الزكوة ولم يخش إلا الله فعسى أولئک أن يكونوا مهتدين" (سورہ توبہ/۱۸) (اللہ کی مسجدیں صرف وہ تعمیر و آباد کرتے ہیں جو اللہ و آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں ہوں)۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ تعمیر مسجد کے لئے غیر مسلم کی رقم نہیں لگائی جا سکتی، باقی سب مسائل میں ان سے لین دین اسلامی اخلاق کی بنیاد پر جائز ہے۔

ھ۔ (الف) ایسی تقریبات میں شرکت جائز ہوگی، بس اس بات کا خیال رکھا جائے کہ خود شرکیہ افعال میں مبتلا نہ ہوں اور حرام کھانے سے بچیں، ویسے بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں نظریہ ضرورت و اضطرار کے تحت وہ بہت سی ممنوع باتیں بھی کر سکتے ہیں، بس ایسی باتوں اور ایسے افعال کو دل میں برا سمجھا جائے۔

برصغیر کی تحریک کے دنوں میں ہمارے جید علمائے دیوبند مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ ہندو برادری کے ساتھ سب معاملات میں شریک رہے، مل کر کھاتے رہے،

Marfat.com

مدارس کے لئے چندہ لیتے رہے، گاڑیوں میں مل کر سفر کیے، جلسوں میں باہم مل کر خطابات کئے، مہاتما گاندھی کو مساجد کے منبروں پر بھی لائے۔

(ب) غیر مسلموں کے تہواروں پر مبارک باد کہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، مطلب تو صرف ہم وطنوں کو خوش کرنے کا ہے، ان کا مذہب قبول کرنے سے نہیں۔

۳-الف: جھنڈا کسی قوم کا ایک شعار ہوتا ہے، اور قومی شعار ہونے کی وجہ سے اسے محترم سمجھا جاتا ہے، اسلام کے ابتدائی دور، دور نبوی وخلافت راشدہ میں جسے جھنڈا ملتا تھا، وہ اسے اپنی عظمت کی دلیل سمجھ کر بہت خوش ہوتا تھا، اور جھنڈا ملنے کو وہ بہت بڑی ذمہ داری سمجھ کر اس کا حق پوری طرح ادا کرتا تھا۔

جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے پاس جھنڈا تھا، ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑا، وہ کٹ گیا تو دونوں بازوؤں سے تھاما، بازو کٹا تو منہ سے پکڑا، دوسرا مجاہد آگے بڑھا جھنڈا ان سے لیا مگر نیچے نہیں گرنے دیا۔

ہمارے اسلاف اس طرح جھنڈے کا احترام فرماتے تھے، اس سے پتہ چلا کہ قومی شعار کے طور پر ہم جھنڈے کو دور اول سے محترم سمجھتے رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جھنڈے کی سلامی کیا عبادت ہے؟ تو اس کا جواب قطعاً نفی میں ہے، عبادت کا جو مفہوم ومعنی ہے وہ انتہائی عاجزی اور تذلل ہے، کیا سلامی دینے والا اس معنی میں سلامی دے رہا ہوتا ہے، اس کا جواب ہے، ہرگز نہیں۔

شرعاً بھی عبادت کا مفہوم مندرجہ بالا مفہوم سے ملتا ہے، کہ آپ جسم کا اعلیٰ ترین حصہ زمین پر ٹیک کر سبحان ربی الاعلی کہتے ہیں، کیا جھنڈے کی سلامی میں کوئی ایسی بات ہے؟ اگر نہیں تو پھر جھنڈے کی سلامی میں کوئی شرکیہ اور غیر اسلامی امر نہیں ہے۔

ساری دنیا کے مسلمان جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں، اور ارشاد نبوی ہے: ''ما رآہ

Marfat.com

المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" (جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے)۔ پھر جھنڈا شعار ہے، تو یہ شعار اللہ کی ایک نقل ہے، لہذا جھنڈے کو سلامی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ب: اسلام مزاجاً توحید پرست مذہب ہے، لہذا وہ شرک کی کسی شکل کو بھی پسند نہیں کرتا، ارشاد قرآنی ہے: "اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً" (اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ)، "إن الشرك لظلم عظيم" (یقیناً شرک بڑا ظلم ہے)۔

نبی اکرم ﷺ نے شرک سے شدت سے روکا ہے۔

وطن سے محبت کا درس اسلام بھی دیتا ہے، مگر وہ وطن کو معبود بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، کون نہیں جانتا کہ پیغمبر اسلام کا درجہ ومرتبہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ کریم کے بعد سب سے بڑا ہے، مگر کوئی مسلمان نبی علیہ السلام کو معبود ماننے کا قطعاً تصور نہیں کرسکتا، پھر وطن یا دیگر مناظر فطرت کو وہ کیسے معبود مان سکتا ہے، آسمانی کتابوں میں سے قرآن حکیم نے جس طرح تفصیل کے ساتھ عقیدہ توحید بیان فرمایا ہے، اس کا عشر عشیر بھی باقی کتب میں نہیں ہے، صرف چند آیات ایسی ہیں جن میں ذکر خداوندی نہیں ورنہ ہر آیت میں ذاتی وصفاتی اسماء، ضمائر اور اشارات وغیرہ ہیں اور پوری شدت سے شرک کی نفی کی گئی ہے۔

اب ایسے ترانے جن میں مشرکانہ مضامین ہیں یا وندے ماترم میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، ایسے ترانے شرعاً جائز نہیں ہیں، اگر ایسی صورت لاحق ہوجائے کہ اسے نہ پڑھنے سے جان جاتی ہو، یا کوئی عضو کٹتا ہے، تو دل میں ایمان کی دولت سمیٹ کر زبان سے اقرار کیا جاسکتا ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو ایسے ترانوں کے پڑھنے سے اپنے آپ کو بچایا جائے، قرآن حکیم نے اس مسئلہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

"من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن

Marfat.com

من شرح بالكفر صدراً فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم" (سورۂ النحل/۱۰۶)
(جو ایمان کے بعد اللہ تعالی کا انکار کرتا ہے، سوائے اس کے کہ اسے جبر و اکراہ میں مبتلا کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو وہ صاحب ایمان ہے) ہاں لیکن جس نے سینہ کفر کے لئے کھول دیا تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالی کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

پتہ چلا جبر و اکراہ کی صورت میں ضرورت کے تحت دل کو ایمان سے بھر کر کفریہ کلمہ زبان پر لایا جا سکتا ہے، مگر قومی سطح پر ایسی صورت میں بھی تشخص ختم ہو جاتا ہے، اور ملت کسی اور ملت میں کھو جاتی ہے، اور رسول ہاشمی علیہ السلام کی قوم شرک کے دلدل میں دھنس جاتی ہے "أعاذنا الله تعالى بفضله وكرمه"۔

ج: جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ شرعی قضاء کے لئے اپنی کمیٹیاں قائم کریں، ایسی کئی کمیٹیاں غیر مسلم ملکوں میں موجود ہیں، شرعی قضا کے لئے وہاں علماء ہوتے ہیں، ان سے فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کرا کر صدق دل سے مان لئے جائیں، اس طرح وقت کی بچت بھی ہوگی، پیسے کی بچت بھی ہوگی، عدالتوں میں غیروں کی طعن و تشنیع سے بھی محفوظ رہیں گے، اور غیر مسلموں کے مذاق سے بھی بچ جائیں گے۔

اسلام تو ہر باطل قوت کو طاغوت کہتا ہے اور غیر مسلم عدالتیں بھی اسی ضمن میں آتی ہیں، ان کے پاس کیس لے جانے کی ضرورت ہی نہیں، ارشاد ربانی ہے: "ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطن أن يضلهم ضلالاً بعيداً" (سورۂ نساء/۶۰) (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ ان کا آپ پر نازل ہونے والے اور آپ سے پہلے نازل ہونے والے کلام پر ایمان ہے، وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کے پاس فیصلے لے جائیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، اور شیطان

Marfat.com

چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے)۔

اب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ شرعی قضا کے لئے اپنے علماء مقرر کریں اور قرآن وسنت کے مطابق ان کے فیصلوں پر عمل کریں۔

اگر وہ غیر مسلم عدالت میں فیصلہ لے گئے ہیں، اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا وہ سمجھتا ہے کہ فیصلہ ناحق ہے تو مسلمان بھائی کا حق نہ مارے اور اس کا حق اسے دے دے۔

حدیث میں ہے: ''ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: میں ایک انسان ہوں تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی کسی دوسرے شخص سے دلیل وحجت میں زیادہ بولنے والا ہو تو میں جس انداز سے سنوں فیصلہ دے دوں تو میں اگر کسی کو اس کے بھائی (مدعا علیہ) کے حق سے کچھ دے دوں تو وہ اس شی کو نہ لے، اس لئے کہ (اگر وہ لے گا تو سمجھ لے) میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں''

(بخاری ۲/ ۱۰۶۲)۔

ہم مسلمانوں کو خواہ ہم اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں ہوں اپنے حق کے بغیر کوئی چیز نہیں لینی چاہئے، جھوٹ کو عدالت میں سچ ثابت کر کے کوئی چیز لینا جہنم خریدنے کے مترادف ہے **(اللهم نجنا من المهالک)**۔

۴-**الف**: اسلام ساری انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم فرماتا ہے، ایک حصہ وہ ہے جس نے نبی رحمت علیہ السلام کی نبوت کو مان لیا ہے، اسے امت اجابت کہا جاتا ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جس نے حضور علیہ السلام کی نبوت کو نہیں مانا ہے، یہ امت دعوت ہے، امت اجابت پر لازم ہے کہ وہ اچھے انداز سے امت دعوت کو اسلام کی طرف بلائے۔

ارشاد باری ہے: **"ادع إلى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن"** (سورۂ نحل/ ۱۲۵) (آپ انہیں دانائی اور خوبصورت وعظوں سے

Marfat.com

اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیں اوران سے بہت اچھے انداز سے بحث فرمائیں)۔

اس انداز سے اسلام انسانی دنیا کو وحدت کی لڑی میں پرونا چاہتا ہے، امت کو یاد دلایا ہے: ”كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر“ (سورۂ آل عمران/ ۱۱۰) (تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو)۔

معلوم ہوا اس امت کو اپنے لئے ہی نہیں بلکہ سب انسانیت کی بہتری کے لئے تخلیق فرمایا گیا ہے، جس کی تخلیق کی غرض وغایت ہی انسانیت کی بہتری ہے، وہ امت کسی قوم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، اس کا کام تو اچھائی کو پھیلانا ہے، اور بدی کا سدباب کرنا ہے، اس کی دعوت ساری انسانیت کے لئے ہے، لہذا اسے اسی نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے، محدود طریقے سے نہیں، ہم عرض کر رہے تھے کہ اسلام وحدت انسانی کا خواہش مند ہے، دو آیات آپ نے ملاحظہ فرمالیں اب تیسری آیت بھی ملاحظہ فرمائیں:

”كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين أنزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه“ (بقرہ/ ۲۱۳) (لوگ ایک ہی جماعت تھے، اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان پر کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے اختلاف میں فیصلہ فرمائے)۔

لوگ ایک ہی انسان کی اولاد تھے، انہیں ایک اکائی کی طرح رہنا چاہئے تھا، مگر ان میں اختلاف پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول انہیں وحدت کا درس دینے آئے، ان کے پاس کتاب ربانی تھی جس میں راہ حق متعین تھی، اس سے بھی پتہ چلا کہ اسلام وحدت کا درس دینے آیا تھا، اس وحدت کی بنیاد کتاب الٰہی تھی، کتاب الٰہی اللہ کریم کی ذات کو تسلیم کراتی تھی، اور نبیوں کی نبوت کا اقرار کراتی تھی، اس کی دعوت میں نیکی کا پھیلاؤ اور بدی کا گھٹاؤ تھا۔

Marfat.com

اس دعوت پر لبیک کہنے والے امت اجابت تھے اور باقی سب لوگوں کو یہ دعوت الی اللہ دے رہے تھے، تاکہ ساری انسانیت ایک اکائی بن جائے۔ اب اگر کوئی گروہ دعوت اتحاد دیتا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ اس کی دعوت کا مرکزی نکتہ کیا ہے، کیا نیکی پھیلانا، بدی مٹانا اور اللہ تعالی تک پہنچانا ہے، یا کوئی اور داعیہ اس دعوت کے پیچھے کارفرما ہے، کیا ثقافتی انجذاب اور تہذیبی انضمام پر قوموں کو متحد کیا جاسکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں، قومیں نظریات کی بنیاد پر بنتی ہیں، ثقافتیں اور تہذیبیں دیرپا نہیں ہوتیں، یہ جوہر نہیں عرض ہے، اور ہر عرض عارضی ہے، لہذا یہ ملت واحدہ بنانے میں فعال عنصر نہیں بن سکتی ہیں۔

کاش مذہب اور بالخصوص اسلام کا مطالعہ کیا جاتا تو مذہب کو انسانی اتحاد کا سب سے بڑا داعیہ سمجھا جاتا، اسلام نے مختلف نسلوں کو، مختلف تمدنوں کو، مختلف تہذیبوں کو، مختلف رنگوں والوں کو، مختلف بولیاں بولنے والوں کو سیاسی قوت نہ ہونے کے باوجود یکجا کیا ہوا ہے، اور زمانے کے تند و تیز طوفان سے بھی اس وحدت کو کٹنے نہیں دیا، اگر انسانیت کو متحد کرنا ہے تو وحدت اسلامی کی طرف پلٹنا ہوگا جس کے عظیم قائد نبی ﷺ نے فرمایا:

"لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، كلكم من آدم وآدم من تراب" (کتب حدیث) (کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے)۔

فرمایئے کیا اس نظریہ پر وحدت انسانی کی عظیم عمارت کھڑی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو پھر بسم اللہ عمل شروع فرمائیں، حقائق کو چھوڑ کر اگر انسانوں کو اکٹھا کریں گے تو وہ حقیقی وحدت نہیں ہوگی، بے روح اجتماعیت ہوگی۔

یہ دلیل کہ راستے الگ ہیں منزل ایک ہے، ایک سراب ہے، ایک شخص اللہ تعالی کو واحد لاشریک مانتا ہے دوسرا کئی معبودوں کو مانتا ہے، منزل ایک کیسے ہوگی، ایک توحید کا قائل ہے

Marfat.com

دوسرا تثلیث (تین خداؤں) کا قائل ہے، آپ منزل ایک کیسے قرار دیں گے، ایک توحید کا قائل ہے دوسرا سرے سے ذات خداوندی کا منکر ہے، فرمائیں منزل کو ایک کیسے قرار دیں گے، اگر آپ ان متنوع گروہوں کو جبراً ایک کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کا حشر وہی ہوگا جو کمیونزم کا ہوا ہے کہ آپ ناکام ہو جائیں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام وحدت انسانی کا علمبردار ہے، مگر یہ وحدت نظریات پر قائم ہے، افکار پر قائم ہے، اصولوں پر قائم ہے، کسی مصنوعی وحدت کا اسلام ہرگز قائل نہیں ہے، روس میں کمیونسٹوں نے مصنوعی وحدت قائم کی، لباس وغذا میں بھی وحدت قائم کی، پھر کیا ہوا، جبر وسختی کی ساری کوششوں کے باوجود یہ وحدت ستر سال سے آگے نہ بڑھ سکی، جبکہ اسلامی وحدت گزشتہ چودہ صدیوں سے کسی اقتدار کے بغیر صرف باطنی قوت سے چل رہی ہے۔

ب: اسلام مظلوموں کی مدد کا حکم دیتا ہے، مسکینوں اور بے بسوں کی مدد کا حکم دیتا ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں ان غیر مسلموں کی امداد بھی ہوتی رہی جنہیں دعوت اسلام دینی تھی، سید کل علیہ السلام نے دو حضرات کو زکاۃ عطا فرما کر فرمایا:

"تالفتهما ليسلما" (سیرت ابن ہشام ۱/۴۹۶) (میں نے ان کی تالیف قلبی فرمائی تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں)۔

اگر کفار کا میلان اسلام کی طرف ہو، یا ان کا اپنے معاشروں میں اثر ورسوخ ہو اور دعوت اسلامی وہاں پھیل سکتی ہو تو اولین فرصت میں انہیں مال خداوندی سے کچھ دیا جائے، خواہ یہ عطا غیر مسلم حکومتوں کی سطح پر ہو یا کچھ معاشروں، گروہوں یا قبائل کی سطح پر ہو (الفقہ الاسلامی ۳/۲۰۰۹)۔

اسی کتاب میں ۸/۶۴۱۸ پر بھی ایسی عبارات نقل فرمائی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مظلوم قوم کوئی بھی ہو خواہ وہ بت پرست ہی کیوں نہ ہو ان کی مدد ضروری ہے، اب یہ مدد دینے

Marfat.com

والے پر موقوف ہے کہ وہ کس انداز سے مدد دے سکتا ہے، اگر وہ مدد دینے پر آسانی سے قادر ہے تو یہ مدد لازم ہے، دلت قوم دنیا کی مظلوم ترین قوم ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمان حکومتیں ایک تنظیم قائم کرتیں اور اس طرح دنیا بھر کے مظلوموں کی مدد کرتیں، اگر یہ نہیں ہوسکا تو مسلمان تنظیمیں آگے بڑھیں اور مظلوموں کی مدد کریں، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو افراد آگے بڑھیں اور مظلوموں کی مدد کریں۔

اب اگر دلت یا کوئی اور ایسی مصیبت میں مبتلا ہے تو ان کی ہر قسم کی مدد مسلمانوں پر لازم ہے۔

ج: اسلام میں انسانی خدمت پر بہت زور دیا گیا ہے، رحمت مجسم ﷺ کا ارشاد ہے: "من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته" (جو شخص اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت برآری فرماتا ہے)۔

اس موضوع پر سرکار کریم علیہ التسلیم کے بے شمار ارشادات ہیں، یہ بے حد نیکی کا کام ہے، اور اسلام ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیتا ہے، قرآنی ارشاد کے مطابق "والله يضاعف لمن يشاء" کے پیش نظر یہ سات سو گنا پھر کئی سات سو گنوں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

سید العالمین علیہ صلوات رب العالمین نے حضرت سعدؓ کو والدہ کے ایصال ثواب کے لئے رفاہی کام یعنی کنواں کھدوانے کا حکم دیا، یہ کنواں بئر ام سعد (سعد کی والدہ والا کنواں) کے نام سے مشہور ہوا، اور کتب حدیث میں اسی نام سے یہ مذکور ہے، دور نبوی ﷺ میں خواتین نے ذاتی ہسپتال بنا کر زخمیوں اور مریضوں کا علاج کیا، ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے انسانی فلاح و بہبود کے کاموں میں قوم کو بہت توجہ دلائی ہے، اور عملاً ان مقدس ہستیوں نے خود ایسے کام کئے ہیں، ابن عربی نے ان اقدامات کو دیکھ کر ہمیں ایک فقرہ بھی عطا

Marfat.com

فرمایا:"من خَدَمَ خُدِمَ" (جو خدمت کرتا ہے پھر اس کی خدمت کی جاتی ہے)۔

سوال یہ ہے کہ ادارے قائم کرکے ان سے صرف مسلمانوں کی خدمت کا کام لیں یا انہیں سب مذاہب کے انسانوں کے لئے عام کردیں، تو اسلامی مزاج چاہتا ہے کہ ہم اسے عام کردیں۔

اس سلسلہ میں یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں جو سب معتبر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، کہ سیدنا عثمان غنیؓ نے یہودیوں سے نصف کنواں خریدا کہ مسلمان بھی پانی لے سکیں، اب ایک دن یہودی اور ایک دن مسلمان پانی بھرتے تھے، پھر باقی نصف بھی مسلمانوں کے کہنے پر حضرت عثمان غنیؓ نے خرید لیا۔

نبی مکرم ﷺ نے سب مدینہ والوں کو یہودیوں سمیت اس کنویں سے پانی لینے کی اجازت مرحمت فرمادی، واضح بات ہے کہ مدینہ طیبہ میں اس وقت مسلمانوں کے علاوہ یہودی و عیسائی اور مشرک رہ رہے تھے، سب بئر عثمان سے پانی پیتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ انسانوں کی بہتری کے لئے جو کام ہوتا ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوتے ہیں، ہسپتال سے غیر مسلموں کو استفادہ کی اجازت ہونی چاہئے، عام استعمال کی چیزیں میں سب کے لئے عام رہنی چاہئیں، اسلام نے منافقوں کی مذمت کی کہ وہ عام چیزیں نہیں دیتے، فرمایا:"ویمنعون الماعون" (اور وہ عام استعمال کی چیزوں سے روکتے ہیں)۔

"ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً" (سورۂ دہر،۸) (اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔

یہاں تینوں الفاظ (مسکین، یتیم اور اسیر) مطلق ہیں، لہٰذا اس میں سب انسان شامل ہیں، تو شفاخانوں، کنوؤں، تالابوں، تعلیمی اداروں اور دیگر رفاہی اداروں میں سب انسانوں کی شراکت ہونی چاہئے، ہاں اس بات کا خیال ضروری ہے کہ اسلامی تشخص کا مسلمان اقلیت خیال رکھے اور اسلام کے بنیادی عقائد پر سوائے صورت ضرورت (کہ جان جانے یا اعضاء کے کٹنے کا

Marfat.com

خوف ہو) کے آنچ نہ آنے دے۔

د: قدرتی آفات سب انسانوں کو متاثر کرتی ہیں، اور جن کو متاثر کرتی ہیں وہ چند ساعتوں میں نادار اور غریب ہو جاتے ہیں، انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی مدد کی جائے، اسلام تو بے کسی میں کتوں کو بھی پانی پلانے کا قائل ہے۔

عام حالات میں اسلام رواداری کی یہ مثال پیش کرتا ہے، تو سیلاب، زلزلے اور طوفانوں اور گاڑیوں کے حادثوں وغیرہ میں بطریق اولی اسلام رواداری، حسن اخلاق اور بے بسوں کی مدد لازم قرار دیتا ہے، اسلام دوسرے مذاہب سے آگے ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**الاسلام یعلو ولا یعلی علیه**" (اسلام سب سے آگے اور اوپر ہے اس سے آگے یا اوپر کوئی بھی نہیں)۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

شرعی نقطہ نظر سے

مولانا راشد حسین ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

۱- (الف) اس بات کا پورا عقیدہ رکھتے ہوئے کہ حاکم اور شارع حقیقی صرف اللہ تعالی ہے، اسلامی نظام حکومت جو کتاب وسنت سے ثابت ہے قیامت تک کے لئے انسانی فلاح اسی کے قیام میں ہے، شریعت سے متصادم تمام وضعی قوانین ناقص اور نامکمل ہیں جو کہ ناقص فہم انسانی کا نتیجہ ہیں۔ ان تمام عقائد اور عزائم کے ساتھ میرے نزدیک الیکشن کے عمل میں مسلمانوں کی شرکت جائز ہے، لیکن اس میں مذکورہ عقائد وعزائم کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی بھی ضروری ہوگی:

۱- ووٹ دینا ایک طرح کی شہادت ہے کہ فلاں شخص میرے نزدیک نمائندگی کا سب سے زیادہ مستحق ہے، لہذا ووٹ دیتے وقت نمائندہ کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے اندر نمائندہ بننے کی قابلیت کے ساتھ ساتھ امانت داری کا وصف بھی پایا جا رہا ہو، اور وہ دوسروں کے مقابلہ میں انفع للمسلمین ہو۔

۲- انتخابی مہم میں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی بھی خلاف واقعہ بات نہ کی جائے، نہ مدمقابل پر بے جا الزامات لگائے جائیں، نہ اپنی جھوٹی تعریف کی جائے، نہ ایسے وعدے کئے

Marfat.com

جائیں جن کا پورا کرنا ناممکن ہو، خلاصہ یہ کہ الیکشن کے تمام عمل میں اس شرط کے ساتھ شرکت کی اجازت ہے کہ کسی محظور شرعی کا مرتکب نہ ہو۔

ب- ووٹ دینا واجب ہے:

میرے نزدیک مذکورہ مفادات کے حصول کے لئے ایسے نمائندہ کو ووٹ دینا واجب قرار دیا جا سکتا جس میں اس کی اہلیت ہو۔

ج- مسلم مخالف پارٹی میں شرکت اور اس کے نمائندہ کو ووٹ دینا:

سیاسی پارٹیوں کا نظام کچھ ایسا ہے کہ فرد واحد پارٹی کے عام رخ اور نظریہ پر کسی بھی موقع پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، لہذا اگر ایک شخص مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے، ان کے مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کی پارٹی کا نظریہ اس کے نظریہ سے متصادم ہے تو ایسے شخص کو ووٹ دینا میرے نزدیک درست نہیں ہوگا، اسلئے کہ اس کو ووٹ دینا گویا ایک ظالم جماعت کو طاقتور بنانا اور خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقین ہے کہ وہ اتنی زیادہ ہمدردی اور خیر خواہی رکھتا ہے کہ خواہ اپنی سیٹ گنوانی پڑے لیکن مسلمانوں کے خلاف آنے والے کسی بل کی حمایت نہیں کرے گا تو بشرط اہلیت اسی کو ووٹ دیا جائے۔

ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت بھی میرے نزدیک کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ پارٹیاں مسلمانوں کے خلاف ایجی ٹیشن چلاتی ہیں، قوانین پاس کرتی ہیں، اور ہر محاذ پر ان کو زیر اور پست حوصلہ کرنے کے درپے رہتی ہیں، لہذا اس میں شرکت کرنا تعاون علی الاثم والعدوان ہونے کے ساتھ ساتھ ملی غیرت وحمیت کے بھی منافی ہے۔

Marfat.com

د- غیر مسلم پارٹیوں سے معاہدہ کرنا درست ہے:

اگر کسی سیاسی پارٹی سے معاہدہ کرنے میں مسلمانوں کا ملی مفاد وابستہ ہے تو میرے نزدیک ان سے معاہدہ کرنا، ان کی حمایت کرنا اور ان کو کامیاب کرنے کی کوشش کرنا جائز بلکہ مستحسن ہوگا، اور جب تک وہ معاہدہ کی پابندی کریں اس وقت تک خود بھی معاہدہ کا پابند رہنا ضروری ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے خلاف قبیلہ خزاعہ سے معاہدہ کیا تھا، سیرت ابن ہشام میں ہے:

"ودخلت خزاعة في عهد رسول الله ﷺ وعهده الخ" (سیرت ابن ہشام ۲/۳۹۰) (خزاعہ نبی کریم ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے)۔

اور مدینہ میں یہود سے معاہدہ کیا، اس معاہدہ کا پورا متن سیرت ابن ہشام میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

ظاہر بات ہے کہ موجودہ عالمی تناظر میں مسلمان اور اسلام بہت ہی کمزور ہو چکے ہیں، لہذا میرے نزدیک ایسے معاہدوں کی گنجائش ہے۔

ھ- بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے غیر مسلم سے تعاون لینا:

اس کا جواب بھی میرے نزدیک اثبات میں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حلف الفضول میں شرکت فرمائی، اس انجمن کے مقاصد قریب قریب وہی تھے جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے ممبران ظاہر ہے سب کے سب کافر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ بعثت کے بعد ذکر فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی اگر اس طرح کی تنظیم میں شرکت کی دعوت دی جائے تو قبول کروں گا (دیکھئے: السیرۃ النبویۃ للندوی ر ۱۱۳)۔

Marfat.com

غیر مسلموں سے تعلقات کا مسئلہ

۲-الف-مخلوط آبادی کے مقابلہ میں علاحدہ آبادی بسانا بہتر ہے:

اس معاملہ میں تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جس جگہ جس قوم کی اکثریت ہوتی ہے اسی کے تہذیبی اثرات نمایاں رہتے ہیں، اقلیت عام طور سے ان سے متاثر ہوجاتی ہے، علاوہ ازیں یہاں ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے موقعوں پر بار بار دیکھا گیا کہ جن محلوں میں مسلمانوں کی مضبوط آبادی رہی وہ شرانگیزیوں سے محفوظ رہے اور جہاں وہ قلیل تعداد میں تھے انہیں وہاں بھاری نقصانات سے دوچار ہونا پڑا، لہذا میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ مسلمان علاحدہ محلوں اور بستیوں میں آباد ہوں، یا ایسے محلوں میں رہیں جہاں کی غالب اور مضبوط آبادی مسلمانوں کی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: سرخسی ''شرح السیر'' میں فرماتے ہیں: اگر خلیفہ اہل ذمہ کی سرزمین میں مسلمانوں کے لئے شہر بسائے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ اور کوفہ آباد کیا، اور ذمی وہاں پر گھر خریدیں اور مسلمانوں کے ساتھ سکونت اختیار کریں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ہم نے ان سے عقد ذمہ قبول ہی اس لئے کیا ہے تاکہ وہ محاسن اسلام سے واقف ہوں کہ ان سے قبول اسلام کی امید رہے، اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا اختلاط اور رہائش یہ مقصد پورا کرتے ہیں، شیخ شمس الائمہ حلوانی فرماتے تھے: یہ اس صورت میں ہے جب ذمی کم ہوں اور اس طرح سے ہو کہ ان کے اس طرح سے رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی بعض جماعتوں میں نہ تعطل پیدا ہو نہ جماعت میں کمی آئے، چنانچہ اگر وہ اتنے زیادہ ہوں کہ بعض جماعتوں میں تعطل یا کمی کا سبب بن جائیں تو انہیں اس سے روک دیا جائے گا، اور انہیں ایسے کنارے رہنے کا حکم دیا جائے گا جہاں مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو، یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کی امالی سے محفوظ ہے'' (۳۰۱/۳)۔

Marfat.com

اور در مختار میں ہے: ''اورشہروں سے اہل ذمہ کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ شہر میں رہائش کے لئے ان کا مخصوص محلہ ہو جس میں مسلمانوں کی طرح حائل ہونے والی جماعت رکھتے ہوں، جہاں تک مغلوب ہو کر مسلمانوں کے درمیان ان کی رہائش کا تعلق ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہوگا'' (۳/ ۳۰۲، ۳۰۳)۔

ب- غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت:

ایک مسلمان رواداری کے تحت اپنے غیر مسلم پڑوسیوں اور دوست احباب کے ساتھ ایسے تمام کام انجام دے سکتا ہے جن میں شرکیہ اور کفریہ افعال ورسوم کی آمیزش نہیں ہے، جن کاموں میں شرکیہ رسوم میں شرکت کی صورت پائی جارہی ہو ان سے دور رہنا ضروری ہوگا، اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے: "إن الشرک لظلم عظیم" (سورہ لقمان: ۱۳)۔

چنانچہ اگر کوئی تعلق والا غیر مسلم بیمار ہے تو اس کی عیادت جائز ہے، نبی کریم ﷺ سے اپنے چچا ابو طالب (زاد المعاد ۱/ ۹۴) اور ایک یہودی لڑکے (بخاری: کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی فمات) کی عیادت کرنا ثابت ہے، فقہی کتابوں میں بھی اس کو جائز قرار دیا گیا ہے (ہندیہ ۵/ ۳۴۸)۔

اسی طرح کافر کی تعزیت کرنا بھی جائز ہے (ہندیہ ۵/ ۳۴۸، شامی ۵/ ۲۷۴)۔

لیکن جہاں تک جلوس جنازہ اور آخری رسومات میں شرکت کا تعلق ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان مواقع پر شرکیہ نعرے بلند ہوتے ہیں، اور مختلف دیوی دیوتاؤں کی جے وغیرہ بولی جاتی ہے، مسلمان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان افعال کو پسند کرے گا پھر بھی اس کی شرکت سے رضامندی کی صورت ضرور معلوم ہوتی ہے، لہذا میرے نزدیک عام حالات میں ان امور میں شرکت مکروہ ہے، البتہ اگر کسی مصلحت کا تقاضہ ہو اور عدم شرکت میں کسی خاص قسم کا

Marfat.com

ضرر ہوسکتا ہوتو ایسے خاص حالات میں شرکت مباح ہوگی، عصر حاضر کے اصحاب فتاوی میں اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے، اور اس اختلاف ہی کے پیش نظر مذکورہ بالا رائے ہم نے پیش کی ہے (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۸/۱۸۰، أحسن الفتاوی ۴/۲۳۳، منتخبات نظام الفتاوی ۲/۳۷۵ اور کفایت المفتی ۴/۱۹۱)۔

غیر مسلموں کے لئے ایصال ثواب:

جہاں تک کفار کے لئے ایصال ثواب کا سوال ہے تو ایصال ثواب بھی استغفار اور دعا ہی کا ایک انداز ہے جس کے سلسلہ میں قرآن میں صراحتاً ممانعت آئی ہے، ارشاد ہے:

"ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لھم أنھم أصحاب الجحیم" (سورۂ توبہ: ۱۱۳) (لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی، اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے)۔

آیت کریمہ کی ان صراحتوں کے بعد میرے نزدیک کفار کے لئے ایصال ثواب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ج- غیر مسلموں سے پرشاد وغیرہ لینے کا حکم:

جہاں تک عام تحائف کا تعلق ہے (جن کو نذر و نیاز کے طور پر بتوں پر چڑھایا نہ گیا ہو) ان کو قبول کرنے اور استعمال کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے (دیکھئے: فتاوی رشیدیہ ۴۸۸، امداد الفتاوی ۲/۵۵۴)۔

کفار سے ہدایا قبول کرنے کے مسئلہ کو قدیم اصحاب فتاوی نے بھی چھیڑا ہے، چنانچہ

Marfat.com

''فتاوی ہندیہ'' میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ امام محمد نے ''السیر الکبیر'' میں مختلف روایات ذکر کی ہیں جن میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین سے ہدیہ قبول کیا اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبول نہیں کیا۔ لکھا ہے کہ اس میں ابوجعفر ہندوانی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ جس کے بارے میں آپ کا گمان ہوتا تھا کہ وہ جہاد کرنے کو مال و دولت جمع کرنے کی طمع سمجھتا ہے اس سے قبول نہیں کرتے تھے اور جس کا گمان یہ سمجھتے تھے کہ وہ جہاد کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سمجھتا ہے اس سے قبول فرما لیتے تھے، پہلے شخص سے آج بھی ہدیہ قبول کرنا درست نہیں:

''ولا یجوز قبول الھدیة من مثل ھذا الشخص فی زماننا'' (فتاوی ہندیہ ۵/۳۴۷)۔

اور دوسرے کے مثل سے آج بھی ہدیہ لینا جائز ہے: ''وقبول الھدیة من مثل ھذا الشخص جائز فی زماننا أیضا'' (فتاوی ہندیہ ۵/۳۴۸)، بعض مشائخ نے دوسرے انداز سے تطبیق دی ہے (ایضا)۔

بتوں کا چڑھاوا درست نہیں:

جہاں تک بتوں پر یا دیوی دیوتاؤں پر نذر و نیاز کے طور پر چڑھائی گئی اشیاء کا تعلق ہے تو ان کا لینا اور استعمال کرنا ناجائز ہے:

''للاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل الذمة به ولأنه حرام بل سحت (الی) وأخذہ أیضا مکروہ مالم یقصد الناذر التقرب إلی اللہ'' (البحر الرائق بحوالہ فتاوی مولانا فرنگی محلی ص ۴۳۶) (اس لئے کہ نذر للمخلوق کی حرمت پر اجماع ہے، یہ نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ ذمہ اس سے مشتغل ہوتا ہے اور اس لئے کہ یہ حرام بلکہ خبیث ہے (پھر فرمایا) اور اس کا لینا بھی مکروہ ہے جب تک نذر ماننے والا تقرب الی اللہ کا قصد نہ کرے) (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۱/۴۲۴، امداد الفتاوی ۴/۹۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۷)۔

Marfat.com

''بتوں کے نام کی نذر کی ہوئی چیز شرعاً حرام ہے، کسی مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۱۷)۔

خلاصہ کلام یہ کہ بتوں کا چڑھاوا (پرشاد) لینا یا استعمال کرنا درست نہیں ہے، بقیہ تحائف لینے کی گنجائش ہے۔

د- غیر مسلموں سے مساجد وغیرہ کی تعمیر میں تعاون لینا:

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر غیر مسلم مذکورہ امور میں تقرب اور ثواب سمجھ کر تعاون کرتا ہے تو اس سے تعاون لینا درست ہے، چنانچہ ہدایہ کی ''کتاب الوصیہ'' میں ہے:

''ومنها إذا أوصى بما يكون قربة في حقنا وفي حقهم (الى) وهذا جائز'' (ہدایہ ۴/ ۶۸۹، ۶۹۰) (اسی میں ایک شکل یہ ہے کہ اس چیز کی وصیت کرے جو ہمارے حق میں بھی قربت ہو اور ان کے حق میں بھی ...... اور یہ جائز ہے)۔

اور شامی میں ہے: ''(وأن يكون قربة في ذاته) ...... **بخلاف الذمي لما في البحر وغيره إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم**'' (شامی ۳/ ۳۹۴) (اور یہ کہ فی ذاتہ قربت ہو) ...... برخلاف ذمی کے، اس لئے کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ ذمی کے وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے یہاں بھی قربت ہو اور ان کے نزدیک بھی) (مزید دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/ ۶۶۵، ۶۶۸، فتاوی رحیمیہ ۹/ ۱۸۹، فتاوی رشیدیہ/ ۴۱۰، کفایت المفتی ۷/ ۸۱)۔

لیکن غیر مسلم کا چندہ لینا اور اس کا استعمال کرنا اسی وقت درست ہوگا جب یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ بعد میں احسان جتلائے گا، یا اپنی مذہبی رسومات کے لئے چندہ طلب کرے گا، بصورت دیگر چندہ نہ لینا چاہئے۔

Marfat.com

۵- غیر مسلموں کی تقریبات میں تعاون:

غیر مسلموں کی مذہبی تقاریب میں تعاون کرنا ناجائز ہے۔

(الف) مخلوط افطار پارٹی میں شرکت کرنا:

جہاں تک غیر مسلم کی دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے: "ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة، هكذا ذكره محمد رحمه الله" (ہندیہ ۵/ ۳۴۷) (امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ اہل ذمہ کی دعوت میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

کبھی کبھار ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن مستقل عادت نہ بنائے (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۴۷)۔

خود غیر مسلموں کی دعوت کرنا بھی جائز ہے: "ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة كذا في الملتقط" (ہندیہ ۵/ ۳۴۷) (ذمی کی دعوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر چہ دونوں میں صرف تعارف ہو)۔

اور دعوت افطار بھی ایک دعوت ہی ہے، اس لئے اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس اباحت کے باوجود احقر کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ اس طرح کی دعوتوں سے احتیاط کی جائے، اس لئے کہ ان میں روزہ داروں اور غیر روزہ داروں کا اجتماع ہوتا ہے، بلکہ عموماً غیر روزہ داروں کا غلبہ رہتا ہے جس کی وجہ سے روزہ داروں کو کئی دقتیں پیش آتی ہیں۔

عید کی تہنیتی تقریب میں شرکت:

دعوت کے جواز کے بارے میں تفصیل اوپر آ چکی ہے، دعوت افطار والی خرابیاں اس میں نہیں ہیں، البتہ اس میں شرکت کے بعد اس سے توقع رکھی جائے گی کہ وہ بھی ہولی و دیوالی کی

Marfat.com

ایسی ہی مشترکہ تقاریب کا انعقاد کرے یا ان میں شرکت کرے، اس لئے عام حالات میں اس میں بھی شرکت نہ کرنا ہی بہتر ہوگا، حالات اور علاقہ کے خصوصی تقاضوں کی وجہ سے شریک ہونا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ خصوصی حالات میں بہتر اور مستحسن بھی قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن عام حالات میں اس کی ہمت افزائی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(ب) غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دینا:

غیر مسلموں کے کسی معاملہ کی تحسین کرنا کفر ہے: ''(ویکفر) تحسین أمر الکفار اتفاقا'' (ہندیہ ۲/۲۷۷) (کفار کے کسی بھی معاملہ کی تحسین وتعریف کرنا بالاتفاق کفر ہے)۔

اور مبارک باد دینے میں اس سے مشابہت ہے، اس لئے میری رائے میں عام حالات میں اس سے بچنا چاہئے۔

البتہ اگر ضرورت پڑ جائے، اور آپسی تعلقات ایسے ہوں کہ مبارکباد نہ دینے پر اس کو تکلیف پہنچے گی تو اس کو ''لکم دینکم ولی دین'' کے انداز میں مبارکباد دے دے، اس کی تائید فتاوی ہندیہ (۳۴۸/۵) کی ایک عبارت اور کفایت المفتی (۳۳۹/۹) کے ایک جواب سے بھی ہوتا ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کے اس فتوی سے بھی اس مسئلہ کا اشارہ ملتا ہے: ''پس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے مذہبی تیوہاروں میں سبیل لگانا یا پان وغیرہ تقسیم کرنا اگر ان کے تیوہار کی تعظیم وتکریم کے لئے ہو تو کفر ہے، اور قیام امن اور باہمی رواداری کی نیت سے ہو اور ان کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو، اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علاحدہ راستے میں ہو تو مباح ہے (کفایت المفتی ۳۳۹/۹)۔

Marfat.com

۴: الف-قومی جھنڈے کی سلامی:

آج کل بہت سے اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جھنڈے کی سلامی کا رواج ہے، اس کو ملک سے محبت اور احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

اس مسئلہ پر جب ہم فقہی حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کے عدم جواز ہی کی طرف رجحان ہوتا ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**یا أیھا الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون**" (سورہ مائدہ: ۹۰) (اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: انصاب کے عموم میں لغۃً بھی اور نقلاً عن المفسرین بھی ایسے (جھنڈے جیسے) نشانات بھی داخل ہیں (امداد الفتاوی ۵/۲۶۴)۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"**وکذا ما یفعلونه من تقبیلَ الأرض بین یدی العلماء والعظماء حرام، والفاعل والراضی به آثمان، لأنه یشبه عبادة الوثن، وھل یکفر أن علی وجه العبادة والتعظیم کفر وأن علی وجه التحیة لا، وصار آثما مرتکبا للکبیرة، وفی الملتقط: التواضع لغیر الله حرام، وفی الوھبانیة یجوز بل یندب القیام تعظیما للقادم(فی ردالمحتار)ای إن کان ممن یستحق التعظیم**" (شامی ۵/۲۷۱، ۲۷۲) (اسی طرح لوگ علماء اور امراء کے سامنے زمین کو بوسہ دینے کا جو عمل کرتے ہیں حرام ہے، اس کا فاعل اور اس سے راضی دونوں گنہ گار ہیں، اس لئے کہ اس میں مورتی پوجا سے مشابہت ہے، اور آیا کیا اس کی تکفیر کی جائے گی تو اگر عبادت اور تعظیم کے طور پر کرے تو کافر ہو جائے گا اور اگر تحیہ کے طور

Marfat.com

پر کرے تو کافر تو نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اور ''الملتقط'' میں ہے: غیر اللہ کے لئے تواضع کرنا حرام ہے، اور ''وہبانیہ'' میں ہے کہ آنے والے کے لئے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں) بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو)۔

ان دلائل کے پیش نظر میری رائے میں جھنڈے کی سلامی دینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، اور اس سے دشمن کو مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا موقع مل رہا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھتے ہوئے مصلحۃً سلامی میں شریک ہو جائے (دیکھئے: امداد الفتاوی ۴/ ۷۶۴، فتاوی رحیمیہ ۲۸۸/۶)۔

ب- مشرکانہ ترانہ پڑھنے کا حکم:

اسلام میں شرک کو سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے، سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک کی معافی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ''إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد ضل ضلا مبينا'' (سورۂ نساء: ۱۱۶) (بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کو سوا جس کو چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا)۔

لہذا ان ترانوں کو گانے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، خدانخواستہ اگر ان کے شرکیہ مضامین پر عقیدہ رکھ کر پڑھا تو کافر ہو جائے گا، اگر عقیدہ نہ ہو تب بھی یہ فعل حرام ہوگا، البتہ اگر شرعی طور پر اکراہ کی شکل پائی جائے تو عزیمت تو اسی میں ہے کہ اس صورت میں بھی پڑھنے سے انکار کر دے خواہ جان گنوانی پڑے، لیکن دل سے برا سمجھتے ہوئے اس صورت میں پڑھنے کی گنجائش ہوگی۔

Marfat.com

ج- غیر شرعی فیصلہ سے استفادہ:

قرآن نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، ایسی کسی عدالت یا حکم کے پاس معاملہ لے ہی نہ جائیں جو اللہ اور رسول کی مرضی کے خلاف فیصلہ کرے۔

ارشاد ہے: "قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا فإن الله لا يحب الكافرين" (سورہ نساء: ۶۰)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورۂ نساء: ۶۵) (سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے)۔

ان نصوص سے صراحت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان کو اپنا معاملہ غیروں کے یہاں لے ہی نہیں جانا چاہئے، لیکن ہندوستان جیسے ملک میں ظاہر ہے یہ مجبوری آ ہی جاتی ہے، تو ایسے خاص حالات میں میرے نزدیک اگر کسی مسئلہ میں کتاب وسنت کا کوئی صریح اور منصوص حکم موجود ہے اور عدالت اس کے خلاف فیصلہ کرتی ہے تو ایسی صورت میں جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے استفادہ جائز نہیں ہے، "لقوله فلا وربک لا يؤمنون الآية"۔ البتہ اگر وہ غیر منصوص اور مجتہد فیہ مسئلہ ہے تو اس صورت میں بھی بہتر تو یہی ہے کہ حکم شرعی کا اعتبار کرتے ہوئے استفادہ نہ کرے، لیکن اس صورت میں استفادہ کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔

اس مسئلہ کی تائید اس عبارت سے ہو سکتی ہے: "ثم إذا قضى بالاجتهاد فإن خالف النص لا يجوز قضاءه وإن لم يخالف النص لكنه رأى بعد ذلک رأيا آخر لا يبطل ما مضى ويقضي في المستأنف بما يراه" (ہندیہ ۳/ ۳۱۲)۔

Marfat.com

۴-الف-وحدت ادیان کی بنیاد ہی غلط ہے:

میرے خیال سے وحدت ادیان کی فکر دو مرکزی بنیادوں میں سے کسی ایک یا دونوں پر قائم ہوا کرتی ہے:

ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تمدنی اور ثقافتی وحدت پیدا ہو جائے گی، جس سے آپسی بھائی چارہ بڑھے گا، آپسی اختلافات کم ہوں گے، جنگ وجدال کے خطرات میں کمی آئے گی، اور اہل مذاہب کے درمیان فرقہ وارانہ منافرت بھی کم ہو جائے گی جس سے دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن سکے گی۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ خود مذاہب ہی میں اس کی طرف رہنمائی ہے، اور انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب ادیان ایک ہی منزل تک لے جانے کے مختلف راستے ہیں۔

دونوں بنیادیں کھوکھلی ہیں:

لیکن احقر کے نزدیک دونوں بنیادیں بالکل کھوکھلی ہیں۔

جہاں تک پہلی اساس کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ اختلافات موجود ہیں، ان میں مذہب کا دخل بہت کم ہے، بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اکثر جنگیں ایک ہی مذہب کے متبعین کے درمیان ہوتی ہیں۔

اس لئے اس مقصد سے وحدت ادیان کا تصور پیش کرنا بے مقصد اور سراسر لغو ہے۔

اور جہاں تک دوسری اساس کا تعلق ہے، تو ہم دوسرے مذاہب سے بحث نہیں کرتے (اگرچہ یہ فکر ہمارے خیال سے کسی مذہب میں نہیں ہے)، اس لئے کہ دوسرے مذاہب کے بارے میں بتانے کا حق خود ان مذاہب کے متبعین کو ہے، لیکن اسلامی نقطہ نظر سے ہم پورے اعتماد، انشراح اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نظریہ کی کوئی گنجائش کسی بھی طور پر نہیں ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أفغير دين الله يبغون... ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين" (آل عمران: ۸۳، ۸۴، ۸۵) (اب کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یالاچاری سے اور اسی کی طرف سب پھر جاوینگے، تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں، اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے)۔

ب- مظلوموں کا تعاون بقدر استطاعت واجب ہے:

اسلام کا اعلان ہے کہ تمام بنی نوع انسان، خواہ وہ کسی بھی جنس، قبیلہ یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، بحیثیت انسان مکرم ہیں، اور یہ کہ تمام انسان ایک باپ حضرت آدم کی اولاد ہیں، معیار فضیلت: پرہیزگار، اخلاق عالیہ اور دوسری صفات محمودہ ہیں، نہ کہ کسی خاص طبقہ اور گروہ سے تعلق رکھنا۔

مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے ایک اور ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ نہ صرف خود نیکیاں کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے، برائیوں سے روکے اور مظلوموں کی مدد کرے، اور اللہ کی زمین پر عدل وانصاف کو قائم کرے، اللہ تعالی نے بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کی سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ وغیرہ میں ان احکامات کو بیان فرمایا ہے۔

لہذا میرے نزدیک مسلمانوں پر ان مظلوموں کی مدد اور نصرت حتی الوسع واجب ہوگی، البتہ مسلمان چونکہ خود یہاں بے دست و پا اور مظلوم بن چکے ہیں اس لئے موقع محل اور وقت کے

Marfat.com

اعتبار سے اس تعاون کی شکلیں بدل جائیں گی، چنانچہ استطاعت ہی کے اعتبار سے کبھی نصرت طاقت وقوت کے ذریعہ ہوگی، کبھی زبان سے اور کبھی تو صرف دل میں اس کو برا سمجھ کر اور مظلوم کی ہمدردی رکھنے سے ہی تعاون کا ثواب ہوگا۔

ج- خدمت خلق کے اداروں میں فرقہ واریت نامناسب ہے:

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم ماں باپ اور عزیز واقارب پر بھی خرچ کرنے کی کئی جگہ تاکیدیں وارد ہوئی ہیں، پڑوسی، یتیم، مسکین اور لاچار پر بلا تفریق مذہب وملت خرچ کرنے کی بار بار تاکید وارد ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين إحساناً وبذي القربى واليتامى والمساكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل" (سورۂ نساء: ۳۶)۔

ان نصوص کے پیش نظر میرے نزدیک اس طرح کے خدمت خلق کے لئے قائم کئے جانے والے اداروں کو بلا تفریق مذہب وملت سب کے لئے عام رکھنا چاہئے، البتہ اس میں دو باتیں پیش نظر رکھنا ضروری ہیں:

۱- ایک یہ کہ زکاۃ کی رقم شرعاً غیر مسلموں پر صرف نہیں کی جاسکتی (ہدایہ ۱/ ۲۰۵)۔

اسی طرح تبرعات اور چندوں میں متبرعین کی جہت کا اعتبار ضروری ہوتا ہے (عام کتب فقہیہ مثلاً شامی ۳/ ۳۹۵)، لہٰذا اموال زکاۃ اور خاص کر مسلمانوں کے لئے کئے گئے چندوں کو غیر مسلمین کی دواؤں وغیرہ پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا، ان کو صرف مسلمانوں پر مفت صرف کیا جائے۔

۲- دوسری بات یہ کہ اگر بالفرض کسی علاقہ میں ایسی صورت حال ہو جائے (ابھی

Marfat.com

میرے خیال سے عملاً شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے) کہ غیروں کے ان اداروں سے مسلمانوں کا استفادہ کرنا مشکل ہو، اور مسلم ادارہ غیر مسلموں کو بھی نوازے اور اس کے پاس سب مسلمان ضرورت مندوں کو مستفید کرنا مشکل ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں مسلم ادارہ کو مسلمانوں کو ہی ترجیح دینی چاہئے، اس لئے کہ غیر مسلم کہیں بھی استفادہ کرلے گا، اور مسلمان کے لئے یہاں بھی گنجائش نہ رکھی گئی تو کہاں جائے گا۔

د- ریلیف میں حتی الامکان فرقہ واریت نہ کی جائے:

اس صورت میں بھی میرے نزدیک زکاۃ اور صرف مسلمانوں کے لئے چندہ کردہ رقوم غیر مسلموں پر صرف نہیں کی جاسکتیں، بقیہ رقوم میں ریلیف کے وقت اسلامی حسن اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ فرقہ واریت کے بجائے ضرورت اور حاجت دیکھی جائے، اگر غیر مسلم کو حاجت زیادہ ہو تو اسی کو اولیت دی جائے، لیکن اگر غیر مسلموں کو نوازنے کے لئے مختلف تنظیمیں متحرک ہوں اور مسلمانوں کی غم خواری کرنے والا کوئی نہ ہو تو مسلمانوں کو اولیت دینی چاہئے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے چند اہم مسائل

مولانا محمد اقبال قاسمی
مدرسہ اسلامیہ، شکر پور بھروارہ

غیر مسلم ممالک اور جمہوریت:

غیر مسلم ممالک میں سیکولر حکومتوں کی تشکیل میں مسلمان نہ صرف حصہ لے سکتے ہیں، بلکہ انہیں پوری بیدار مغزی اور تدبر و تفکر کے ساتھ اس میں بھرپور حصہ لینا چاہئے، تاکہ اپنے دینی و ملی مصالح کا تحفظ کر سکیں، حکومت دور حاضر میں زندگی کے تمام شعبوں پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لئے حکومت کی تشکیل سے کنارہ کشی اختیار کر کے مسلمان اپنے دینی و ملی وجود کو باقی نہیں رکھ سکتے، جائز دنیاوی مصالح کی حفاظت نہیں کر سکتے بلکہ ان کا تشخص بھی خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔

۱- الف- الیکشن میں حصہ لینا:

موجودہ انتخابی نظام کے غیر اسلامی ہونے اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جو سب پر عیاں ہیں جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور اسلامی نظام حکومت کے قیام کے امکانات روشن نہیں ہیں تو مسلمانوں کا مفاد اسی میں ہے کہ مذہبی آمریت کے بجائے جمہوریت کی تائید کریں، اور جمہوری نظام کا سب سے بنیادی عنصر

Marfat.com

الیکشن اور انتخابی عمل ہے تو مسلمانوں کے لئے انتخابی عمل اور الیکشن سے صرف نظر ممکن نہیں۔ لہذا ایسی صورت حال میں الیکشن میں مسلمانوں کا حصہ لینا صرف درست ہی نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے، تاکہ مسلم نمائندہ مسلمانوں کی آواز کو پارلیمنٹ تک پہنچا سکے، نیز پارلیمنٹ میں پاس ہونے والے قوانین سے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوں مسلمانوں کو آگاہ کر سکے۔ اور اس طرح کے قوانین کے خلاف قانونی دائرہ میں احتجاج کر سکے اور مذہبی تعلیمی، سماجی اور معاشی حقوق کے تحفظ کے لئے سعی کر سکے۔

الیکشن میں امیدوار بننا:

الیکشن میں امیدوار بننا، عوام سے ووٹ کی بھیک مانگنا، ووٹ حاصل کرنے کے لئے جھوٹے اور غلط وعدے کرنا، اپنے کو اس عہدے کے لائق اور دوسرے کو نالائق بتانا اور بے بنیاد دلائل دینا، اپنی پارٹی کی خوبیوں کو ذکر کرنا اور دوسری پارٹیوں کے نقص اور عیب کو بتانا۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایک ناروا بلکہ ایک غیر شریفانہ حرکت ہے، قرآن کریم اور احادیث رسول میں حب جاہ اور حب مال سے منع کیا گیا ہے اور عام حالات میں عہدہ طلب کرنے اور عہدہ سپرد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ کی روایت ہے:

''میں اور میرے دو چچازاد بھائی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ان دونوں میں سے ایک نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا کہ آپ مجھے بعض اس حصہ پر حاکم بنا دیجئے جس پر اللہ نے آپ کو حاکم بنایا ہے، دوسرے نے بھی کچھ اس طرح درخواست کی تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ بخدا ہم کسی ایسے شخص کو حاکم نہیں بناتے جو عہدہ کا مطالبہ کرے یا اس کا حریص ہو'' (مشکوۃ شریف ۳۲۲ر بحوالہ مسلم و بخاری)۔

دوسری روایت میں ہے:

Marfat.com

"عن عبد الرحمن بن سمرة قال: قال لی رسول الله ﷺ : لا تسأل الإمارة فإنک أن أعطیتها عن مسئلة وکلت إلیها وإن أعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها" (مشکوۃ شریف ۲/ ۳۲۲) (حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ عہدہ کا سوال مت کیا کرو، کیونکہ اگر وہ عہدہ تجھے طلب پر ملا ہے تو (خدا کی مدد اٹھ جائے گی اور) وہ تیرے حوالہ کردیا جائے گا (کہ تو جانے اور تیرا کام) اور اگر بغیر طلب کے ملا ہے تو اللہ کی مدد تیرے شریک حال رہے گی)۔

چونکہ ہندوستان اور اس طرح کے دیگر جمہوری ممالک میں عوامی نمائندگی کے شعبہ میں جانے کی صورت میں الیکشن اور انتخابی قوانین کے تحت الیکشن میں اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو ان خصوصی حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے الیکشن میں حصہ لینا درست ہوگا۔ البتہ امیدوار کے لئے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس عہدہ کی لیاقت رکھتا ہو جس کا وہ امیدوار ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار اور امین ہو اور مقصد ہو مسلمانوں کی خدمت اور ان کے حقوق دلوانا، اس کے قلب میں حب جاہ کا مرض نہ ہو، وہ انصاف کے ساتھ لوگوں کے حقوق ان کے پاس پہنچانے کا قصد رکھتا ہو۔

ووٹ دینا:

انتخابات میں کھڑے ہونے والا ممبر اگر واقعتاً اس عہدے کے لائق اور امین اور متدین ہے، اور حقیقتاً اس عہدہ کے لائق ہے تو اس کو ووٹ دینا بالکل جائز اور درست ہے اور چونکہ اس سے مذہبی، ملی سماجی اور معاشی حقوق وابستہ ہیں اس لئے بغیر ترغیب اور دعوت کے از خود جاکر اس کے حق میں ووٹ دینا لازم ہے اور یہ شریعت مطہرہ کے نزدیک پسندیدہ اور مرغوب فعل ہے، حدیث شریف میں ہے:

Marfat.com

"ألاأخبركم بخير الشهداء الذى يأتي بشهادته قبل أن يسألها" (مشکوۃ شریف ۳۲۷ بحوالہ مسلم)۔ (کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص جو اپنی گواہی طلب کرنے سے پہلے ہی ادا کردے)۔

اور اسی طرح ضرورت کے مواقع میں اپنی شہادت چھپانا یا جھوٹی شہادت دینا حرام اور ناجائز ہے، قرآن کریم اور کتب احادیث میں بے شمار آیات واحادیث ہیں جو اس کی حرمت اور ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

انتخابی مہم چلانا:

کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانے کا مسئلہ الیکشن میں امیدوار کے کھڑے ہونے کے جواز اور عدم جواز پر ہے۔ اگر امیدوار لائق اور متدین ہو تو پھر شریعت کے حدود میں منکرات اور غلط بیانی سے بچتے ہوئے انتخابی مہم چلانا اور اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا حسب موقع جائز ہی نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے، ورنہ ناجائز اور حرام ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہی مقالات مولانا محمد تقی عثمانی ۲ / ۲۹۴، ۲۹۹، ۳۰۰)۔

ب- مذہبی مفادات کی بناپر مسلمانوں کے لئے ووٹ کا وجوب:

جب انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات متعلق ہیں تعلیمی، معاشی، سماجی اور رفاہی حقوق وابستہ ہیں تو ایسی صورت میں جس طرح نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا ناجائز ہے اور گناہ کا باعث ہے، اسی طرح کسی اچھے، قابل اور ایسے شخص جس کے سینہ میں مسلمانوں کی ہمدردی اور غم خواری ہو، وہ ان کے ملی، مذہبی اور معاشی حقوق کے تحفظ کا قصد رکھتا ہو ان کو ووٹ دینا ایک فریضہ شرعی ہے، قرآن کریم نے جس طرح جھوٹی شہادت کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے اسی طرح سچی شہادت کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے، اللہ تعالی حکم دیتے ہیں:

Marfat.com

"کونوا قوامین لله شهداء بالقسط" (تم اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے ہو جاؤ)۔
اور ارشاد ہے: "واقیموا الشهادة لله" (تم اللہ کے لئے شہادت کو قائم کرو)۔
اس مسئلہ میں مزید وضاحت کے لئے دیکھئے: کفایت المفتی ۹/ ۴، ۷/ ۳، ۵، ۷/ ۳ وغیرہ۔

ج- اسلام مخالف پارٹی میں شمولیت اور ووٹ:

اگر بعض ایسی سیاسی پارٹیاں الیکشن میں حصہ لیتی ہوں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو لیکن ان کے بعض امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب اور درست ہو تو مسلمانوں کے لئے ان کے جماعتی آئین وقوانین سے قطع نظر اشخاص وافراد کے ذاتی حالات کی بنا پر انہیں ووٹ دینا ناجائز اور حرام ہے، اور اس طرح کی فسطائی اور فاشزم والی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت قطعا درست اور جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ اور متاع مذہب اسلام اور اس کے قوانین واحکام ہیں، اس لئے اسلام مخالف پارٹیوں کے ساتھ کسی بھی حال میں سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا، اس سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا وہ مقالہ پیش نظر رکھا جاسکتا ہے جو مجلہ بحث ونظر شمارہ ۵۱/ میں شائع ہوا ہے۔

د- انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ تال میل:

انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ملی مفادات کے تحت تال میل، معاہدے، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کا مسئلہ حالات اور مصالح سے متعلق ہے، حالات اور مصالح جس کے متقاضی ہوں اس اعتبار سے معاہدے اور حمایت کا فیصلہ اس وقت کے مخلص، خیر خواہ مسلم قائدین کی صواب دید پر موقوف ہے، تاہم مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

۱- بڑے شر سے بچنے کے لئے چھوٹے شر کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

۲-غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ شرکت پر یہ امید اور توقع ہو کہ قانون ساز اداروں اور حکومت میں شریک ہو کر وہ مسلمانوں کے مذہبی اور قومی مفادات کو حاصل کرنے اور نقصانات سے بچانے میں کوئی اہم رول ادا کر سکیں گے۔

۳-باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے اگر ایک اعتبار سے چند فوائد اور مصالح حاصل ہونے کی امید ہو اور دوسرے اعتبار سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی امور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر ''دفع الضرر مقدم علی جلب المنفعة'' کے اصول کی روشنی میں انتخابی تال میل اور اشتراک جائز نہیں۔

الغرض مسلمانوں کا اجتماعی ملی مفاد مقدم ہے، وہ اگر باہمی تعاون اور اشتراک سے حاصل ہوتے ہوں تو پھر یہ اشتراک اور تعاون جائز ہے، اور اگر اس کی امید نہ ہو تو پھر جائز نہیں (دیکھئے: بیان القرآن جلد اول، کفایت المفتی ۹/ ۳۹۲)۔

۵-معاشرہ میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے اجتماعی تنظیم قائم کرنا:

معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا امت مسلمہ کا شرعی فریضہ ہے، ان مقاصد کے حصول کے لئے اگر بعض اوقات سماج کے مختلف طبقات سے تعاون حاصل کرنا پڑے اور غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کاموں کو انجام دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ یہ تعاون علی البر والتقوی کے قبیل سے ہے جو شریعت کے نزدیک مطلوب ومحمود ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حلف الفضول کی تحریک میں شرکت کی اور بعثت کے بعد یہ فرمایا کہ اگر آج بھی مجھے اس کے لئے بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجتماعی تنظیم یا ادارہ قائم کرنا جائز ہے (دیکھئے: سیرت النبی ۱/ ۱۸۲، ۱۸۳)۔

Marfat.com

واضح رہے کہ اس طرح کی تنظیم اور ادارہ قائم کرنے سے پہلے اس کے دستور اور آئین بنالئے جائیں۔ اس کے دستور عدل وانصاف پر مبنی ہوں، مسلم اور غیر مسلم سب اس کے قانون کی نگاہ میں ایک درجے کے ہوں، تنظیم میں غیر مسلموں کی اکثریت نہ ہو اور حتی الامکان اس کے اہم اور بڑے شعبے مسلمانوں کے قبضے میں ہوں، غیر مسلموں سے تعاون بقدر ضرورت لیا جائے۔

۲- (الف) مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی یا علاحدہ آبادی؟

اسلام کے نظام معاشرت پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمان اپنی علاحدہ آبادی میں رہائش اختیار کریں یا ایسی مخلوط آبادی میں جہاں تہذیب و تمدن اور کلچر مسلمانوں کا چھایا ہوا ہو، تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں، کیونکہ پڑوسی اور ہمسایہ کا اثر ایک بدیہی امر ہے، ان کے قرب وجوار میں رہنے سے لازمی طور پر ان کے کلچر سے متاثر ہوں گے۔

غیر مسلموں کی آبادی میں مسلمانوں کی رہائش پذیر نہ ہونے کی بابت خود اللہ کے رسول کا صریح ارشاد موجود ہے: "أنا بريئ من كل مسلم أقام مع المشركين لا تراءى نارا هما" (مجمع الزوائد ۵/۲۶۰) (میں ہر اس مسلمان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جس نے مشرکوں کے ساتھ بود وباش اختیار کرلی ہو، ان کو تو اس طرح رہنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آئے)۔

اسی طرح آیات براءت کے ذریعہ مشرکین کو حدود حرم سے نکل جانے کا الٹی میٹم دینا پھر وقت مقرر پر مکہ خالی کرادینا، یہود کو مدینہ کے قریب سے نکل جانے کا حکم دینا پھر عہد فاروقی میں خیبر کو خالی کرکے جزیرہ عرب سے نکال دینا اس امر کی بین دلیل ہے کہ خدائے پاک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ ایک صالح، پاکیزہ اور دینی معاشرہ ہونا چاہئے، وہ غیر اسلامی تہذیب

Marfat.com

اور مشرکانہ رسم و رواج سے آلودہ نہیں ہونا چاہئے، وہاں پہنچنے کے بعد کوئی بھی آدمی اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اس سلسلہ میں علامہ شبیر عثمانی کی تفسیر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتوں کے ذیل میں پڑھنے کے لائق ہے (تفسیر عثمانی ۲۴۸)۔

آج کے حالات میں جبکہ پورے ہندوستان میں تعصب اور تنگ نظری لوگوں کے قلب وجگر میں پیوست کردی گئی ہے، جگہ جگہ فرقہ وارانہ مسلم کش فسادات کرائے جارہے ہیں، کسی بھی خطے میں مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو محفوظ نہیں ہے، ان کو مختلف نوع کے ذریعہ کمزور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جہاں مسلمان قلیل تعداد میں ہیں یا بے سروسامانی کے عالم میں ہیں وہاں ان کو تر لقمہ سمجھ کر نگلنے کی کوشش کی جاتی ہے، تنگ نظری اور کٹر پنتھی غیر مسلموں کے دماغ میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ بظاہر ان کے اسلامی اخلاق وکردار سے متاثر ہونے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی علاحدہ آبادیاں قائم کریں اور وہاں رہائش اختیار کریں تاکہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو، مذہبی عبادت گاہیں اور مراکز، مدرسے اور خانقاہیں، مساجد اور مقابر محفوظ رہیں، یا کم از کم ایسی مخلوط آبادی میں رہائش اختیار کریں جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں ان کی تہذیب وتمدن کا غلبہ ہو۔

ب- غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت اور میت کے پاس رہنا:

معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے لازم ہے کہ اپنے دوست یا پڑوسی کو کوئی خوشی یا غم لاحق ہو تو ان کی خوشی یا دکھ درد میں دوسرا دوست یا پڑوسی شریک رہے، ہر ایک دوسرے کے ساتھ حسن اخلاق کا نمونہ پیش کرے، اگر ان کے گھر موت واقع ہوجائے یا وہ کسی پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہوجائیں تو ان کے گھر جاکر ان کی تعزیت کرے، تسلی کے الفاظ بولے، بوقت

Marfat.com

ضرورت ان کا تعاون کرے اور خبر گیری کرتا رہے، یہ ہر ایک پڑوسی اور دوست کے ساتھ ہونا چاہئے، مسلمان ہو یا غیر مسلم ایسا کرنا عین اسلامی منشا اور مزاج کے مطابق ہے، کتب حدیث اس طرح کے اخلاق برتنے اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے سے بھری پڑی ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی اس کا نمونہ ہے۔ لیکن غیر مسلموں کے جنازہ میں شرکت یا آخری رسومات کی ادائیگی کے وقت میت کے پاس کھڑا رہنا جائز نہیں، کیونکہ شریعت نے مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت کا حکم ایک مسلمان کی تعظیم اور اکرام کی وجہ سے دیا ہے، اور غیر مسلم تو قابل اہانت ہے، نیز آخری موقع پر وہ مشرکانہ اور ہندوانہ رسوم کے ساتھ ان کو جلا کر خاکستر کرتے ہیں جن میں شرکت کم از کم تعاون علی الاثم ہے، کیونکہ وہ سارے رسومات شریعت اسلامی کے خلاف ہوں گے اور ہم شریک ہو کر گویا ان کی تائید کر رہے ہیں جبکہ اس کی ممانعت قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے:

"ولا تصل على أحد منهم مات أبداً ولا تقم على قبره إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (سورہ توبہ: ۸۴) (آپ ﷺ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ مت پڑھئے جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اور اس کی قبر پر کھڑے مت ہوئیے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور ان کی موت فسق کی حالت میں آئی)۔

غیر مسلموں کے لئے ایصال ثواب اور قرآن خوانی:

ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا مقصد ہے کسی بھی عبادت مالیہ یا بدنیہ کے ذریعہ مردے کو ثواب پہنچانا یا قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانا، اس کے لئے تخفیف عذاب اور مغفرت کی دعا کرنا، اس کی نیکیوں میں اضافہ کرنا وغیرہ، اور یہ سب چیزیں مسلمان کے ساتھ مختص ہیں، اور غیر مسلم جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کے لئے خلود فی النار واجب ہے وہ دائمی دوزخی ہے، "لا يخفف عنهم العذاب ولا هم ينصرون"۔

Marfat.com

رسول پاک ﷺ کے عم محترم ابو طالب کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے فرط محبت اور ادائے حق کے طور پر استغفار کرنا شروع کر دیا تو اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو اس سے منع کر دیا: "ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکبن ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لھم أنھم أصحاب الجحیم" (سورہ توبہ ۱۱۳) (نبی اور ایمان والوں کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں، خواہ ان کے رشتہ دار ہوں جبکہ ان کے سامنے یہ واضح ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں) (اس کی تفسیر کے لئے دیکھئے: ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر عثمانی ۲۷۱)۔

ج- مذہبی اور غیر مذہبی تقریبات کے موقع کی مٹھائیاں:

غیر مسلم حضرات اپنی مذہبی یا غیر مذہبی تقریبات کے موقع پر جو مٹھائیاں اور تبرکات اپنے مسلمان دوستوں کو پیش کرتے ہیں وہ اگر بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں تو مسلمانوں کے لئے ان کو کھانا حرام اور ناجائز ہے، وہ اپنی روح اور منشا کے اعتبار سے "ما ذبح علی النصب" میں داخل ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے: کفایت المفتی ۳۳۵/۹، فتاوی عبد الحی ۴۰۹، بحث ونظر شمارہ ۵۱)۔

اور اگر وہ مٹھائیاں بتوں پر چڑھائی ہوئی نہ ہوں تو ان کو کھانا جائز ہے، اسی طرح دیگر ماکولات ومشروبات کا استعمال شادی اور دوسری تقریبات میں بغیر کراہت جائز ہے، بشرطیکہ حلال اور پاک ہونے کا ظن غالب ہو اور برتن دھویا ہوا ہو۔

فتاوی ہندیہ میں لکھا ہوا ہے: "ویکرہ الأکل والشرب فی أوانی المشرکین قبل الغسل ومع ھذا لو أکل أو شرب فیھا قبل الغسل جاز ولا یکون آکلا ولا شاربا حراما" (ہندیہ) (مشرکوں کے برتنوں میں کھانا اور پینا دھونے سے پہلے مکروہ ہے، اس

Marfat.com

کے باوجود اگر کوئی برتنوں میں دھونے سے پہلے کھاپی لے تو جائز ہے اور وہ حرام کو کھانے پینے والا شمار نہیں ہوگا)۔

د۔ مسلم عبادت گاہوں میں چندہ دینا اور ان کو تعمیر کرانا:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد، مدرسے یا مذہبی جلسے جلوس میں چندہ دے یا اپنے روپے سے ان کو تعمیر کرائے اور وہ اس کو کار ثواب سمجھے تو اس کے چندہ کو قبول کرنا اور اس کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کا حکم مسجد کا حکم ہوگا۔

علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "إن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف إلی الفقراء أو علی مسجد القدس" (ردالمختار ۳/۳۹۴) (دیکھیے: فتاوی رشیدیہ ص ۵۳۷)۔

واضح رہے کہ چندہ لیتے وقت غور کرلے کہ اس چندہ دینے میں مسلمانوں کو کسی دینی یا دنیوی ضرر یا طعنہ زنی یا افتخار و اظہار منت کا اندیشہ تو نہیں ہے، یا آئندہ ہم سے مندر یا دیگر مذہبی تقریبات میں چندہ کا مطالبہ تو نہیں کرے گا، اگر اس طرح کی کوئی بات ہو تو ان سے تعاون کسی طرح کا نہ لیا جائے (مزید تفصیلات کے لئے دیکھیے: معارف القرآن ۴/۳۳۰، ۳۳۱، احسن الفتاوی ۶/۴۳۹، ۴۴۰)۔

غیر مسلم کی عبادت گاہوں اور مذہبی تہواروں میں چندہ دینا:

غیر مسلم کے معابد کی تعمیر اور مذہبی تہواروں اور جلسے جلوس میں چندہ دینا یا ان میں کسی طرح تعاون کرنا نص قطعی کی بنا پر حرام اور ناجائز ہے۔

مولانا تقی عثمانی فقہی مقالات میں لکھتے ہیں: "کسی مسلمان کے لئے چاہے وہ کوئی

Marfat.com

فرد ہو یا جماعت عیسائی اداروں میں یا چرچ میں چندہ دینا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں'' (جدید فقہی مقالات ۱؍ ۲۶۳) (نیز دیکھئے: جدید فقہی مسائل ؍ ۴۴۳)۔

۵- الف- دعوت افطار:

اگر افطار میں غیر مسلم سیاسی وسماجی قائدین کو دعوت دی جائے اور مقصد ان تک اسلامی پیغام پہنچانا اور اس سے مانوس کرنا ہو یا مسلمان کو ملی یا سماجی فائدہ پہنچانا ہو تو دعوت افطار کا اہتمام مستحسن ہے اور بوقت افطار دعا، تسبیح اور افطار کے آداب کا خاص لحاظ رکھے تاکہ روحانی اعتبار سے تعلق مع اللہ کا اثر ان کے قلب و دماغ پر پڑے۔ لیکن اگر اس دعوت کا مقصد وزراء اور اعیان سلطنت کا قرب حاصل کرنا ہو یا تشہیر ہو یا اور کوئی دنیاوی غرض ہو تو پھر ایسی دعوت سے احتراز بہتر ہے۔

اور اگر غیر مسلم قائدین مسلمان کو دعوت افطار دیں اور افطار حلال و جائز مال سے تیار کریں، اس میں مسلمانوں کے اصول وآداب کی رعایت ہو اور نماز کا بھی نظم ونسق ہو تو افضل تو یہی ہے کہ شرکت سے بچا جائے تاہم شریک ہونا جائز ہے خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ ان کے سیاسی اغراض ہوں یا مسلمانوں کو فریب دے کر اپنے سے قریب کرنا چاہتے ہوں۔

(ب) غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت اور تہنیت:

غیر مسلموں کی تقریبات اور تہوار چونکہ فحش، عریانیت، بے حیائی اور منکرات و مغلظات نیز مشرکانہ رسومات پر مشتمل ہوتا ہے، نوجوان دوشیزہ لڑکیاں آراستہ ہو کر مورتیوں کی پوجا پاٹ کے لئے مندر اور دیگر استھانوں پر جاتی ہیں اور یہ سب چیزیں شریعت میں ناجائز اور حرام ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان تقریبات میں شریک ہو کر مشرکانہ افعال اور خرافات کی تائید کریں۔

Marfat.com

اور جب شرکت ہی جائز نہیں تو مبارک باد دینا کیا درست ہوگا؟ اس لئے یہ موقع تہنیت اور مبارکباد کا نہیں بلکہ اسلام کو سمجھانے کا ہے (دیکھئے: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی تحریر بحث ونظر شمارہ/۵۱)۔

۳-(الف) جھنڈے کو سلامی دینا:

غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کا ناجائز اور حرام ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اور تکریم و احترام بعض چیزوں کی مباح ہے لیکن احترام میں ایسا غلو جس سے عبادت کا شائبہ ہونے لگے مکروہ ہے لہذا پرچم کشائی اور جھنڈے کو لہرانے اور سلامی دینے کا مقصد چونکہ عبادت اور بندگی نہیں ہے، اس لئے وہ شرک کے دائرہ میں تو نہیں آتا لیکن احترام میں اس قدر غلو مکروہ ہے، اسی طرح ترانہ پڑھتے وقت احترام میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، لہذا مسلمانوں کو حتی الامکان ان سب چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے، اور اگر حکومت کی طرف سے دباؤ ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو بادل ناخواستہ مذکورہ امور کے ارتکاب کرنے میں ان شاء اللہ مواخذہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں یہ مسئلہ بہت حساس نوعیت کا رہا ہے، اس پر بہت لوگوں نے لکھا ہے (دیکھئے: نقیب جلد ۷، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۸۸، ماہنامہ ارشاد جلد ۴، شمارہ/ ۳۵)۔

مشرکانہ ترانے یا وندے ماترم پڑھنا:

وندے ماترم یا ایسے قومی ترانے پڑھنا جن میں شرکیہ مضامین ہوں اسلامی عقیدے پر حملے کے مترادف ہے، ایسے ترانے پڑھنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے جن میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہو، کسی بھی مسلمان کے لئے کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور اس بابت کسی بھی حکومت سے سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا، یہ تو اسلام کی اساس پر حملہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''ولئن اتبعت أهوائهم من بعد ما جاء ک من العلم

Marfat.com

إنک إذا لمن الظالمین" (سورۂ بقرہ:۱۴۵) (اگر آپ نے ان کی خواہش کی اتباع کی آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد تو بلا شبہ آپ ظالموں میں سے ہوں گے)۔

اور کل ہند مجلس تعمیر ملت نے یہ تجویز پاس کی ہے:

"اس سمینار کا متفقہ احساس ہے کہ وندے ماترم کو قومی گیت قرار دینا نہ صرف مسلمانوں بلکہ ملک کی دوسری مذہبی اقلیتوں پر بھی ایسی چیز تھوپنا ہے جو ان کے ضمیر وعقیدہ کے خلاف ہے...... مسلمانوں کے لئے یہ گیت پڑھنا قطعاً جائز نہیں" (الرشاد شمارہ نومبر ۲۰۰۰)۔

ج- جمہوری ممالک کے عدالتی فیصلے اور مسلمان:

انسان زمین پر خدائی احکام نافذ کرنے میں خدا تعالی کا نائب اور خلیفہ ہے، اس لئے اصل احکام، زندگی کے تمام شعبوں میں وہ خدائی احکام ہیں جن پر ہر شخص کو مکمل طریقے سے کاربند ہونا چاہئے خصوصا مسلمانوں کو جنہوں نے کلمہ توحید کے ذریعہ خدائی نظام اور شرعی قوانین پر عمل پیرا ہونے کو اپنے ذمہ از خود لازم کرلیا ہے، رب ذوالجلال نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام امور میں خواہ اتفاقی ہوں یا نزاعی خدا اور رسول کے حکم کی اطاعت کریں اور کوئی بھی معاملہ غیر مسلم عدالت میں نہ لے جائیں، غیر مسلم عدالت میں لے جانا شیطان کو حکم بنانے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں پر نکیر کی ہے جو اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود اپنا فیصلہ کسی یہودی کے پاس لے جاتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: "ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک. يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالاً بعيد" (سورہ نساء:۶۰)۔

Marfat.com

۴-الف-وحدت ادیان ایک غیر اسلامی تصور:

لوگوں میں تمدنی اور ثقافتی وحدت پیدا کرنے کے لئے انسانوں کو ان کی عملی زندگی سے علاحدہ کردینا اور مذہب کے دائرہ میں کچھ عبادتی رسوم کو باقی سمجھنا اور لوگوں کے قلب و دماغ میں یہ تاثر پیدا کرنا کہ مذاہب الگ الگ ہیں اور منزل مقصود ایک ایک غیر اسلامی تصور اور شریعت سے متصادم نظریہ ہے کیونکہ اس سے کفر وشرک پر مبنی مذاہب کی توثیق وتصویب ہوتی ہے، اسلام وحدت دین کا قائل ہے: "إن الدین عند الله الاسلام"، نہ کہ وحدت ادیان کا۔

اللہ جل جلالہ کا پاک ارشاد ہے: "وأن ھذا صراطي مستقیماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبیله" (سورہ انعام: ۱۵۳) (یہ سیدھا راستہ ہے تم لوگ اسی کی اتباع کرو، دوسری راہوں کی اتباع نہ کرو ورنہ تم راہ حق سے ہٹ جاؤ گے)۔

وحدت ادیان کا نظریہ خالص کافرانہ اور مغربی نظریہ ہے، اگر کوئی مسلمان سارے مذاہب کو برحق سمجھے تو وہ مسلمان ہی باقی نہیں رہے گا۔

مولانا تقی امینی صاحب اپنی کتاب میں مفاہمت بین المذاہب کی بابت یوں رقم طراز ہیں: "موجودہ دور میں "وحدت ادیان" کے نام سے مفاہمت کی جو شکل نکالی گئی ہے وہ دراصل مذہب کے خلاف زبردست سازش اور چال ہے، مذہبی لحاظ سے اس کو قبول کرنا خود مذہب کے "دیوالیہ" ہونے کا اعلان کرنا ہے، اسلام اس کی موجودہ شکل کو ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے" (اسلام اور جدید دور کے مسائل رص ۳۳۵)۔

ب-پسماندہ طبقے کا تعاون:

اسلام ایک انصاف پسند اور غمخوار مذہب ہے اس کے اندر انسانی ہمدردی اور بھائی چارگی ہے، وہ بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اور ہر ایک کو ظلم سے

Marfat.com

روکتا ہے۔اس کا حکم تو یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے اور ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔

لہذا غیر مسلموں کے کسی طبقہ پر اگر کوئی طبقہ ظلم کررہا ہو اور اس کو منصوبہ بند طریقے سے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی اعتبار سے کمزور اور پسماندہ بنانا چاہتا ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اخوت انسانی کی بنا پر مظلوم طبقہ کی مدد کریں اور ظالم طبقہ کے خلاف آواز کو بلند کریں۔

حدیث پاک میں ہے: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً فقال رجل يا رسول الله أنصره مظلوماً فكيف أنصره ظالماً قال: تمنعه من الظلم فذلك نصرك إياه" (مشکوۃ شریف ۲، ۴۲۲) (تم اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ مظلوم کی مدد تو برحق ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو یہی اپنے بھائی کی مدد ہے)۔

ج- خدمت خلق اور رفاہی ادارے:

یہ بات درست ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کی بڑی اہمیت ہے، اور قران وحدیث میں مختلف طریقوں پر اس کی ترغیب دی گئی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسرے اہل مذاہب سے امت مسلمہ کا رشتہ اخوت انسانی پر مبنی ہے اور مسلمانوں سے اس کا دوہرا تعلق ہے ایک انسانی بھائی چارہ کا اور دوسرے اسلامی وایمانی اخوت کا، ان حالات میں مسلمان اگر خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں جیسے اسپتال، اسکول، کالج، مسافر خانہ، سرائے وغیرہ تو دیکھنا چاہئے کہ جہاں ہم ادارہ قائم کرنا چاہتے ہیں وہاں پہلے سے سرکاری ادارے اس طرح کے قائم تو نہیں ہیں جو مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے عام ہیں، اگر قائم ہوں تو پھر بہتر ہے کہ ایسے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھا جائے چونکہ سرکاری ادارہ سے غیر مسلموں کی ضرورت تو پوری ہوجاتی ہے لیکن مسلمانوں کی ضرورت پوری نہیں ہو پاتی چونکہ زیادہ تر ملازم غیر مسلم ہوتے ہیں جو متعصب ہوتے ہیں، انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں ہوتی۔ اور اگر پہلے سے کوئی ادارہ قائم نہ

Marfat.com

ہوتو دیکھنا چاہئے کہ وہاں آباد غیر مسلم طبقہ خوش حال تو نہیں ہے اگر خوش حال ہوتو پھر اس کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر ہے، اور اگر غریب، مفلوک الحال ہوتو پھر بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت کا دروازہ کھلا رکھنا بہتر ہے۔

د- قدرتی آفات میں عام لوگوں کی مدد:

قدرتی آفات جیسے زلزلہ، سیلاب، متعدی امراض، طاعون وغیرہ کا اثر تو سماج میں بسنے والے تمام ہی لوگوں پر پڑتا ہے اور سبھی لوگ امداد کے محتاج ہوتے ہیں، ایسی مصیبت کی گھڑی میں بھی بعض فرقہ پرست عناصر کا مختلف طبقات کے درمیان امتیاز وتفریق سے کام لینا اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے انتہائی مذموم فعل ہے، مسلمانوں کی ریلیف تقسیم کرنے والی تنظیموں کو ان حالات میں برادران وطن کے ساتھ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور بلا امتیاز و تفریق عصبیت کی دنیا سے الگ تھلگ ہوکر محتاجوں، بے کسوں کی مدد کرنی چاہئے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے کریمانہ اخلاق تھے۔

اس لئے ریلیف تقسیم کرتے وقت عمومی توجہ تو سبھی مصیبت زدہ پر ہونی چاہئے لیکن خصوصی توجہ مسلمانوں پر دینی چاہئے کیونکہ مسلمانوں کو دینے میں دوہرا ثواب ہے اور غیر مسلم کو ایک اور اگر ریلیف کا مال زکاۃ والا ہو یا کوئی ایسا مال ہو جو مسلمانوں کے لئے مختص ہوتو پھر اس کو مسلمانوں ہی کو دینا لازم ہے، غیر مسلم کو دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا محمد ارشاد قاسمی بھاگل پوری
مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور

جمہوری نظام میں ہر ایک کو اپنا نمائندہ قائد بنانے کا حق رہتا ہے، اس ووٹ کے حق میں وہ اچھے اور برے دونوں کا انتخاب کرسکتا ہے، مثلاً اس نے اگر ووٹ کسی اچھے کو نہ دیا تو اس کے منفی نتیجہ میں دوسرا ظالم فاسق اقتدار پر آ سکتا ہے، جس میں فی الجملہ اس کو دخل ہو جائے گا، اس لئے ہندوستان جیسے ملک میں جمہوری نظام کی وجہ سے ووٹ اور انتخاب کی بہت اہمیت ہے، فعل خیر وشر کے ارتکاب یا اس کے سبب بننے میں ہر ووٹر کو فی الجملہ دخل ہے۔

ا-الف- مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا اور ووٹ دینا جائز ہوگا، اگر چہ ایسے قانون کی تجویز کا امکان ہو جو شریعت اسلام کے خلاف ہو، چونکہ اگر یہ کامیاب ہو گئے تو جمہوری قانون کے اعتبار سے جو مذہبی آزادی ہے اس پر آواز تو اٹھا سکیں گے کچھ احتجاج تو پیش کریں گے، مسلمان کا اور اسلام کا نمائندہ بن کر نمائندگی تو کرسکیں گے، حسب موقع کچھ نہ کچھ تو آواز اٹھائیں گے، پھر آہستہ آہستہ نمائندگی میں ترقی ہونے کی وجہ سے وہ ایسا مرتبہ اور عہدہ پا سکتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا مذہبی احتجاج سنا جا سکے گا، اس لئے بالکل کنارہ کشی کے مقابلہ میں الیکشن میں انتخابی مہم میں شریک ہونا انفع ہے۔

ب- یقیناً اس جمہوری نظام میں ووٹنگ کی بڑی حیثیت ہے، نظام حکومت کی تبدیلی

Marfat.com

میں اس کو اساس کا درجہ حاصل ہے، اور یہی کنجی و مفتاح نظام ہے، اور انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات وابستہ ہوتے ہیں، لہذا ان کو ووٹ دینا اور اس میں شریک ہونا لازم ہے۔

مگر خیال رہے کہ ووٹ اسی وقت دینا اور الیکشن میں اسی امیدوار کو دینا شرعاً واجب ہوسکتا ہے جو اپنے مقابل کے اعتبار سے صالح، اسلامی مزاج یا مذہب اسلام کی رعایت کرنے والا ہو، مسلمانوں کے ملی مسائل سے دلچسپی رکھنے والا ہو۔

ج- ایسی پارٹی کا نمائندہ بننا جس نے اعلانیہ اور کھلم کھلا شعائر اسلامی کی توہین کی، مسلمانوں کے خون کو بہایا، ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، معمولی معمولی بہانہ بنا کر ان کو ہلاک کیا، نہ ایسی پارٹی کا نمائندہ بننا درست ہے اور نہ ایسی پارٹی کو ووٹ دینا درست ہے۔

آیت قرآنیہ: "إنما ينهاكم الخ" کی وجہ سے ایسے معاندین اسلام اور مخالفین اسلام کی مخالفت بالکل درست ہے۔

اگر کوئی امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک ہو، مسلمانوں کے ساتھ رویہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہو تب بھی اس کو ووٹ دینا درست نہ ہوگا، چونکہ پارٹی کے منشور پر عمل کرے گا، اور پارٹی میں ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج، اصول، قانون کی ضرور رعایت کرے گا، اس کی ذاتی خصلت سے اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا پارٹی کے منشور اور مزاج سے اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

خیال رہے کہ اس شخص سے فائدہ موہوم، اور منشور کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونا یقینی، لہذا یقینی کو موہوم کے تابع کر کے نہ ووٹ دینا جائز ہوگا، اور نہ ایسی جماعتوں میں شمولیت جائز ہوگی۔

د- انتخاب کے موقعہ پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات اور قومی فلاح و بہبود کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں، ان کے ساتھ شرکت بھی کی جاسکتی ہے، اور ان کی حمایت کی

Marfat.com

جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ مذہب اسلام کے معاند اور مسلمانوں کے خلاف نہ ہوں، مسلمانوں کے مذہب کو پامال، اسلامی قانون کو ختم، شعائرِ اسلام کو ڈھا کر محض کفر وشرک کا بول بالا کرنے والی نہ ہو، تب ایسی صورت میں ان کی حمایت جائز ہے، اور اس کے جواز کے لئے نص قرآنی سورہ ممتحنہ کی یہ آیت ہے: "لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم الخ"۔

۵- معاشرہ میں عدل وانصاف، امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے سماج کے مختلف طبقوں سے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں ان کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، اور ایسی تنظیمیں اور کمیٹیاں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ مل کر انسانی خدمات کی جاسکتی ہیں۔

مگر اس کا خیال رہے کہ وہ حقیقتاً معاند اور منافقانہ روش اختیار کرنے والے نہ ہوں، اور ایسا نہ ہو کہ ان کے مکر وفریب سے اسلام پر اور اسلامی معاشرہ پر کوئی فساد جاری ہو جائے اور اسلامی تہذیب وتمدن پر کوئی نقصان آئے۔ اور طریقہ کار ایسا نہ ہو کہ اسلامی طریقے کے خلاف ہو تو ان مذکورہ شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

اس کے جواز کی دلیل منفی پہلو سے متعلق ہے یعنی وہ امور جن میں اسلامی اصول اور مزاج سے ٹکراؤ نہ ہو، کسی قباحت اور معصیت پر مشتمل نہ ہو، سو یہاں ایسی بات نہیں، بلکہ خدمت خلق اور مکارم اخلاق سے متعلق ہے، اس کی اصل اور اساس مکارم اخلاق پر مشتمل ہے اور مذہب اسلام میں اس کی بڑی اساسی اہمیت ہے، اس کی تاکید کی گئی ہے، آپ کی بعثت ہی ایسے امور کے لئے ہوئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" (بیہقی فی الشعب ۶/۲۳۱، مستدرک ۲/۶۱۳، مکارم ابن ابی الدنیا ص ۲۰۰) (میں بہترین اخلاق وعادات کے اتمام

Marfat.com

کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پاک نے مجھے عمدہ اخلاق اور کامل درجہ کے عمدہ افعال کے لئے بھیجا ہے'' (بیہقی فی الشعب ۶/۲۳۱)۔

اس قسم کی بے شمار روایتیں احادیث کی متعدد کتابوں میں ہیں جن میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن برتاؤ، ان کی دنیاوی ضرورتوں اور معاشرتی امور میں تعاون اور اعانت کا حکم ہے، اور یہ مومن اور مسلمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔

۲-(الف) اہل اسلام کی مخلوط آبادی میں رہائش:

غیر مسلم کی اکثریتی آبادی میں مسلمانوں کی رہائش اور سکونت خصوصاً اس دور میں جب کہ مسلمان ضعف ایمان کی وجہ سے بجائے اس بات کے کہ وہ اسلامی معاشرت اور اخلاق سے دوسری قوموں کو متاثر کریں اپنی تہذیب سے دوسروں کو گرویدہ کرسکیں، اور حسن معاشرت سے اسلام کی خوبی غیر قوموں میں رائج کرسکیں اور اسلام جو خود ایک بہتر کلچر، بہترین تہذیب اور طور و طریقہ اپنے اندر رکھتا ہے اس سے دوسری قوموں کو روشناس اور متاثر کرسکیں، وہ خود غیر مسلموں کی تہذیب میں ضم ہونے لگتا ہے، اس کی معاشرت کو قبول کر لیتا ہے، بچے بچیاں سب اسی معاشرت سے متاثر ہو جاتی ہیں، اور اسلامی طور طریق کو اور ان امور کو جسے شریعت نے واجب و لازم قرار دیا ہے اسے قید صعوبت سمجھ کر اس سے آزادی اختیار کر لیتی اور رہن سہن لباس وغیرہ میں انہیں کے طرز کو اختیار کر لیتی ہیں، حتی کہ روزہ نماز اسلامی فرائض سے بھی غافل ہو جاتی ہیں اور انہیں کی طرح فواحش کا ارتکاب کرنے میں کوئی شرم و جھجک محسوس نہیں کرتی ہیں، معمر اور بوڑھے پرانے تو اپنے اسلامی ماحول پر کسی نہ کسی درجہ قائم رہتے ہیں مگر ان کی اولاد اور نسل نو مذہب اور اسلامی معاشرت کو خیر آباد کہہ دیتی ہیں، اس پر تجربہ مشاہد ہے، لہذا مسلمانوں کو اسلامی معاشرت و

Marfat.com

تہذیب باقی رکھنے کے لئے جہاں تک ہو سکے مخلوط اور کثیر غیر مسلم آبادی میں سکونت ور ہائش سے اجتناب اور گریز کرنا چاہئے۔

ارباب فقہ وفتاوی نے بھی اس کے بہتر نتائج نہ سمجھ کر ممانعت اور اجتناب ہی کا فتوی دیا ہے، چنانچہ علامہ شامی درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أما إذا كثروا على وجه يؤدي إلى تعطيل بعض الجماعات أو تقليلها منعوا من ذلك وأمروا أن يسكنوا ناحية ليس فيها للمسلمين جماعة هذا محفوظ عن أبي يوسف في الأمالي" (شامی مصری نسخہ ۲۰۹/۴) (بہر حال جب ان کی تعداد زائد ہونے لگے ایسے طور پر کہ جماعت کے تعطل یا تقلیل کا باعث ہو تو اس سے روکا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ وہ بستی کے کنارے رہیں جہاں مسلمانوں کی جماعت نہ ہو)۔

پھر علامہ شامی آگے چل کر سکونت کے جواز وعدم جواز کی علت اور مناط حکم کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بل يدور الحكم على القلة والكثرة والضرر والمنفعة وهذا هو الموافق للقواعد الفقهية" (۲۱۰/۴) (حکم کا مدار قلت اور کثرت پر ہے ضرر اور منفعت پر ہے، اور یہی موافق ہے قواعد فقہیہ کے)۔

حدیث پاک میں بھی اہل اسلام کو کفار ومشرکین کے درمیان رہنے کی ممانعت ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو مشرکین صنم پرستوں کے ساتھ بود وباش اختیار کرے اس کا ذمہ خدا سے بری ہے"۔

دوسری حدیث میں ہے: "عن عمر قال قال رسول الله ﷺ: لا تجالسوا أهل القدر ولا تفاتحوهم" (مشکوۃ رص ۲۲) (حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قدریہ سے نہ مجالست کرو اور نہ ان کو گھر میں آنے دو)۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ حتی الامکان مسلمانوں کو اپنے اسلامی معاشرہ کی حفاظت اور صیانت لازم ہے، اور مخلوط آبادی بجائے موثر ہونے کے عموماً اور تجربۃً متاثر ہوجاتی ہے، اور اپنا کلچر وتمدن اور تہذیب دوسروں میں مخلوط اور مغلوب ہوجاتا ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے۔

ب- خیال رہے کہ پڑوسی ہونے کے اعتبار سے غیر مسلموں کے ساتھ خلط ربط اور باہمی معاونت اور آپسی تعاون کی ایک حد ہے: رہن سہن، ملنے جلنے اور اخلاقی امور کی تو ان کے ساتھ گنجائش ہے مگر ان کے ان امور میں جن میں مذہب شامل ہوجاتا ہو اور مذہب کی حیثیت سے جو کافرانہ امور کرتے ہیں جس میں وہ دوسرے مذاہب سے امتیازی امور اختیار کرتے ہیں اہل اسلام کو اس میں شرکت اور تعاون کی اجازت ہرگز نہ ہوگی۔

ہر مذہب میں میت کے ساتھ مرنے کے بعد کے امور میں مذہبی امور کی رعایت ہوتی ہے۔ لہذا اہل سلام کو دوسرے باطل مذہب میں شرکت ممنوع ہے، یہ ہے اصل تنقیح مناط۔ غیر مسلموں کے یہاں مُردوں کے ساتھ ارتھی کریا کرم اور شمشان گھاٹ جنازہ کو ایک خاص مذہبی امور کے ساتھ لے جاتے ہیں جو امور شرکیہ کفریہ ہوتے ہیں، لہذا یہ شرکت معیت لاش کو اٹھانا، شمشان گھاٹ جانا اور ان کو جلانا یہ سب امور اہل اسلام کے لئے ناجائز وحرام ہوں گے، اور ان کے آخری رسومات میں شریک ہونا درست نہ ہوگا، سوائے دنیاوی تعاون کے۔

شبہ کا ازالہ:

صحاح ستہ میں آپ ﷺ کا یہودی کے جنازہ میں شریک ہونا ثابت ہے۔

اس سے ہندو کے جنازہ میں شرکت کے جواز کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، اس کے کئی وجوہ ہیں:

۱- یہ اہل کتاب کے ساتھ ابتداء میں موافقت کا حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوکر "خالفوھم" کا حکم ہوگیا۔

Marfat.com

۲-اہل کتاب اور بت پرستوں کے معاملہ میں فرق ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے، بخلاف بت پرستوں کے۔

۳-اہل کتاب کے جنازہ میں سادگی کے ساتھ دفن کرنا ہوتا تھا، بخلاف ہنود ہند کے جنازہ میں کہ کافرانہ رسوم کے ساتھ جنازہ کو چتا میں ڈال کر جلانا ہوتا ہے، لہذا مسلمان کا ہنود کے جنازہ میں شریک ہونا جائز نہیں، ہاں عیادت کر سکتے ہیں، ایسے موقعوں پر ان کے غم میں اظہار شرکت لفظاً ولساناً کر سکتے ہیں، ان کے گھر جا کر تسلی وتعزیت کر سکتے ہیں۔

اہل فتاوی نے بھی اس شرکت جنازہ کو نادرست قرار دیا ہے، چنانچہ فتاوی محمودیہ میں ہے:

پڑوسی کافر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو ثابت ہے لیکن ارتھی پکڑنا اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں، اس سے بچنا لازم ہے (۱۵/۴۴۵)۔

اسی طرح فقیہ الامت مفتی محمود صاحب نوراللہ مرقدہ کا ایک فتوی ملاحظہ کیجئے:

سوال-مسلمان کو غیر مسلم کے جنازہ میں ہمراہ جانا یا غیر مسلم کو مسلم کے جنازہ کے ساتھ چلنا، تکفین وتدفین میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

جواب-درست نہیں (محمودیہ ۱۴/۲۹۲)۔

پس معلوم ہوا کہ مرن اور میت کے ساتھ جو خاص مذہبی نوعیت کے امور ہوتے ہیں وہ شرک اور کفر پر مشتمل ہوتے ہیں، لہذا ایسے موقع پر شرکت جائز نہیں۔

کافر غیر مسلم کے لئے ایصال ثواب:

خیال رہے مومن کے علاوہ کسی بھی غیر مسلم مشرک، کافر یہودی، نصرانی کے لئے مرنے کے بعد دعاء مغفرت ورحمت اور ایصال ثواب بالکل جائز نہیں، اور اس کی ممانعت نص قطعی

Marfat.com

سورۂ توبہ کی آیت:"ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین" سے ثابت ہے۔

ج۔ اس سوال میں دو شقیں ہیں: ایک تیوہار کے متعلق ہدایا یا تحائف کا، دوسرا تقریبات کے مواقع پر ہدایا یا تحائف کا، مثلاً شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، دوکان کا افتتاح، تعمیر مکان کی مٹھائی وغیرہ، اس میں تھوڑی تفصیل ہے۔

اول۔ تیوہار کے متعلق:

اس کی بھی دو صورتیں ہیں: ۱۔ایک وہ ہے جس کا تعلق تہوار کے پوجا پاٹ سے ہے، بتوں پر چڑھائی گئی اور پیش کی گئی مٹھائیاں اور پھل فروٹ وغیرہ ہیں دوسرے وہ ہیں جو اپنے گھروں میں پکائے جاتے ہیں اور بازاروں سے گھروں میں لاکر بلا پوجا پاٹ کئے اور بغیر مندروں اور بتوں پر چڑھائے کھاتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

ان دونوں کے احکامات الگ الگ ہیں:

۱۔تہواروں کے موقع پر پوجا پاٹ اور مندروں اور بتوں پر چڑھائی گئی اور ان کی بھینٹ کی گئی چیزیں یہ مسلمانوں کے حق میں بالکل ناجائز اور حرام ہیں۔ نہ ان کا قبول کرنا درست نہ ان کا کھانا اور استعمال کرنا درست ہے۔

الجامع لاحکام القرآن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں: **"وما ذبح علی النصب ،المعنی والنیة فیها تعظیم النصب لا أن الذبح علیها غیر جائز"**(۶۰/۵)(اور وہ جو نصب یعنی بتوں پر ذبح کئے جاتے ہیں (حرام ہیں)۔

عام کفار و مشرکین کے ہدایا کا حکم (جو دیوی دیوتاؤں اور چڑھاوا کے علاوہ ہو):

اول اس کے متعلق احادیث اور آپ کی عادت طیبہ اور آپ کا عمل، جو احکام کی اساس

Marfat.com

اور بنیاد ہے۔

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے: "باب قبول الهدية من المشركين" اس کے تحت کئی روایتیں بیان کی ہیں جس میں ہاجرہؓ کے کافر بادشاہ کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبول کرنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ حدیث ہے: "قال أبو حميد أهدى ملك أيلة للنبي ﷺ بغلة بيضاء فكساه برداً"، نیز: "أهدى للنبي ﷺ جبة سندس وكان ينهى عن الحرير". نیز: "إن كيدر دومة أهدى إلى النبي ﷺ" (بخاری ص ۳۵۶) (ابوحمید نے کہا: ایلہ کے بادشاہ نے سفید خچر اور چادر ہدیہ میں دی تھی۔ آپ کو ریشمی جبہ ہدیہ میں ملا تھا، اور اس کے پہننے سے آپ منع فرماتے تھے۔ کیدر دومہ نے آپ ﷺ کو ہدیہ دیا تھا)۔

ایک اور روایت میں ہے: "ان عياض حماد المجاشعي أهدى لرسول الله ﷺ فرساً قبل أن يسلم فقال: إني أكره رفد المشركين".

"عن عامر بن ملك الذى يقال له ملاعب الألسنة قال: قدمت على رسول الله ﷺ بهدية فقال: إنا لا نقبل هدية لمشرك" (مجمع الزوائد ۴/ ۱۵۴)۔

"عن كعب بن مالك قال قدم عامر بن مالك أخو البراء، وهو مشرك. فأهدى للنبي ﷺ فرسين وحليتين. فقال ﷺ: لا أقبل هدية المشرك." (احکام القرآن للشفیع ۳/ ۲۵) (حماد مجاشعی نے آپ ﷺ کو اسلام لانے سے قبل گھوڑا دیا تو آپ نے فرمایا میں مشرکین کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ ملاعب الالسنہ نے کہا میں آپ ﷺ کے پاس ہدیہ لے کر آیا تو آپ نے فرمایا: میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ عامر بن مالک نے جو براء کے مشرک بھائی تھے اس نے آپ ﷺ کو دو گھوڑے اور دو جوڑے ہدیۃً دیئے تو آپ نے فرمایا: میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا)۔

Marfat.com

محدثین فقہاء ومفسرین آپ کی مختلف روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے مصلحت کی رعایت فرماتے ہوئے قبول کیا ہے، لہذا اہل ہند کے لئے بھی موجودہ دور میں مصالح کے پیش نظر قبول ہی کرنا بہتر ہے۔

فقہاء اور ارباب فتاوی کے اقوال:

فقہاء کرام نے اسے جائز گو احتیاط کے خلاف قرار دیا ہے۔

اسی طرح غیر مسلم کی غیر مذہبی تقریبات شادی بیاہ وغیرہ میں، بچے کی پیدائش کے موقع پر اور مکان کی تعمیر کی خوشی کے موقع پر ان کی تقریبات میں شرکت جائز ہے، گو حکم یہ ہے کہ حتی الوسع ان کی دوستی اور اختلاط سے پرہیز کرے، اس لئے کہ مصاحبت سے ان کے کفریہ رسوم وعادات کے مسلم معاشرہ میں سرایت کا احتمال ہی نہیں یقین رہتا ہے۔

د- مذہبی تعاون کے سلسلے میں دو شقیں ہیں:

۱- غیر مسلموں کا مساجد و مدارس میں چندہ دینا اور تعاون کرنا۔

۲- مسلمانوں کا مندروں میں اور تیوہاری امور میں چندہ دینا۔ ان دونوں مسئلوں کی صورت الگ الگ ہے، اور جواب بھی جداگانہ ہے۔

۱- غیر مسلموں کا مذہبی امور میں مسلمانوں کا تعاون کرنا۔

اگر وہ اسے نیک اور اچھا کام سمجھتے ہوں اور اس میں کسی تسلط اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے، ارباب فقہ وفتاوی نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

اس کی دوسری شق یہ ہے کہ مسلمان ان کے مذہبی کافرانہ امور میں یا مذہبی تہوار میں یا مندر وغیرہ کی تعمیر میں تعاون کریں اور چندہ دیں، یہ صورت تو نص قطعی ''لا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

Marfat.com

مگر ہند جیسی سرزمین پر جہاں اب کافرانہ حکومت ہے، آبادی میں کفار کا غلبہ ہے، باہم مل جل کر رہنا ہے، تعاون اور چندہ نہ دینے کی شکل میں ضرر وفتنہ، ضیاع مال وعزت کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مجبوری اور اضطرار کے ذیل میں داخل کردینے کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس لئے ہر شق وصورت کا حکم الگ ہے۔

ا-کوئی فتنہ وفساد اور مال وجان وغیرہ کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو اور نہ جبر واکراہ کیا جارہا ہو، نہ کوئی مجبوری ہو، محض ان کو خوش کرنے کے لئے اور دکھانے کے لئے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کے مذہبی تہواروں میں جو کفر وشرک پر مشتمل ہوتے ہیں، جیسے درگا پوجا، کالی پوجا وغیرہ اور تعمیر مندر وغیرہ میں دینا ناجائز اور حرام ہے، کہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔ رازی کی احکام القرآن میں ہے: "نهى عن معاونة غيرنا على معاصي الله تعالى" (۲/۴۲۹)۔

اس کی دوسری شق وہ ہے کہ جس میں چندہ اپنی رضا وخوشی سے یا تعاون کی نیت و ارادے سے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ ماحول اور آبادی میں ان کے غلبہ کی وجہ سے فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے دیا جارہا ہو تو چندہ یا روپیہ دینا جائز ہے، اس صورت میں تعاون کی نیت نہ کرے، بلکہ دفع شر کی نیت کرے۔

۵- ہندوؤں کی مذہبی تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت کا حکم:

(الف) ہندوؤں کی مذہبی تقریبات جس نوعیت اور کیفیت پر ہوں گی اسی اعتبار سے ان کا حکم ہوگا۔

اگر غیر مسلم ہندوؤں کی تقریبات خالص مذہبی نوعیت کی ہیں اور ان میں کافرانہ اور مشرکانہ امور ہیں تو ایسی صورت میں شرکت ناجائز اور حرام ہے۔

(ب) مبارک بادی دینا درست ہے اس میں کسی کفریہ شرکیہ میں شرکت اور مصاحبت نہیں ہے، لہذا گنجائش ہے۔

Marfat.com

مسلمان اقلیتوں کا غیر مسلم بھائیوں سے دوچار ہونے کا مسئلہ:

اس مسئلہ میں اصل تو یہ ہے کہ دعوتی دھن اور تحریک اور مقصد کے علاوہ غیر مسلموں سے ربط اور خلط رکھنا ممنوع ہے، جس پر متعدد نصوص قرآنیہ اور احادیث پاک شاہد اور دال ہیں۔

لیکن سورہ ممتحنہ کی ایک آیت میں اللہ پاک نے معاند اور غیر متشدد اور غیر متعصب کافروں کے ساتھ اخلاقی اور صلہ رحمی جیسے روابط کو جائز قرار دیا ہے، اس اعتبار سے ایسے غیر مسلموں سے دنیاوی، سیاسی اور مصلحتی روابط کی گنجائش نکلتی ہے۔

۳-الف: جھنڈے کی سلامی اور قومی و ملکی ترانہ:

اس مسئلہ کی وضاحت سے پہلے ایک تمہید پیش خدمت ہے۔ ۱-شرائع میں تین قسم کے امور ہیں، ایک جس کا حرام اور ممنوع ہونا نصوص سے ثابت ہو، دوسرے حلت اصول شرعیہ اور نصوص سے ثابت ہو، اور اس کی اباحت کے منافی نصوص نہ ہوں، تیسرے منصوص حلت وحرمت نہ ہو، تو اس قسم ثالث میں دیکھا جائے گا کہ اسلام کے اصول اور مزاج کے موافق ہے یا نہیں، کسی وعید اور ممنوع اصول کے ذیل میں تفریحاً تو کوئی حکم ثابت نہیں ہے، خارج سے کوئی کراہت اور قباحت تو نہیں آرہی ہے۔

پس ان امور پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا، پھر ایسی صورت میں اس کی منفی صورت کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا، چونکہ اگر ممنوع اور کراہیت فی ذاتہ نہیں ہے بلکہ خارج سے ہے تو اس میں کچھ توسع کی گنجائش بھی ہوتی ہے، اب اس کی شقوں کو سنئے:

جھنڈے کا ثبوت:

قومی یا ملی یا جماعتی جھنڈا آپ ﷺ سے ثابت ہے، صحاح ستہ میں اس کا ذکر بکثرت ہے۔

Marfat.com

متعدد صحابہ کرام سے جن میں حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، جابر، حارث بن حسان، بلال، عبید اللہ بن بریدہؓ ہیں، جھنڈے کی روایتیں منقول ہیں، اور مختلف اوقات میں مختلف رنگوں کے جھنڈے تھے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کے پاس بھی جھنڈے تھے، (شمائل کبری جلد پنجم ۳۸۲، ۳۸۳)۔
اس سے معلوم ہوا کہ نفس جھنڈا جائز ہے، اور خیر القرون سے امت کا اس پر تعامل بھی چلا آرہا ہے۔

اب اس کی دوسری شق سلامی دینے کی ہے۔

سلامی کا مفہوم اور اسلامی قواعد واصول سے اس پر غور:

سلامی کا مفہوم اکرام واحترام اور تعظیم ہے۔ عبادت یا عبادت کا مفہوم انتہائی تخضع نہیں ہے۔ لہذا یہ عبادت اور پوجا کے ذیل میں داخل ہو کر حرام نہیں ہے اور حرمت کے دائرے میں نہیں آتا ہے۔

ب- وہ ترانے جو مشرکانہ اور کافرانہ ہیں، اسی طرح وندے ماترم کا حکم:

وہ تمام قومی ترانے جو کافرانہ مشرکانہ ہیں جن میں غیر اللہ کی پرستش کی بو ظاہر ہوتی ہے جن میں غایت درجہ تخضع وانکساری کا اظہار ہو، جن میں رب حقیقی کے اوصاف سے غیر اللہ کا اتصاف جس میں مادی ملجاء ومنتہائے حاجات کا اظہار کیا گیا ہو ان کا پڑھنا، ان میں شریک ہونا ناجائز اور حرام ہے، یہی حکم ''وندے ماترم'' کا ہے، اس کے مضامین بھی کفریہ اور شرکیہ ہیں۔
اسی طرح ایک ترانہ ہندوانہ ''رگھوپتی راگھو''...... کے متعلق فتاوی محمودیہ میں ہے:
شرک اور معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، (یعنی جائز نہیں) (۱۲/۴۲۸)۔

Marfat.com

ج- اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ حکومت یا اور کسی محکمہ کی جانب سے مسلمانوں کے حق میں ایسے فیصلے جو اسلامی اصول اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوں اس فیصلے کو وہ دوبارہ کسی اسلامی محکمے میں یا شرعی عدالت میں یا شرعی پنچایت میں لے جاکر مرافعہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔

سو اس کا بالکل واضح جواب ہے کہ خلاف شریعت فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ العمل ہوتا ہی نہیں، ایسے فیصلے پر وہ عمل کا مکلف ہوتا ہی نہیں، اگر یہ فیصلہ کسی مسلم عدالت نے کیا ہے اور وہ نصوص کے خلاف ہے تو وہ فیصلہ ہی صحیح اور معتبر نہیں، اور اگر کسی غیر مسلم عدالت یا غیر مسلم قاضی و جج نے کیا ہے تو ایسے خلاف شرع فیصلے پر مسلمانوں کا عمل کرنا ہی جائز نہیں بلکہ اسے شرعی عدالت اگر یہ نہ ہو تو علماء اور شرعی پنچایت میں دوبارہ فیصلہ کرا کر اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

کافر حاکم کی قضاء مسلمان کے حق میں معتبر نہیں۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

"وقضاء کافر علی مسلم ابد أو نحوذلک کالتفریق بین الزوجین بشهادة المرضعة لا ینفذ فی الکل"۔ اور اسی طرح مسلمان قاضی کا فیصلہ مذہب کے خلاف یعنی شریعت کے خلاف نافذ نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: "و حاصل هذه المسئلة انه یشترط لصحة القضاء أن یکون موافقا لرأیه ای لمذهبه مجتهداً أو مقلداً فلو قضی بخلافه لاینفذ" (ردالمحتار مصری ۵/۴۰۷)۔

پس ان عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بھی محکمہ نے شریعت کے خلاف کوئی فیصلہ کیا ہے تو اسے چاہئے کہ شرعی عدالت یا جہاں شرعی فیصلہ ہوتا ہے وہاں مرافعہ کر کے صحیح شرعی فیصلہ کرے۔

۴- (الف) اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی طریق اور شعائر دیگر مذاہب مثلاً کفر، نصرانیت و یہودیت کے معاشرے اور تمدن میں ضم ہوجائے، اور سب کا رہن سہن، زندگی گذارنے کا طریقہ ایک ہوجائے، یہ ذہن اور فکر اسلامی اساس اور طریق کے خلاف ہے۔

Marfat.com

خیال رہے کہ اسلام ایک مستقل مذہب ہے، اس کا طریق اور اس کا تمدن مستقل ہے، اس کی تہذیب اور اس کا تمدن خود اسلام سے ثابت ہے۔

قرآن میں ہے: "ومن يتبغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه" (اسلام کے علاوہ تمام تہذیب وتمدن جو طریق اسلام، صاحب شریعت کے عملی اور قولی کے خلاف ہو مردود ہے)۔

آپ نے فرمایا: "خالفوا اليهود وخالفوا المشركين" (جامع صغیر ۲۲۶)۔

حاصل یہ ہے کہ اسلام کے پاس خود اپنی تہذیب وتمدن ہے، ولادت سے لے کر موت تک، کھانے پینے سے لے کر پاخانہ پیشاب کے احسن طریقے شریعت وسنت سے ثابت ہیں، دوسروں کے یہاں اس کے طریقے محفوظ اور منضبط نہیں، وہ آزاد ہیں، ان کا قائد ہوائے نفس ہے، یہاں قائد خدا، رسول، سنت، شریعت ہے، اس لئے یکسانیت اور یکساں معاشرہ درست نہیں ہوسکتا ہے۔

اسلام صرف عبادت ومساجد کے اعمال کا نام نہیں، بلکہ تمام عبادتی ومعاشرتی امور میں بھی اس کی تعلیمات اور طریقے ہیں۔

ب- اس کا جواب اسی عنوان کے جواب (ھ) میں آچکا ہے، احسان اور بھلائی کا برتاؤ کرنا تمام کافروں کے ساتھ جائز ہی نہیں مستحسن ہے، قحط کے موقع پر آپ نے کفار مکہ کی ایک خطیر رقم سے اعانت فرمائی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: "لا بأس للمسلم أن يعطى كافراً حربياً أو ذمياً، لأن صلة الرحم محمودة في كل دين والإهداء إلى الغير من مكارم الأخلاق" (ص ۳۵۳)۔

پس حاصل یہ نکلا کہ مظلوم طبقہ کی مدد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، کہ مظلوم کی مدد کرنے کا حکم انفراداً یا اجتماعاً ہے۔

Marfat.com

ج-　　اس سوال کا بھی جواب اجمالاً (ھ) میں آ چکا ہے،

اس کا معقول جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق معاشرتی امور، مثلاً تعلیم، اخلاقی تربیت وغیرہ تو اس میں اشتراک اور عمومیت نہ ہو، اور علاج معالجہ ہاسپیٹل وغیرہ ہو تو اس میں اصول اور طریق میں تو اسلامی ذہن ہو، مثلاً پردہ وغیرہ کے احکام، بے حیائی کے امور سے اجتناب، عورتوں کے آپریشن وغیرہ کے لئے عورت کا انتخاب، مگر خدمت عام ہو، ہر ایک اس سے فائدہ اٹھائے، ہندوستان جیسے علاقے میں جہاں مخلوط آبادی ہو وہاں ہاسپیٹل کی خدمات عام ہوں تاکہ ان کے ہاسپیٹل سے بھی مسلمان فائدہ اٹھا سکیں۔

د-　　مسلمانوں کی وہ تنظیمیں جو ریلیف وغیرہ کا کام کرتی ہیں، اس میں دونوں کی گنجائش ہے، مخصوص طریقے سے صرف اہل اسلام کے لئے بھی جائز ہے اور عام طور پر تمام اہل مذاہب کے حق میں بھی۔

بہتر جواب یہ ہے کہ اس میں شرعی اور وقتی مصالح اور معطی کی نیت اور مقصد کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

۱- اگر اس میں زکاۃ کی رقوم ہیں یا غالب مقدار زکاۃ ہے تو مسلمانوں کے لئے خاص ہے۔

۲- دینے والے اور لینے والے نے مسلمانوں کے نام سے لیا ہے تو معطی کے اعتبار سے صرف مسلمانوں کا حق وابستہ ہوگا، ۳- مصالح اور ہندوستان کی موجودہ فضا کے اعتبار سے مسلمانوں کا ہی نقصان ہوتا ہے، غیروں کا برائے نام یا دکھاوا ہوتا ہے، پھر یہ کہ ہندو حکومت اور اس کے اقتدار اعلیٰ ہونے کی وجہ سے ان کی بہت جلد تلافی ہو جاتی ہے، اہل اسلام سے تفریق برتنے کی وجہ سے مسلمان زیادہ محتاج رہتے ہیں، مزید مسلمانوں اور کافروں کے مقابلہ میں اہل اسلام زیادہ حق دار ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ چندہ عام مطلق مظلوموں اور غریبوں کے نام کیا جائے، مصالح زمان کے پیش اکثر مقدار اہل اسلام اور اقل مقدار میں غیر مسلموں کو شریک کر لیا جائے۔

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا محمد ارشد المدنی
جامعۃ الامام ابن تیمیہ

۱- (الف): ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور مسلمانوں کی اپنی کوئی سیاسی پارٹی بھی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو اس کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں، ایسی صورت میں اگر مسلمان الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا ترک کر دیں تو مسلمان سیاسی اعتبار سے بالکل کمزور اور تباہ ہو جائیں گے، کیونکہ سیاسی قوت ایک ایسی قوت ہے کہ اس کے ذریعہ قوموں کی فلاح و بہبود کا کام انجام دیا جاسکتا ہے، اور اگر مسلمان سیاسی میدان بالکل خالی کر دیں، اور اس کی قوت اور طاقت کو بالکلیہ غیروں کے حوالے ہو جانے دیں تو اس بات کا قوی اور غالب اندیشہ ہے کہ اغیار اس سے فائدہ اٹھا کر مسلم دشمنی کی وجہ سے ایسے ایسے قوانین نافذ کریں گے اور ایسا نظام مرتب کریں گے کہ جس کے نیچے مسلمان دب کر رہ جائیں گے۔ اس بنیاد پر قوم وملت کے مفاد کے پیش نظر مسلمان ان ممالک میں الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں، الیکشن میں امیدوار بن سکتے ہیں، ووٹ دے سکتے ہیں اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم بھی چلا سکتے ہیں۔

ب- بلاشبہ انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں۔ اس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ووٹ دینا شرعاً واجب تو قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ امام شافعیؒ کے قاعدہ

Marfat.com

"یجوز فی الضرورة مالا یجوز فی غیرها" اور "أخف الضررین" کے تحت اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جائز ہے۔

ج- اگر ایسی سیاسی جماعتیں الیکشن میں حصہ لیتی ہوں، جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو تو ایسی سیاسی جماعتوں میں نہ تو مسلمانوں کی شمولیت جائز ہو سکتی ہے اور نہ ہی انہیں ووٹ دینا، گرچہ اس کے بعض امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب ہو، کیونکہ ایسا دیکھا جاتا ہے کہ امیدوار کے ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہونے کی بنیاد پر اس کو ووٹ دے دیا جاتا ہے مگر پارلیمنٹ میں اس کے پہنچنے کے بعد اس کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلم دشمنی کے ایجنڈے کو بروئے کار لانے میں مہرہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور پارٹی وہی کام سرانجام دیتی ہے جو اس کے اغراض واہداف میں شامل ہیں۔ لہذا مسلمانوں پر ایسی سیاسی پارٹیوں میں شمولیت اور اس کو ووٹ دینے سے احتراز واجب ہو جاتا ہے۔

د- انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کی جاسکتی ہے۔ البتہ معاہدے کی خلاف ورزی اور عدم پاسداری کی صورت میں ایسی پارٹیوں سے مسلمانوں کا الگ ہو جانا ضروری ہوگا۔

ھ- معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا بلاشبہ امت مسلمہ کا شرعی واخلاقی فریضہ ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی میں غیر مسلم بھائیوں سے تعاون لیا جاسکتا ہے۔ ان کے ساتھ مل کر اس فریضہ کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ایسے ادارے اور تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں، جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وإن جنحوا للسلم فاجنح لها

Marfat.com

وتوکل علی الله،إنه هو السمیع العلیم"(سورۂ انفال/۶۱)(اور اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوتو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جایئے، اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، بیشک وہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلقات کو معمول کے مطابق بنانے کے لئے امن کی کوشش کرنا اور انسانیت کی فلاح کی خاطر باہمی دیانت دارانہ مساعی کرنا جس میں سب لوگ یکساں حصہ دار ہوں، جائز اور درست ہے۔

۲- (الف) موجودہ سیاسی حالات میں اپنے ملک کے اندر علاحدہ آبادی قائم کرنا، اور اس کو صرف مسلمانوں کے لئے خاص کرنا، ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لئے سوال یہ نہیں ہے کہ ہم مخلوط آبادی میں باقی رہیں یا اپنی علاحدہ مسلم آبادی قائم کرلیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ مخلوط آبادی میں رہ کر ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں کو کیسے متاثر کر سکتے ہیں، یا کم از کم ان کے تہذیبی اثرات سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایک ایک مسلم تاجر نے ایک ایک علاقہ کو اپنے اخلاق و کردار سے اس قدر متاثر کیا کہ پوری کی پوری آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ آج ہمارے اندر اسی اخلاق و کردار کی کمی ہے جس نے ہمیں علاحدہ رہائش اختیار کرنے کے لئے سوچنے پر مجبور کردیا ہے، بہر حال اس دور انحطاط میں اگر کسی مسلمان کو اپنے دین وایمان کی بقاء، عقائد واعمال کی سلامتی، اور اسلامی شعائر کی بجاآوری کی راہ میں مشکلات وپریشانیوں کا سامنا اور کوئی خطرہ و اندیشہ نہ ہو، اور اگر کوئی خطرہ واندیشہ ہو بھی تو اسلامی حکومتوں کی طرف سے ان کو بھرپور تعاون ملتا ہو تو ان صورتوں میں مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اگر مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ و مامون رہ سکیں گے، اور اپنے دین وایمان پر قائم ودائم رہ کر اسلامی عقائد واعمال اور دینی شعائر کی بجاآوری کرسکیں گے تو ایسی صورت میں وہ اپنی

Marfat.com

علاحدہ آبادیاں بنالیں، جہاں وہ امن وامان کے ساتھ اسلامی شعائر کی بجا آوری کرسکیں، اور اپنے عقائدواعمال کوتہذیب وتمدن کے سانچوں میں ڈھالنے کے اہل ہوسکیں، تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے کچھ شعائر ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا اس وقت ممکن ہے جب مسلمانوں کوکلی آزادی نصیب ہو۔

ب ۔ جب غیر مسلم دوست یا پڑوسی کے یہاں کسی کا انتقال ہوجائے تو ایسے موقع پر مسلمان ان کے جلوس جنازہ میں شرکت کرسکتے ہیں، مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابوطالب، کے جنازہ میں شرکت کی تھی۔ کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ فرمایا رشتہ نے آپ کو مجھ سے جوڑ دیا ہے۔ ان کی قبر پر آپ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے (مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۸)۔

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں: ”إن كانت قرابة قريبة بين مسلم و كافر فليتبع جنازته“ (مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۶) (اگر قریبی رشتہ داری ہے مسلمان اور کافر کے درمیان تو مسلمان کو کافر کے جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے)۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ہو تو اس بات کی احتیاط کرنی ہوگی کہ مسلمان کا امتیاز باقی رہے۔ انسانی تعلق اور ہمدردی کا اظہار بھی ہو اور یہ بات بھی واضح ہو کہ اسلام کے علاوہ کسی بھی دین کو وہ صحیح نہیں سمجھتا، اس کے لئے مختلف صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

جنازہ کے آگے یا پیچھے چلنا، درمیان میں یا کنارے چلنا، سواری پر یا پیدل چلنا، ان میں سے ہر ایک کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ ایسے کسی بھی موقع پر اپنی دینی انفرادیت کو کھودینا صحیح نہیں ہے۔ اسے باقی رکھتے ہوئے آدمی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کرسکتا ہے۔ اس سے بہر حال اتنی بات ثابت ہے کہ وقت ضرورت غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ناروا نہیں ہے۔

اسی طرح مسلمان غیر مسلم کی آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہ سکتے ہیں،

Marfat.com

حضرت علیؓ نے اپنے باپ ابو طالب کی تدفین کے متعلق رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ انہیں کون دفن کرے گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے باپ کو دفن کرو۔ علیؓ نے عرض کیا وہ مشرک اور ہدایت سے محروم تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور اپنے باپ کو دفن کرو (نصب الرایہ ۲۸۱/۲، ۲۸۲)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلم غیر مسلم میت کو دفنا سکتا ہے، اور ظاہری بات ہے کہ جب دفنا سکتا ہے تو پھر وہاں رہ کیوں نہیں سکتا۔ لہذا مسلمان کا غیر مسلم کی آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

ج۔ غیر مسلم حضرات اپنے تیوہاروں اور دوسری تقریبات کے موقع پر مٹھائیاں اور ان کے عقیدہ کے مطابق تبرکات اپنے مسلمان دوستوں کو پیش کریں تو اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ بتوں پر چڑھائے ہوئے نہ ہوں، غیر مسلم کے تحائف اور ہدیے قبول کرنے نیز اس کے تبادلہ سے باہمی تعلقات استوار ہوتے ہیں، قربت بڑھتی ہے اور اختلافات اور نزاعات باہمی مٹتے ہیں۔

احادیث رسول ﷺ میں غیر مسلموں کے تحفے قبول کرنے اور اسے کھانے کا ثبوت موجود ہے۔ رسول کریم ﷺ نے غیر مسلموں کے تحائف قبول فرمائے ہیں اور کھائے بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پنیر کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے چھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر اسے قطع کیا اور تناول فرمایا (ابوداؤد)۔

نیل الأوطار میں ہے کہ پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ شام وغیرہ سے آئی تھی (نیل الأوطار ۲۶/۱)۔

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بہت سے غیر مسلم سلاطین اور سربراہان مملکت نے تحفے اور ہدیے بھیجے، آپ ﷺ نے انہیں قبول فرمایا اور بعض اوقات آپ ﷺ نے خود بھی

Marfat.com

انہیں تحفے عنایت کئے۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت ساری دلیلیں ہیں جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ غیر مسلموں کے تحائف اور ہدیئے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ تحائف اور ہدیئے بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں تو اس کی حرمت کے سلسلے میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام کی چیز ہے اور ہر وہ چیز جو غیر اللہ کے نام کی ہو شرعاً حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**قل لا أجد في ما أوحي إلى محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقا أهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فإن ربك غفور رحيم**" (الأنعام/١٤٥) (آپ فرما دیجئے کہ میں اس وحی میں جو مجھ پر نازل ہوئی ہے کھانے والے پر کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کہ وہ اسے کھائے، مگر وہ چیز جو مردار ہے یا بہنے والا خون ہے یا خنزیر کا گوشت ہے، کیونکہ یہ ناپاک ہے یا گناہ کی چیز ہے کہ اسے غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا گیا ہو، اور اگر کوئی مجبور ہو جائے، نہ تو نافرمانی کرے نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے)۔

د۔ مساجد کی تعمیر اور مرمت وغیرہ میں غیر مسلموں کی اعانتوں کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن الجوزیؒ قرآن کریم کی آیت: "**ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر**" (التوبہ/١٧) (یہ بات مناسب نہیں ہے کہ مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، حالانکہ وہ اپنے بارے میں کفر کی گواہی دیتے ہیں) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مسجدوں کو آباد کرنے کا دو مفہوم ہے، ایک مسجدوں میں داخل ہونا اور اس میں جلوس اختیار کرنا، اور دوسرا مفہوم ہے اس کی تعمیر و مرمت کرنا۔ اور یہ دونوں چیزیں کافروں کے اوپر حرام ہیں۔ اور قرآن کریم کی اس آیت: "**وما كان للمشركين**" سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مؤمنوں پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں سے کفار و مشرکین کو روک دیں (زاد المسیر ۳/۴۰۸)۔

Marfat.com

غیر مسلم حضرات اگر مسلمانوں کے مذہبی جلسوں میں چندہ دیں، اسی طرح دینی مدارس کا تعاون کریں، توان کی اس طرح کی اعانتوں کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے خیر و فائدہ ہے، اور غیر مسلموں کی ہر وہ اعانت قبول کی جاسکتی ہے جس میں مسلمانوں کے حق میں نفع اور فائدہ ہو۔

غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی ایک عمومی روایت ہے: "**اجتنبوا أعداء الله في عيدهم**" (اللہ کے دشمنوں کی عید سے بچو)۔

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نیروز کے موقع پر اپنی زبان سے یہ لفظ بھی کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے (اقتضاء الصراط المستقیم: ۱۷۸)۔

حضرت عمرؓ کی عمومی روایت اور حضرت علیؓ کے اثر سے یہ بات مترشح ہوئی کہ غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں تعاون کرنا درست نہیں ہے۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے تعاون کرنا کفر اور شرک کے کاموں میں کافروں اور مشرکوں کا ہاتھ بٹانا ہے، اور قرآن کریم کا بیان ہے: "**ولا تعاونوا على الإثم العدوان**" (سورۂ مائدہ ر ۷) (اور تم لوگ اثم وعدوان کے کاموں میں تعاون نہ کرو)۔

ھ) الف:

مذہب اسلام میں غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت جائز نہیں ہے۔

غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کے عدم جواز کے سلسلے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں:

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال

Marfat.com

میں دو دن جاہلی عید کا رواج دیکھا، دریافت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس سے بہتر دو عیدیں مقرر کی ہیں (ابوداؤد)۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں تبدیلی کا لفظ بتاتا ہے کہ جب یہ دونئی عیدیں جاہلی عیدوں کی جگہ مقرر ہوئیں تو وہ عیدیں خود بخود منسوخ ہوگئیں، اور منسوخی کے بعد پھر ان میں شرکت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہی ہوگی۔ مزید فرماتے ہیں کہ جاہلی عیدوں کا خاتمہ بتاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سختی کے ساتھ اس حکم پر عمل درآمد کرایا ہوگا۔ ورنہ اس کے بغیر پرانی روایت کا یکسر ترک کردینا انسانی فطرت کے خلاف ہے (اقتضاء الصراط المستقیم، ۱۶۵)۔

شیخ الاسلام نے ایک دوسری جگہ ایک تاریخی حقیقت سے استدلال کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ اور دوسری قومیں آباد تھیں اور قومی پیمانے پر اپنے تیوہار بھی مناتی تھیں، لیکن رسول اکرم ﷺ کے حکم کے بعد کوئی مسلمان کبھی ان تیوہاروں سے متعلق نہیں ہوتا تھا، اس سے یہ بات فطرۃً طے ہوجاتی ہے کہ جب صدر اسلام میں غیر اسلامی تقریبات سے علاحدگی ہی اختیار کی گئی تو وہی طرز عمل آج بھی ہمارے لئے نمونہ رہے گا (اقتضاء الصراط المستقیم/۱۷۱)۔

مذکورہ تشریحات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت شرعاً حرام ہے، ہاں البتہ ان کی عید کے دن ان کے بازاروں میں خرید و فروخت کی غرض سے جایا جائے تو جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے امام ابوالحسن آمدی معروف بہ ابن البغدادی کی کتاب ''عمدۃ الحاضر وکفایۃ المسافر'' سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے:

''امام احمد کے یہاں ان تقریبات میں شرکت ممنوع ہے، لیکن عید کے دن ان کے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جایا سکتا ہے:''**فأما ما يباع في الأسواق** من **المآكل فلا وإن قصد إلى توفير ذلك و تحسينه لأجلهم**'' اس عبارت سے معلوم ہوا کہ

Marfat.com

مسلمان دکانداران عیدوں میں غیر مسلموں کے لئے اپنی دکان لگا سکتا ہے۔

ب ۔ غیر مسلم بھائیوں کو ان کے تیوہاروں کی مبارکباد دینا بالاتفاق حرام ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب ''احکام اہل الذمہ'' میں لکھا ہے کہ کفر سے تعلق رکھنے والے شعائر جو اس کے ساتھ خاص بھی ہوں، کی مبارکباد دینا متفقہ طور پر حرام ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی مسلمان کافروں کو ان کی عید کے موقع پر مبارکباد پیش کرے یا یہ کہ کافروں کے روزہ پر انہیں مبارکباد دے اور اس سے اس طرح کہے، تمہیں یہ مبارک ہو یا یہ کہے کہ تم میری جانب سے اس عید کی مبارکباد قبول کرو، اس طرح کی مبارکباد پیش کرنے والا شخص گرچہ ذاتی طور پر کفر سے محفوظ بھی ہو تب بھی اس کا یہ فعل حرام ہوگا اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی کو صلیب کو سجدہ کرنے پر مبارکباد دے۔ بلکہ اللہ تعالی کے نزدیک یہ مبارکباد تو شراب پینے، کسی کو قتل کرنے یا حرام کاری پر دی جانے والی مبارکباد سے بھی بدترین اور اس کے غیظ وغضب کو دعوت دینے والی ہے، بہت سے لوگ جو دین پر چلنے کو اہمیت نہیں دیتے اور دینداری کی ان کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں ہے اس طرح کی محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اپنے اس فعل بد کی شناعت کا احساس نہیں کرتے، لہذا اگر کسی نے کسی کو کسی معصیت پر یا کسی بدعت و کفر کے ارتکاب پر مبارکباد دی تو وہ اللہ تعالی کے غیظ وغضب کا مستحق بنا (احکام اہل الذمہ ۱/ ۲۰۵، ۲۰۶)۔

حافظ ابن القیمؒ کے اس قول سے بصراحت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفار کو ان کی دینی عیدوں کے مواقع پر مبارکباد پیش کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ اقرار واعتراف ہے کہ مبارکباد پیش کرنے والا شعائر کفر سے راضی وخوش ہے۔ اندرونی طور پر چاہے وہ اس کفر سے راضی نہ ہو، مسلمانوں کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ کفریہ شعائر سے ادنی درجہ کی رضامندی کا اظہار کریں یا اس پر کسی کو مبارکباد دیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے مندرجہ ذیل دونوں آیات مبارکہ میں صراحت کر دی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"إن تكفروا فإن الله غني عنكم ولا يرضى لعباده الكفر وإن تشكروا يرضه لكم" (الزمر/۷) (اگر تم ناشکری کروگے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا ہے، اور اگر تم شکر گزار بنو گے تو وہ تمہاری طرف سے اسے پسند کرے گا)۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:"اليوم اكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا" (سورۂ مائدہ/۳) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کرلیا)۔

۳-(الف) جن ملکوں میں بھی جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے، اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھا جاتا ہے، ان کا یہ عمل سراسر مشرکانہ عمل ہے، اسلامی تاریخ میں جھنڈوں کے لہرانے کا ثبوت ملتا ہے۔ جنگوں اور فتوحات کے موقع پر جھنڈے لہرائے جاتے تھے مگر کہیں جھنڈے کو سلامی دینے کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں ایسا کیا، اور نہ خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا، اور نہ قرون اولی میں تابعین خلفاء اور تبع تابعین خلفاء نے اس کام کو انجام دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (بخاری ۱/۳۷۱، مسلم: ۲/۷۷، ابوداؤد ۲/۳۷۹) (جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:"عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، واياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة" (ابوداؤد ۲/۲۷۹، ترمذی ۲/۹۲، ابن ماجہ ص ۵، مسند احمد ۴/۲۷) (میری سنت اور میرے بعد ہدایت

Marfat.com

یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت لازم پکڑو اور اس کو مضبوطی اور سختی سے تھام لو، اور دین میں نئے نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچو، کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

ان دونوں حدیثوں میں بدعات کے ایجاد کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے پر سخت وعید بتائی گئی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جھنڈوں کو احتراماً سلامی دینا ایک بدعت ہے۔

ب۔ کسی بھی ملک میں ایسے قومی ترانے مروج ہوں جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہوں، جیسے ہندوستان میں وندے ماترم پڑھنے کو کہا جاتا ہے، جس میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، تو مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا قطعاً جائز نہیں۔

ہندوستان کا قومی ترانہ وندے ماترم انتہائی تنگ نظر، متعصب، مشرکانہ اور کافرانہ خیالات وعقائد سے عبارت ہے۔ ترانہ کا مرکزی خیال جس میں مادر وطن کی پرستش کی مختلف اسالیب میں تبلیغ کی گئی ہے، اسلام کے عقیدہ توحید سے یکسر متصادم ہے۔ اگر مادر وطن کی پرستش ہندوستانی قومیت ہے۔ تو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایسی کسی قوم پرستی کا قبول کرنا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں۔ پھر یہ کہ وندے ماترم جس متعصب، تنگ نظر اور مسلم دشمن ناول سے ماخوذ ہے اس سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا مسلمان بھی یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس نغمہ کے کسی لفظ کو زبان سے ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کی طرف سے اس ترانہ کی مخالفت ہوتی رہی ہے۔

ج۔ کسی بھی ملک کے وہ ادارے جو وہاں کے باشندوں کو انصاف فراہم کرتے ہیں اگر وہ ملک میں مروج قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی وجہ سے ایسے فیصلے کر ڈالتے ہیں جو اسلامی اور شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہوں تو معاملے کے دونوں فریقوں کا اس فیصلے سے استفادہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم کا بیان ہے: "**فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما**

Marfat.com

شجر بينهم، ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورۂ نساء، ٦٥) (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)۔

اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے شریعت اسلامیہ میں اس کے لئے بھی اس سے استفادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ام سلمہؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحو ما أسمع، فمن قضيت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذه، فإنما أقطع له قطعة من النار" (متفق علیہ) (یعنی میں ایک انسان ہی ہوں تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لایا کرتے ہو اور ممکن ہے بعض بعض کے مقابلے میں زیادہ چرب زبان ہو تو میں سننے کے مطابق فیصلہ کردوں، لیکن جس کے حق میں اس کے بھائی کی کسی چیز کا فیصلہ کردوں تو اسے چاہئے کہ اسے نہ لے، اس لئے کہ گویا میں نے اس کے حق میں جہنم کے ٹکڑے کا فیصلہ کردیا ہے)۔

۴- (الف) مغرب کی یہ فکر کہ تمام مذاہب کے راستے الگ الگ ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے، اور ان مذاہب کی حیثیت ایک ہی منزل تک جانے والے مختلف راستوں کی ہے، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور جو بھی مسلمان دانشور اس فکر کے اسیر ہوتے جارہے ہیں وہ الحاد وزندقہ کے شکار ہورہے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے مغرب کی یہ فکر کسی بھی درجہ میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام دنیا کا سب سے صحیح اور سچا مذہب ہے۔ اور جو اس بات کا عقیدہ نہ رکھے وہ مومن ومسلمان نہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه، وهو في الآخره من الخاسرين" (سورۂ آل عمران/۸۵) (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں ہوگا)۔

اللہ تعالی کا ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:"إن الدين عند الله الإسلام" (سورۂ آل عمران/۱۹) (بے شک دین برحق اللہ کے نزدیک اسلام ہے)۔

ب۔ مسلمانوں پر انسانی اخوت کے رشتے سے ان کا تعاون کرنا امر مستحسن ہے، کیونکہ وہ بلا شک وشبہ مظلوم ہیں، اور مظلوم خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ان کا تعاون کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ اور ان کے اخلاق کریمہ کا تقاضا ہے، خواہ حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ نے غیر مسلموں کا تعاون کیا ہے۔ سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تو اس معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ جو قبیلہ جس فریق کا چاہے حلیف بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس شق کے تحت بنوخزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر قریش کے حلیف بنے (سیرت ابن ہشام ۳/۳۶۶)۔

لیکن جلد ہی بنوبکر نے بنوخزاعہ پر یورش کردی۔ قریش نے ان کی اسلحہ اور افراد کے ذریعہ پشت پناہی کی اور معاہدہ کو توڑ کر بنوخزاعہ کے ساتھ ظلم وزیادتی میں شریک ہوگئے۔ اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے بنوخزاعہ کا تعاون کیا تھا جن کو غیر مسلموں کا ایک بڑا طبقہ ظلم وزیاتی اور استحصال کا شکار بنائے ہوا تھا۔

ج۔ مسلمان اگر خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں جیسے اسپتال وغیرہ تو مسلمان ان اداروں سے غیر مسلم حضرات کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ غیر مسلم افراد کے ساتھ بھلائی اور احسان کے لئے قرآن مجید نے دو شرطیں لگائی ہیں، ۱-جنگی حالت میں نہ ہوں، ۲-مسلمانوں کو ہجرت

Marfat.com

کرنے پر مجبور نہ کرتے ہوں، چنانچہ ان ہی دو شرطوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کس کے ساتھ بھلائی واحسان کا سلوک ہو اور کس کے ساتھ نہ ہو۔

اگر مذکورہ دونوں چیزیں نہ ہوں یعنی جنگی حالت میں نہ ہوں یا مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور نہ کرتے ہوں تو بلا تفریق مذہب ودھرم تمام لوگوں کے لئے خدمت اعانت کے دروازے کو کھلا رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وأحسنوا إن الله يحب المحسنين"(سورۂ بقرہ ر ۱۹۵) (احسان کرو، اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

غیر مسلم افراد کے ساتھ ہر نوع کی بھلائی کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت کافی ہے:"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين"(سورۂ ممتحنہ ر ۸) (اللہ تعالی تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو، جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

البتہ ایسے غیر مسلم جو اسلام کے جارحیت پسند دشمن ہیں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، ان کو تعاون دینا اسلامی اصول کے خلاف ہے، جبکہ اللہ تعالی اس آیت میں فرماتا ہے:"إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين وأخرجوكم من دياركم وظهروا على إخراجكم أن تولوهم، ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون"(سورۂ ممتحنہ ر ۹) (اللہ تعالی تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے، جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی، جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں)۔

شیخ الاسلام علامہ عبدالعزیز بن بازؒ فرماتے ہیں: جہاں تک حربی کافروں کی امداد کا

Marfat.com

سوال ہے تو کسی بھی طریقے سے ان کی امداد کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنا نواقض اسلام میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن یتولھم منکم فانہ منھم" (سورۂ مائدہ/۵۱) (اور اگر تم میں سے کوئی انہیں اپنا دوست بناتا ہے تو اس کا شمار انہیں میں ہے) (فتاوی سماحۃ الشیخ ابن باز/ص ۳۹۲)۔

د- جب کوئی قدرتی آفت آئے مثلاً زلزلہ، سیلاب، متعدی امراض وغیرہ تو ایسے مواقع پر ریلیف کا کام انجام دینے والی مسلم تنظیموں کو چاہئے کہ بلاتفریق مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ تعاون کریں، کیونکہ ان کے تعاون اور ہمدردی کے مستحق صرف اپنے ہم مذہب مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ان کے تعاون و ہمدردی کے مستحق ہیں۔ انسانوں کی خدمت کی راہ میں عقیدہ و خیال اور دین و مذہب کے اختلاف کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہئے، جو شخص ضرورت مند ہے اس کی مدد کرنا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہل کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا محمد شمس الدین
جامعہ اسلامیہ، نوگاؤں (آسام)

چونکہ تمہید سوالات میں ایک لفظ جمہوریت معمہ بنا ہوا ہے اور نوعیت سوالات میں جمہوریت ملحوظ خاطر ہے، اس لئے سب سے پہلے میں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

اسلام کو جمہوریت اصطلاحی سے کوئی نسبت نہیں، بلکہ یوں کہہ دیا جائے کہ ان کے مابین بون بعید ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ نقلاً وعقلاً جمہوریت اسلام سے متضاد ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ جمہوریت کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جمہوری قانون کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے، ہر چند کہ کثرت رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔ قرآن مجید نے اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے: "وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله" (سورہ انعام/۸)۔ اہل علم، اہل دیانت، اہل فہم معدود چند ہی ہوا کرتے ہیں۔

ہمارا ملک جمہوری ہے، اور اس جمہوری ملک کی صبح وشام ہماری مجبوری ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ قوانین (جو اسمبلی و پارلیامنٹ کے حوالہ سے آئے اس) پر عمل کیا جائے، قطع نظر اس کے کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اور ادھر اسلام دین پر ثبات چاہتا ہے جس کے لئے ہلکی لغزش کو بھی برداشت نہیں کرتا، اب سوال یہ ہے کہ ان ممالک میں (جہاں جمہوریت پر مبنی حکومت ہو) مسلمانوں کے لئے الیکشن میں اور اس قسم کے امور میں قولاً یا عملاً شرکت جائز

Marfat.com

ہوگی یا نہیں؟

الف: حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ اگر حصہ لینے میں احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور حصہ لے کر اہل اسلام کی خدمت کر سکے اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکے تو حصہ لینا جائز ہے (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۴۲۵)۔

ب: اور انتخابات میں اگرچہ مسلمانوں کے ملی و مذہبی مفادات متعلق ہو سکتے ہیں، تاہم ان توہمات کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے شرعاً ووٹ کا وجوب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی اپنی بنائی ہوئی جمہوریت ہے جس کا اسلام قائل نہیں، البتہ سیاستاً اس کا وجوب ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی بھی قوم کا اندازہ جمہوریت کے اندر اس کی مردم شماری سے لگایا جاتا ہے، اگر مردم شماری میں کوئی قوم دیگر اقوام پر سبقت حاصل کر لیتی ہے تو مملکت جمہوریہ اس کی طاقت کو تسلیم کرتی ہے، اور پھر مردم شماری کا مدار اس کے یہاں ووٹ پر ہے اور اسی پر شہریت کا مدار بھی ہے۔ اگر ووٹر لسٹ میں نام درج ہے تو شہریت حاصل ہوگی ورنہ غیر شہری قرار دیا جاتا ہے، اور حقوق شہریت سے ایسے لوگوں کو محروم گردانا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ ووٹ کا دینا مملکت جمہوریہ کے مسلم باشندگان کے لئے دو وجہ سے ضروری ہے:

۱- مردم شماری کے لئے، تاکہ تشخص برقرار رہے اور ساکھ باقی رہے۔

۲- شہریت اور حقوق شہریت کے حصول کے لئے۔

ج: اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ کیا مسلمان ان پارٹیوں کو کہ جنہوں نے اعلانیہ مخالفت اسلام کو اپنا مقصد بنا لیا ہو ووٹ دیں یا نہ دیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت محمود الحسن صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع

Marfat.com

پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا، اس کو ووٹ دیا جا سکتا ہے، اور ایسی سیاسی جماعتوں میں شمولیت بھی درست ہے، کیونکہ شرکت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آدمی اس پارٹی کے نظریات وعقائد سے بھی ہم آہنگ ہو (ایضا ۵/ ۷/ ۱۴)۔

د: ملی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے ہوں تو یہ جائز ہے، شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلکہ ایک مستحسن امر ہوگا، جس کی واضح دلیل صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا عمل ہے۔

ھ: اچھی باتوں کی ترویج اور انسداد منکرات کے لئے اگر غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل جل کر کام کیا جائے تو شرعا اس میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہئے، اور ہوگا بھی نہیں، کیونکہ یہ تو" تعاون علی البر" ہے جو ایک مستحسن امر ہے، اور شریعت کا مزاج بھی بالکل یہی ہے، قرآن کہتا ہے: "تعاونوا علی البر والتقوی" (سورہ مائدہ)۔ اور شرعا اس کے قبیح نہ ہونے کی ایک بہت مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ جناب محمد رسول ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ فروکش ہوئے، تو اول وہلہ میں جو کام آپ ﷺ نے کیا وہ یہی کہ مدینہ کی زمین ہموار کیا، مٹی بنائی اور انصار مدینہ و زعماء یہود کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھے، اور پھر یہ عقدہ حل کیا کہ" آج سے کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا، کوئی تم پر آ کر اگر حملہ کرے تو دونوں مل کر اس سے مقابلہ کریں گے، وغیرہ وغیرہ اس سے ہمیں یہ روشنی مل جاتی ہے کہ اگر صلاح وفلاح امت اور اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غیر مسلم بھائی ہمارے دوش بدوش چلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں اگر وہ ہمارے معروف میں شرکت کر کے ہمیں اپنے منکر میں شریک کرنا اور مبتلائے معصیت کرنا چاہیں، تو پھر ایسی صورت میں ان سے اور ان کی شرکت سے اجتناب ہمارے اوپر لابدی ہو جائے گا۔

۲- (الف) معاشرت:

جمہوری ملک جہاں ہر قسم کے لوگ رہتے اور بستے ہیں اور ہر مذہب کے لوگوں کو کھلی

Marfat.com

چھوٹ ہوتی ہے، ظاہر ہے وہاں مسلمان کا دیگر مذاہب والوں سے دن رات کا سابقہ ہے، چونکہ حکومت اسلامی نہیں ہے کہ غیر مذہب والوں کو برطرف کر کے مسلمان بے فکری کے ساتھ اپنی زندگی گذاریں، بلکہ سبھوں کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔

اس سلسلہ میں وضاحت یہ ہے کہ اس کا اندازہ کہ مسلمان کے لئے ایسے وقت میں کیا بہتر ہے حالات سے ہوگا، اور اقلیت و اکثریت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور وہ غیروں کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس کا قوی امکان ہے تو اس صورت میں بوقت سہولت وہاں سے منتقل ہونا بہتر ہے، اور پھر چونکہ آئے دن فسادات کا سلسلہ بھی جاری ہے اگر اقلیت میں مسلمان ان کے ہاں ہوں تو پھر ان کی جان، ان کا مال اور عزت وعصمت پر ہر وقت خطرہ ہوتا ہے، اس لئے بہتر اس وقت یہ ہے کہ سب ایک جگہ رہیں تا کہ ان کی طاقت دوچند ہو جائے، ان کی رائیں مجتمع ہوں، اور "واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا" (سورہ آل عمران) پر عمل ہو جائے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ قریب اور مخلوط آبادی میں اگر مسلمان سکونت پذیر ہوتے تو ہوسکتا ہے کہ غیر اقوام اسلام قبول کر لیتے، تو اس سلسلہ میں اتنا ہی بتلانا کافی ہوگا کہ " دفع مضرت مقدم ہوا کرتا ہے جلب منفعت پر"۔

ب- رسومات:

پڑوسی کافر اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو حدیث سے ثابت ہے: "كما ورد أن النبي ﷺ عاد يهوديا مرض في جواره" (ہدایہ کتاب الکراہیۃ مسائل متفرقہ ۴/۴۸۵)۔

لیکن ارتھی (پایہ چارپائی) کا پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ تک جانا ثابت نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے، اسی طرح اس کے برعکس (فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۴۵)، اور اگر

Marfat.com

ضرورت ہوتو پھر جائز ہے، درمختار میں ہے:"ویغسل المیت المسلم ویکفن ویدفن قریبه الکافر الأصلی الخ عند الاحتیاج فلوله قریب فالأولی ترکه لهم"(درمختار علی ہامش، ردالمحتار ار ۸۳۲)۔ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے قریب رشتہ دار کافر کو عند الضرورت کفن دفن کرسکتا ہے، اور شریک جنازہ ہوسکتا ہے، لیکن بلاضرورت اچھا نہیں، پس جب قریب رشتہ دار کافر کے بارے میں یہ حکم ہے تو غیر قریب میں بدرجہ اولی یہ حکم ہوگا (فتاوی دارالعلوم ۵ر ۲۸۳)۔

اور بعض لوگ جو غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کا ڈھونگ رچاتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ جس کے لئے کفر کا یقین ہو اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا جائز نہیں۔ اس کی سب سے واضح دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:"ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً ولا تقم علی قبره إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" جس سے صریح طور پر کفار ومنافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام کفن دفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کردی، ایک اور آیت جس سے اس مسئلہ کی خوب وضاحت ہوجاتی ہے وہ یہ ہے:"استغفرلهم أو لا تستغفرلهم إن تستغفرْلهم سبعين مرة فلن يغفرالله لهم"(سورہ توبہ) کہ اگر ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کیا جائے تب بھی رب رحیم اس کی مغفرت نہیں کرے گا، لہذا قرآن خوانی کرنا کہ ایصال ثواب ہوجائے تحصیل لاحاصل ہے۔

ج: غیر مسلم اپنے مسلمان دوستوں کو جو تبرکات پیش کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ۱-مذہبی، ۲-غیر مذہبی، مؤخر الذکر کی صورت میں جیسے شادی یا کوئی اور تقریبات مثلاً بچہ کی پیدائش وغیرہ تو اس میں ان کے تحفہ کا قبول کرنا جائز ہے، اور کھا بھی سکتے ہیں، اور مقدم الذکر کی بھی دو قسم ہے:

Marfat.com

۱- وہ تبرکات بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں گے۔

۲- یا نہیں ہوں گے، اگر نہیں ہیں تو اس کے کھانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ صاحب احسن الفتاوی حضرت مولانا رشید احمدؒ فرماتے ہیں (احسن الفتاوی ۸/ ۱۶۲)۔ البتہ اسے نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کھانے کو حرام نہ کہا جائے گا (فتاوی محمودیہ ۵/ ۲۲۷)۔

اور اگر وہ تبرکات بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں گے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے، کیونکہ وہ "ما اهل لغير الله" میں داخل ہے۔

د: باہمی میل جول کی بنا پر یا ویسے بھی اگر غیر مسلم حضرات مسجد وغیرہ مثلاً مدرسہ یا کوئی مذہبی تعمیر وجلسہ وغیرہ میں تعاون پیش کریں تو جائز ہے، جبکہ وہ اس کو عبادت سمجھ کر دے رہا ہو (فتاوی محمودیہ ۲/ ۴۷۶)۔

مگر مولوی عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں: "حسب تصریح معتبرات مال ہنود کا تعمیر معابد خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے (فتاوی عبدالحیٔ/ ص ۳۴۳)۔

اسی طرح اگر ہندوؤں کے مذہبی تقریبات میں چندہ وغیرہ کے ذریعہ تعاون کیا جائے تو یہ ناجائز ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" کی وجہ سے (فتاوی محمودیہ ۹/ ۳۹۸)۔ ایسے ہی ان کی عبادت گاہوں مثلاً مندر وغیرہ کی تعمیر کے لئے امداد کرنا جائز نہیں ہے (فتاوی محمودیہ ۸/ ۲۹۳)، البتہ ان کے شر اور ضرر سے گلوخلاصی کے لئے ان لوگوں کو تملیکاً پیسے دے دیئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، پھر وہ جہاں چاہیں خرچ کریں (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۷۲)۔

ھ: آج کل غیر مسلم حضرات جو مسلمانوں کے ساتھ افطار میں شریک ہوتے ہیں عید کی تہنیتی تقریب رکھتے ہیں، اور مسلمانوں سے اس کی توقع ہوتی ہے کہ وہ بھی دوسرے مذہبی

Marfat.com

گروہوں کے تہواروں میں شریک ہوں تو ظاہر ہے یہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اگر کوئی سیاسی قائد مسلمانوں کی مسجد میں آجاتا ہے یا پھر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے نماز بھی پڑھ لیتا ہے، جلسے جلوس میں شرکت بھی کرلیتا ہے تو کیا مسلمان کے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ بھی مندر میں جاکر کچھ دیر کے لئے پوجا کرلے؟ مسئلہ صاف ہے کہ شریعت مطہرہ اس کی اجازت نہیں دے سکتی، تو پھر میلے ٹھیلے میں شرکت کی اجازت کیونکر ہوسکتی ہے۔

الف: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''کفار کے میلوں میں ہرگز جانا درست نہیں، گناہ کبیرہ ہے اگر چہ قرض دار ہو، اور امید فروخت مال اور نفع کثیر کی ہو، مطلقاً شرکت ایسے مواقع کی گناہ اور حرام ہے (فتاوی رشیدیہ کامل رص ۴۶۶ مطبوعہ رحیمیہ)۔

ب: جیسے ان کے میلوں میں شرکت کی اجازت نہیں ہے، ایسے ہی غیر مسلم بھائیوں کو ان کے تیوہاروں کی مبارکباد پیش کرنا بھی درست نہیں (بحوالہ عبدالحی اردو کامل ر ۵۳۳)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ''غیر مسلم کے تہوار کی تعریف میں کچھ اشعار بنا کر ان کے بچوں کو دینا بالکل درست نہیں ہے، ان عبارات سے بخوبی یہ عقدہ حل ہو گیا کہ ان کو مبارکباد دینا بالکل درست نہیں ہے (فتاوی رشیدیہ کامل ر ۴۸۸)، اور یہ درست ہوگا بھی کیسے جبکہ محض تحسین اعمال کفار کو فقہاء کفر کا درجہ دے کر تجدید ایمان و نکاح کو لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں۔

۳-(الف) قومی جھنڈے کی سلامی:

ہندی مسلمان اقلیت میں ہیں جبکہ غیر اقوام کی اکثریت ہے، اور ایسے ہی بعض دیگر ممالک کا حال ہے، انہیں پریشانی درپیش ہوتی ہے، جب بعض ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جنہیں غیر اقوام تو محض سیاسی حد تک تصور کرتے ہیں مگر مسلمانوں کی پرواز فکر تصور مذہبی کو جالیتی

Marfat.com

ہے، اگر سیاسی سمجھ کر کام کرے تو دین کا خطرہ، اور اگر دین سمجھ کر اس کے خلاف کرے تو پھر سیاسی پریشانی ہوتی ہے، آخر ایسے وقت کیا کرنا چاہئے؟ ظاہر ہے کہ پریشانی ہر طرف ہے، خلاصہ کلام ان پریشان کن امور میں سے ایک جھنڈے کی سلامی بھی ہے، اور وندے ماترم جیسے ترانے بھی ہیں جو کہ ناجائز ہیں۔

جھنڈے کی سلامی ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جھک کر اسے سلامی دیتے ہیں جو تعظیم کے طور پر ہوا ہے، اور تعظیماً جھکنا خدا کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خدا کے سوا اگر کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کرے۔

تاہم اگر جھک کر سلامی دینے پر مجبور کیا جائے تو ممکن حد تک قانون وآئین کے دائرے میں رہتے ہوئے خود کو مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی کوشش ہونی چاہئے، اور اگر کامیابی نہ ہو سکے اور ملازمت کا خطرہ ہو کہ اس کے بعد حرج شدید میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر کراہت خاطر کے ساتھ سلامی جائز ہوگی کہ یہ ایک حاجت ہے، اور حاجت ضرورت کے درجہ میں آکر ناجائز چیزوں کے لئے وقتی اور عارضی طور پر وجہ جواز بن جاتی ہے: "**الحاجة تنزل منزله الضرورة**" اور "**الضرورات تبیح المحظورات**" (جدید فقہی مسائل ص ۴۴۵)۔

(ب) شرک آمیز ترانے:

ایسے ہی وہ ترانے جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں اس کا پڑھنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ بندہ جب کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پڑھ لیتا ہے وہ اس بات کا صراحۃً اعتراف واقرار کرتا ہے کہ مستحق معبودیت صرف اللہ ہے، ہندوستان کے اندر وندے ماترم، پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، کیونکہ اس کے اندر ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، لہٰذا وندے ماترم اور

Marfat.com

اس جیسے ترانے کا پڑھنا حرام ہے۔

اس لئے اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے اگر چہ ملازمت کا خطرہ ہو، کیونکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب دو طرح کی مصیبتیں بیک وقت اکٹھی ہو جائیں تو ''اہون البلیتین'' کو اختیار کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ صیانت ایمان اہون ہے صیانت ملازمت سے، اور پھر یہ کہ حفاظت ایمان واجب ہے نہ کہ حفاظت ملازمت۔

(ج) خلاف شرع فیصلہ پر عمل نہیں ہوسکتا:

جو ادارہ ملک کے باشندوں کو انصاف فراہم کرتا ہے اگر اس نے کوئی ایسا فیصلہ کر دیا جو شرعی نقطہ نظر سے متصادم ہو اور فریقین مسلمان ہوں، تو پھر اس فیصلہ سے کسی کو استفادہ کا حق نہیں ہوگا، ان دونوں کو چاہئے کہ قاضی شرع کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں اور پھر جو فیصلہ ہو اس پر عمل کریں ''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق''۔

۴- (الف) اسلام ایک ابدی مذہب ہے:

اسلام کی افادیت کسی خاص زمانہ اور عہد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کی انسانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت اور افادیت ابدی اور لافانی ہے، وقت کے بدلتے ہوئے حالات اور سماج کی تغیر پذیر روش اس کے مضبوط قانونی حصار کو زک نہیں پہنچا سکتی، اس نے جس طرح آج سے پندرہ سو سال پہلے تشنہ لب اور پیاسی انسانیت کو امن وسکون کا ساحل دیا تھا اور مردم خوروں اور خون آشاموں کو انسانیت کا پاسبان اور نگہبان بنا کر کھڑا کیا تھا، آج بھی کر سکتا ہے، لہذا یہ اعتراض ہی سرے سے بے بنیاد ہے کہ اسلام دور جدید کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

اور بعض دانشور مسلمان جو یہ کہتے ہیں کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہی ہے، یہ نتیجہ ہے کالجوں کی بنیاد کا اور غیر دینی اور خالص مذہبی تعلیم سے چشم پوشی کا، ورنہ اگر وہ خالص

Marfat.com

دینی ماحول میں پرورش پاتے تو یقیناً اس فکر کے اسیر نہ ہوتے کہ تمام مذاہب کا خلاصہ ایک ہے، کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اسلام ایک سچا اور حق مذہب ہے، جبکہ اس کے بالمقابل دیگر ادیان عند اللہ معتبر نہیں ہیں، کیونکہ "**ان الدین عند الله الاسلام**" (سورہ آل عمران) اگر اس کے خلاف کوئی دین اختیار کرتا ہے وہ مقبول نہیں ہوگا "**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه**" (ایضا)۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح اجالا اور اندھیرا ایک نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ بات نہایت نامعقول اور ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بغاوت و نافرمانی بھی اسی طرح پسند ہو جیسے اطاعت وفرمانبرداری، نجات اخروی کا مدار سب سے پہلے اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری پر ہے جو اس سے محروم رہا، اس کے کسی عمل کا اعتبار نہیں "**فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا**" (معارف القرآن ۲۶/۳۸)۔

(ب) اسلام میں درس مساوات:

دنیا کے بعض علاقوں اور خصوصا ہندوستان میں غیر مسلموں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، اس طبقہ کو ہندوستان میں "دلت" کہا جاتا ہے، جن پر صدیوں سے ہندوؤں میں اونچی ذات سمجھے جانے والے طبقہ کی جانب سے مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، اور جن کو سماجی، سیاسی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ بنائے رکھنے کی منظم اور منصوبہ بند کوشش ہوتی رہی ہے، اور انہیں اس قدر پست کیا گیا کہ ڈوم، چمار، مسہر، وغیرہ جو دلت کہلاتے ہیں، قانونا اپنی مندر میں ان کا داخلہ ممنوع کردیا، یہاں تک کہ اونچی ذات والے غیر مسلم طبقہ کی چھتری کے سایہ میں یا ان کے سامنے کہیں وہ بیٹھ بھی نہیں سکتے، اور ان کے نزدیک دلت کی حیثیت کتے اور خنزیر سے بھی بہت زیادہ کم ہے۔ یہ اپنے انسانی حقوق مانگ نہیں سکتے، کیونکہ نہ ان کے لئے کوئی عدالت ہے اور نہ ہی انصاف کا کوئی کٹہرا، آخر کہاں جائیں جس جگہ جائیں گے

Marfat.com

وہیں منہ کی کھانی پڑے گی گویا

منصف کی آستیں میں ہے خنجر چھپا ہوا　　　انصاف کرنے والا ہی قاتل ہے آج کل

لہذا اخوت کے ناطے ان کا تعاون کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے، اور ضروری ہے کہ جس طرح سے ہو سکے ان کی مدد کریں، خواہ حکومت کے پاس جا کر اس کے لئے بل پاس کرا کر یا پھر مذہبی سطح پر اس کی ذہن سازی کر کے، تاکہ وہ لوگ بھی سکون کا سانس لے سکیں۔

(ج،د) خدمت خلق ایک عبادت:

رفاہی اداروں کو متعین گروہ یا جماعت کے یا اشخاص کے ساتھ مخصوص رکھنا نہیں چاہئے، دو وجہوں سے: ایک یہ کہ قرآن ایثار کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "یؤثرون علی أنفسھم ولو کان بھم خصاصة" (سورہ ممتحنہ)، قابل مدح امر یہی ہے کہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دے، ورنہ پھر نظر انداز بھی نہ کرے۔ دوم یہ کہ جب ابتلاء عام ہو جائے اور ہر ایک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو تو ایسے موقع سے یکطرفہ کام عصبیت و تنگ نظری اور تعلیمات اسلامی کے خلاف ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کے کام میں مثلاً ہوسپٹل کے ذریعہ خدمت ہو یا ریلیف کے ذریعہ امداد مسلم اور غیر مسلم کی تفریق سے کام لینا غیروں کا نظریہ ہے۔

ہاں مسلمانوں کے آپس میں جو دہرے رشتے ہیں، اس بنا پر انہیں حق تقدم ضرور حاصل ہوگا، اس طور پر نہیں کہ غیر بالکل محروم ہو جائیں، بلکہ از راہ انسانیت ان کی امداد کر کے اعلی کردار اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

تنظیم عالم قاسمی
دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ دینے کا مطلب اس بات کی شہادت دینا ہے کہ وہ جس امیدوار کو ووٹ دے رہا ہے اس کے علم و دانست میں وہ قوم و ملت کا خیر خواہ، جذبۂ خدمت خلق اور نمائندگی کی صلاحیت میں دوسروں سے بہتر ہے، اپنی جانب سے اسے اُس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ ایسے وزیر اعظم، بادشاہ اور سربراہ مملکت کا انتخاب کرے جو ملک کے مفاد میں بہتر ہو، جن میں قوم کی بھلائی کا جذبہ ہو اور وہ ایسی تمام چیزوں سے اجتناب کرے جن سے شہریوں کا دینی، معاشی، معاشرتی کسی بھی اعتبار سے نقصان پہنچ سکتا ہو۔

اسلام میں حکومت و اقتدار صرف اس مقصد کے لئے مطلوب ہے کہ ملک میں خدا پرستی فروغ پائے، نیکیوں کا رواج ہو، صلاح و تقوی، صداقت و امانت، امن و سکون کے چرچے ہوں، باشندگان وطن کو ہر طرح کے حقوق دستیاب ہو سکیں، ظلم و زیادتی، بد اخلاقی و بدکرداری، اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والی تمام حرکتوں کا خاتمہ ہو سکے، جس امیدوار اور پارٹی سے ان اغراض کے حصول کا یقین ہو یا کم سے کم امید کا پہلو غالب ہو، تو ایسی پارٹی کے نمائندگان کو ووٹ دینا واجب ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں، اگر پارٹی مسلمانوں کی ہے مگر

Marfat.com

اس کا مقصد حب نفس و جاہ ہے تو اس سے بہتر وہ غیر مسلم پارٹی ہے، جو وطن کی خدمت کا جذبہ رکھتی ہے، جس سے نیکی اور سچائی کی امید ہے، جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کوئی کسی شخص کو عوامی عہدہ سونپے جہاں اس معاشرہ میں اس امین سے بہتر کوئی فرد موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی'' (تعریف بالا اسلام ص ۲۵۹)۔

اور اگر تمام پارٹیاں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں برابر ہوں، مسلمانوں کے تعلق سے کسی کا خیال درست نہ ہو تو اس وقت غور وفکر کر کے ایسی پارٹی کو ترجیح دی جائے گی جو نسبۃً دوسروں سے بہتر ہو، اور اس وقت فقہاء کے مشہور اصول ''اہون البلیتین'' پر عمل کیا جائے گا۔

مذکورہ مباحث کے پیش نظر خیال ہوتا ہے:

(الف) جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا بشرط صحت نیت درست ہے۔

(ب) ووٹ دینا جہاں قومی فریضہ ہے، وہیں مسلمانوں کے لئے مذہبی فریضہ بھی ہے، اگر ووٹ نہ دینے سے ظالم حکومت کا برسراقتدار آنا یقینی ہو تو ووٹ دینا مسلمان بالغ مرد وعورت پر واجب ہوگا۔

(ج) انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کی جاسکتی ہے جبکہ وہ پارٹیاں مسلمانوں کے مخالف نہ ہوں، حق کی ترویج ان کا مقصد اور مشن ہو، جو پارٹی نسبۃً بہتر ہو اس کا تعاون واجب ہے۔

(د، ھ) غیر مسلم بھائیوں کے اشتراکیت کے ساتھ ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ مل کر اسلام کے مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔

Marfat.com

۲- الف: مسلمانوں کے لئے رہائش کا مسئلہ:

غیر مسلموں کے محلہ میں رہائش اختیار کرنے سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہے اور قاعدہ ہے: "إذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً" (الاشباہ والنظائر ر ۱۴۷)۔

اپنے اخلاق وکردار کے ذریعہ غیر مسلموں کو متاثر کرنے کا صرف امکان ہے، لیکن مشاہدات وتجربات سے غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات اوران کے ماحول کا اثر مسلمانوں، ان کے بچوں پر پڑنا یقینی ہے، مکی زندگی میں حضور اکرم ﷺ کے اخلاق وکردار کے ذریعہ کفار مکہ مسلمان نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے تہذیبی اثرات سے بچنے اور مذہبی آزادی کے لئے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی وجہ سے فقہاء نے آریہ سماج یا کسی باطل جلسہ جلوس میں شرکت کی اجازت نہ دی ہے، اس لئے کہ فساد دین کا احتمال ہے (رشیدیہ ص ۵۷۵)۔

ب- غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شرکت:

اس سے جہاں غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کے عدم جواز کا قطعی ثبوت ملتا ہے، وہیں جلوس جنازہ میں شرکت اور آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنے کے عدم جواز کا بھی پتہ چلتا ہے، اس لئے کہ غیر مسلم کے جلوس جنازہ اور آخری رسم میں شرکت نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کو دفن کرنے میں شرکت کی طرح ہے جو شرعاً جائز نہیں، علامہ قرطبی "ولا تصل على أحد" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال علماؤنا هذا نص في الامتناع من الصلوات على الكفار" (الجامع لأحکام القرآن ۸ر ۱۴۰ دار الکتب العلمیہ)۔

البتہ غیر مسلم جنازہ کی زیارت جب کہ وہ گاؤں، پاس پڑوس کا رہنے والا ہو، کوئی بڑا سیاسی، یا عہدہ دار ہو اور اس خاص موقع پر مسلمان کا نہ جانا محسوس کیا جائے اور اس سے باہمی فاصلہ بڑھ جانے کا خطرہ ہو، تو جائز ہے۔ علامہ سیوطی کی رائے میں اگرچہ غیر مسلم جنازہ کی

Marfat.com

زیارت بھی درست نہیں ہے لیکن غیر مسلم اقوام کے ساتھ رہتے ہوئے سماجی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے مصلحتاً اس کی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، ہر غیر مسلم کے جنازہ کی زیارت کی عادت بنانا درست نہیں، جیسا کہ علماء نے غیر مسلم کے ساتھ کھانے کو جائز مگر عادت بنانے کو مکروہ لکھا ہے:

"إن كان ذلك مرة أو مرتين يجوز، لأن النبي ﷺ أكل مع كافرة فحملناه على ذلك ولكن يكره المداومة عليه" (نصاب الاحتساب ص ۱۱۰)۔

ج۔ غیر مسلموں کے تحفے اور ہدایا کی شرعی حیثیت:

غیر مسلموں کے ایسے تحفے قبول کرنا جائز ہے جن کا تعلق مذہبی تیوہاروں سے نہ ہو، جیسے شادی بیاہ، بچے کی پیدائش یا کسی اور خوشی کے موقع پر مٹھائی یا تحفہ دیں تو اسے کھایا جاسکتا ہے۔ لیکن جو تحفہ، یا مٹھائی بتوں پر چڑھائی ہوئی ہو، جس کو پرشاد کہا جاتا ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد ہے: "وما أهل به لغير الله الخ"۔ پرشاد اور چڑھاوا بھی اسی حکم میں ہے، کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر چڑھایا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ شرک کی تعظیم لازم آتی ہے، امام ابوبکر جصاص آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: يوجب تحريمها إذا سمى عليها باسم غير الله" (احکام القرآن للجصاص ۱؍۱۲۵)۔

بت کے بجائے اگر حضرت عیسیٰ مسیح کا بھی نام لیا جائے تو بھی جائز نہیں، "وقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر ومالك والشافعي لا تؤكل ذبائحهم إذا سموا عليها باسم المسيح" (احکام القرآن ۱؍۱۲۵)۔ اگر بتوں پر چڑھائی ہوئی شیرینی قبول کرلی جائے تو یہ قانون شرعی سے تجاوز کرنا ہوگا جو قطعاً ناجائز ہے۔

Marfat.com

د- مسجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا چندہ لینا:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر کے لئے، اس کے کسی کام کے لئے، دینی مدارس یا مذہبی جلسوں کے لئے چندہ دے، یا کسی اور طرح کا تعاون پیش کرے اور وہ اسے اپنے عقیدہ میں نیک کام سمجھ کر دے اور اس سے یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو غلط استعمال کرے گا، وہ بھی اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر اور تیوہاروں یا جلسوں کے لئے تعاون کا مطالبہ کرے گا، یا کبھی موقع پر احسان جتائے گا تو ان شرائط مذکورہ کے ساتھ مسجد، مدرسہ یا کسی دینی کام کے لئے تعاون لینا درست ہے۔

ھ- غیر مسلم کے تیوہاروں میں شرکت:

اسلام انتہائی حساس، غیرت مند اور نازک مزاج ہے، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی دوسرے سے حقیقی محبت، قلبی تعلق جائز نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا کام جائز ہے، جس سے مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے مذہب کا احترام لازم آتا ہو، ارشاد ہے: "إن الدين عند الله الإسلام" (اسلام آنے کے بعد اب وہی اللہ کے یہاں ذریعۂ نجات ہے)۔

آفتاب نکلنے، ڈوبنے اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ آفتاب پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے، جو دین اتنا حساس اور غیرت مند ہو تو وہ غیر مسلم کے تیوہاروں اور ان کی رنگ رلیوں میں شرکت کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ غیر مسلم سیاسی اور سماجی قائدین مسلمانوں کے ساتھ افطار میں شریک ہو سکتے ہیں، مگر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم کی ایسی تقریبات میں شریک ہونا اور ان کے تیوہاروں میں مبارک باد دینا درست نہیں ہے، یہ رواداری نہیں بلکہ رضاء بالکفر ہے اور "الرضاء بالکفر کفر" کا قاعدہ مشہور ہے، اسی کے ساتھ یہ تعاون علی المعصیت ہے جو شرعاً حرام ہے۔

Marfat.com

۳-(الف) جھنڈے کو سلامی دینا:

تمام تعریف، تعظیم وتکریم کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، اس کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں ہے، اسی لئے اصحاب نظر وفکر نے احتراماً بزرگوں کو قبلہ وکعبہ لکھنے سے منع کیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تطروني" (بخاری ومسلم) (میرے لئے زیادہ بڑائی کے الفاظ استعمال نہ کرو)، جس شریعت کی حساسیت اتنی بڑھی ہوئی ہو کہ زیادہ احترام کا جملہ غیر اللہ کے لئے استعمال درست نہیں، تو جھنڈا کے لئے جھکنا اور سلامی پیش کرنا کیسے درست ہوگا؟

دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے دیگر جمہوری ممالک میں سرکاری ماسٹر یا دیگر گورنمنٹ ملازمین کے لئے یہ مسئلہ بڑی پیچیدگی کا باعث بن جاتا ہے، مذہبی نقطۂ نظر کے ساتھ سیاسی اور سماجی پہلو نمایاں طور پر اس میں پایا جاتا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ بغیر انحناء واحترام کے جھنڈے کو محض ہاتھ اٹھا کر سلامی دینا مصلحتاً جائز ہوگا، جیسا کہ بعد کے ارباب افتاء نے غیر اسلامی مملکت میں ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے، تورات، زبور، انجیل وغیرہ کے حلف اٹھانے کو مجبوراً جائز قرار دیا ہے جبکہ تعظیم کی نیت نہ ہو (المجمع الفقہ الاسلامی کے فقہی فیصلے: ۱۸۸، ناشر اسلامک فقہ اکیڈمی)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا بھی یہی خیال ہے کہ "وہ (یعنی جھنڈے کو سلامی دینا) ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہوسکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے" (از نقیب جلد ۷، پھلواری شریف پٹنہ ۲۶ر جمادی الاولی ۱۳۵۸ء، جولائی ۱۹۳۹ء یکشنبہ)۔

ب: وندے ماترم پڑھنے کا حکم:

یہ سراسر شرک ہے، جس میں تاویل اور مصلحت کا اعتبار نہیں، اس لئے وندے ماترم یا اس قسم کے ترانے جن میں وطن کی معبودیت کا تصور پایا جائے، پڑھنا جائز نہیں۔

Marfat.com

ج: اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ:

قوانین اسلام کی اطاعت اور ان سے مستفاد روشنی کی اتباع مسلمانوں کا اصل شعار ہے، اسی کا حکم بھی ہے اور یہی نجات کا واحد راستہ ہے، تعلیمات قرآن کے خلاف کوئی فیصلہ توحید پرستوں کے لئے قابل عمل نہیں بلکہ وہ سختی سے قابل تنقید ہے، اگر کوئی عدالت اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ دیتی ہے تو مسلم فریقین کے لئے اس پر عمل کرنا درست نہیں ہے: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔ مخلوق کا بنایا ہوا اصول اسی حد تک معمول بہ ہے کہ وہ شریعت اسلامی سے نہ ٹکراتا ہو، امام احمد کے زمانہ میں خلق قرآن کا مسئلہ اٹھا تھا، امام صاحب نے تمام مصائب بصد خوشی قبول کر لئے لیکن اسلام کے خلاف قانون پر راضی نہ ہوئے، یہ طریقہ خود سرکار دو عالم ﷺ کے ایک ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خذوا العطاء مادام عطاء، فإذا صار رشوة على الدين فلا تأخذوه" (تنخواہ لو اس وقت تک جب تک وہ تنخواہ رہے لیکن اگر وہ دین فروشی کے اوپر رشوت بن جائے تو نہ لو) (مجمع الزوائد ۵/۲۳۸)، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری کئے جائیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو ایک توحید پرست، مسلمان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی کرے، یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اخروی نجات کا راستہ ہے، وہاں اس میں اجتماعی اصلاح کا زبردست صلاحیت بھی ہے، کیونکہ اگر عوام مین دینی شعور پیدا کر دیا جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنفیذ میں حصہ دار بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ ہندوستان میں نفقۂ مطلقہ وغیرہ کے سلسلہ میں یہ آزمایا جا چکا ہے۔

Marfat.com

۴- (الف) منزل ایک راستے مختلف:

اللہ ایک ہے، وہی ساری دنیا کا مالک اور خالق ہے، جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے، ہونے والا ہے، سب میں اسی کی طاقت کارفرما ہے، اس کی کوئی نظیر ہے نہ مثیل، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**ليس كمثله شيء**" (سورۂ شوریٰ:۱۱)، "**ولم يكن له كفوا أحد**" (سورۂ اخلاص:۴)، وحدانیت کے ساتھ رسالت کا اقرار ایمان کا اہم حصہ ہے، اس کے بغیر ایمان ویقین کی کوئی حیثیت نہیں، مسلم، غیر مسلم دونوں الگ الگ دو فرقے ہیں، بالترتیب ایک حق اور دوسرا باطل اور اس کا بطلان قرآن وسنت سے ثابت ہے، اہل عرب اللہ کو مانتے تھے مگر ساتھ ساتھ لات وعزیٰ، ہبل وغیرہ کو بھی مددگار مانتے تھے، اور خدائی میں شریک ٹھہراتے رہے، اس لئے وہ مشرک ٹھہرے: "**ولئن سألتم من خلق السماوات والأرض ليقولن الله**" (سورۂ لقمان:۲۵)۔

آج کے غیر مسلم مذاہب مختلف ہونے کے ساتھ وحدانیت دین کا تصور رکھتے ہیں، یہ نظریہ کسی درجہ میں قابل قبول نہیں ہے، گنیش جی، ہنومان جی، سیتا، رام یا جس کو بھی معبود تصور کریں، کرتے ہیں اور انہیں خالق کائنات نہ سہی مگر معاون، مددگار ضرور تصور کرتے ہیں، قابل عبادت سمجھتے ہیں، ساتھ ہی رسالت کا اقرار نہیں کرتے، ارشاد خداوندی ہے: "**ومن الناس من يتخذ من دون الله أنداداً يحبونهم كحب الله**" (۲/۱۶۵) (بہت سے ایسے بھی لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ کی طرح محبت کرتے ہیں)۔

(ب) مظلوم طبقہ کے تئیں مسلمانوں کا رویہ:

اللہ تعالیٰ نے تخلیقی فطرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "**يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم**" (سورۂ حجرات:۱۳) دنیاداروں کے یہاں کالے، گورے کا فرق ہوسکتا ہے اور ہے، لیکن

Marfat.com

اسلام کی نظر میں تمام انسان انسانیت کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتے ہیں، رنگ ونسل، قوم ووطن کے اعتبار سے تفریق جائز نہیں، کمزوروں اور دبے کچلے لوگوں کا تعاون، حتی الوسع ان کی ہمدردی نہ صرف اخلاقی فریضہ ہے بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے، اسلام کے مقصد میں داخل ہے کہ اہل حق کو حق دلوایا جائے، ظالم کا ہاتھ پکڑا جائے اور اچھی چیزوں کی ترویج کی کوشش کی جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أنصر أخاک ظالماً أو مظلوماً" (متفق علیہ)، حضرات محدثین نے صراحت کی ہے کہ مظلوم میں مسلم اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں، دنیا کا جو بھی رویہ ہو لیکن مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ انسانی اخوت کے رشتہ سے ہر مظلوم کا تعاون پیش کرے، اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ انسانیت کے اعتبار سے غیر مسلم بھی ہمارے حسن اخلاق کا حق رکھتا ہے، اس لئے اپنی صلاحیت کے بقدر مظلوم کا تعاون دینی فریضہ ہے، چاہے حکومت ہماری ہو یا نہ ہو۔

(ج، د) برادران وطن کے ساتھ مسلم تنظیموں کا رویہ:

جب کوئی قدرتی آفت آتی ہے تو بلا تفریق سماج کے تمام افراد اس کے شکار ہوتے ہیں اور سبھی لوگ مدد کے محتاج ہوتے ہیں، ایسے وقت میں مسلم ریلیف تنظیموں کو صرف انسانیت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے، مذہبی تعصب کی اجازت نہیں، چاہے غیر مسلم تنظیمیں مسلمانوں کو تعصب کے نقطۂ نظر سے دیکھیں یا تعاون کریں، اس لئے کہ عوض میں احسان کرنے کا نام صلہ رحمی نہیں ہے، سامنے والا چاہے اخلاق کے اعتبار سے جیسے ہی ہوں، ان کے ساتھ نرم مزاجی اور حسن گفتار کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لیس الواصل بالمکافي ولکن الواصل الذي إذا انقطعت رحمه وصلها" (ترمذی ۱۳/۲)۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ ایک روز مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک نصرانی فقیر کو دیکھا، بھیک مانگ رہا ہے، فاروق اعظم اس کے پاس گئے، اور حال دریافت کرنے کے بعد فرمایا: یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا کہ تیری جوانی اور قوت کے زمانہ میں ہم نے تجھ سے ٹیکس وصول کیا اور جب تو بوڑھا ہو گیا تو اب ہم تیری امداد نہ کریں، اس وقت حکم دیا کہ بیت المال سے اس کو تاحیات گذارہ دے دیا جائے (جواہر الفقہ ۵/۷۰)۔

مذکورہ بحثوں کا حاصل یہ ہوا کہ قدرتی آفت، ناگہانی مصیبت یا کسی اور بے چینی کے وقت غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے گا، ہاسپیٹل وغیرہ کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، بلکہ بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت واعانت کا دروازہ کھلا رہنا چاہئے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان تمام جگہوں میں مسلمانوں کو مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ ان سے دو رشتے ہیں ایک انسانی بھائی چارہ کا، دوسرے اسلامی وایمانی اخوت کا۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

Marfat.com

مختصر مقالات:

ڈاکٹر محمد محروس المدرس

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی حبیب اللہ قاسمی

مفتی جمیل احمد نذیری

مولانا محمد قاسم مظفر پوری

مفتی محبوب علی وجیہی

مولانا خورشید احمد اعظمی

مولانا سید امیر حسین گیلانی

مفتی ذاکر حسن نعمانی

مفتی عبد الرحیم قاسمی

مولانا قاری ظفر الاسلام

مولانا محمد ظفر عالم ندوی

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مولانا ابوسفیان مفتاحی

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

مولانا ابو العاص وحیدی

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی

مفتی عبد اللطیف پالنپوری

Marfat.com

Marfat.com

غیر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات

ڈاکٹر محمد محروس المدرس (عراق)

عصر حاضر نت نئے حالات سے گذر رہا ہے، جو کسی بھی صورت میں اہل نظر سے مخفی نہیں، بایں وجہ مسلمانوں کا دنیا کو دارالحرب اور دارالاسلام میں تقسیم کرنا اس سیاق میں زیر غور اور تحقیق طلب مسئلہ بن گیا ہے، اس تقسیم کی گذشتہ ادوار میں اس وقت اہمیت رہی ہے، جب مسلمان ایک مربوط معاشرہ کی طرح تھے، اور آپسی اتحاد وقربت و یکسانیت کو برقرار رکھتے ہوئے پھیلتے گئے اور ان کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا، لہذا ان کی سرزمین دارالاسلام کہلاتی تھی اور ان کے علاوہ جو علاقے تھے دارالکفر سمجھے جاتے تھے۔

لیکن جب مختلف ملکوں اور علاقوں سے مسلمانوں کی سلطنت زوال پذیر ہوگئی، غیر مسلم ممالک کے باشندے دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس صورت حال کی تبدیلی کی وجہ سے سابقہ تقسیم نے ایک غور طلب مسئلہ کا رخ اختیار کرلیا، اور اس دور میں اس پر برقرار رہنے سے درج ذیل چیزیں لازم آتی ہیں:

الف-اپنے دین کی حفاظت کے لئے دارالکفر سے ہر مسلمان ہونے والے شخص کے ہجرت کا وجوب۔

ب-ان تمام علاقوں کے باقی ماندہ مسلمانوں کی ہجرت کا وجوب، جہاں سے

Marfat.com

مسلمانوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ ان کی وجہ سے درج ذیل جیسے متعدد نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱-ان کا اپنے مال وساز وسامان کو چھوڑنا۔

۲-زیر قبضہ تمام تجارتی یا سماجی یا سیاسی مراکز کا چھوڑنا۔

۳-علمی مراکز، اسلامی ادارے اور مساجد کا نقصان۔

۴-ان ممالک کے فرماں رواؤں کے تجاویز وقرارداد پر اثر انداز ہونے کے مواقع کا نقصان، جن کی وجہ سے عالم اسلام کے صورتحال پر اثر انداز ہونے کے امکان کا فقدان۔

۵-ان کا ان معاشروں سے قطع تعلق، اور ان ممالک کی شہریت کا نقصان، جس کی وجہ سے درج ذیل جیسے متعدد امتیازات ومراعات سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں:

(الف) دنیا کے مختلف ممالک میں امن وسلامتی، عزت واحترام بلکہ دعوت اسلامی کو فائدہ بخشنے والے تمام تعاون کو پہنچانے کے ساتھ، سفر کرنے کی اجازت۔

(ب) جن ممالک کی شہریت ان کو حاصل ہے وہاں آنے جانے کی سہولت، جس کی وجہ سے دعوت کا کام آسان ہو سکتا ہے، اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

(ج) ان آزادی سے فائدہ اٹھانے کا موقع، جنہیں وہاں کی حکومتیں اپنے باشندوں کو عطا کرتی ہے، جبکہ بسا اوقات بہت سے اسلامی ممالک میں بھی ایسی سہولیات میسر نہیں ہو پاتیں۔

(د) عظیم علمی صلاحیتیں مثلاً ذرائع ربط وتعلق، ذرائع معلومات، حسن طباعت، اسلامی دعوتی پروگرام تیار کرنے کے لئے عمدہ الکٹرانک صنعت اور دنیا کے مختلف گوشوں سے شائع ہونے والی کتابوں کی فراوانی، جنہیں وہ لوگ اپنی لائبریریوں کے لئے مہیا کراتے ہیں، سے استفادہ، جبکہ ان میں سے بیشتر چیزیں مسلم ممالک میں میسر نہیں ہو پاتیں۔

Marfat.com

ان وجوہات کی بنا پر میں ان لوگوں کی تائید نہیں کرتا جو غیر اسلامی ممالک سے مسلمانوں کی ہجرت کے وجوب کے قائل ہیں، ورنہ نیپال، ہندوستان، فلپائن، تھائی لینڈ، سری لنکا اور میانمار کے مسلمان اس کے زیادہ ذمہ دار ہیں، چہ جائیکہ امریکہ، برطانیہ، جاپان، یورپی ممالک، لاتینی امریکہ، بیشتر افریقی ممالک، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ کے مسلمان باشندے۔

کیا اسے عقل گوارہ کرسکتی ہے؟ یا یہ مقاصد شریعت کے مطابق ہوسکتا ہے؟

میں دوبارہ اس چیز کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت نصوص پر بحث ومباحثہ نہیں کررہا ہوں، جبکہ ان میں مسلمانوں کی حالت اور ان کے مجموعی مصالح کے پیش نظر تاویل کی گنجائش ہے نہ کہ کسی مخصوص جماعت یا گروہ کے مفاد کو دیکھتے ہوئے۔

جب ہم نے غیر مسلم ممالک میں موجود مسلمانوں کی بقا کو تسلیم کرلیا، تو اس قضیہ سے متعدد قابل بحث امور وابستہ ہیں، جن میں چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱- اپنے ممالک کے وزیر اعظم کے انتخاب میں شرکت کے تئیں ان کا طریقہ کار۔

۲- شریعت سے متصادم بعض امور پر مجبور کئے جانے کی صورت میں ان کا طریقہ کار۔

۳- کفار کو مسلمانوں پر فوقیت وغلبہ حاصل ہونے کی صورت میں، ان کے زیر اثر کام کرنے کے تئیں ان کا طریقہ کار، جبکہ اللہ تعالی اس کی اجازت قطعی نہیں دیتے۔

۴- سودی لین دین معاملات میں ان کا طریقہ کار۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ حنفیہ کی اس مسئلہ میں آراء مختلف ہیں۔

۵- جمعہ، جماعت، عیدین جو کہ مسلم حکمرانوں کی اجازت کے محتاج ہیں، ان کا قیام۔

۶- زکوۃ کا جمع کرنا اور صحیح مصرف میں اس کا استعمال، جبکہ یہ معلوم ہے کہ یہ مسلم حکمراں کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

Marfat.com

۷-ان کے علاوہ مسلمانوں کے نہایت ہی مخصوص امور مثلاً نکاح، طلاق، میراث، نفقہ، علاحدگی وتفریق جیسے دیگر معاملات جسے آج ہم مغربی قانون کے اصطلاح کی لفظی ترجمانی کرنے والے قانون دان کی زبان میں پرسنل لاء کے نام سے جانتے ہیں کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے والے کی تعیین۔

میں یہاں ان مختلف مسائل میں سے صرف ایک مسئلہ یعنی مسلمانوں کا اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے قاضیون کی تعیین پر بحث کروں گا۔

واقعہ یہ ہے کہ قاضیوں کا تقرر مسلمانوں کے فرمارواؤں کی متعدد خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ اوران کے بعدان کے خلفاء راشدین مختلف علاقوں میں قاضیوں کی تقرری کے ذریعہ انجام دیا کرتے تھے، اور یہ اب تک ایک مسنون طریقہ ہے۔

مغربی دستور کے احکام میں ہے کہ کسی بھی مملکت کے مطالبات کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہوں، وہ تین چیزوں یعنی خارجی امن کی حفاظت، داخلی امن کی حفاظت اور لوگوں کو عدل وانصاف کی فراہمی میں ہی محصور ہیں۔

گذشتہ تفصیل اپنی انتہائی سادہ شکل میں بھی اسلامی ممالک پر منطبق ہوتی ہے، اس لئے قاعدہ ہے کہ "ٹیکس حفاظت کی وجہ سے" یعنی اگر کوئی مملکت اپنی رعایا کو داخلی وخارجی امن مہیا نہیں کراتی ہے، تو انہیں مالی استحقاق کی ادائیگی کا کوئی جواز نہیں۔

اور جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو اسے دراصل حقوق کو ان کے اہل تک پہنچانے، افراتفری کو دور کرنے اور صاحب حق کو خود اپنے طور پر حق حاصل کرنے سے روکنے، جس کی وجہ سے متعدد معاشرتی وسلامتی خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے، سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صاحب حق کا بذات خود قصاص حاصل کرنے کے بجائے اس کام کو مخصوص سرکاری ملازم کے

Marfat.com

ذریعہ ایسے بااختیار عدالتی شخص کے فیصلہ کے بعد انجام دیا جاتا ہے، جن کے فیصلے کو نافذ کرنے میں کوئی دشواری نہیں آتی، اور جو ان امور کو برمحل بیان کرنے کی وجہ سے نہ تو معزول کیے جاتے ہیں اور نہ ہی انہیں اس پر مجبور کیا جاتا ہے۔

فرانسیسی انقلاب کے بعد عدالتی، انتظامی و قانون سازی تینوں اختیارات کو الگ الگ رکھنے کے اصول کو اختیار کرنے پر اتفاق کرلیا گیا، اور ہر مملکت کے آئین کا لازم العمل حصہ قرار دیا۔

اور (عدالتی اختیار) کے احکام ہر دستور کے احکام کا جز بن گیا، اور دستور اس کی شمولیت کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ دستوروں نے انہیں اعلی مقام عطا کیا ہے، ان دستوروں میں سے، سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں نافذ کیا گیا سلطنت عثمانیہ کا دستور، ۱۹۵۸ء کا عارضی عراقی دستور (دفعہ ۲۳ سے ۲۵ تک)، ۱۹۵۸ء کا متحدہ عرب ممالک کا عارضی دستور (فصل چہارم دفعہ ۵۹ سے ۶۳ تک) حکومت بحرین کا دستور (فصل چہارم دفعہ ۱۰۱ سے ۱۰۳ تک)، کویتی دستور (دستور عارضی کا دفعہ ۱۶۳ سے ۱۷۳ تک اور دستور دائمی کا دفعہ ۵۳)، لبنانی دستور (دفعہ ۳۰)، مراکشی دستور (فصل ۸۲ سے ۸۷ تک)، تونسی دستور (باب چہارم فصل ۶۴ سے ۶۷ تک)، سوڈانی دستور (باب پنجم، دفعہ ۹۹ سے ۱۰۷ تک) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اصولی طور پر افتاء (مسئلہ بیان کرنا) اس حکم کے بیان کرنے کو کہا جاتا ہے جس کے عمل پر کوئی پابندی نہیں ہوتی، جبکہ فیصلہ ان احکام کے بیان کرنے کو کہتے ہیں جنہیں لازمی طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ کے نام ایک خط میں حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ ''تمہارے پاس جب کوئی قضیہ پیش کیا جائے تو اسے نافذ کرو کیونکہ بغیر نفاذ کے حق بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں'' اور بلاشبہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے امت کے ہر فقیہ تسلیم کرتے ہیں۔

Marfat.com

مزید یہ کہ مغرب کے خود ساختہ قانون میں جو چیزیں موجود ہیں، عین وہی چیزیں اسلامی فقہ وعمل میں پائی جاتی ہیں، کیونکہ قانون درحقیقت ان معاشرتی احوال کے منظم ضابطوں کے مجموعے کا نام ہے، جو عدم نفاذ کی صورت میں جزا کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، لہذا حکم کی پابندی وہ اہم چیز ہے جو فقہی یا (ہماری اصطلاح میں شرعی حکم) کو اسلامی نقطہ نگاہ سے بھی عدالتی فیصلہ کا درجہ عطا کرتا ہے۔

لیکن خود ساختہ قانون داں مروجہ ضابطہ کو قانون کا سرچشمہ مانتے ہوئے متعدد عذروں کا سہارا لینے لگے، ان کی دلیل یہ ہے کہ پابندی فی الواقع جماعت کی ضمیر کی آواز ہے، اور جو چیز مروجہ ضابطہ کے غیر پابند شخص کو ان کے معاشرہ میں قابل ملامت و تشنیع ٹھہرا دے وہی اصل جزا ہے۔

لیکن بیک وقت وہ دینی واخلاقی ضابطوں کو جزا کے عنصر سے خالی ہونے کی وجہ سے قانون کا سرچشمہ نہیں مانتے، کیونکہ ان کی نظر میں "مذہب" (اس لفظ کی جانکاری کی حد تک) معاشرتی احکام سے عاری محض چند روایات وعبادات کا نام ہے، اس نظریہ میں ان کے عمل کے لحاظ سے دو غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

انہوں نے خانگی امور یعنی پرسنل لا کے لئے ضابطے مقرر کئے لیکن جب یہ ضابطے قانونی شکل اختیار کرنے کے قابل ہوئے تو خود ان کی مخالفت کرنے لگے اور جماعت کی تشنیع و ضمیر کے محاسبہ وغیرہ کو جزا کا عنصر قرار دیتے ہوئے قانونی ضابطہ کا سرچشمہ سمجھے جانے والے عرف کا بھی انکار کرنے لگے، حتی کہ برطانوی آئین کے بیشتر قوانین مروجہ ضابطوں پر مشتمل ہیں، اسی طرح لبنانی دستور کے اکثر قوانین، مثلاً عہدوں کی گروہی تقسیم کرتے ہوئے مارونی عیسائی صدر جمہوریہ، سنی مسلم وزیراعظم، شیعہ مسلم پارلیمنٹ اسپیکر، کی تعیین مروجہ ضابطوں پر اس قدر مبنی ہیں کہ جب مسلمانوں نے اس کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تو اس کی وجہ سے ایک بڑی

Marfat.com

جنگ چھڑ گئی، جو تقریباً دس سال تک جاری رہی، جس میں ہزاروں جانیں برباد ہوئیں لیکن مروجہ نظام اپنی حالت پر اسی طرح قائم رہا۔

سلطنت عثمانیہ کے اخیر دور سے ہی عیسائیوں نے اپنے دینی رہنما کے انتخاب، اوقاف کی نگرانی، دینی تعلیم اور اپنی مذہبی عدالتوں (جس پر ہم گفتگو کریں گے) پر مشتمل ملی یا ذاتی امور میں آزادی حاصل کر لیا تھا، اور ان مذہبی اداروں کی عدالتی حیثیت سمجھی جاتی تھی، اور اس مذہب کے تمام پیروکاروں پر دینی فریضہ کی حیثیت سے اس محکمہ کے احکام کی تعمیل ضروری تھا، اور کسی بھی فرد کے خلاف صادر حکم کے نفاذ میں حکومت کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی، اس طرح عرف عام یعنی فیصلہ بیان کرنے کو عدالتی حکم کی حیثیت دینے کے لئے لازمی طور پر جزا کے عائد کرنے کے عناصر پر مشتمل قوت باقی رہی۔

اب ہم ان ممالک کے مسلم اقلیتوں کے عدالتی ادارے کا ذکر کریں گے، جہاں سے مسلمانوں کی سلطنت ختم ہوگئی ہے، یا غیر مسلم کے زیر قبضہ ہونے کے باوجود بھی وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ آیا ان کی عدالتی اداروں کو ہم واقعی عدالتی محکمے شمار کر سکتے ہیں؟

اور کیا ان کے سرگرمیوں کو اسلامی احکام سے عبارت قرار دے سکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں میری ناقص رائے اثبات میں ہے۔

کیونکہ مغربی قانونی ضابطہ کے لحاظ سے بھی انہیں قانونی درجہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور فرمارواؤں کو ہندوستان، فلپائن اور تھائی لینڈ وغیرہ میں مسلمانوں کے قائم کردہ اداروں کی اہمیت سے مطمئن کرانے کے لئے بھی اس کا اختیار کرنا مناسب اور اسی میں مصلحت ہے، اور ان اداروں کو دوسرے ممالک میں جہاں مسلمانوں کی اچھی تعداد موجود ہے عام کرنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

فقہی نقطہ نگاہ، فقہی عمل واسلامی طریقہ کار کے لحاظ سے بھی اس میں گنجائش ہے۔

کیونکہ فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ جہاں کے مسلمانوں میں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہوں اور ان کا کوئی حاکم نہ ہو جو انہیں نماز پڑھا سکے تو انہیں چاہئے کہ اپنے ہی میں سے کسی ایک شخص کو جمعہ پڑھانے کے لئے مقرر کرے۔ یہ مسئلہ ابن عابدین میں موجود ہے۔

اسی طرح اگر مسلم مملکت کے حکمران نے زکوۃ وصول نہیں کیا، یا اسے زکوۃ کے نام سے وصول نہیں کیا، یا وصول کرنے کے بعد اس کو صحیح مصرف میں استعمال نہیں کیا، تو وہاں کے مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی دعوتی امور میں دلچسپی رکھنے والے عالم باعمل کے پاس جمع کردیں، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی، یا اگر ان شرائط کا حامل کوئی عالم بھی نہ ملے تو مسلمان کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں جو اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہو، اس موضوع پر میں نے زکوۃ کے مصارف کے عنوان پر اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے اعظم گڑھ میں منعقدہ ایک سمینار میں پیش کردہ مقالہ میں تفصیلی گفتگو کیا ہے۔

اسی طرح اگر مسلمانوں کا کوئی فرمارواں نہ ہو، یا وہ غیر اسلامی مملکت میں رہتے ہوں، تو انہیں اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ہلال کے اثبات، اس کی رویت کے احکام اور اس سلسلہ میں شہادت لینے کے مسائل سے واقف کسی شخص کو اس کے لئے متعین کردیں۔

پھر اس کے مطابق روزہ رکھیں اور افطار کریں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:

مسلمانوں کا اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کسی کا انتخاب جائز ہے۔

اور مسلمانوں کے نزدیک سب سے اہم ان کے پرسنل لا سے متعلق مسائل کا فیصلہ ہے کیونکہ وہ انسان کی نمایاں اور اہم ترین خصوصیات میں سے ہے۔

اور قاضی کی طرف سے صادر احکام عدالتی فیصلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی شرعی طور پر تعمیل لازم ہے۔

Marfat.com

مزید برآں پوری جماعت کا اس کے فیصلے سے رضامندی اور اس سے عدم رضامندی کی وجہ سے طعن وتشنیع کا نشانہ بننے کی صورت میں پابندی کا عنصر بھی موجود ہے۔

لہذا ان اداروں کی طرف سے ہندوستان، تھائی لینڈ اور فلپائن وغیرہ جیسے ممالک میں صادر فیصلے۔

(الف) قابل قبول ہیں۔

(ب) اور انہیں عدالتی حکم کا درجہ حاصل ہے۔

اور اس کی تعمیل نہ کرنے والا گنہگار ہے، اور مسلم طبقہ اس پر بائیکاٹ اور اس کے ساتھ ہر طرح کے معاملات ختم کر دینے جیسے سزا کو نافذ کر سکتا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے افراد کے ساتھ کیا، تا آنکہ وہ لوگ تائب ہوئے اور اسی طرح مالک نصاب ہونے کے باوجود زکاۃ نہ دینے والوں کے ساتھ کیا گیا، گویا اس میں سزا اور پابندی عائد کرنے کا عنصر دونوں پایا گیا، کیونکہ اس میں مغربی قانونی ضابطوں کے عناصر اور اسلامی احکام کے عناصر دونوں بخوبی موجود ہیں۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں انتخابات کے موقع پر مسلمانوں کا طرز عمل

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (پاکستان)

مروجہ جمہوری نظام خواہ اسلامی مملکت میں رائج ہو یا غیر اسلامی مملکت میں، اسلامی طریق انتخاب نہیں، اور شرعی لحاظ سے اس میں متعدد مفاسد اور خرابیاں ہیں، جن کی نشاندہی علماء کرام نے فرمائی ہے، تاہم جب تک یہ نظام مسلم یا غیر مسلم ممالک میں رائج ہو اس وقت تک اس نظام سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی پابندی کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اور انتخابات سے بے تعلق رہنا عام حالات میں جائز نہیں، جبکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کو نفع کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ اور قوی اندیشہ ہو، جس کی شریعت میں اجازت نہیں، شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ جب مسلمان دو مصیبتوں میں گرفتار ہونے لگے تو ان میں سے جو نسبتاً ہلکی مصیبت ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

اب ایک طرف مروجہ جمہوری نظام ہے جو اسلامی احکام سے مطابقت نہیں رکھتا، اور دوسری طرف اس کی مخالفت کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے حکم یہ ہے کہ ان حالات میں اسی نظام کے ساتھ چلیں، تاہم شرعی تقاضوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد قائم کردہ سوالات کے جوابات یہ ہیں:

Marfat.com

الف، ب: اگرکسی مسلمان میں خدمت خلق کی اہلیت اور قابلیت موجود ہے اور وہ دیانت دار اور امانت دار ہو اور خاص طور پر اس سے مسلمانوں کے مذہبی اور ملی حقوق کا تحفظ ہوسکتا ہو اور ان حقوق کو تقویت ملتی ہو، تو اس صورت میں غیر مسلم ممالک میں انتخاب کے موقع پر انتخاب میں امیدوار بننا درست ہے، بلکہ اگر اس نیت سے ہو کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے کوشش کروں گا، یا دیانت داری اور امانت داری سے خلق خدا کی خدمت کروں گا، تو اس صورت میں موجب ثواب اور موجب اجر ہے، اسی طرح قومی اور مذہبی مفاد کے پیش نظر کسی ایسے امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جس میں اہلیت اور قابلیت موجود ہو اور وہ دیانت دار اور امانت دار ہو اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ ہو، اور اس میں بہتر طریقہ جو سنت کے قریب ہے، بلکہ سنت کا تقاضہ ہے یہ ہے کہ امیدوار خود اپنا نام امیدواری کے لئے پیش نہ کرے، کیونکہ حدیث میں منصب طلب کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "من طلب القضاء واستعان عليه وكل إليه الحديث" (المستدرک)۔

(ج) ایسی جماعت سے وابستہ امیدوار کو ووٹ دینا درست نہیں، اگر چہ وہ امیدوار بذات خود نیک خصلت ہو، اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ مناسب ہو، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس کی پالیسیاں مجموعی طور پر اپنی جماعت کے منشور کے خلاف نہیں ہوں گی، اور اگر بالفرض یہ امید بھی ہو کہ وہ اپنی جماعت کے منشور کے علی الرغم اپنی پالیسیوں میں مسلمانوں کی حمایت کرے گا، تب بھی اس کو ووٹ دینے میں یہ مفسدہ موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی پارٹی اسی امیدوار کی وجہ سے اکثریت حاصل کرے، اور حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائے، تو اس طرح اس پارٹی اور اس کے منشور کی حمایت لازم آئے گی، جو شرعاً جائز نہیں، اسی طرح ایسی جماعتوں میں مسلمانوں کے لئے شمولیت بھی ہرگز جائز نہیں۔

Marfat.com

(د) دین اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر انتخابات کے موقع پر غیر مسلموں کے ساتھ انتخابی معاہدے کرنا جائز ہے، اسی طرح شر سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کے لئے یا شر کو کم کرنے کے لئے ان کی حمایت کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہ ہو، لیکن کسی ایسی غیر مسلم پارٹی میں شریک ہونا اور اس کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کرنا، جس میں قیادت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو، جائز نہیں، اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

احکام القرآن میں علامہ جصاص فرماتے ہیں: "**قال الله تعالى: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم، وقال: لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فانه منهم -فنهى فى هذه الآيات عن موالاة الكفار وإكرامهم وأمر باهانتهم وإذلالهم لهم ونهى عن الاستعانة بهم فى أمور المسلمين لما فيه من العزو وعلو اليد وكذلك كتب عمر إلى أبى موسى ينهاه أن يستعين بأحد من المشركين فى كتابة وتلا: لاتتخذوا بطانة من دونكم لا يالونكم خبالا**" (۳/ ۱۲۳)۔

اور اسی میں ہے: "**وفى هذه الآية دلالة على أنه لا تجوز الاستعانة بأهل الذمة فى أمور المسلمين من العمالات والكتبة**" (۲/ ۴۴ بحوالہ جواہر الفقہ)۔

مفسر اعظم ابوالسعودؒ نے آیت "**لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء**" کی تفسیر میں بھی اس کی توضیح فرمائی:

"**نهوا عن موالاتهم(الى قوله)أو عن الاستعانة بهم فى الغزو وسائر الأمور الدينية**" (تفسیر ابوالسعود ۱/ ۲۲۶ بحوالہ بالا)۔

Marfat.com

(ھ) منکرات کو روکنے اور معروف کو پھیلانے کے لئے، یا دوسرے کاموں کے لئے جو تنظیمیں یا ادارے قائم کئے جائیں گے، اگر ان میں غیر مسلم غالب ہوں اور مسلمان مغلوب ہوں تو یہ جائز نہیں، اور اگر مسلمان اصل ہوں اور غالب ہوں اور غیر مسلم بھی ان کے ماتحت کام کرتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل ذکر ہو چکی۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
دار السلام، اسلامی مرکز، مالیر کوٹلہ، پنجاب

اصل مسئلہ پر کچھ کہنے اور متعینہ سوالات کا جواب دینے سے پہلے مندرجہ ذیل چند بنیادی باتیں ہم سب کے سامنے رہنی چاہئے، تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے میں اور سوالات کا جائزہ لینے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

ا - پہلی بات یہ کہ امت مسلمہ اپنی ترکیب، اپنے مزاج اور اپنے مقاصد کے اعتبار سے دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم کا یہ شعر اسی سچائی کو ظاہر کرتا ہے، وہ کہتے ہیں:

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر　　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اس امت کو اللہ تعالی نے خیر امت کا خطاب عطا فرمایا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران / ۱۱۰) (اب دنیا میں بہترین امت تم ہو جسے لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

اس آیت سے امت کی فضیلت کے علاوہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو برپا کرنے کا اور خیر امت بنانے کا مقصد کیا ہے۔

Marfat.com

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے: "الآمرون بالمعروف والنّٰهون عن المنكر والحافظون لحدود الله" (توبہ/۱۱۲) (وہ نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

قرآن پاک کے ارشادات سے یہ بات اچھی طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ امت مسلمہ دوسری قوموں کی طرح صرف جینے کے لئے نہیں ہے، اس کی زندگی برائے زندگی نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے، اور وہ ہے معروفات کو قائم کرنا اور منکرات سے سوسائٹی کو پاک وصاف کرنا۔

۲- دوسری بات اصولی طور پر یہ سامنے رہنی چاہئے کہ قرآن مجید نے برائی کی ہر شکل سے کسی طرح کے تعاون کرنے سے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ تمہارے ہاتھ مدد کے لئے آگے بڑھیں تو صرف نیکی کے لئے، ارشاد ہے:

"وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملات میں کوئی تعاون مت کرو)۔

۳- تیسری بات اصولی طور پر یہ سامنے رہنی چاہئے کہ اسلام برائی کے ساتھ کسی طرح کے سمجھوتے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، بلکہ حسب استطاعت برائی کا مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده إن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه" (تم میں سے کوئی شخص اگر کسی برائی کو دیکھے اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے طاقت نہیں تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو دل سے اس کو برا جانے)۔

مذکورہ بالا تینوں اصولی احکام شریعت کے بعد اب ہم مقرر کردہ سوالات پر آتے ہیں

Marfat.com

اور شریعت کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱- الف: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ جمہوری نظام اللہ تعالی کے اقتدار اعلی کو تسلیم نہیں کرتا، اس لئے یہ طاغوتی نظام ہے، اور اس میں کسی طرح بھی شرکت مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ بھارت کا آئین ایک فیڈرل سسٹم ہے اور عوامی حمایت کے بعد اس آئین کی وہ شکل بھی ہوسکتی ہے جو اسلامی شریعت سے متصادم نہ ہو، یعنی ہم اس آئین کے ذریعہ سیاست میں حصہ لے کر ایسی پوزیشن میں آسکتے ہیں جو اس ملک کی موجودہ تصویر کو آئینی طور پر بدل سکے، جیسا کہ اس زمانے میں نائجیریا میں ہوا ہے، نائجیریا کے صوبہ زمفرا میں ۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تھا، اور یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا ہے پھر شمالی نائجیریا کے دوسرے صوبوں میں بھی شریعت کا نفاذ عمل میں آیا، اس لئے ہم شرعی طور پر یہ کہیں گے کہ شریعت کے مفادات کو سامنے رکھ کر بھارت یا اس جیسے ملکوں میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا اس صورت میں جائز ہوگا اگر مسلمان اپنی دیانت، امانت، اخلاق اور ان تمام حدود کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے جو اسلام نے ان کو سکھائی ہیں ان کاموں میں حصہ لیں، مگر ان تمام گراوٹوں سے بچتے رہیں جو بے ایمانی، دھاندلی بازی اور بدعہدی کی صورت وسیاست کا ایک لازمی حصہ بنتی جارہی ہے، ان کو اپنے مقام اور حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس نیت اور ارادے کے ساتھ یہ سیاسی تدبیر اختیار کرنی جائز ہوگی کہ وہ اس کے ذریعہ خیر امت کے فرائض آسانی کے ساتھ ادا کرسکیں گے۔

ب- کسی خاص موڑ پر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں پر شرعی طور پر ووٹ دینا اسی طرح واجب ہوجائے جس طرح باطل قوتوں سے جہاد ضروری ہوتا ہے، ووٹ دراصل اس زمانے کا جہادی ہتھیار ہے جس سے آئینی طور پر انقلاب بھی برپا کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ الجزائر میں ہوچکا ہے۔

Marfat.com

ج- جماعتی سیاست میں ارکان اپنی پارٹی کے وفادار ہوتے ہیں اور اس کی پالیسیوں کا پابند رہنا پڑتا ہے، اس لئے ایسی جماعت جو کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کی مخالف ہو اور ان کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس کے افراد کو ذاتی حالات کی بنا پر ووٹ دینا پارٹی کو طاقت پہنچانا ہے، اس لئے ایسی جماعت سے وابستگی اور اس میں شمولیت بھی ہرگز درست نہیں ہے۔

د- ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کرنا، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کرنا درست ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد مختلف غیر مسلم قبیلوں کو ملا کر ایک میثاق اور عہد نامہ مرتب فرمایا جو ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ شرعاً اس کی حیثیت ایک معاہدے کی سمجھی جائے گی۔

ہ- غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر اچھے کاموں کے لئے مشترکہ کوشش کرنا بہت ہی مستحسن اور قابل قدر ہوگا جیسا کہ اس کی مثال اوپر مکہ مکرمہ کی زندگی میں نبی ﷺ کے عمل ''حلف الفضول'' میں شرکت فرمانے کی دی گئی ہے۔

۲- الف: مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا یا اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا یہ دونوں باتیں اس شہر کے مخصوص حالات اور ماحول پر منحصر ہیں، ہندوستان کے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی علاحدہ محفوظ کالونیاں بنا کر رہیں۔

ب- غیر مسلم کے انتقال پر تعزیت، افسوس اور ہمدردی کا اظہار کرنا تو بلاشبہ جائز ہی نہیں بلکہ انسانی اخلاق کا تقاضہ اور دعوتی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے، البتہ جنازے اور مخصوص رسومات میں شرکت اگر نہ کی جائے تو زیادہ بہتر ہے، باقی قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور یہ بڑی جسارت کی بات اور قرآن پاک کے ساتھ گستاخی ہے، انسانی تعلقات اور رواداری اپنی جگہ ہے لیکن کفر واسلام کا واضح فرق جو فرقان کریم نے جگہ جگہ بتا دیا ہے واضح طور پر

Marfat.com

سامنے رہنا چاہئے، اور اس میں کسی مداہنت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ج- تقریبات کے موقع پر جو مٹھائی وغیرہ خوشی میں تقسیم کی جاتی ہے وہ ایک تحفہ ہے اور اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ اگر چڑھاوے کی قسم سے کوئی چیز ہو تو ہمیں مناسب طریقے پر یہ سمجھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کا بھی چڑھاوا چاہے وہ کوئی مسلمان پیر و پیغمبر ہی کیوں نہ ہو جائز نہیں سمجھتے، اس سے ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ بات کسی تعصب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اصولی بات ہے کہ اگر کسی مسلمان کی قبر پر بھی چڑھایا جائے تو وہ بھی درست نہیں ہے۔

د- بعض فقہاء نے مسجدوں میں غیر مسلم سے پیسہ لینے کو غیرت اسلامی کے خلاف لکھا ہے، اور بعض نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ اگر وہ از خود اپنے عقیدے کے مطابق ثواب سمجھ کر دیتے ہیں تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے غیر مسلم بھائیوں کو عام نیک کاموں میں تعاون کی نیت سے دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، البتہ مندر وغیرہ کی تعمیر میں چندہ دینے سے گریز کرنا چاہئے۔

ھ- الف: اگر کوئی ایسا عمل نہ ہو جس کو مشرکانہ عمل کہتے ہیں اور تالیف قلب کے لئے ان کے تہوار میں شرکت کی جائے تو بظاہر اس میں شریعت کے خلاف کوئی عمل معلوم نہیں ہوتا۔

ب- تہوار کی مبارکباد دینے میں بظاہر کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی۔

۳- الف: جھنڈے کو سلامی دینا ایک سیاسی عمل ہے، اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے شرعی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ب- جن ترانوں میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں ان کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ج- خلاف شریعت فیصلے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، "لا طاعة لمخلوق في معصية

Marfat.com

الخالق"(جس معاملے میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)۔

۴-الف: تمام مذاہب کا حق پر ہونا یہ بالکل خلاف واقعہ ہے، یہ کہنا کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے، قرآن مجید نے صاف اعلان کر دیا ہے: "إن الدين عند الله الإسلام" (آل عمران/ ۱۹) (دین اللہ کے نزدیک بس ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے)۔

اور فرمایا: "ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه" (آل عمران/ ۸۵) (اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا)۔

اصل میں وحدت دین ہے وحدت ادیان نہیں ہے، یعنی ابتدا میں تمام انسانوں کا دین ایک ہی تھا "كان الناس أمة واحدة" (سورۂ بقرہ/ ۲۱۳)۔ پھر لوگوں نے الگ الگ راستے اپنا لیئے اور اس اصل سے دور ہوتے چلے گئے۔

ب - مسلمان اپنے مقام ومنصب کے اعتبار سے اس بات کے لئے ذمہ دار ہیں کہ وہ سماجی طور پر رنگ ونسل کے امتیاز کو ختم کر کے تمام انسانوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کی فضا بنائیں، اس معاملے کا تعلق صرف حکومت سے ہی نہیں ہے اور نہ سب کام حکومت کے ذریعے ہوا کرتے ہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی اور معاشرتی طور پر رنگ ونسل کی تفریق مٹا کر احترام انسانیت کو فروغ دیں، ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے اور اپنی اس کوتاہی کو دور کرنا چاہئے کہ عبادت گاہوں سے باہر ہم اسلام کے اس نقطہ نظر کو عملی طور پر پھیلانے میں ناکام رہتے ہیں، اب یہ وقت کا تقاضا ہے کہ دبے کچلے لوگ جن کو سماج میں عزت واحترام کا وہ مقام نہیں مل سکا جو ہر انسان کا حق ہے ان کا وہ حق دلانے میں ہم ان کی مدد کریں اور ہر طرح کی تفریق کو مٹانے میں آگے بڑھیں۔

ج- خدمت خلق بلاتفریق مذہب سب کے لئے ہونی چاہئے، انسانی یا دعوتی نقطہ نظر سے

Marfat.com

اس میں تفریق برتنا اور اس کو صرف اہل اسلام کے لئے خاص کر لینا کم سے کم امت مسلمہ کے شایان شان نہیں ہے، سعدی نے خوب کہا ہے:

تو کہ از بخت دیگراں بے غمی — نہشاید کہ نامت نہند آدمی

اگر تو دوسروں کی تکلیف سے دکھ محسوس نہیں کرتا تو تیرا نام آدمی رکھنا مناسب نہیں ہے، آدمی تو وہی ہے جس میں آدمیت اور انسانیت ہو۔

د ۔ ہمارا رویہ فرقہ پرست تنظیموں سے بالکل الگ ہونا چاہئے، اور ہمیں بلا امتیاز ہر ایک کے کام آنا چاہئے ان کی فرقہ پرستی کا جواب ہماری فرقہ پرستی نہیں ہے، اندھیرے کو اندھیرے سے نہیں روشنی سے دور کیا جاتا ہے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مفتی حبیب اللہ قاسمی (اعظم گڑھ)

۱-الف: مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا:

عصر حاضر میں ووٹ چونکہ بہت بڑی طاقت ہے، اس کو بڑی اہمیت وحیثیت حاصل ہے کیونکہ ووٹ ہی سے سیاسی اور سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین ہوتا ہے، ان کے حقوق کی حفاظت وصیانت اور پاسداری ہوتی ہے، نیز چونکہ مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی یا ایسے ارکان کے وجود کی وجہ سے جن کے انتخاب میں مسلم ووٹ موثر ہوتو ان کے ذریعہ مسلمانوں کے قومی مفادات کے ساتھ ساتھ ملی و مذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے اور عدم شرکت وعدم شمولیت کی صورت میں قومی، ملی، مذہبی نیز اس طرح کے اور بھی نقصانات اور خطرات پیش آسکتے ہیں، جو شرکت وشمولیت کے نقصان سے زیادہ خطرناک، مہلک اور پریشان کن ہیں۔

لہذا اصول فقہ کہ "جب دو مفسدے جمع ہوجائیں اور دونوں سے احتراز ممکن نہ ہوتو اقل درجہ کے مفسدے کو گوارا کیا جائے گا" اور "**إذا ابتلی ببلیتین فلیختر أھو نھما**"، "**کما فی مسئلة المریض والعاری**"، مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا، دوسرے امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا، اس کے لئے دوڑ دھوپ اور جدوجہد کرنا یہ سب امور شرعاً جائز ہوسکتے ہیں، کیونکہ بظاہر ان امور میں سے کسی میں بھی کسی طرح کی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

Marfat.com

ب: ووٹ کی شرعی حیثیت:

عصر حاضر میں مسلمان لیڈروں کا الیکشن میں حصہ لینا، دوسرے لیڈروں کو ووٹ دینا، قومی، ملی اور مذہبی حقوق کو حاصل کرنے، ان حقوق کے بقاء اوران کی صیانت کے لئے چونکہ لازم کے درجہ میں ہوگیا ہے، اس کے بغیر کوئی مفر اور چارہ کار نہیں۔ لہذا حالت اضطرار اور مختلف فوائد کے پیش نظر مذکورہ انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت اور ووٹ دینے کو واجب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ج- اسلام مخالف سیاسی جماعتوں کو ووٹ دینا:

الیکشن میں حصہ لینے والی سیاسی جماعتیں جن کا مقصد اور نصب العین اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت وعداوت ہو، گرچہ ان کے بعض امیدوار بنفس نفیس اور ذاتی اعتبار سے کیوں نہ نیک خصلت اور اسلام و مسلمانوں کا بھی خواہ اور ہمدرد ہوں، ان کو ووٹ دینا جائز نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے لئے ایسی جماعت میں شمولیت درست ہے، کیونکہ پوری جماعت اور کثیر تعداد کے مقابلہ میں افراد اور بعض اشخاص کی کوئی حیثیت اوران کا کوئی مقام نہیں، یہ تن تنہا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ خود یہ بھی جماعت کے تابع ہوتے ہیں، مزید یہ کہ "الاعتبار للأكثر لا للأقل" (یعنی اعتبار اکثر کا ہوتا ہے نہ کہ اقل کا) نیز یہ کہ شمولیت تعاون علی الاثم کے مرادف ہے، اور ارشاد باری ہے: "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان"۔

لہذا دونوں صورتوں (شمولیت اور ووٹ دینا) میں سے کوئی صورت درست معلوم نہیں ہوتی ہے۔

د- ملی مفادات کے تحت معاہدے کرنا:

شریعت کے دائرہ میں رہ کر ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے

Marfat.com

معاہدے، ان میں شرکت اور ایسی پارٹیوں کی حمایت کی جاسکتی ہے، شرعاً یہ عمل جائز معلوم ہوتا ہے اور اس کی نظیر حضرت نبی پاک ﷺ کا وہ معاہدہ ہے جو کفار مکہ سے آپ ﷺ نے کیا تھا۔

۵۔ غیر مسلم کے ساتھ اشتراک فی العمل:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر، خدمت خلق، معاشرہ وسماج میں عدل وانصاف اور امن و سلامتی کی فضا قائم کرنا، اور خوشگوار ماحول بنانا بنص قرآن والحدیث واقعی امت مسلمہ کا فریضہ ہے، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر"، سورۂ حجرات میں ہے: "إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم"۔

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "انصر أخاك ظالماً كان أو مظلوماً"۔

حتی الامکان تن تنہا مسلمانوں کو یہ فرائض انجام دینا چاہئے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے بلا شرکت غیر تنظیمیں قائم کرنا چاہئے، تاکہ مسلمان دوسرے کے ممنون کرم نہ ہوں اور مسلمانوں پر کسی کا احسان نہ ہو۔

لیکن اگر تن تنہا ان فرائض کی انجام دہی اور تنظیموں کا قیام ممکن نہ ہو، دشواریاں اور پریشانیاں آتی ہوں، آلام ومصائب کا سامنا ہو تو ضرورت کے موقع سے مختلف طبقات اور غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک جائز ہے کہ مسلمان ان کو ساتھ لے کر مذکورہ فرائض کو انجام دیں اور تنظیمیں قائم کریں، "لا باس به"، جیسا کہ بہت سے غزوے آپ ﷺ نے منافقوں کے ساتھ کی ہیں، اور متعدد مواقع ومتعدد امور میں آپ ﷺ نے غیر یعنی کفار ومشرکین سے مشورہ لیا ہے اور ان کو ساتھ لے کر کام کیا ہے، اور جیسا کہ آزادی ہند کے موقع سے علماء کبار، دانشوران

Marfat.com

قوم، اور بڑے بڑے مسلم لیڈروں نے غیر مسلموں کے بڑے بڑے نیتاؤں، بدھی مانوں اور سیاست دانوں کو اپنی جماعت میں، اپنی پارٹی میں اور اپنی تحریک میں شریک کیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر آزادی کی جنگ لڑی، اداروں اور تنظیموں کو قائم کرنے میں ان کو شامل کیا اور ایسے موقعوں پر ان سے بھی تعاون لیا۔

حاصل کلام یہ کہ سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں کو نبھانے، اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات سے روکنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، اور مذکورہ اغراض کو حاصل کرنے کے لئے ان کو بھی ساتھ لے کر ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں۔

۲-الف: مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا:

مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا بہتر نہیں، وہاں سے کوچ کرنا اولی ہے، کیونکہ اختلاط کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی مثلاً عقائد متاثر ہوں گے، اخلاق بگڑیں گے، بدتہذیبی اور ناشائستگی پھیلے گی، غیر اسلامی چال چلن، رفتار و گفتار ان میں سرایت کرے گی، بسا اوقات طاعت وعبادت، نماز، روزہ کی ادائیگی میں دشواری اور پریشانی کا سامنا ہوگا، بالآخر بالتدریج اسلامی شعائر واعمال متاثر ہونے لگیں گے۔

ہاں اگر مسلمان بارسوخ، مقتدر، ذی جاہ اور رعب د . . . الے ہوں، غیروں پر ان کا غلبہ ہو، دوسرے مغلوب ہوں، اور مسلمان اپنے اخلاق و کردار اور بہترین کیریکٹر کے ذریعہ غیروں کو واقعی متاثر کرسکتے ہوں اور عبادات کے قیام میں کوئی پریشانی نہ ہو تو ایسے افراد حکم مذکور سے مستثنی ہوں گے۔

اس کی نظیر دور نبوت میں موجود ہے کہ جب تک مکہ مکرمہ میں امن وسکون رہا، مسلمان محفوظ رہے اور کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں تھا تو مکہ مکرمہ ہی میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان

Marfat.com

اللہ علیہم اجمعین رہائش پذیر رہے، بعدہ جب ظلم وتشدد کا پانی سر سے اونچا ہوگیا، فتنہ وفساد کی انتہا نہ رہی، عداوت کی حد ہوگئی، اہل ایمان کو اپنے ایمان، اپنے دین، اپنے مذہب اور اپنی جان و مال پرخطرہ محسوس ہونے لگا تو وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مدینہ کو آباد کیا، مکہ کو خیر باد کہا۔

ب- غیر مسلم میت کے جلوس جنازہ میں شرکت، آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا اور ایصال ثواب کرنا:

غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شریک ہونا، آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا اور اس کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، یہ تمام امور مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر شرعاً جائز نہیں ممنوع اور حرام ہیں۔

پہلی صورت اس لئے ممنوع ہے کہ اس میں غیر مسلم میت کی تعظیم اور اس سے محبت کا اظہار ہے، اور کافر کی تعظیم اور اس سے محبت کرنا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان ولی کو اپنے ماتحت کافر میت کو گڑھا (قبر) کھود کر اس میں رکھنے کے بجائے ڈالنے کا حکم ہے، تاکہ تذلیل و توہین ہو کما فی الہدایہ: "وإذا مات الكافر وله ولي مسلم، فإنه يغسله ويكفنه ويدفنه، بذلک أمر علي رضي الله عنه في حق أبيه أبي طالب (الى قوله) وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد ولا يوضع فيه بل يلقى" (۱/ ۱۸۲ کتاب الجنائز)۔

فتاوی رشیدیہ کا ایک سوال مع جواب ملاحظہ ہو: سوال: رافضی کا ہدیہ دعوت اور نماز جنازہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ جواب: رافضی کا ہدیہ اور دعوت کھانا گو درست ہے، مگر حضور نماز جنازہ اور ان سے محبت نادرست ہے (فتاوی رشیدیہ ص ۵۷۸)۔

دوسری صورت اس لئے ممنوع ہے کہ سارے رسومات مشرکانہ وکافرانہ ہوتے ہیں، تو

Marfat.com

جس طرح کسی مسلمان کے لئے کسی غیر اسلامی رسم کو ادا کرنا جائز نہیں، اسی طرح ادائیگی رسومات کے وقت وہاں رہنا اور ان کا نظارہ کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کے اعمال کفریہ پر رضامندی کا اظہار ہے جو درست نہیں۔

تیسری چیز ایصال ثواب فی حق میت کافر اس لئے ممنوع ہے کہ مغفرت خاص ہے اہل ایمان کے لئے، اور کافر تو قول خداوندی: "إن الذين كفروا من أهل الكتب والمشركين في نار جهنم خالدين فيها" کا مصداق ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کو استغفار للمشرکین سے روکا گیا ہے، جیسا کہ سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حقیقی چچا ابو طالب کے حق میں ان کی وفات کے بعد استغفار کرنا چاہا تو آپ ﷺ کو منع فرمایا دیا گیا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم کے بارے میں قرآن نے بتایا کہ انہوں نے پہلے اپنے والد ''آذر'' کے لئے دعاء مغفرت کرنے کا وعدہ فرمایا، لیکن پھر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ایمان کا در رحمت بند ہے اور وہ عداوت حق میں پوری طرح مبتلا ہیں، تو آپ علیہ السلام نے استغفار کرنا چھوڑ دیا، ارشاد خداوندی ہے: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه" (سورۂ توبہ، ۱۱۴)۔

قسطلانی میں بروایت ابی ہریرہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنی والدہ ''آمنہ'' کی قبر پر تشریف لے گئے اور رونے لگے اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ان کے لئے استغفار کی اجازت چاہی لیکن نہیں دی گئی۔

"عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ أتى قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال رسول الله ﷺ استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يأذن لي" (قسطلانی علی ہامش بخاری ۲/ ۶۷۵، ہکذا فی الکرمانی علی ہامش جلالین ۱/ ۱۶۷)۔

Marfat.com

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے رئیس المنافقین ''عبداللہ بن ابی'' کے لئے دعاء مغفرت کرنی چاہی تو منع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ آپ ستر بار بھی اس کے لئے دعاء مغفرت کریں تب بھی مغفرت نہ ہوگی (بخاری شریف ۲/ ۶۷۳)۔

حاصل جواب یہ ہے کہ کسی مسلمان کا کسی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا، آخری رسومات کے وقت میت کے پاس رہنا، قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز نہیں، البتہ تعزیت کے لئے ان کے پاس جایا جاسکتا ہے (کمافی احسن الفتاوی ۴/ ۲۴۳، فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۲۹۲)۔

ج-مشرکین کے ہدایا کا حکم:

غیر مسلم کے تحفے اور تبرکات کو مسلمانوں کے لئے قبول کرنا اور کھانا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، (ہکذا فی فتاوی رشیدیہ ص ۵۷۵)، تاکہ سابقہ محبت واخوت اور تعلق برقرار اور استوار رہے، لیکن اولی یہ ہے کہ خود نہ کھا کر کسی دوسرے غیر مسلم کو دے دے۔

عالمگیری میں ہے: ''لا یجیب دعوة الفاسق المعلن، لیعلم أنه غیر راض وکذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال وبالعکس یجیب ما لم یتبین عنده أنه حرام، کذا فی التمرتاشی، وفی الروضة یجیب دعوة الفاسق والورع أن لا یجیبه'' (عالمگیری ۵/ ۳۴۳ باب الہدایا والضیافات، شامی ۵/ ۲۲۱)۔

مشکوۃ شریف میں ہے کہ قبیصہ بن ہلب نے آپ ﷺ سے طعام نصاری کے بارے میں دریافت کیا، دوسری روایت میں ہے کہ کسی شخص نے آکر آپ سے کہا کہ میں طعام نصاری میں حرج سمجھتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے سینہ میں کوئی شک وشبہ نہ ہو (یعنی طعام نصاری حلال ہے)۔

''عن قبیصة بن وهلب عن ابیه قال: سألت النبی عن طعام النصاری،

Marfat.com

وفي رواية سأله رجل فقال: إن من الطعام أتحرج منه، فقال: لا يتخلجن في صدرك شئ" (مشکوۃ شریف رص ۳۵۸، کتاب الصید والذبائح)۔

البتہ اگر یہ تبرکات اور تحفے بتوں پر چڑھائے ہوں (یعنی پرشاد) تو پھر قبول کرنا شرعاً جائز نہیں، ممنوع اور حرام ہے، کیونکہ یہ ماذبح علی النصب کے مرادف ہے جس کے کھانے سے قرآن پاک میں نہی وارد ہے، ارشاد ہے: "حرمت عليكم الميتة (الى قوله) وما ذبح على النصب" (سورۂ مائدہ ر ۳) (تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے)۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی مشرک نے آپ ﷺ کی دعوت کی، اس کے گھر آپ ﷺ تشریف لے گئے تو دسترخوان پر بتوں پر چڑھایا ہوا جانور کا گوشت دیکھ کر صاحب خانہ سے فرمایا کہ بتوں کا چڑھاوا ہمارے لئے جائز نہیں۔ (بخاری شریف ۲ر ۸۲۷، باب ما ذبح علی النصب والاصنام)۔

خلاصہ یہ کہ یہ تحفے اگر پاک ہوں تو خواہ مذہبی تقریب کے ہوں یا غیر مذہبی تقریب کے مسلمانوں کے لئے قبول کرنا اور استعمال کرنا دونوں جائز ہیں، ورنہ بصورت دیگر یہ تحفے ممنوع القبول ہیں، لیکن اگر قبول نہ کرنے کی صورت میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو قبول کرلے، لیکن اس کو کھائے نہیں۔

د- غیر مسلموں کا تعاون قبول کرنا:

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مساجد و مدارس کی اعانت اور مذہبی جلسوں میں چندہ دینے کو اپنے عقیدہ کے مطابق کار خیر اور باعث ثواب سمجھتا ہے، اور اس سے یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو غلط استعمال کرے گا یا ان پر احسان جتلائے گا اور نہ یہ

Marfat.com

احتمال ہو کہ اہل اسلام اس کے ممنون ہو کر اس کے مذہبی شعائر میں شرکت یا اس کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو کافر کا تعاون قبول کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ احناف کے نزدیک کافر کے وقف کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ان کے نزدیک قربت ہو، ظاہر ہے کہ مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا جیسے مسلمانوں کے نزدیک قربت ہے، کفار و ہنود جو کچھ مسجد وغیرہ میں دیتے ہیں وہ بھی اس کو اعتقاداً قربت سمجھتے ہیں، جیسا کہ فتاوی شامی کے کتاب الوقف میں ہے: "قوله أن يكون قربة في ذاته الخ قال الشامي فتعين أن هذا شرط في وقف المسلم فقط، بخلاف الذمي لما في البحر وغيره أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء وعلى مسجد القدس" (درمختار مع شامی ۳/ ۳۶۰، ہکذا ذکر فی فتاوی رشیدیہ، محمودیہ، وامداد الفتاوی، ونظام الفتاوی)۔

لیکن مساجد کے لئے چندہ لینا غیرت اسلامی کے خلاف ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اور یہ ذہن میں رکھا جائے کہ مسجد کی مسجدیت کے لئے مضبوط بلڈنگ، لمبے منار، سنگ مرمر ضروری نہیں، بلکہ چھپر بنا کر بھی کسی جگہ کو عبادت کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو اس میں عبادت کا وہی ثواب ملے گا جو پختہ عمارت میں ملتا ہے۔

البتہ مسلمانوں کے لئے ان کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر میں تعاون کرنا اور چندہ دینا درست نہیں، کیونکہ یہ تعاون علی المعصیۃ والکفر ہے جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے: "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان"۔

ہاں اگر تعاون نہ کرنے کی صورت میں ان کی طرف سے کسی طرح کا نقصان اور ضرر کا اندیشہ ہو تو دریں صورت تعاون کرنا اور چندہ دینا درست ہے، البتہ چندہ دیتے وقت یہ نیت کرلے کہ ہم چندہ مانگنے والے کو یہ پیسہ دے رہے ہیں، اور چندہ مانگنے والے سے بھی کہہ دے کہ بھائی یہ پیسہ ہم تم کو دے رہے ہیں، اس طور پر یہ تعاون کرنا اثم اور گناہ نہیں ہے۔

Marfat.com

۵-الف: غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کا حکم:

غیر مسلموں کے کسی بھی تہوار میں مسلمانوں کا شریک ہونا ازروئے شرع ناجائز اور حرام ہے کیونکہ اس میں تعاون علی الکفر اور میلہ کی تکثیر ورونق ہے، جس سے قرآن نے منع فرمایا ہے، نیز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "**من کثر سواد قوم فھو منھم**" جس کا حاصل یہ ہے کہ تکثیر سواد بھی ممنوعات شرعیہ میں سے ہے۔

ایک مرتبہ بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے اہل ایران کی طرح نیروز ومہرجان کی عید منانے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء شمس کے وقت نماز اس لئے منع کیا گیا کہ اس وقت آفتاب پرست اور بت پرست قومیں عبادت کرتی ہیں۔

قرآن کریم میں مجالس غیر مشروعہ میں شرکت پر نہی وارد ہے، فرمان خدا ہے: "**وقد نزل علیکم فی الکتاب أن إذا سمعتم آیات ألله یکفربھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ إنکم إذا مثلھم**" (سورۂ نساء/۱۴۰) (اور تم پر کتاب میں یہ حکم دیا کہ جب تم اللہ کی آیات کو اس طرح سنو کہ اس کے ساتھ کفر کیا جارہا ہو اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہو تو تم ان کے ساتھ اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف نہ ہوجائیں، ورنہ تم انہی کے مثل ہوجاؤگے)۔

ضحاک علیہ الرحمہ نے ابن عباسؓ سے آیت کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ آیت مذکورہ کے زمرہ میں قیامت تک کا ہر محدث فی الدین اور تمام بدعتی داخل ہے، "**قال الضحاک دخل فی ھذہ الآیة کل محدث فی الدین و کل مبتدع إلی یوم القیامة**" (تفسیر معالم از فتاوی رشیدیہ/ص ۱۴۷)۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "**فلا تقعدوا معھم**" میں "ہم" ضمیر کا مرجع کفار اور

Marfat.com

قرآن کے ساتھ استہزاء کرنے والے کو مراد لیا ہے (جلالین شریف ۱ر۹۰ تفسیر صاوی ۱ر۷ ۲۳)۔

قطب عالم فقیہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: ''مجمع میلہ کفار و فساق و روافض میں جانا خواہ تجارت کی وجہ سے ہو، خواہ انتظام کے واسطے، سب حرام کہ تکثیر و رونق اس میلہ کی ہوتی ہے (فتاوی رشیدیہ رص ۵۵۶)۔

نیز مسلمان کی عبادتیں اپنی رونق و زینت میں کفار کی شمولیت کے محتاج نہیں، لہذا یہ تصور کہ ان کی آمد سے رونق بڑھے گی یہ غیر شرعی تصور ہے، اور یہ خیال کہ بھائی چارگی میں اضافہ ہوگا یہ بھی صرف ایک خیال ہے، شرکت کے باوجود **تکاد تمیز من الغیظ** کے وہ مصداق ہوتے ہیں، باقی سیاسی قائدین کا زبان سے ہمدردی کا اظہار **یقولون بأفواههم مالیس في قلوبهم** کا مصداق ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین اسلام ایک غیرت منداور حساس دین ہے جو غیر اسلامی تہواروں میں شرکت کی قطعی اجازت نہیں دے سکتا اور نہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔

لہذا مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے کسی تہوار میں شریک ہونا جائز نہیں۔

ب-غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد پیش کرنا:

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارک باد پیش کرنا درست نہیں بلکہ ممنوع ہے، اس لئے کہ یہ فی الجملہ کفر یہ عمل پر خوشی کا اظہار ہے، اور کفر پر راضی شخص کافر اور فعل حرام پر راضی شخص عاصی اور خدا کا نافرمان ہے: ''**کما في الصاوی تحت قوله تعالى "إنكم إذا مثلهم أى في الإثم أى كفرا أو غيره فالراضي بالكفر كافر والراضي بالمحرم عاص**'' (صاوی مع جلالین ۱ر۷ ۲۳)۔

فتاوی رشیدیہ کا ایک سوال مع جواب ملاحظہ ہو۔ سوال: ہندوؤں کے لڑکوں کو ان کے

Marfat.com

تہوار ہولی یا دیوالی میں بطور عیدی ان کے تہوار کی تعریف میں کچھ اشعار بنا کر جس طور پر کہ میانجی لوگ پڑھایا کرتے تھے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جواب: یہ درست نہیں (فتاوی رشیدیہ ص ۵۷۱)۔

خلاصہ یہ کہ غیر مسلموں کو ان کے کسی بھی تہوار کی مبارکباد دینے سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

۳-الف: جھنڈے کو سلامی دینا:

جھنڈے کو سلامی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ محض ایک سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے لیکن بچنا اولی ہے، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادل نخواستہ کرنے میں انشاءاللہ مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا فتوی ملاحظہ ہو: ''جھنڈے کو سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتی ہے، وہ ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہو سکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا درست نہیں (نقیب پھلواری شریف پٹنہ ج ۷، ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۹/جولائی ۱۹۳۹، ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ۲۸۸/۶)۔

ب-وندے ماترم ترانہ پڑھنا:

آغاز: ۱۸۵۷ء میں جو کہ انگریزی سامراج کے ظلم وتشدد و بربریت کا دور تھا اور اس میں زیادہ تر مسلمان، علماء اور اہل دین قتل اور پھانسی کے شکار بنائے جا رہے تھے، ایک ہندو ادیب B.C Charji نے جو انگریز مسلم دشمن جذبہ کا حامل تھا ''وندے ماترم'' کے عنوان سے ایک ترانہ جس کی زبان سنسکرت ہے تیار کیا۔

حقیقت: اس ترانہ میں اس عنوان کے ساتھ ساتھ کہ ''مسلمانوں پر حملہ کر دو اور ملک سے باہر نکال دو'' ہندوستان کی سرزمین کو معبود کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور ہندو

Marfat.com

مذہب میں عبادت کامفہوم رکھنے والی عبارت استعمال کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں دو پہلو ہیں: ایک تو اس کا مسلم دشمنی کا پہلو اور دوسرا مشرکانہ پہلو۔

ثانی الذکر پہلو چونکہ مشرکانہ ہے، لہذا مسلمان اسے نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ اسلامی عقیدہ کے مطابق ''عبادت'' صرف اللہ کی کی جاتی ہے حتی کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ جنہوں نے ہمیں عبادت کا طریقہ بتایا ہے اور ہمیں راہ ہدایت دکھائی ہے، ان کی بھی عبادت نہیں کی جاسکتی اور نہ یہ جائز ہے، خود ہمارے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

لیکن اگر اس طرح کی کوئی مجلس ہو اور اس میں شرکت لازمی ہو تو ترانہ میں ذکر کردہ جملوں کے پڑھنے پر علی الاطلاق کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ وندے ماترم کے معنی جہاں وطن کی پوجا کرنے کے ہیں وہیں دوسرے معانی بھی ہیں۔

لہذا پڑھنے والا جو مراد لے اسی اعتبار سے اس کا حکم ہوگا۔

ج- حاکم کے حکم کی سمع وطاعت:

ہر مسلمان پر حاکم کے حکم کی سمع وطاعت اور اس کا پابند ہونا از روئے شرع لازم اور ضروری ہے، لیکن یہ صرف انہی امور میں ہے جو امور شریعت حقہ کے موافق اور اس سے غیر متصادم ہوں ورنہ بصورت دیگر قابل قبول اور لائق عمل نہیں۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **''السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة''** (بخاری شریف ۲/ ۱۰۵۷ باب السمع والطاعۃ مالم تکن معصیۃ)۔

مشکوۃ شریف میں بروایت علیؓ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **''لا طاعة في**

Marfat.com

معصية، إنما الطاعة فی المعروف" متفق علیه(مشکوۃ شریف رص۳۲۹، کتاب الامارۃ والقضاء)۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی ادارہ مروج قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی وجہ سے مسلمانوں کے دوفریق کے کسی معاملہ میں خلاف شریعت کوئی فیصلہ کرتا ہے، تو یہ فیصلہ قابل قبول نہیں اور کسی فریق کے لئے اس پرعمل کرنا اور استفادہ کرنا درست نہیں، ان پر لازم ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق حضرات علماء کرام سے اپنا فیصلہ کروائیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

۴-الف: مختلف مذاہب کی حیثیت:

مذہب اور عمل دونوں علاحدہ شی نہیں بلکہ دونوں ایک ہیں، دونوں میں لازم وملزوم کی نسبت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إن الذین آمنوا وعملوا الصلحت"، یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص مکمل طور پر اس وقت تک داخل ایمان نہیں جانا جاتا ہے، جب تک کہ وہ اس مذہب کے جملہ اصول وضوابط کو نہ اپنائے اور جملہ اوامر ونواہی پر کاربند نہ ہو۔

دنیا میں جتنے مذاہب، ملل وادیان ہیں ان کے جو ماننے والے ہیں، ان میں محبوب، پسندیدہ، معمول بہ وماموء من اللہ دین، دین اسلام اور اس کے متبعین ہیں، فرمان باری ہے: "إن الدین عند اللہ الإسلام" (اللہ کے نزدیک معتبر دین دین اسلام ہے)، بقیہ مذاہب، ملل وادیان یہ سب غلط، بے بنیاد، گمراہ اور منسوخ ہیں، ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں، ان کے طریقے اور راستے ملت اسلامیہ کے طریقوں اور اس کی راہوں سے بالکل جدا ہیں کہ دونوں ذرہ برابر میل نہیں کھاتے، دونوں میں آگ، پانی کی طرح اجتماع ضدین کی نسبت ہے، اور راستوں کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں کی منزل بھی الگ الگ ہے، ایک کی

Marfat.com

منزل جنت ہے، دوسرے کی جہنم۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں جتنے مذاہب اور ان کے طرق ہیں، ہر ایک مذہب کا طریقہ، حیثیت اور منزل جداگانہ اور مختلف ہے۔

لہذا جملہ مذاہب کی حیثیت اور ان کی منزلوں کو ایک گردانا، ایک سمجھنا زعم فاسد ہے، جو کسی بھی درجہ میں قابل قبول نہیں۔

ب-کیا مسلمانوں پر مظلوم طبقہ کا تعاون کرنا ضروری ہے؟

مسلمانوں کے لئے غیر مسلم طبقوں کا تعاون کرنا مذہبی فریضہ نہیں ہے، اور عدم تعاون کی صورت میں مسلمان عند اللہ جواب دہ نہیں ہوں گے، کیونکہ زمام اقتدار غیروں کے ہاتھ میں ہے جس پر مسلمانوں کو تصرف نہیں اور مواخذہ بصورت تکلیف ہے، ارشاد باری ہے: ''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا''۔

لیکن انسانیت کی بنیاد پر ان کی ضرورت میں کام آنا، ان کی فریاد رسی، حاجت روائی کرنا مطلوبات شرعیہ میں سے ہے۔

لہذا بقدر وسعت تعاون میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ج-خدمت خلق کے اداروں کو مخصوص رکھا جائے یا عام؟

ابتداء زمانہ کے کفار سے زیادہ ظالم، خونخوار، جان و مال کے بڑے دشمن، متعنت و سرکش آج کے کفار اور غیر مسلم نہیں ہیں، مع ہذا انبیاء کرام خصوصاً سیدنا محمد ﷺ نے ان کے ساتھ اخوت، بھائی چارگی، عفو و کرم، احسان و سلوک، ملاطفت و موانست کا رویہ اختیار فرمایا، ہمدردی اور بہی خواہی کے ساتھ پیش آئے۔

لہذا ان باتوں کے پیش نظر ایسے ادارے مثلاً ہاسپٹل وغیرہ سے جن کے قیام کا

Marfat.com

مقصد خدمت خلق اور مسلمانوں کی اعانت ہے غیر مسلموں کو بھی نفع پہنچانا چاہئے، اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام لوگوں کے لئے خدمت و اعانت کے دروازہ کو کھلا رکھنا چاہئے، "ان الله یحب المحسنین" (اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

لیکن زکوۃ کی رقم سے ان کو دوا وغیرہ نہیں دی جاسکتی، موجودہ حالات میں مسلمان اپنے ہاسپٹل ذاتی طور پر بنائیں اور مسلمانوں کے لئے وقف کردیں تو آج کے حالات میں زبردست صدقہ جاریہ ہوگا، بالخصوص جبکہ سرکاری ہوسپٹلوں میں مسلمانوں کے ساتھ دوہرا سلوک کیا جارہا ہو، ایسے وقت میں مسلمانوں کے ذاتی اسپتالوں کی اہمیت اور ضرورت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

د- مسلم تنظیموں کا رویہ:

ہندوستان جمہوری ملک ہے، اس میں جملہ اقوام مسلم، غیر مسلم، سکھ، عیسائی ہر ایک کے حقوق برابر ہیں۔

لہذا آفت یا کسی اور موقع پر جہاں دوسرے لوگوں کے حقوق بنتے ہیں، وہیں حکومت میں مسلمانوں کے بھی حقوق بنتے ہیں، حکومت کا تعاون کرنے میں طبقات کے درمیان تفریق اور امتیاز کرنا درست نہیں ظلم ہے، بقیہ لوگوں کی حق تلفی ہے؛ ایسے وقت میں جمہوری حکومت ہونے کی وجہ سے چونکہ مسلمانوں کا بھی حق بنتا ہے، اس لئے ایسی تنظیموں سے حقوق اور تعاون کا مطالبہ کرنا درست ہے، تفریق اور امتیاز برتنے کی صورت میں ان کے خلاف آواز بھی اٹھائی جاسکتی ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: "إن الله لا يحب الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم" (سورۂ نساء، ۱۴۸)۔

Marfat.com

مسلم ریلیف کمیٹیاں ضرورت واحتیاج کے پیش نظر انسانیت کی بنیاد پر تعاون تو ہر ایک کا کرے، لیکن ترجیحی طور پر مسلمانوں پر زیادہ نظر رکھے، چونکہ اسلامی رشتہ کی بنیاد پر ان کا زیادہ حق بنتا ہے، اور اگر ریلیف میں زکاۃ کی بھی رقم شامل ہو جیسا کہ اکثر ایسے مواقع پر ہوتا ہے تو وہ رقم صرف مسلمانوں ہی پر صرف ہوگی غیر مسلم کو دینا درست نہ ہوگا۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری
جامعہ عربیہ عین الاسلام (مبارکپور)

۱- رائج نظام کے تحت جب تک کوئی شخص پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں پہنچے گا قوانین کی ترمیم و تنسیخ یا وضع میں حصہ نہیں لے سکتا، لہٰذا موجودہ الیکشنی نظام میں غیر شرعی قوانین کی ترمیم و تنسیخ کی کوشش کی نیت رکھتے ہوئے حصہ لیا جائے، خواہ اس پر عمل کی نوبت آئے یا نہ آئے۔

اس کی نظیر وہ عبارت ہے جو مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ''القصص السنی فی حکم حصص کمپنی'' کے تحت کمپنی کے سودی معاملہ کے متعلق لکھی ہے۔

''اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں تو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

الف: جائز ہے۔

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے'' (فتاوی محمودیہ ۵/۳۴۱)۔

ب: حالات کا تقاضا یہی ہے کہ واجب قرار دیا جائے۔

ج: حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جا سکتے ہیں، نہ ہی اس

Marfat.com

بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جو لوگ خود مسلمان اور دین و مذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے نظریات و عقائد سے بھی متفق ہیں'' (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۶۷)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: ''جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم و ملت پر ظلم کے مرادف ہے، اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ''آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں''۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں: ''جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے'' (کتاب مذکور ص ۲۹۵)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے والی جماعت میں شمولیت یا اس کا امیدوار بننا یا کسی طور اس کی مدد کرنا اور ووٹ دینا جائز نہیں، ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہونا بھی بے فائدہ ہے، کیونکہ جہاں اسلام اور مسلمانوں کا معاملہ ہوگا، وہ اپنے جماعتی طرز فکر سے الگ نہ رہ پائے گا۔

ہاں اگر کوئی ایسا بارسوخ ہو کہ اپنی جماعت میں پالیسی ساز افراد میں شامل ہو، وعدہ کرے کہ میں اپنی جماعت کی سوچ، فکر اور ذہن کو بدلنے کی کوشش کرے گا، اسے ووٹ دینے

Marfat.com

کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے، لیکن عام امیدوار، ہزار وعدہ کرے اس کی کوئی حیثیت نہیں، وہ صرف ووٹ لینے کے لئے وعدہ کرے گا اور کچھ نہ کر سکے گا۔

د: ملی مفادات کے لئے غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کئے جا سکتے ہیں، ان میں شرکت بھی کی جا سکتی ہے اور اسی بنیاد پر ان کی حمایت بھی کی جا سکتی ہے، لیکن اس حمایت کی حیثیت عام مسلمانوں کے لئے محض ایک مشورہ کی ہوگی۔

ھ: جی ہاں! مذکورہ کام غیر مسلم اداروں یا افراد کے ساتھ مل کر کئے جا سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ ''حلف الفضول'' کا جو معاہدہ کیا تھا وہ اس کی نظیر ہے۔

۲- الف: غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے بچنے کے لئے مخلوط آبادی سے علاحدہ آبادی بہتر ہے، جو مسلمان مع اہل وعیال، عقائد واعمال کے اعتبار سے اسلامی تہذیب وتمدن کا مکمل نمونہ ہوں وہی مخلوط آبادی میں رہ کر غیر مسلموں کو اپنے اخلاق وکردار سے متاثر کر پائیں گے، ورنہ کمزور قسم کے مسلمان خود ہی غیر مسلموں کی تہذیب میں رنگ سکتے ہیں (جیسا کہ اس کی تائید امداد المفتیین کے ایک سوال وجواب سے ہوتی ہے، دیکھئے: فتاوی دار العلوم مع امداد المفتیین ۱/۵۰)۔

ب: بس پڑوسی ہونے کے ناطے اس کے گھر چلا جائے، اور تماشہ بین کی حیثیت سے رہے، اس کے آخری مذہبی رسوم اپنے ہاتھ سے نہ ادا کرے، جلوس جنازہ میں جانا پڑ جائے تو بھی جلانے میں خود شریک نہ ہو (مستفاد از فتاوی احیاء العلوم جلد اول رص ۸۴، ۱۰۴، فتاوی محمودیہ ۵/۱۷۵)۔

غیر مسلم میتوں کے لئے ایصال ثواب کی کسی طرح گنجائش نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۴، احکام ومسائل رص ۱۱۰)۔

ج: بتوں پر چڑھائے ہوئے جائز نہیں، دوسرے قسم کے لینے کی گنجائش ہے، حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ہندو کی کتھا (بیان) وغیرہ کی شیرینی کھانا جائز ہے، مگر خلاف احتیاط ہے، ہاں اگر شیرینی دیوی، دیوتا وغیرہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کی قسم کی ہو تو کھانا حلال نہیں ہے، ان کے تیرتھ یاترا (جیسے مسلمانوں کے حج) کے تحفے کو تبرک نہ سمجھے تو لینے میں حرج نہیں'' (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۲۳۲)۔

د: ایسے غیر مسلموں کی امداد نہ قبول کی جائے جو بدلے میں اپنے مذہبی تہواروں اور عبادتگاہوں وغیرہ کے لئے تعاون کے امیدوار ہوں، کیونکہ مندروں اور بت خانوں کی تعمیر یا ضروریات میں چندہ دینا جائز نہیں ہے، یہ تعاون علی المعصیت ہے۔ اسی طرح اگر احسان کے طور پر دیں تو بھی لینا جائز نہیں، البتہ اگر عبادت اور ثواب سمجھ کر دیتے ہیں تو اس کی امداد قبول کی جاسکتی ہے، خواہ مسجد کے لئے دے یا مدرسہ کے لئے (دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۷۴، فتاوی رحیمیہ ۹/ ۱۹۸، نیز فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۷۱)۔

ھ- (الف، ب): غیر مسلموں کی ایسی تقریبات جو ان کی عبادت کے قبیل کی ہوں اور بت پرستی وغیرہ ہو رہی ہو، اس میں شرکت جائز نہیں، اور جو محض جشن و اظہار، خوشی کے طور پر ہوں اور یہ جشن یا اظہار خوشی بھی اہل اسلام سے کسی معاند کی بنیاد پر نہ ہو تو شرکت کی گنجائش ہے، اور مبارکباد بھی دی جاسکتی ہے (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۷۸)۔

۳- الف: جھنڈوں کو سلامی دینا اگرچہ شرعاً درست نہیں، لیکن اسے شرک بھی نہیں کہا جاسکتا، جھنڈے کسی ملک و جماعت کی علامت کے طور پر بنائے اور لگائے جاتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ علامت و نشان کی بذات خود اہمیت ہوتی ہے، غزوات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے جھنڈے جنگ و جہاد میں نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے استعمال کئے تھے (جواہر الفقہ ۲/ ۱۴۴)، ظاہر ہے کہ وہ بھی نظم و ضبط کی ایک علامت ہی تھی، لیکن آج جھنڈوں کی جو اہمیت ہے اور اسے ایک مستقل قومی نشان سمجھا جاتا ہے، وہ صورت حال نہ تھی۔

Marfat.com

بہر حال احقر کا خیال یہ ہے کہ جھنڈوں کو سلامی دینا ملک و وطن کی ایک علامت (جو کہ اختلاط شرک سے محفوظ ہے) کے اعزاز کے طور پر بدرجہ مجبوری گنجائش ہے۔

ج: جس کے حق میں یہ غیر شرعی فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس سے استفادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کی نظیر یہ حدیث نبوی ہے: "**عن أم سلمة أن رسول الله ﷺ قال إنما أنا بشر وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فأقضي له على نحو ما أسمع منه فمن قضيت له بشئ من حق أخيه فلا يأخذ منه شيئاً فإنما أقطع له قطعة من النار**" (مشکوۃ المصابیح ۲/۳۲۷ باب الاقضیۃ والشہادات، کفایۃ المفتی ۱۰۷/۱ کتاب الغصب) (حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں ایک انسان ہی ہوں، تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو، یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی، اپنی حجت دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ عمومی طریقہ سے پیش کردے اور میں اسی سے سن کر اسی کے حق میں فیصلہ کردوں؛ لہذا اگر میں کسی چیز کا اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے، کیونکہ میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں)۔

۴-الف: یہ وحدت ادیان کی دعوت ہے جو کہ باطل ہے، اسے کسی طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا، حق دین صرف اسلام ہے: "**إن الدين عند الله الاسلام**"۔ یہ کہنا کہ سارے مذاہب کی منزل ایک ہے، سراسر غلط ہے، اسلام کے علاوہ سارے مذاہب کی منزل جہنم ہے۔ اسلام کی منزل جنت ہے، متضاد نظریات و خیالات، متصادم عقائد و رجحانات رکھنے والے سارے مذاہب حق ہوں، عقلاً ناممکن ہے۔

Marfat.com

ب: جی ہاں! انسانی اخوت کے رشتہ کی بنیاد پر دلت ومظلوم طبقہ کے ساتھ مسلمانوں کو تعاون کرنا چاہئے۔

ج: بلا تفریق مذہب، تمام لوگوں کے لئے خدمت واعانت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے، لیکن مسلمانوں کے ساتھ خصوصی معاملہ رکھنا چاہئے، دوہرے رشتہ کی بنیاد پر۔

د: مسلم ریلیف تنظیموں کو بلا تفریق مذہب سب کی مدد کرنی چاہئے، لیکن مسلمانوں کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے۔

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا محمد قاسم مظفر پوری
سوپول، در بھنگہ

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد غیر مسلم ممالک میں مقیم ہے، اور انہیں وہاں بہت سے مسائل بھی درپیش ہیں، ان مسائل کا حل تلاش کرنا فقہاء امت اور مفتیانِ کرام کی ذمہ داری ہے، ظاہر ہے ان مسائل سے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی صریح حکم تو نہیں مل سکتا، مگر اصولی باتیں جن کی بنیاد پر ان مسائل کو آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ اس امت کو حق تعالیٰ نے امت وسط قرار دیا ہے، یہ دنیا میں بھی شہداء علی الناس ہیں، قیام عدل واعتدال اور اس راہ کی جدوجہد اس کی ذمہ داری ہے۔

"**كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر**" (سورۂ آل عمران/۱۱۰) کی روشنی میں معروف کو جاری کرنا اور منکر کا سدباب اس امت کے فرائض میں ہے۔

اسی طرح "**من رای منکم منکرا فلیغیره بیده الخ**" (مسلم: ۱۷۷)، اور حدیث: "**من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منا**" (الحدیث)، اور "**أفضل الجهاد من قال كلمة عدل عند سلطان جائر**" (ابن ماجہ: ۴۰۱۲)۔

۱-الف: ان سب نصوص کے پیش نظر احقاق حق، تحفظ بلاد واہل بلاد، انسانی حقوق واقدار

Marfat.com

کے احیاء اوراظہار حق کی جدوجہد آئین کے سطح سے بھی ضروری ہے، اور مذکورہ بالا مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی جمہوری ملک میں مختلف عوامی انتخابات خواہ پارلیمانی الیکشن ہو، اسمبلی الیکشن ہو، یا کارپوریشن اور پنچایتی الیکشن ہواس میں امیدوار بننا، ووٹ دینا یا کسی مناسب امیدوار کے لئے جدوجہد کرنا جائز ہی نہیں بلکہ انسب واصلح ہے اور یہ ایک انسانی ضرورت ہے۔

ب۔ واضح رہے کہ جمہوری ملکوں کے مسلمانوں کے لئے ووٹ دینا اور اپنی رائے حق کو اشاعت وشہادت کے لئے دینا ضروری ولازمی ہے، اور صحیح نمائندہ کے لئے تائید کرنا اہم ذمہ داری ہے۔

ج۔ ایسی سیاسی جماعت جو اسلام اور مسلمانوں کی مختلف جہتوں سے مخالفت کر رہی ہو کسی بھی حال میں اس کے کسی بھی نمائندہ کو ووٹ دینا اس جماعت کے زور کو بڑھانا ہے، اور کسی مسلمان کو اس جماعت میں شرکت کرنا درست نہیں ہوگا، ذاتی طور پر کوئی امید خواہ کتنا ہی سنجیدہ اور نیک خصلت ہو، ہر رکن پر پارٹیوں کی بالادستی ہوتی ہے۔

د۔ ملی مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے اور ان کی حمایت بعض حالات میں ضروری ہیں، اگر ایسی پارٹی اقتدار میں نہیں بھی آئے تو حزب مخالف کی حیثیت سے مدافعت اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

پس انصاف پسند پارٹی کے امیدوار کو قوت پہنچانا دراصل آئین کی راہ سے جو مظالم و منکرات کی راہیں کھولی جاتی ہیں اس کے لئے دفاعی آئینی جدوجہد کو اپنانا اور ظلم کے خلاف اس پرامن راہ کو بقدر وسعت اپنانا شرعا ضروری ہے۔

ھ۔ امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا اور انسانی زندگی کے بھلائیوں کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایسی فلاحی ورفاہی تنظیمیں قائم کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، اس کا اہم ترین عملی نمونہ

Marfat.com

''حلف الفضول'' نام کی وہ تاریخی تنظیم ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ سیرۃ المصطفی میں موجود ہے۔

۲- الف: مسلمانوں کو اگر ایسا موقع ہو کہ وہ ایسی بستیاں بسائیں جہاں غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات اور تمدنی چھاپ سے محفوظ رہ سکیں تو شریعت اسلامیہ کی بلاشبہ یہی تعلیم ہے اور معاشرتی زندگی کے یہی تجربات بھی ہیں۔ اس بارے میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مفہوم کو ذہن میں رکھنا چاہئے:

''عن جابر بن عبد الله قال: بعث رسول الله ﷺ سرية إلى خثعم فاعتصم ناس منهم بالسجود فاسرع فيهم القتل، قال: فبلغ ذلک النبی ﷺ فأمر لهم بنصف العقل، وقال: أنا بریء من کل مسلم یقیم بین أظهر المشرکین قالوا: یا رسول الله! ولم قال: لا تراء ی ناراهما'' (ابوداؤد ۲۶۴۵)۔

یعنی مسلمانوں کو مشرکین سے الگ رہنا چاہئے، حتی کہ وہ ایک دوسرے کی آگ بھی نہ دیکھیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ مخلوط زندگی کی وجہ سے لازمی طور پر اثرات قبول کریں گے، ایک حدیث میں یہ بھی وارد ہے: ''لا تصلح قبیلتان فی أرض واحدة'' (ترمذی، حدیث نمبر ۶۳۳)، ان نصوص کی روشنی میں مسلمانوں کی مستقل آبادی پہلی ترجیح ہو۔

اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو پھر غیروں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے مذہبی اور تہذیبی شعائر و تشخصات کو محفوظ رکھنے کا عزم رکھے، جلب منفعت سے زیادہ دفع مضرت سامنے رہے۔

ب- غیر مسلم پڑوسی اور ایک ساتھ زندگی کے مختلف کاموں میں شریک رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ ان کے شادی و غم میں شریک رہنا سماجی رابطہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں:

۱- ایک موقع عیادت، علاج و معالجہ میں اعانت اور ممکن خدمت خلق کا ہے، اس کی شریعت میں نہ یہ کہ صرف گنجائش ہے بلکہ اس کی تعلیم و ترغیب وارد ہے، اس حدیث کے ترغیبی

Marfat.com

الفاظ پر غور کریں:

"عن أبی ہریرةؓ قال، قال رسول الله ﷺ إن الله تعالی یقول : یوم القیامة یا ابن آدم، مرضت فلم تعدنی قال: یا رب: کیف أعودک أنت رب العالمین؟ أما علمت أن عبدی فلا نا مرض......" (بخاری)۔

میرے نزدیک یہ عام معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے خادم یہودی بچے کی بیماری میں عیادت کی اور آپ نے اس حالت میں اسے اسلام پیش کیا تو اس بچے نے باپ کی اجازت پر اسلام قبول کرلیا۔

۲- غیر مسلموں کے جنازہ کے ساتھ اس کے جلوس میں شریک ہونا، اور اس کی آخری رسومات عملاً سر جھکا کے سونا، یہ اس کے خاص دھارمک طریقے ہیں، اس میں شرکت جائز نہیں، کیونکہ اس شرکت سے شعائر کفر کی تائید و تحسین ہوتی ہے، اس لئے یہ امر جائز نہیں ہے، اور اس کے لئے قرآنی نصوص موجود ہیں۔

۳- قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانا، ایسا تو خوشامد میں ہی کیا جا سکتا ہے، دین میں اس کی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین"** (توبہ، ۱۱۳)۔

ج- غیر مسلم اپنی تقریبات، شادی اور تہواروں میں جو تحفے مسلمانوں کو دیتے ہیں، وہ علی العموم بتوں کے چڑھائے ہوئے نہیں ہوتے ہیں، لہذا اگر یقینی طور پر متحقق ہو جائے کہ انہوں نے بتوں کے چڑھاوے والی چیز تحفہ میں بھیجی ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے، ویسے ان کی عام دعوت خواہ تحفہ بھیج کر ہو یا خود وہ مدعو کر کے کھلائیں، فقہ کی تصریحات سے ان کا جواز معلوم ہوتا ہے (دیکھئے: فتاوی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحة)۔

د- ایسے غیر مسلموں کا چندہ خواہ مسجد کے لئے ہو یا تعلیم گاہ کے لئے، جن کے بارے میں

Marfat.com

یہ یقین ہو کہ یہ ثواب سمجھ کر دے رہے ہیں، اور کبھی ان کی جانب سے کوئی تعاون کا مطالبہ برائے عبادت گاہ وغیرہ نہیں ہوگا تو ایسا عطیہ جائز ہے۔

اور اگر مقامی طور پر اس طرح کا اندیشہ اور احتمال ہو کہ وہ بھی اس چندہ کا بدل مالی یا الیکشن میں اس احسان کی بنا پر ووٹ وغیرہ کا ناجائز استحصال کریں گے تو یہ جائز نہیں، تمام اکابر نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

۵- (الف) رمضان المبارک کے افطار کے موقع پر غیر مسلموں کو جمع کرنا اور ان کو افطار میں شریک کرنا، یا غیر مسلم سیاسی رہنماؤں کو بلانا دراصل ریا وسمعہ ہے، اسی طرح عید کی تقریبات میں ان کو مدعو کرنا دراصل برادران وطن کی تقریبات میں شریک ہونے کی راہ نکالنا ہے، ان کی مذہبی یا شادی بیاہ کی تقریبات میں جو منکرات ہوتی ہیں وہ ظاہر ہے، اگر کوئی شخص کسی حالت مجبوری بنا پر مبتلا ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے، آیت قرآنی ہے: "ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" (ہود، ۱۱۳)۔

اس لئے مسلمانوں کو ان کی تقریبات میں شرکت سے اجتناب ضروری ہے۔

(ب) غیر مسلموں کو ان کے تیوہاروں میں مبارکبادی بھی جائز نہیں، دراصل مبارکبادی تو دعاء برکت ہے، اور یہ دعاء برکت ان اعمال پر جو سراسر مشرکانہ ہے، فحش ومنکرات کا مجموعہ ہے، دینا عقلاً وشرعاً جائز نہیں۔

۶- الف- جھنڈے کی سلامی:

سلام جس کا مقصد دعا بھی ہے، اظہار محبت بھی ہے، اور جس کو سلام کیا جاتا ہے اس کا اعزاز واکرام بھی ہے، اور مسلمانوں کے لئے اس کی حیثیت عبادت کی ہے، جو منصوص بھی ہے، اس لئے جب اسے عبادت کی روح حاصل ہے، تو جھنڈا کیا، خود بعض فرقے اور عقیدے کے لوگوں کو سلام کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا تجالسوا أهل القدر ولا تفاتحوهم(أی لا تبدؤهم بالسلام)" (عن عمر، ابوداؤد، ۱۰/۴۷)۔

لہذا جھنڈا ایک قومی وقار کی چیز ہے، وطن کا پرچم بین الاقوامی دنیا میں اس کی شناخت کو بتاتا ہے، اس کی اس حیثیت کو سامنے رکھنا چاہئے، وطن اور علامات وطن کا وقار برقرار رہنا چاہئے، اس کی پرستش ناجائز ہے۔

ب۔ ملک و وطن کے محاسن و قدرتی وسائل کو اجاگر کرنا کوئی مذموم نہیں، لیکن اس کی ایسی تعریف جو عبادت کے انداز کی ہو، اور وطن کو معبود کا درجہ دیا جارہا ہو، دراصل شرک کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، ایک موحد کسی حال میں شرکیہ کلمات اور تصورات کو اپنے ذہن وزبان پر لانا حرام تصور کرتا ہے۔

شرک قولی ہو یا فعلی قلبی ہو یا لسانی، شرک فی العقائد والاعمال سبھی شرعی نقطہ نظر سے حرام ہے، اللہ کا ارشاد ہے: "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر" (فصلت، ۳۷)، ایسے ترانے کو پڑھنا شرک کی تائید کرنا ہے۔

ج۔ غیر شرعی فیصلے جو حکومت کی عدالتوں سے حاصل کئے گئے، اور ڈگری کسی فریق کو مل گئی تو جس فریق کو ڈگری ملی ہے اس کو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ حق بہر حال حق ہے، حق ناحق اور باطل نہیں ہوسکتا۔

پس جو شرعی فیصلے نہیں ہوئے دوسرے فریق کو استفادہ کرنے کے بجائے اصل مالک کو وہ چیز لوٹا دینی چاہئے، یا پھر اس فریق سے اپنے حق میں اسے بالعوض یا بلا عوض حلال بنالے، یا شرعی حدود میں پھر اس کا شرعی فیصلہ حاصل کرلے جو بغیر کسی خرچ کے اسے مل جائے گا، یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ آخرت کے احتساب کا خوف ہو۔

Marfat.com

۴-الف: جس طرح اسلام کے معتقدات اور اعمال متمیز و مشخص ہیں، اسی طرح اسلامی تہذیب وثقافت بھی متعین اور معلوم ہیں۔ تہذیب کا انضمام اس طرح کہ سارے مذاہب کھانے پینے، لباس و پوشاک، شادی بیاہ، خوشی وغم، کاروبار، لین دین یعنی عقود و معاملات، معاشرت واخلاقیات سب میں مشترک ہوں، میرے خیال میں یہی وہ چیز ہے جو ہمارے ملک میں قومی یکجہتی کے نام پر پھیلائی جارہی ہے۔

اسلام کی جامعیت اور اس کی اپنی تہذیب ہے جسے وحدت ادیان کے پرفریب نعرہ سے متاثر نہیں کیا جاسکتا۔

تمام انبیاء کے مابین دینی وحدت ہے، یعنی توحید، رسالت، آخرت وغیرہ، اس میں عقائد کے اعتبار سے تمام انبیاء برابر ہیں، لیکن شرائع من قبلنا سب جدا جدا ہیں۔

ب- مظلوم انسانوں کی خدمت، راحت اور سماجی مساوات وانصاف کے لئے جو متوازن اور ممکن جدوجہد ہو ضرور کرنا چاہئے، لیکن اس کی ایسی راہ نہ اختیار کی جائے کہ جس سے سماجی تصادم پیدا ہو، اور فتنہ کا نیا دروازہ کھلے، ان کے ساتھ بلند اخلاقی کا معاملہ ہو، جو اپنے اختیار کی چیزیں ہیں اس کے ذریعہ پہلے ان کی ہمدردی کی جائے۔

ج- مسلمانوں کے ہاسپٹل، اسکول اور دوسرے ٹیکنکل ادارے جب قائم ہوں تو شروع سے ہی کچھ حدود وقیود واضح ہوں کہ بلا تفریق خدمت ہو، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "إن الله يأمر بالعدل والإحسان" (نحل/۹۰)۔

د- ریلیف اور ناگہانی مصیبت میں کچھ ادارے ضرور ایسے ہوں جو بلا مذہب وملت راحت رسانی کا کام کریں۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)

ا- الف: جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں جمہوری نظام حکومت ہے، ایسی جگہ مسلمانوں کو الیکشن میں حصہ لینا ضروری ہے اور خدمت خلق اور جذبہ انسانیت کے تحت حکومت میں رہ کر اسمبلی یا پارلیمنٹ میں سب قوموں کے عموماً اور اقلیتوں کے خصوصاً جائز حقوق کے تحفظ کے لئے کام کرنا چاہئے، رشوت خوری بے ایمانی ظلم وستم سے دور رہنا چاہئے اور ووٹ انصاف پسند دیانتدار آدمی کو دینا چاہئے، حکومت کے ظلم وستم اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا چاہئے، جھوٹ تہمت اور الزام تراشی سے دور رہنا چاہئے کہ یہ تمام چیزیں دین میں حرام ہیں۔

ب: اس ملک میں خصوصاً اور دیگر ممالک میں عموماً تحفظ اسلام اور تحفظ مسلمین اور حقوق مسلمین کے حصول کی نیت سے ووٹ دینا اگر ضروری قرار دے دیا جائے تو صحیح ہے، بشرطیکہ امیدوار کے شرائط بالا پر پورے اترنے کی امید ہو۔

ج: جو جماعتیں کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کی حد تک مخالف ہوں اور ان کے مقاصد میں اسلام اور مسلمانوں کو ستانا اور مٹانا، ان کو تباہ کرنا، ان کے مقدس مقامات کو ختم کرنا، کفر وشرک کی کھلم کھلا اعانت کرنا اور اس کو غالب کرنا، زبردستی دوسروں پر تھوپنا، نہ ماننے والوں کے ساتھ قتل وغارتگری کرنا، ان کے املاک کو تباہ کرنا ہو تو ایسی جماعت میں شامل ہونا سخت گناہ ہے اور اس جماعت کے افراد کو ووٹ دینا بھی ظلم وستم میں شرکت کرنا ہے، قرآن کریم میں ہے: "ولا

Marfat.com

تعاونوا علی الاثم والعدوان"، ایسی جماعت کے بعض افراد اگر اچھے ذہن والے ہوں تب بھی ان کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اسی جماعت کے معاون ہیں۔

د: جو غیر مسلم سیاسی پارٹیاں غیر متعصب ہیں اور فرقہ واریت سے واقعی مقابلہ کرنا چاہتی ہیں اور اقلیتوں کو ان کے حقوق دینا چاہتی ہیں، ان کی حفاظت اور سلامتی کا معاہدہ کرتی ہیں تو ایسی جماعتوں میں شرکت کرنا اور ان سے تحریری معاہدے کر لینا پھر ان کی حمایت کرنا شرعاً درست ہے۔

ہ: ان کاموں کے لئے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ایسے ادارے اور تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر معروف اور احسن مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اعلان نبوت سے پہلے مکہ کے نیک اور معتدل مزاج لوگوں کے ساتھ مل کر ایک جماعت بنائی تھی جس کا ذکر تاریخ میں بھی ہے اور مدینہ شریف آنے کے بعد یہودیوں سے امن وچین کے ساتھ معاہدے کئے تھے۔

۲- الف: میرے نزدیک اگر دور اول یا دور ثانی کے دیندار جیسے مسلمان ہوں تب تو مخلوط آبادی میں رہ کر غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق اور کردار سے متاثر کرنے کی نیت سے رہنا احسن ہے، لیکن فی زمانہ تو عموماً مسلمان اپنے اخلاق و کردار میں اچھے ہیں کہ جو غیر مسلموں کو متاثر کرسکیں بلکہ خود ہی ان کی تہذیب اور معاشرے سے متاثر ہوجاتے ہیں، اس لئے ان سے دور ہی رہنا اچھا ہے، دوسرے جو ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ جاری ہے اس کی وجہ سے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی بستیاں متحدہ طور پر الگ بنا کر غیر مسلموں سے دور رہیں تاکہ وقت پر اپنا دفاع کرسکیں۔

ب: مسلمانوں کو غیر مسلموں کے جنازے میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ ان کے مکان پر جا کر ان کی دلجوئی کے لئے تعزیت کرنا درست ہے، اور جس طرح غیر مسلم کے

Marfat.com

جنازے میں شرکت درست نہیں ہے اسی طرح اس کے آخری رسومات میں بھی شرکت کرنا ممنوع ہے، ایصال ثواب کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کے لئے ایصال ثواب کیا جائے وہ مسلمان ہو اور ایصال ثواب کرنے والا بھی مسلمان ہو، پس غیر مسلموں کی میت میں قرآن خوانی درست نہیں ہے۔

ج: شادی وغیرہ کے موقع پر جو تحفے دیئے جاتے ہیں اگر وہ بتوں پر چڑھائے ہوئے نہیں ہیں یا ان پر الفاظ کفریہ شرکیہ نہیں پڑھے گئے ہیں تو ان کا لینا اور کھانا جائز ہے، عالمگیری (ج ۴ ص ۱۰۸) میں ہے: لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو لحاجة"، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے خیبر میں ایک یہودیہ کی دعوت قبول فرمائی ہے، لیکن وہ مذہبی تقریبات جن میں بتوں پر شیرینی وغیرہ چڑھائی جاتی ہے یا غیر مسلموں کا مقتدا اپنی پڑھن پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ پوجا بھی کرتا ہے تو ایسی چیزوں کا کھانا درست نہیں ہے، اگر کسی وجہ سے لے لے تو مسلمان خود نہ کھائے بلکہ کسی غیر مسلم کو کھلا دے۔

د: مسلمانوں کو غیر مسلموں کا تعاون مساجد کی تعمیر وغیرہ میں نہیں لینا چاہئے، قرآن کریم میں ہے: "إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر" اس آیت کے ذیل میں تفسیرات احمدیہ اور جواہر التنزیل میں غیر مسلموں کا تعاون حاصل کرنا ممنوع فرمایا ہے، اور حضور نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام کے عمل سے ایسی کوئی چیز نظر سے نہیں گذری جس سے غیر مسلموں کا تعاون مساجد کی تعمیر میں لینا معلوم ہو، لہذا اگر غیر مسلم حضرات تعاون دینا چاہیں تو مسلمانوں کو صاف منع کر دینا چاہئے اور بعض جہلاء کا یہ کہنا کہ اس رقم کو مسجد کی لیٹرینوں میں لگا دیں گے یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ لیٹرینیں وغیرہ بھی متعلقات مسجد میں ہیں، البتہ غیر مسلم ہم کو تملیک کر دیں تو ہم اپنی طرف سے لگا سکتے ہیں۔

ھ: آج کل جو یہ رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ مختلف قومیں ایک دوسرے کی مذہبی تقریبات

Marfat.com

میں شریک ہوں تاکہ اس سے تمام فرقوں میں ہم آہنگی پیدا ہو یہ محض سیاسی چال ہے، اس کے ذریعہ مسلمان قائدین کو اور مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ووٹوں کے لئے آمادہ کرنا ہے، نیز اس ذریعہ سے اپنے مذہب کی طرف رغبت پیدا کرنا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کو آسانی سے اپنا ہم مذہب بنایا جاسکے یا کم از کم شرک وکفر سے ان کو مانوس کیا جاسکے، لہذا میرے نزدیک اگر غیر مسلم حضرات مسلمانوں کے گھر آجائیں اور وقت افطار ہو اور از راہ مروت یا دلجوئی مسلمان ان کو شریک کرلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن وہ افطار پارٹی کریں تو مسلمانوں کو جانا مناسب نہیں ہے، اور کوئی غیر مسلم عید کے موقع پر مسلمانوں کو مبارکباد دے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مسلمان بھی غیر مسلم کے گھر پر جاکر مبارکباد دے تو یہ بھی درست ہے لیکن ان کے مذہبی تہواروں میں شریک نہ ہو۔

۳-الف: جھنڈا فی نفسہ کوئی قابل احترام چیز نہیں ہے، صرف اس کی سلامی اس ملک کے اصول وقوانین کے احترام کو ظاہر کرنے کی وجہ سے رکھی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس ملک کا ادب واحترام ہمارے دل میں ہے، پس اس نیت سے اگر جھنڈے کو سلامی دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ب: ایسے قومی ترانے جن میں فی الواقع مشرکانہ مضامین ہوں اور ان کی کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہوسکتی ہو تو ان کا پڑھنا درست نہیں ہے اور جن میں یہ بات نہ ہو اس کا پڑھنا درست ہے جیسے علامہ اقبال کا ترانہ، سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا، یا اس جیسا کوئی اور ترانہ ہو۔

ج: اول تو مسلمانوں کو غیر شرعی عدالتوں میں جانا ہی نہیں چاہئے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے: "ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" لہذا اپنے علماء سے شریعت کے مطابق فیصلہ کرانا چاہئے اور اگر بدرجہ مجبوری غیر شرعی عدالتوں میں جائیں تو اگر حق

Marfat.com

کے خلاف فیصلہ ہوتو نہ مانیں اور اگر حق کے مطابق ہوتو اس پر عمل کریں چاہے دنیا کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

۴-**الف:** میرے نزدیک کسی بھی درجہ میں یہ سوچ قابل قبول نہیں ہے، تمدنی اور ثقافتی وحدت مسلمانوں کی کسی دوسرے مذہب کے ساتھ نہیں ہوسکتی، اہل یورپ کا یہ عیارانہ دھوکا ہے، جو مسلمانوں کی تہذیب، تشخص اور اسلامی شعائر کو ختم کرنے کے لئے اس کا پروپگنڈا کیا کرتے ہیں، وہ مسلمان جو مذہبی معلومات نہیں رکھتے اور نہ ان کی نشو ونما بچپن میں مذہبی ماحول میں ہوئی ہے وہ مسلمان بھی ایسی باتیں کرتے نظر آتے ہیں، لیکن ان کی ان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ہمارا بنیادی اصول اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ بغیر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے ہوئے اور آپ ﷺ کی اتباع کئے ہوئے کوئی آدمی نجات نہیں پاسکتا، اس لئے چند مذاہب کے حق پر ہونے اور منزل کے ایک ہونے کی بات قرآن وحدیث کے نقطۂ نظر سے لغو اور غلط ہے۔

ب: کسی بھی انسان پر ظلم وستم کرنے اور اس کا استحصال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے، یہ ایک بہت بڑا جرم ہے جو مدت دراز سے چلا آرہا ہے، اسلام میں ذلت اور قوم کی اونچ نیچ کچھ نہیں ہے، اگر ہے تو کردار سے ہے، ہندوؤں کا طرز عمل دوسری قوموں کے لئے خاص کر مسلمانوں کے لئے انسانیت سوز اور قتل انسانیت اور ناقابل معافی گناہ ہے، چاہے وہ ہندوستان کے رہنے والے دلتوں کی شکل میں ہو یا یورپ کی کالی اور گوری نسل کے فرق کی وجہ سے ہو، قرآن کریم میں ہے: "**یا أیها الناس إنا خلقنا کم من ذکر وأنثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم**"، حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "**لا فخر لعربی علی عجمی ولا فخر لعجمی علی عربی، کلکم بنو آدم وآدم من تراب**"، حضرت بلال اور صہیب رومی، سلمان فارسی وغیرہ رضی اللہ عنہم کا اسلام کی نظر میں وہی رتبہ ہے جو عربوں میں اعلی نسل کے لوگوں کا ہے، افسوس ہے کہ ہندوستان میں مسلمان قومیں آکر

Marfat.com

ہندوؤں کے نظریہ سے متاثر ہوگئیں، اسی لئے اسلام ہندوستان میں کم پھیلا، مسلمانوں پر لازم ہے کہ انسانی اخوت کے ناتے پسماندہ اور مظلوم قوموں کے ساتھ اعانت کریں خواہ وہ کسی بھی درجہ میں ہو۔

ج: ایسے ادارے جن سے کوئی بھی مصیبت زدہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اسے عام ہونا چاہئے اور ہر انسان کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اگر کسی فساد کا خطرہ نہ ہو، جیسے ہاسپٹل یا تعلیمی ادارے، ان سے بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

د: ہمیں ان فرقہ پرست عناصر کی طرف نہیں دیکھنا ہے جو انسانوں پر مصائب و آلام کے وقت صرف اپنے ہی لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں، ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام انسانوں کی مدد اور خدمت کرنا چاہئے، مسلمانوں کی وہ تنظیمیں جو قدرتی آفات یا فسادات کے موقع پر ریلیف کا کام انجام دیتی ہیں انہیں ہر مصیبت زدہ کی خواہ وہ کسی بھی مذہب سے متعلق ہو اعانت کرنا چاہئے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی (مئو)

اس وقت دنیا کے اکثر ممالک جمہوری نوعیت کے ہیں جن میں انتخابات کے ذریعہ حکومت بنتی ہے، اور یہ جمہوریت اور انتخابات خود شرعی اعتبار سے مناسب معلوم نہیں ہوتے، اس لئے کہ اس میں عوامی کثرت وتعداد کو حکم اور فیصل قرار دیا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ عوام رائے اور عقل سے عاری ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صائب الرائے اور اہل تدبر حضرات اپنی قلت کے باعث مغلوب ہوجاتے ہیں اور ناعاقبت اندیش عوام آندھی کی رو میں کسی غیر مناسب امیدوار کو نمائندہ بنالیتے ہیں، نیز طریقہ انتخاب میں بھی دھاندلی، جبر وتشدد اور جارحیت ایک مؤثر رول ادا کرتے ہیں، اس لئے یہ جمہوریت اور انتخاب بجائے خود مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش ہیں، دوسری طرف اپنوں کا بھی رونا ہے کہ اسلام جو قول وعمل کا مشترکہ نام ہے، اب صرف قول کی حد تک رہ چکا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل ہی مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہونا چاہئے۔

لیکن پھر بھی مسلمان جس ملک میں رہتا ہے اس ملک کا شہری ہے، اور دوسرے لوگوں کی طرح برابر کا حصہ دار ہے، اس لئے حتی الوسع معصیت سے اجتناب کے ساتھ اس ملک میں جاری دستور وقوانین پر کاربند ہونا چاہئے، اور اس ملک کے ان امور میں جو ایک شہری کی حیثیت سے اسے حاصل ہیں شریک رہنا چاہئے، انہیں امور میں سے ایک الیکشن میں حصہ لینا ہے۔

Marfat.com

ا-الف: موجودہ جمہوری وانتخابی نظام گرچہ غیر شرعی ہے، اور کسی مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ بھی، لیکن اگر مسلمان الیکشن میں حصہ نہ لیں تو ان کے اس عمل سے بھی کسی ظالم یا غیر مناسب امیدوار کو تقویت ملے گی اور اس کا تعاون کرنا لازم آئے گا، لہذا: "أهون وأيسر البليتين" پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو الیکشن میں حصہ لینا چاہئے، اور حتی الوسع مناسب امیدوار کو تقویت پہنچا کر غیر مناسب امیدوار کو کمزور کرنا چاہئے۔

اسی طرح انتخابات میں کسی مسلمان کا امیدوار بننا بھی جائز ہوگا، امیدواری میں گرچہ ایک پہلو "طلب" کا بظاہر پایا جاتا ہے، جو شریعت میں ممنوع ہے، لیکن دوسرا پہلو قوم کی خدمت کا جذبہ مستحسن بھی ہے، اور ضروری نہیں کہ جو امیدوار جیت جائے وہ کسی منصب پر بھی فائز ہو، اس لئے یہ طلب ممنوع نہیں ہونی چاہئے۔

اور جب امیدوار بننا جائز ہے تو انتخابی مہم چلانا اور ووٹ دینا بھی جائز ہوگا۔

ب: الیکشن اور انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات بھی کسی حد تک متعلق ہیں، لیکن اس امکان کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ووٹ دینے کو واجب قرار دینا شرعی طور پر درست نہیں معلوم ہوتا۔

ج: وہ سیاسی جماعتیں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا مقصد بنا رکھا ہے، ایسی جماعت میں مسلمانوں کی شمولیت درست اور جائز نہیں، اور نہ اس جماعت کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا جائز ہے خواہ وہ ذاتی طور پر کتنا ہی نیک خصلت ہو، "تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان"۔ ووٹ کے ذریعہ امیدوار اور پارٹی کو تقویت پہنچتی ہے، اس طرح ایک اسلام مخالف طاقت کو مضبوط کرنا اور اس کا تعاون کرنا لازم آئے گا، خدشہ اس بات کا ہے کہ کہیں "ومن يتولهم منكم فإنه منهم" (المائدہ)، یا "ومن يتولهم منكم فأولئك هم الظالمون" (التوبہ) کا مصداق نہ ہو جائے۔

Marfat.com

د: ملی مفادات کے پیش نظر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کرنا درست ہے، اور اس کی شرعی حیثیت ملی مفادات کی اہمیت اور ان کی ضرورت کے مطابق ہوگی۔

ھ: معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا امت مسلمہ کا شرعی فریضہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "الدين النصيحة" (دین خیر خواہی کا نام ہے)، اور سب سے بہتر خیر خواہی دین حنیف اور دین اسلام کی دعوت ہے، اور سب سے زیادہ انصاف اور سچائی کی بات کلمہ لا إلہ إلا اللہ ہے، اس کی ترویج ہر مسلمان کا حتی الاستطاعت فریضہ ہے، ان خیر کے کاموں کو حتی الوسع مسلمانوں کو اپنے بل بوتے اور اپنی ذمہ داری پر انجام دینا چاہئے، بتقاضائے ضرورت سماجی تنظیموں یا غیر مسلم بھائیوں سے تعاون لینے یا ان کو ساتھ لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان کے اثرات غالب نہ ہوں، اور کسی دینی مقصد کے حصول کے لئے غیر دینی یا دین سے متصادم طریقہ نہ اپنانا پڑے۔

۲-الف: مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا ہرگز مناسب نہیں ہے، کیونکہ موجودہ دور میں خود مسلمان اخلاقی انحطاط کا شکار ہیں، اس لئے وہ متاثر کرنے کے بجائے متنفر بنادیں گے، نیز وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات وعقائد سے متاثر ہوکر اسلام کی حقیقت سے دور ہوتے جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے، آج جبکہ دنیا ذرائع اعلام کے سبب ایک گاؤں میں تبدیل ہوچکی ہے، مغرب کے اثرات مشرق میں تیزی سے اپنائے جارہے ہیں، اس لئے مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا مناسب نہیں، حدیث میں وارد ہے: "أنا بريئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين، قالوا يا رسول الله! لم؟ قال لا تراءى ناراهما" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

خطابیؒ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: "وقال بعضهم: معناه أن الله قد فرق

Marfat.com

بین داری الإسلام والکفر، فلا یجوز لمسلم أن یساکن الکفار فی بلادھم"
(معالم السنن مع تہذیب ابن القیم ۳؍ ۴۳۷)۔

ب: وہ سماجی تقاضے جو اسلامی عقائد سے متصادم یا منافی و معارض نہ ہوں، ان کی اسلام میں اجازت اور ترغیب ملتی ہے، مثلاً پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، کمزور اور مظلومین سے اظہار ہمدردی، صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ، اور بیماروں کی عیادت اور خبر گیری وغیرہ، اس سلسلہ میں آیات، احادیث، اور آثار موجود ہیں۔

البتہ کوئی غیر مسلم دوست، پڑوسی یا رشتہ دار جو انتقال کر جائے، اور شرک و کفر پر بظاہر اس کی حیات کا خاتمہ ہو تو اس کو غسل دینے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ضرورت اور حاجت ہو تو بغیر اہتمام کے اس کو غسل دے کر کسی کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں گے، اور اگر اس کی آخری رسومات کو پورا کرنے والے اس کے ہم مذہب موجود ہوں تو مسلمان اس میں کوئی تعاون نہیں کریں گے (شامی ۳؍ ۱۳۴)۔

اور کسی رشتہ دار کے جلوس جنازہ میں شرکت بھی اہتمام کے ساتھ نہیں ہوگی، جنازہ سے آگے یا کنارے دوری بنائے ہوئے شرکت کی جا سکتی ہے، جس میں مسلمانوں کی انفرادیت اور اسلامی امتیاز کا تحفظ ہو (مصنف عبد الرزاق میں اس سے متعلق متعدد آثار موجود ہیں ۶؍ ۳۶ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

غیر مسلم کے لئے ایصال ثواب خواہ کسی بھی نوعیت سے ہو جائز اور درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب کے لئے دعا و استغفار فرمایا، پھر جب قرآن میں اس سے منع کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے منع کر دیا۔

ج: غیر مسلم حضرات اپنے تیوہار یا دوسرے مواقع پر جو ہدیہ و تحائف کسی مسلمان کو دیتے ہیں تو وہ تحائف جو ان کی مذہبی رسومات سے متعلق ہوتے ہیں ان کا قبول کرنا درست نہیں، اگر

Marfat.com

کسی مفسدہ یا شر سے بچنے کے لئے قبول کرلیا جائے تو کھانا جائز نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح غیر مسلموں کے عام تحفے سے بھی احتیاط برتنی چاہئے، ہاں اگر تحائف کے قبول کرنے میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ اسلام سے قریب ہوگا تو عام ہدایا کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن وہ ہدایا و تحائف جو تیوہار اور مذہبی رسومات سے متعلق ہوں ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔

د: غیر مسلموں کا تعاون مساجد و مدارس میں تو جائز ہے مگر کسی مسلمان کا غیر مسلم عبادت گاہ یا تہوار کے موقع پر چندہ دینا جائز نہیں، اگر اضطرار یا مفسدہ لاحق ہونے کی نوبت ہو تو کسی خاص ہندو کے ذاتی تعاون کے ارادہ سے چندہ دے دے، اور جہاں اس بات کا اندیشہ ہو کہ مسجد میں ان کا تعاون کرنا اپنے تیوہار یا مذہبی مقامات کے لئے حصول چندہ کا پیش خیمہ ہوگا وہاں مسجد یا مدرسہ میں غیر مسلم کی اعانت کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔

ھ: افطار پارٹی یا عید مبارک تقریبات جو غیر مسلموں کی طرف سے منعقد کی جاتی ہیں ان میں شریک نہیں ہونا چاہئے، اسلامی شعار کے وقار اور اہمیت پر آنچ آتی ہے، اور ان کا خاصہ جو تعبد و عبودیت ہے اس کے حصول یا للّٰہیت میں فرق پڑ سکتا ہے، اس لئے:

الف: مسلمانوں کو ایسی تقریبات میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

ب: چونکہ غیر مسلموں کے تیوہار غیر اللہ کی عبادت کو متضمن ہوتے ہیں، اس لئے اس کی مبارکباد دینا یا ان کی تقریبات و میلوں میں شریک ہونا جائز نہیں، اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور تعاون علی الاثم ہوگا۔

۳- کسی مسلمان کے نزدیک اس کی زندگی کے شب و روز اسلامی دستور و شریعت کے مطابق گزر جانا ہی حقیقی مسلمان ہونا ہے، اس کی زندگی کا کوئی بھی حصہ اور لمحہ شریعت سے ہٹ کر یا اسلامی عقائد و قوانین سے معارض کسی امر کو اپنا کر گزارنا نہ گوارا ہے اور نہ ہی اسلامی شان کے مناسب، اور ایسا اس لئے ہے کہ اسلامی تعلیمات و قوانین انسانی زندگی کے تمام پہلو اور ضروریات کو جامع

Marfat.com

اور شامل ہیں، اس لئے اگر کوئی امر خلاف شریعت پیش آتا ہے تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ حتی الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرے، بلکہ اسے مٹانے اور ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر غیر اسلامی حکومت کی طرف سے ایسی کوئی مجبوری آتی ہے تو جمہوری حدود و قوانین میں رہتے ہوئے اس کی مخالفت کرے اور قانونی چارہ جوئی کرے، اور حتی الوسع اس کے امتثال میں غیر شرعی طریقے سے اجتناب کرے۔

الف- جھنڈے کی سلامی ایک سیاسی امر ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک سیاست دین سے الگ نہیں، اس لئے اس موقع پر غیر شرعی طریقہ (بیجا تعظیم واحترام کہ ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر انتہائی خشوع و خضوع کی صورت اختیار کی جائے) سے بچتے ہوئے، فتنہ کے ڈر سے بادل ناخواستہ اسے انجام دیا جائے، عام طور پر جھنڈے کی سلامی کے وقت جو صورت اختیار کی جاتی ہے یعنی غایت تعظیم کی صورت، اسے ناجائز ہونا چاہئے۔

ب: ایسے ترانے جو شرکیہ مضمون پر مشتمل ہوں کسی مسلمان کا پڑھنا جائز نہیں ہوگا، اضطرار اور جبر کی صورت مستثنیٰ ہے۔

ج: مسلمانوں کو اپنے مسائل اپنی شرعی پنچایتوں میں حل کرنا چاہئے، اور غیر شرعی عدالتوں میں جانے سے گریز کرنا چاہئے، کتاب اللہ اور سنت رسول کو حکم بنانے کے بجائے کسی غیر کو حکم اور فیصل بنانا کسی مسلمان کی شان نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے: **"فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم"** (سورۂ نساء، ۶۵)، اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ ہم جہاں اپنا معاملہ فیصلے کے لئے لے جا رہے ہیں وہاں غیر شرعی اور غیر اسلامی صورت اختیار کی جائے گی اپنا معاملہ اس عدالت میں لے جانا درست نہیں، اور فریقین حق و ناحق سے اکثر واقف ہوتے ہیں کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر، اس لئے فیصلہ خواہ غیر شرعی عدالت کا ہو یا شرعی اور اسلامی عدالت کا، بظاہر گواہ اور قوت

Marfat.com

استدلال کے ذریعہ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے جو ناحق پر ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں ناحق پر ہوں تو حاکم کے فیصلہ سے وہ چیز اس کے لئے حلال اور جائز نہیں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**انما أنا بشر وإنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم أن يكون الحن بحجته من بعض فأقضى له على نحوما أسمع منه فمن قضيت له من حق أخيه بشئ فلا يأخذ منه شيئا فإنما أقطع له قطعة من النار**" (سنن ابوداؤد حدیث ۳۵۸۳، ۳/۳۰۱)۔

"**فلا يأخذ منه شيئا**" نہی ہے، اور اس کے ساتھ وعید "**فانما اقطع له قطعة من النار**" بھی موجود ہے۔ یہ مقضی لہ کے لئے خاص ہدایت ہے۔

اور رہا معاملہ قاضی یا شرعی پنچایت یا عدالت کے نفاذ کا تو بعض امور میں ظاہراً و باطناً اور بعض امور میں صرف ظاہراً نافذ ہوگا۔

۴ - الف: اسلامی نقطہ نظر سے انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی امر دین و شریعت سے الگ اور خارج نہیں ہے، اسلامی تہذیب و ثقافت اپنی ایک شناخت اور پہچان رکھتی ہے، جس میں توحید خالص، ایمان بالآخرۃ وغیرہ امور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور یہ بھی بنیادی عقیدہ ہے کہ شریعت محمدی کے آجانے کے بعد پچھلی تمام شرائع منسوخ اور ناقابل عمل ہو چکی ہیں، اس لئے یہ کہنا کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے ایک پرفریب کلمہ ہے، اسلامی راستہ کے علاوہ تمام راستے مخدوش ہو چکے ہیں اور وہ منزل تک پہنچانے کے بجائے آگے کسی کھائی میں گرادیں گے۔

آج کل اسلام دشمن عناصر خاص کر یہودیوں کی سازش سے ثقافتی وحدت اور عولمہ کی کوشش زوروں پر ہے، مگر وہ اسلام جو خالص توحید کا داعی ہے مشرکانہ تہذیب و ثقافت میں کیونکر ضم ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

ب: اسلام نے ظلم کو کبھی بھی گوارا نہیں کیا، اور بلا تفریق مذہب وملت اور بلا امتیاز نسل و رنگ وہ ظلم کو ناپسند کرتا ہے، اور حتی الامکان مظلوم کی اعانت وتحفظ اور ظالم کو باز رکھنے کا حکم دیتا ہے۔"انصر أخاک ظالماً کان أو مظلوماً"اس لئے ایسے مظلومین کی اعانت مناسب طریقے سے حتی المقدور کی جائے گی۔

ج: ایسے ادارے جو خدمت خلق کے لئے قائم کئے جائیں ظاہر ہے مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچانا مقدم ہوگا لیکن غیر مسلموں کو اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا، اسلام نے خدمت خلق کے ساتھ حسن خلق کی بھی تعلیم دی ہے۔

د: گرچہ فرقہ پرست عناصران نازک حالات میں بھی اپنی فطرت سے باز نہیں آتے اور مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتتے ہیں لیکن مسلمانوں کی ریلیف کمیٹیاں ایسے مواقع پر امتیازی سلوک کر کے اپنی شناخت نہیں کھوئیں گی، مسلم تنظیمیں غیر مسلم آفت زدگان کے ساتھ بھی انسانی سلوک کریں گی۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں انتخابات کے موقع پر مسلمانوں کا طرز عمل

سید امیر حسین گیلانی
جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان

ا-الف: ووٹ اس حدیث مبارکہ "من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ" (رواہ المسلم والترمذی وابن ماجہ) کی رو سے دینا چاہئے اور الیکشن میں حصہ لینا چاہئے، اس لئے کہ جہاں منکرات کے سدباب کے اور اسباب ہیں وہاں ووٹ بھی ایک مؤثر سبب ہے، اس لئے اس میں حصہ لینا چاہئے تا کہ قانون ساز ادارہ میں پہنچ کر اپنا کردار ادا کرسکے، ورنہ اپوزیشن بھی بڑی مؤثر قوت ہوتی ہے تو اس میں رہتے ہوئے اپنا مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے۔

دوسری وجہ، حدیث مبارکہ میں ہے کہ ظالم اور مظلوم کی مدد کرو! اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا اس کی مدد ہے (مسلم ۲/ ۳۲۰)، اس لئے الیکشن میں ہر ممکن کردار ادا کرنا چاہئے۔

ب: قوم میں جا کر اور علاقے میں رہ کر مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے، اس لئے اسے واجب قرار دیا جاسکتا ہے، ورنہ انہیں احکام کیسے بتائے گا اور انہیں اسلام کے خلاف اقدام کرنے سے کیسے روکے گا؟

اور بخاری شریف کی حدیث میں بحری جہاز کی مثال آئی ہے کہ جس کے نچلے حصے والے پانی کے حصول کے لئے اپنے نیچے والے حصے میں سوراخ نکال لیں تو اوپر نیچے سب کے سب غرق ہوجائیں گے (رواہ البخاری والترمذی)، اس لئے انتخابات میں شمولیت کو واجب قرار دیا

Marfat.com

جا سکتا ہے تاکہ مخالفین اسلام کو انکے اقدام سے روکا جاسکے۔

ج: آیت مبارکہ "وإن جنحوا للسلم فاجنح لها" (سورہ انفال:۶۰) اور اس طرح جو معاہدہ نبی آخر الزماں ﷺ نے مدینہ منورہ میں ملکی مفاد پیش نظر کیا تھا باوجودیکہ مسلمان غالب تھے، تو اس سے کسی حد تک وجہ جواز بن سکتی ہے، وہ ذاتی اعتبار سے اچھے لوگ جماعت کے سرکردہ افراد کو اسلام کے خلاف اقدام کرنے سے روک سکیں (سیرت ابن ہشام)۔

(ج) کا جواب وہی ہے جو (ب) کا ہے کہ ان کو ووٹ دے کر انہیں جماعتی پالیسی میں کسی حد تک رکاوٹ کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے، کہ وہ لوگ مسلمان ووٹروں کے ذریعہ کامیاب ہو کر اپنے ووٹروں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھیں گے، اور جماعت کے ذمہ داران کو اسلام کے خلاف اقدام کرنے سے روک سکیں گے۔

د: ملی مفادات کے پیش نظر شرکت اور حمایت کی جاسکتی ہے اور اس کی حیثیت ایک عہد اور وعدے کی ہے۔

ھ: غیر مسلموں کے تعاون سے ایسی تنظیمیں جن میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا مشترکہ مفاد ہو، تو اس صورت میں جائز ہوگا، جب مسلمانوں کا غلبہ ہو، امام محمدؒ نے "سیر کبیر" میں فرمایا:

"ولا بأس بأن يستعين المسلمون بأهل الشرك على أهل الشرك إذا كان حكم الإسلام هو الظاهر عليهم" (شرح کبیر ۸۶/۳ بحوالہ جواہر الفقہ ۲/۲۰۸)۔

حاصل یہ کہ اگر مسلمان کثیر ہیں تو پھر انہیں محکوم ہونا جائز نہیں ہے، درج بالا آیت اور دیگر آیات واحادیث مبارکہ سیاسی میل وجول وغیرہ کو منع کرتی ہیں۔ اور اگر مسلمان قلیل ہیں اور سیاسی لحاظ سے کمزور ہیں تو عذر مجبوری ہے۔

۲-الف: دین اسلام غیر مسلموں میں پھیلانے کے لئے ہے، اس لئے پختہ اور مضبوط مسلمانوں کو مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا چاہئے تاکہ اپنی مضبوطی اور پختگی کی وجہ سے اپنے

Marfat.com

حسن واخلاق سے ان کو متاثر کر سکیں۔ اور کمزور مسلمانوں کو علاحدہ رہنا چاہئے تاکہ ان کا اثر قبول کرنے سے بچ سکیں۔

ب: اخلاقاً بھی پڑوسی اور محلہ داری کی وجہ سے غیر مسلموں کی غمی میں شریک ہو سکتے ہیں لیکن ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

غیر مسلم کے لئے ایصال ثواب، دعاء، مغفرت وغیرہ بھی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ قرآن مجید میں ممانعت ہے: "ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى" (سورۂ توبہ/ ۱۱۲)۔

ج: کھانے پینے کے بارے میں یہ ہے کہ اگر ظاہری طور پر کوئی پلید چیز و ناپاک شئی اس میں نہ پڑی ہو تو کھانے کی اجازت ہے۔

د: مساجد کے لئے اگر غیر مسلم خوشی سے تعاون کرتے ہیں اور ان سے نقصان کا بھی اندیشہ نہ ہو تو کفایت المفتی اور فتاوی دار العلوم دیوبند میں جواز کا فتوی ہے، البتہ ان کی عبادت گاہوں کے لئے مالی تعاون دینا جائز نہیں ہے۔

ھ-الف: شریک ہونا جائز ہے۔ "وإذا رأيت الذين يخوضون فى آياتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره" (سورۂ انعام/ ۶۷)۔

اس آیت مبارکہ سے شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ب: غیر مسلم بھائیوں کے تہواروں کی مبارک باد دے سکتے ہیں، یہ ملکی و اخلاقی رواج ہے۔

۳-الف: جھنڈے کا احترام ایک رواجی حیثیت سے ہے کہ یہ ملک کی علامت اور ایک وقار سمجھا جاتا ہے جیسے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا تو کفار نے حملہ کر کے جھنڈے والا ہاتھ کاٹ دیا، اسی طرح دوسرا ہاتھ، بالآخر وہ شہید ہو گئے تو جھنڈا دوسرے صحابی نے

Marfat.com

تھام لیا، گرنے نہیں دیا (الاصابہ فی تمیز الصحابہ) اس واقعہ سے جھنڈے کا احترام معلوم ہوتا ہے، باقی جھنڈے کو سلامی دینا یہ بھی اپنے اپنے ملکوں کے احترام کا طریقہ ہے اور یہ بھی ایک رواجی اور رسمی سلامی ہوتی ہے ملکی وقار کے مدنظر ہوتا ہے، اس لئے خلاف شرع نہیں ہے۔

ب: ترانہ تو جیسی حکومت ہوگی ویسا ہی ترانہ ہوگا، عوام مجبور ہوتی ہے، یعنی غیر مسلم حکومت میں مسلمان ترانہ نہیں بدل سکتے، اس لئے مسلمان مجبور ہیں۔

البتہ مسلمان یہ ترانہ پڑھنے سے حتی الامکان اجتناب کریں۔

ج: قانون شہادت یا عائلی قوانین میں مسلمانوں میں تبدیلی کی قوت ہے تو فبہا، اگر تبدیلی کی طاقت نہیں تو پھر وہ معذور ہیں، اس لئے ایسی صورت میں مقامی علماء کرام اور دارالافتاء میں اپنے مسائل پیش کرنے چاہئیں۔ باقی اگر معاملات میں دونوں فریق مسلمان ہیں ان میں سے کسی نے اپنے حق میں ناجائز فیصلہ کروالیا تو اس سے استفادہ تو کرسکتا ہے لیکن واجب الرد ہے۔

حدیث رسول ہے: ”ایک فریق نے چرب لسانی سے اپنے حق میں فیصلہ کروالیا تو فرمایا کہ جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا گیا“ (مشکوۃ ر ۳۲۷)، اس لئے لوٹانا واجب ہے۔

۴- الف: مسلمانوں کا تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی علاحدہ تشخص ہے اور ہر معاملہ میں مذہب اسلام کی راہنما ہدایات ہیں، اس لئے مذہب کو عملی زندگی سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اور دوسری بات ہے کہ سب راستوں کی منزل ایک ہے یہ بھی کسی درجہ میں قابل قبول نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس سے تو پھر نبی آخرالزماں ﷺ کی حیثیت بالکل ختم ہوجاتی ہے کہ مسلم وغیر مسلم کی جب منزل ایک ہی ہے تو پھر اشاعت اسلام کے سلسلہ میں اتنی تکالیف، مصائب اور شہادتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور قرآن مجید میں ہے: ”إن الدين عند الله الإسلام“ (سورۂ آل عمران ر ۱۷)، اور دوسری جگہ ہے: ”ليظهره على الدين كله“ (سورۂ توبہ ر ۳۳)۔

Marfat.com

کہ اب صرف اور صرف اسلام ہی نجات و منزل کا واحد راستہ ہے۔

ب: اسلام ہی ایک دین رحمت ہے، اس لئے بطور انسانی ہمدردی ان سے تعاون کرنا چاہئے، کفار مکہ نے نبی آخرالزماں ﷺ کو مکہ سے نکال دیا تو اہل مکہ پر بھوک و قحط کا عذاب آیا تو نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کے لئے پانچ سو اشرفی ابوسفیان کے ہاتھ بھیجی کہ انہیں اہل مکہ میں تقسیم کر دینا (شرح سیر کبیر ۱/۶۹ بحوالہ جواہر الفقہ ۲/۱۸۱)۔

ج: مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں سے خیر خواہی اور ہمدردی کریں۔

حدیث مبارکہ میں ہے: "خیر الناس من ینفع الناس" (الجامع الصغیر للسیوطی ۲/۹، کشف الخفا للعجلونی) (تم میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے)۔

اس لئے حالات کے مطابق جو طریقہ زیادہ مناسب ہو مثلاً ہسپتال، اسکول، رفاہی ادارے وغیرہ کی صورت میں ذرائع اختیار کرنا چاہئے، اور ان اداروں کو بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت و اعانت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے۔

د: جیسے "ج" کے جواب میں گذرا کہ حدیث مبارکہ: "خیر الناس من ینفع الناس" کے تحت برادران وطن کے ساتھ انسانی ہمدردی ہونی چاہئے اور اس کے حالات کے تحت جو مناسب طریقے ہوں ان کے ذریعے خیر خواہی کرنی چاہئے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مفتی ذاکر حسن نعمانی
جامعہ عثمانیہ، پشاور (پاکستان)

دنیا میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں ہر زمان، ہر مکان اور ہر حالت کے احکامات موجود ہیں، ان احکامات تک رسائی انفرادی یا اجتماعی اجتہادات کے ذریعہ ہوتی ہے، اس مبارک سعی کے لئے اللہ تعالی ہر دور میں اہل اور متدین لوگوں کو پیدا کر دیتے ہیں۔

سیاست اور الیکشن:

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس وقت دنیا میں موجودہ نظام سیاست کا کلمہ طیبہ جمہوریت ہے، جس کے مفاسد اور نقائص بے شمار ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میدان سیاست کو اس گندگی کی وجہ سے ترک کر دیا جائے بلکہ دیگر میدانوں کی طرح اس شعبہ کی صفائی بھی امت مسلمہ کا فریضہ ہے، شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: "**ومن سیرتھم أن لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتھذیب النفس والسیاسۃ الملیۃ**" یعنی انبیاء کرام کی سیرت میں تہذیب نفس اور سیاست ملیہ داخل ہے، اس لئے ملی سیاست کو برقرار رکھنا انبیاء کرام کی سیرت ہے۔

۱-(الف، ب) غیر مسلم ممالک میں الیکشن اور اس میں مسلمانوں کا حصہ لینا:

چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کی ہر مکان، ہر زمان اور ہر حالت میں

Marfat.com

بالواسطہ یا بلا واسطہ، انفرادی یا اجتماعی طور پر حتی المقدور ذمہ داری ہے، کیونکہ مسلمان اپنے اور دوسرے مسلمان بھائی کے مکمل اسلام کا ذمہ دار ہے یعنی ایمان واعمال کی حفاظت، غیر مسلم ممالک کے الیکشن میں مسلمان امیدوار اپنی ذمہ داری بلا واسطہ پوری کرتا ہے بشرطیکہ امیدوار اہل اور دیانتدار ہو، اس مسلمان کو ووٹ دینے والا اپنی ذمہ داری بالواسطہ پوری کرتا ہے، انتخابی مہم چلانے والے بھی اپنی ذمہ داریاں بالواسطہ پوری کرتے ہیں، اور یہ افراد مل کر اجتماعی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اس تفصیل کے ساتھ ووٹ کی شرعی حیثیت بھی معلوم ہوگئی۔ اس کے استعمال کا وجوب بھی واضح ہوگیا۔

ج- مخالف اسلام پارٹی کو ووٹ دینا یا اس میں شمولیت:

ہر پارٹی کا الگ تشخص اس کے اپنے منشور کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر منشور غیر اسلامی ہے تو ایسی پارٹی کو ووٹ دینا یا اس میں شامل ہونا گناہ ہے، اس لئے کہ ایک تو مسلمان اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا اور دوسری طرف گناہ میں تعاون کر رہا ہے، اگر کسی غیر اسلامی پارٹی کا امیدوار ذاتی طور پر نیک انسان ہو اس کو بھی ووٹ نہ دیا جائے، اس لئے کہ اگر وہ نیک ممبر کامیاب ہو جائے تو اپنی پارٹی کی پالیسی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔

د- غیر مسلم سیاسی پارٹی کے ساتھ اشتراک:

اگر اسلامی اقدار اور ملی مفادات کا تحفظ یا فروغ ممکن ہو تو غیر مسلم سیاسی پارٹی کے ساتھ معاہدہ یا اشتراک یا ان کی پارٹی یا کسی امیدوار کو ووٹ دینا صحیح ہے، فقہاء کرام کا قاعدہ ہے: **"الأمور بمقاصدھا"** بظاہر یہ معاہدہ اور شرکت صحیح نہیں لیکن اعلیٰ مقصد کے اعتبار سے صحیح ہے۔

Marfat.com

۲-الف- غیر مسلموں کے ساتھ سماجی قربت:

اصل تو یہی ہے کہ مسلمانوں کا الگ جغرافیائی اور نظریاتی وطن ہوتا کہ تمام اسلامی اقدار پر مکمل آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہوں اور اغیار کے اثرات سے محفوظ رہیں۔ ہاں اگر غیر مسلم دارالاسلام میں ذمی بن کر رہیں تو جائز ہے، اس لئے کہ دارالاسلام میں اسلامی فکر وتہذیب کا غلبہ ہوتا ہے، یا کوئی کافر مستأمن (ویزا والا) بن کر محدود عرصہ کے لئے اسلامی ملک میں رہائش پذیر ہو تو جائز ہے، اگر مسلمانوں کی اقلیت مجبوراً اور مقہوراً کفار کے سماج اور دارالحرب میں پھنس جائے تو ان پر دو باتیں لازم ہیں: اسلامی اقدار کا انفرادی اور اجتماعی تحفظ، دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا۔ اگر کوئی مسلمان مجبوراً مثلاً معیشت، علاج یا تعلیم کی وجہ سے غیر مسلم سماج میں رہ رہا ہے تو وہ بھی اسلامی اقدار کی حفاظت کرے گا اور حتی الوسع دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو جاری رکھے گا، اگر مسلمان اس طرح ایمان وعمل صالح کے اسلحہ سے لیس رہیں تو کافی حد تک غیر مسلم سماج کے اثرات سے محفوظ رہیں گے۔

بلا مجبوری اور شدید ضرورت کے بغیر غیر مسلم سماج میں صرف ھل من مزید کی ہوس کے ساتھ رہائش بڑی خطرناک بات ہے۔

ارشاد نبوی ہے: ''من جامع المشرک وسکن معه فإنه مثله'' (ابوداؤد) (یعنی جو مشرک کی موافقت اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے تو وہ اس جیسا ہے)۔

ارشاد ہے: ''اپنی اولاد کو مشرکین کے درمیان مت چھوڑو''۔ خاص کر اس مادہ پرستی اور سیکولر کے دور میں، کیونکہ کفری تہذیب کے اثرات سے جلد متاثر ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی سوچ مسلم ممالک میں بھی سیکولر بن رہی ہے، غیر مسلم ممالک چونکہ ترقی یافتہ ہیں اس لئے لوگ تعلیم، علاج، ملازمت اور تفریح کی خاطر ان ممالک کا رخ کرتے ہیں، ایمان اور اعمال صالحہ کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے اس لئے حتی الوسع غیر مسلم سماج سے اجتناب ضروری ہے۔

Marfat.com

ب- کافر کی تعزیت:

کافر کی تعزیت صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے: "وإذا مات الكافر قال لوالده أو قريبه في تعزيته أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك أى أصلحك بالإسلام ورزقك ولدا مسلما" (۵/۳۴۸) (جب کافر مر جائے تو اس کے باپ یا کسی قریبی رشتہ دار کو کہے: اللہ تعالی تجھے اس سے بہتر بدل عطا فرمائے اور تجھے اسلام کے ساتھ سنوار دے اور تجھے مسلمان بچہ عطا کر دے)۔

غیر مسلم کے لئے ایصال ثواب:

کافر کے لئے ایصال ثواب صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں جتنی آیات میں کسی مردہ کے لئے دعا مذکور ہے تو وہاں میت کا ایمان ضروری ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين" (مردوں کی زیارت اور ان کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں اگر وہ مومن ہوں) (بدائع الصنائع ۱/ ۳۲۰)۔

دعا کے علاوہ کسی عمل کا ثواب پہنچانے کے لئے میت میں ایمان شرط ہے، علامہ زمخشری فرماتے ہیں: "إن سعي غيره لما لم ينفعه إلا مبنيا على سعي نفسه وهو أن يكون مؤمنا صالحا" (غیر کی سعی کا نفع موقوف ہے اپنی سعی پر اور وہ یہ ہے کہ میت خود صالح مومن ہو) (الکشاف ۴/ ۴۲۸)۔

ج- کفار کے ہدایا قبول کرنا:

عالمگیری میں ہے کہ کافر سے ہدیہ قبول کرنے کے بارے میں متضاد روایتیں ہیں: ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول کرنا جائز ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

قبول نہ کرے۔ تطبیق یہ ہے کہ ایسے کافر سے ہدیہ قبول نہیں کیا جس کا گمان تھا کہ حضور ﷺ مال کی خاطر لڑتے ہیں۔ دین کے اعزاز کے لئے نہیں۔ اور ایسے کافر کا ہدیہ قبول کیا ہے جس کا گمان تھا کہ آپ ﷺ دین کو معزز کرنے کی خاطر لڑتے ہیں، مال کے لئے نہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی یہی حکم ہے، اسی طرح اس کافر کا ہدیہ قبول نہ کرے جس کی وجہ سے دین کی پختگی، عزت، اور وقار کو دھچکا لگتا ہو یا ہدیہ کی وجہ سے اس کافر کے لئے نرم گوشہ اختیار کرلے، اگر مذکورہ نقصانات نہ ہوں تو کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں (۵/۳۴۷)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے حضور ﷺ کے کہنے پر اپنی مشرکہ والدہ سے تحفہ قبول کیا تھا۔ اگر کفار کی مٹھائی بتوں کے چڑھاوے کی ہے تو اس کا قبول کرنا حرام ہے کیونکہ اس کے ساتھ غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا گیا ہے۔

د- مسلمانوں اور کفار کا ایک دوسرے کے ساتھ مذہبی تعاون:

کفار اگر مسلمانوں کے مذہبی جلسوں میں چندہ دیں یا مساجد کی تعمیر میں حصہ لیں یا مدارس کا تعاون کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی اپنے دین کی مدد جس سے چاہے لے سکتا ہے اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ روکنا چاہئے۔ بیت اللہ کی تعمیر کفار قریش نے حلال چندہ کے ساتھ کی تھی۔ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ غیر مسلموں کو مذہبی لحاظ سے تقویت پہنچائیں، مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اسلام کو ہر زمان ہر مکان اور ہر حالت میں غالب رکھیں یہ غلبہ خواہ دلائل و براہین کا ہو یا پھر سلطنت وحکومت کے لحاظ سے۔

ھ- غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت:

غیر مسلموں کی تقریبات میں محض ظاہرداری کی بنا پر شرکت جائز ہے بشرطیکہ دیگر منکرات شرعیہ نہ ہوں، کیونکہ بعض جائز اور مباح امور بھی لغیرہ ناجائز بن جاتے ہیں، ان کی مذہبی

Marfat.com

تقریبات میں شرکت صحیح نہیں۔ اس طرح کی شرکت سے ان کے مذہب کو تقویت ملتی ہے۔

حدیث ہے:"من کثر سواد قوم فهو منهم"(جو کسی قوم کی جماعت کے تکثیر کا باعث بنے تو وہ اس قوم میں سے ہے) ہاں اگر دعوت وتبلیغ کی نیت سے شریک ہو تو جائز ہے۔

الف-ایک دوسرے کی مذہبی تیوہاروں میں شرکت:

مذہبی تقریبات میں مذہبی تقدس ملحوظ ہوتا ہے، کفار کا دین ان کے نزدیک مقدس ہے، اسلام جیسے دین کے ہوتے ہوئے کسی اور دین کی تعظیم قطعاً ناجائز ہے، ہاں تبلیغ کی نیت سے شرکت جائز ہے۔

ب-غیر مسلم کو مذہبی تیوہار پر مبارکباد دینا:

غیر مسلم کو ان کی مذہبی تیوہار پر مبارکباد دینا صحیح نہیں، کیونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبارکباد دینے والے مسلمان بھی غیر مسلم کے تیوہار پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے اور اس خوشی کے اظہار میں ان کے تیوہار کی عظمت اور تعظیم پنہاں ہے۔

۳-الف-جھنڈے کی سلامی:

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:"ومعظم شعائر الله أربعة: القرآن والكعبة والنبی ﷺ والصلاة"(چار بڑے شعائر ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز)، تفسیر قرطبی میں ہے:"فشعائر الله أعلام دينه لا سيما ما يتعلق بالمناسک......"(شعائر اللہ سے مراد دینی نشانیاں و علامات ہیں۔ خاص کر وہ جن کا تعلق احکام حج سے ہے) مثلاً صفا، مروہ، بُدن، جمار، مسجد حرام، رکن اور عرفہ، قومی اور اسلامی جھنڈا قوم وملت کی عظمت کا نشان تو ہے، اسی طرح قومی یا وطنی شعار بھی ہوسکتا ہے، لیکن جھنڈے کو دینی شعار کہنا قابل غور اور قابل تحقیق ہے،

Marfat.com

اگر جھنڈے کو دینی شعار مان بھی لیں تو اس کے متعلق کوئی مخصوص اور منصوص عمل کا پتہ نہیں چلتا، ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس کا سرنگوں ہونا قومی اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے، اس کی طرف سلامی محض ایک قومی رسم ہے، اور اگر سلامی کو ثواب سمجھا جائے تو پھر سرکاری سطح پر بدعت ہے۔

ب-مشرکانہ مضامین پر مشتمل قومی ترانہ پڑھنا:

قومی ترانہ کسی قوم اور ملک کی ملی سیاست، عقائد، مذہب اور وطن کی محبت اور نظریات کا ترجمان ہوتا ہے، مشرکانہ مضامین پر مشتمل قومی ترانہ پڑھنا اسلامی عقائد اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے، ایسا ترانہ بوقت ضرورت بطور حکایت پڑھنا درست ہے، لیکن بلاضرورت اس کی حقیقت کو جانتے ہوئے گاہے گاہے پڑھنا اندیشہ کفر ہے، اگرچہ پڑھنے والے کا اعتقاد اس کے مضامین کے برحق ہونے کا نہ ہو، کفریہ مضامین اور کفریہ جملوں کی نقل بطور حکایت جائز ہے، ''نقل کفر کفر نہ باشد''، ارشاد باری ہے: ''**قالوا اتخذ الله ولداً سبحانه، اتخذ الله ولداً**'' کفریہ جملہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو بطور حکایت نقل کیا ہے۔

۴-(الف) تمدنی وثقافتی وحدت:

مسلمانوں کا ساری دنیا سے الگ اور امتیازی کلچر اور ثقافت ہے جس کو اسلامی ثقافت کہتے ہیں، اس اسلامی تمدن اور ثقافت کے متعلق حضور ﷺ کی قولی اور فعلی تعلیمات موجود ہیں، خواہ وہ لباس و پوشاک سے متعلق ہوں یا کھانے پینے سے متعلق یا دیگر اسلامی شعائر سے متعلق، مسلمان اگر اپنی اسلامی ثقافت کو کسی غیر قوم کے کلچر میں مدغم کر دیں تو عملی زندگی سے اسلام ختم ہو کر رہ جائے گا، مسلمان اور کافر کا ظاہری امتیاز ختم ہو جائے گا۔ صحیح مسلم میں ہے: عبداللہ بن عمر بن العاص سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''**إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها**'' (یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس ان کو نہ پہنو)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**من تشبه**

Marfat.com

بقوم فھو منھم" (جس نے قوم کی مشابہت اختیار کی وہ شخص اس قوم میں شمار ہوگا)، مذہبی شعار میں مشابہت تو بہت خطرناک ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کو اسلامی تہذیب وتمدن سکھایا ہے، اس تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر دوسرے تمدن کو اختیار کرنا اسلام کے ساتھ بے وفائی ہے، اس بے وفائی کی وجہ مادہ پرستی ہے جو انسان کو سیکولرزم (دنیاویت پسندی) تک لے گئی ہے، جس کی وجہ سے مذہب کو اب ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں، ہر انسان کو جس طریقہ عبادت میں روحانی سکون اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اس کا مذہب ہے، باقی سب لوگ انسان ہیں، ایک تہذیب وتمدن اختیار کرلیں تاکہ تمام انسان آپس میں پیار ومحبت سے رہ سکیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کا پتہ نہ چلے کہ مسلمان ہے یا ہندو، یہودی ہے یا عیسائی، لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی اسلامی تہذیب وتمدن کو عملاً برقرار رکھیں۔

ب- غیر مسلم مظلوم کی مدد:

اسلام سراپا رحمت والا مذہب ہے، حدیث ہے: "ارحم من فی الأرض یرحمک من فی السماء" (تو زمین والوں پر رحم کر و آسمان والا تم پر رحم کرے گا)، مصیبت زدہ اور مظلوموں کی مدد عین اسلامی تعلیمات ہیں۔

ج- خدمت خلق:

دکھی انسانیت کی خدمت بلا تفریق مسلم وغیر مسلم بہت بڑی عبادت ہے، خدمت خلق کے رفاہی اداروں سے کفار بھی مستفید ہو سکتے ہیں، اس کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً اسپتال بنا کر ان کا علاج کرنا، متعدی امراض کے وقت ان کا تعاون زلزلہ اور سیلاب کی صورت میں ان کی مدد کرنا انفرادی طور پر یا کسی ادارہ کے توسط سے، البتہ اتنا خیال ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم سے کفار کا تعاون صحیح نہیں کیونکہ زکاۃ کا مستحق مسلمان ہے، نفلی صدقات سے ان کی مدد کی جا سکتی ہے، کفار سے صرف قلبی دوستی کی ممانعت ہے۔

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی
جامعہ خیر العلوم، بھوپال

۱- الف: جمہوری نظام میں ووٹ کی طاقت کے اعتبار سے ہی سیاسی وسماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین ہوتا ہے اور حقوق کی حفاظت ہوتی ہے، اگر مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ہو یا ایسے ارکان موجود ہوں جن کے انتخاب میں مسلم ووٹ اثر انداز رہا ہو تو ان کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کے قومی بلکہ مذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے، اگر مسلمان ایسے ممالک میں الیکشن سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں تو سیاسی اور قومی سطح پر ان کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی، بلکہ بعض حالات میں مذہبی حقوق سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔

ب- ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت، دوسری سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک وصالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی، اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۳)۔

ج- امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہونے والے کے لئے اس کام کی قابلیت اور امانت و دیانت شرط ہے، چنانچہ ''جواہر الفقہ'' میں ہے: کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لئے جو

Marfat.com

امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے، ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت و امانت داری سے اس کام کو انجام دے گا ،اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے (جواہر الفقہ ۲/۲۹۱)۔

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنیٰ میں قابل اور دیانتدار نہ معلوم ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء نے تجویز فرمایا ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴)۔

اسلام اور مسلمانوں کی مخالف سیاسی جماعت کا امیدوار دیگر امیدواروں کے مقابلہ میں ذاتی طور پر قابلیت امانت و دیانت سے زیادہ متصف ہو، یا اس کے ذریعہ ظلم کو کم کرنے کا امکان ہو تو اس کو بھی ووٹ دینا جائز ہے، دین و ایمان کی حفاظت کے ساتھ ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت ممکن ہو تو شریک ہو سکتے ہیں۔

د- ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کرنا اور ان میں شرکت کرنا یا ان کی حمایت کرنا درست ہے۔

کفایت المفتی میں ہے: جبکہ مسلمان کی قوت دشمن کے مقابلے اور مدافعت کے لئے کافی ہو تو بے شک مشرک سے امداد حاصل کرنا درست نہیں، لیکن جب ایک کافر قوت مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہو اور مسلمان کسی غیر مسلم طاقت سے اشتراک عمل کر کے اپنے آپ کو بچا سکتے ہوں تو ایسے وقت میں یہ حکم شرعی نہیں ہے (کہ اپنے آپ کو ہلاک اور برباد ہو جانے دو، مگر غیر مسلم سے

Marfat.com

اشتراک عمل کرکے اپنی جان نہ بچاؤ) (کفایت المفتی ۹/ ۳۲۴)۔

یہود کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔اور درمختار میں ہے کہ کافر سے حاجت کے وقت جنگ میں مدد لینا جائز ہے، اور آنحضرت ﷺ نے یہود کی ایک جماعت سے دوسری جماعت کے خلاف مدد لی، اس کے بعد یہ ذکر کیا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں تو کافر کی مدد لینے سے انکار فرمادیا تھا مگر اس کے بعد غزوہ خیبر میں یہود بنی قینقاع سے اور غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے مدد لی۔

تو غزوہ بدر میں استعانت سے انکار فرمانا یا تو اس لئے تھا کہ مدد لینا اور نہ لینا دونوں باتیں جائز تھیں اور اس صورت میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر وحنین کے واقعات نے اس حکم کو منسوخ کردیا، نیز ہندوستان کی موجودہ صورت میں تو شریعت مقدسہ کے دوسرے اصول سے کفار کے ساتھ اشتراک عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ "اذا ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" کا اصول ہے (کفایت المفتی ۹/ ۳۳۹)۔

حضور ﷺ نے مدینہ کے یہود ونصاریٰ کے ساتھ نیکیوں پر تعاون اور برائیوں کو دفع کرنے کا معاہدہ کیا ہے۔

ھ- انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف قائم کرنے اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کو روکنے کے لئے غیر مسلم بھائیون کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، اور ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے: مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گذارنا اور تجارت، زراعت، صنعت اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہوجاتا ہے، خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو، یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو۔ بہرحال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی

Marfat.com

احکام کے پابند رہیں اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت محفوظ رہے ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اس کا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہوں گے (کفایت المفتی ۹/۲۷۸، ۲۷۷)۔

۲-الف- حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "من جامع المشرک و سکن معه فإنه مثله" (جو شخص مشرک کے ساتھ موافقت کرے اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے وہ اسی کے مثل ہے) (ابوداؤد شریف کتاب الضحایا)۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "انا بری من کل مشرک یقیم بین أظهر المشرکین قالو یا رسول الله: لم؟ قال لا تراءی نارا هما" (میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرے، صحابہ نے سوال کیا یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام کی آگ اور کفر کی آگ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں)، تم یہ امتیاز نہیں کرسکو گے کہ یہ مسلمانوں کی آگ ہے یا مشرکین کی آگ ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف ملازمت کی غرض سے کسی مسلمان کا دار الحرب میں رہائش اختیار کرنا اور ان کی تعداد میں اضافہ کا سبب بننا ایسا فعل ہے جس سے اس کی عدالت مجروح ہوجاتی ہے (تکملہ رد المحتار ۱/۱۰۱)۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور اگر مخلوط آبادی میں رہنا پڑے تو غیر مسلموں کے غلبہ والے علاقوں میں نہیں رہنا چاہئے۔

ب- پڑوسی کافر بیمار ہو، اس کی عیادت کرنا تو ثابت ہے لیکن ارتھی پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں، اس سے بچنا لازم ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۴۵، جامع الفتاوی ۱/۵۰۴) ،کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ

Marfat.com

مستحق تعظیم نہیں (امداد المفتیین ۱۰۱۸/۲)۔

کافر کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت مفید اور جائز نہیں (کفایت المفتی ۹/۲۸۱)۔

ج- غیر اللہ پر چڑھایا ہوا چڑھاوا حرام ہے، غیر مسلموں کی شادی بیاہ کی تقریب میں شرکت مباح ہے، اسی طرح شادی بیاہ کی تقریبات میں دعوت کھانا یا ہدیہ قبول کرنا مباح ہے (کفایت المفتی ۹/۲۷۷)۔

ہندوؤں کے ہاتھ کی روٹی اور مٹھائی کھانا مباح ہے، ان کے مذہبی تہواروں کی تقریب میں ہدیہ لینا درست نہیں (کفایت المفتی ۹/۲۷۰، ۲۷۱)۔

د- مندر بنانے میں مسلمانوں کا حصہ لینا درست نہیں، ایسا معلوم ہو کہ یہ کام مروۃً کرنا پڑا ہے، تو تجدید ایمان وغیرہ کا فتوی نہیں دیا جائے گا، (فتاوی رحیمیہ ۴/۱۳)، اگر کسی نے ہندوؤں کے اس کام سے خوش ہو کر پسندیدگی کی راہ سے چندہ دیا، تو اس کے اسلام میں شبہ ہو گیا، اس کو احتیاطا تجدید اسلام واجب ہے، لیکن اگر پسندیدگی کی راہ سے شریک نہیں ہوا، بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے چندہ دیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوا، لیکن شرکت بھی گناہ سے خالی نہیں اور اب اس سے خلاصی کی سبیل توبہ اور انابت الی اللہ ہے (جامع الفتاوی ۱/۵۱۲)، مجبوری کی حالت میں ان کو پیسہ دے دے جو مانگنے آئے ہیں، یعنی ان ہی کی ملک کر دے پھر وہ جہاں چاہیں خرچ کریں یعنی ہولی وغیرہ کی نیت سے نہ دے (جامع الفتاوی ۱/۵۱۱)۔

اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، اس شرط سے (غیر مسلموں کا مسجد و مدرسہ کے لئے چندہ) قبول کر لینا جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۶۴)۔

ہنود کا روپیہ مسجد پر لگانا اس شرط سے جائز ہے کہ وہ روپیہ کا مالک مسلمانوں کو بنا دے

Marfat.com

اور پھر مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں لگائیں بطور وقف کے ان کا روپیہ مسجد میں نہیں لیا جاسکتا۔هذا هو حاصل ما فی وقف الذمی من الشامی وغیرہ (امداد المفتیین ۹۹۷، ۹۸۷)۔

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار واظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا (احسن الفتاوی ۶ر۴۴۰)۔

ھ- کبھی تو کسی کام میں شرکت اس لئے ہوتی ہے کہ شریک ہونے والے کے نزدیک اس کام کی عزت ووقعت بڑھے اور وہ بھی اس کام کے پسند کرنے والوں میں شمار ہو، یہ شرکت تو افعال کفر میں کفر اور افعال فسق میں فسق ہے، اور کبھی شرکت اس لئے ہوتی ہے کہ نفس فعل خواہ اس کے نزدیک گناہ اور عبث ہو مگر شریک ہونے والا اس کام کے کرنے والوں سے دوسرے وجوہ سے ملاپ رکھنا چاہتا ہے تو وہ ایسے کام میں شریک ہوجاتا ہے، حالانکہ اس کام کو غلط اور مہمل سمجھتا ہے تو ایسی شرکت اس کے لئے موجب کفر وفسق نہیں ہوتی، اب اگر اس کی مصلحت مقدم اور اعلی ہے تو شرکت مباح ہوجاتی ہے اور اگر یہ نہیں تو مکروہ رہتی ہے، ہندوؤں کے مذہبی میلوں میں مسلمان اس طرح شریک ہوں کہ ان کے کاموں کو مقدس سمجھیں ایسی شرکت غیر متصور ہے، ہاں ایسی شرکت کہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے اختلاف نہ ثابت ہو، دونوں ایک ملک کے رہنے والے ہیں ان کی باہمی لڑائی مضر ہے، تو بشرطیکہ ان کے کسی مذہبی فعل کی طرفداری یا تعظیم نہ کریں مباح ہے اور بعض صورتوں میں جبکہ شریک کا مقصد کوئی اعلی ہو تو اباحت سے بڑھ کر وہ مستحب بھی ہوسکتی ہے۔

فرقہ وارانہ یکجہتی، خیر سگالی اور رواداری کی نیت سے غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دی جاسکتی ہے۔

۳-الف: جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی ہے وہ

Marfat.com

ایک قومی عمل ہے، اس میں اصلاح ہو سکتی ہے مگر مطلقا اس کو مشرکانہ فعل قرار دینا صحیح نہیں (کفایت المفتی ۹/۳۳۸)۔

ب- وندے ماترم میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، ایسے مشرکانہ ترانے پڑھنا مسلمان کے لئے جائز نہیں (کفایت المفتی ۹/۳۳۶،۳۳۸)۔

ج- مسلمانوں کو جہاں تک ہو سکے دار القضا کی طرف رجوع کرنا چاہئے، فریقین میں سے کوئی عدالت جائے تو وہاں مسلم پرسنل لا کو واضح کرنا چاہئے، اس کے باوجود غلط فیصلہ ہو تو اس کی اپیل کی جا سکتی ہے۔

۴- الف: سیاسی طرز فکر سے قطع نظر مفاہمت بین المذاہب کا کھلا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ مذاہب کے معاملہ میں ہر گروہ اپنا موقف چھوڑ کر ایک نیا موقف قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے، اس قسم کی مفاہمت چونکہ مذہبی خودکشی کے مترادف ہے اس بنا پر کسی مذہب کا ماننے والا بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوتا، پھر ایک طرف مذہب کے ماننے والوں کا یہ دعوی کہ صرف ان کا مذہب صحیح ہے بقیہ سب غلط ہیں اور دوسری طرف مذاہب کی موجودہ شکل کے درمیان ''بعد المشرقین'' کا اختلاف کہ ایک کو ماننے کے بعد قطعی طور پر دوسرے کا انکار لازم آئے، یہ دونوں حدیں ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں مفاہمت بین المذاہب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، غالبا یہی وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے مختلف مذاہب بت پرستی، یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت وغیرہ موجود تھے، لیکن ان کے درمیان مفاہمت کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔

قرآن حکیم سب سے پہلی کتاب ہے جس نے مفاہمت بین المذاہب کی بنیاد رکھی اور اس راہ کی مشکلات کو درج ذیل طریقوں سے حل کیا۔

''**لا إکراہ في الدین**'' (دین میں زبردستی نہیں)، ''**فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر**'' (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے)۔

Marfat.com

"ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم" (سورہ انعام) (تم ان کو برا نہ کہو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے (پوجتے) ہیں، ورنہ وہ بے سمجھے بوجھے حد سے تجاوز کر کے اللہ کو برا کہنے لگیں گے)۔

"شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى أوحينا إليك وما وصينا به ابراهيم و موسى و عيسى ان أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه" (شوریٰ) (تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کی نوح کو وصیت کی اور جس کی وحی ہم نے آپ کو بھیجی اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ کو کی وہ یہ تھی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو)۔

یہ آیتیں سابقہ شریعتوں کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے بارے میں رواداری کا حکم دیتی ہیں، یعنی ہر امت کو ہم ایک شریعت (دستور العمل) دے چکے ہیں آپ کو بھی ہم نے ایک شریعت دی ہے، دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت کونسی شریعت بنیادی تعلیم سے ہم آہنگ اور قابل عمل ہے دراصل اسی میں سب کی آزمائش اور اسی میں کامیابی کا انحصار ہے۔

سابقہ شریعتوں میں تبدیلی کا ذکر دوسری آیتوں میں ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی شریعتوں میں تحریف ہوچکی، اس لئے وہ منسوخ کردی گئیں، اور اب دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہے یہی صراط مستقیم ہے۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اپنے دور عروج میں مختلف مذاہب کو جس قدر آزادی وسہولتیں دیں، موجودہ دور کی ترقی یافتہ سیکولر وغیر سیکولر حکومتیں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی ہیں، نیز ہر مذہب کو اپنی جگہ برقرار رکھ کر مفاہمت بین المذاہب کی جو راہ (وحدت دین) نکالی وہ موجودہ دور کی سیاسی راہ "وحدت ادیان" سے کہیں بلند اور قابل عمل ہے، موجودہ دور میں وحدت ادیان کے نام سے جو شکل نکالی گئی ہے وہ دراصل مذہب کے خلاف زبردست سازش اور

Marfat.com

چال ہے، مذہبی لحاظ سے اس کو قبول کرنا خود مذہب کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا ہے، اسلام اس کی موجودہ شکل کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں (اسلام اور جدید دور کے مسائل. مولانا تقی امینی)۔

ب۔ جن علاقوں میں غیر مسلموں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ظلم کا شکار بنائے ہوئے ہے، اور اس جگہ مسلمانوں کو اتنی استطاعت اور طاقت حاصل ہے کہ ان مظلوم طبقات کی مدد کرنے سے مسلمانوں کو ضرر لاحق نہیں ہوگا تو ان مظلوموں کا تعاون کرنا چاہئے۔

ج۔ عطیات اور رفاہ عام کے مد سے جو ہاسپٹل یا رفاہی ادارے قائم کئے جائیں ان اداروں سے بلاتفریق مذہب غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچانا چاہئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''تمام مخلوق اللہ کے کنبہ کی طرح ہے، اس کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اللہ کو محبوب ترین ہے'' (مشکوۃ ۲/۴۲۵)۔

د۔ قدرتی آفات جیسے زلزلہ، سیلاب یا متعدی امراض وغیرہ سے متاثر ہونے والے سبھی لوگوں کی مدد کرنا بہتر ہے، لیکن جن علاقوں میں فرقہ پرست عناصر مختلف طبقات کے درمیان تفریق کریں اس وقت مسلمانوں کے چندوں سے دی جانے والی ریلیف صرف ان غریب محتاج مسلمانوں کو ہی دینا فرض ہوگا جن کو دوسری تنظیموں نے محروم کردیا ہے، کیونکہ ان سے ہمارا دوہرا تعلق ہے ایک انسانی بھائی چارہ کا دوسری اسلامی اور ایمانی اخوت کا، حضور ﷺ نے فرمایا: ''تمام ایمان والے ایک انسان کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے، اور اگر سر میں تکلیف ہو تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے (رواہ مسلم مشکوۃ ۲/۴۲۲)۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا قاری ظفر الاسلام
(دارالعلوم مئو)

ا- الف: ووٹ ایک امانت ہے اس امانت کی ادائیگی ضروری ہے۔

ساری صورتیں جائز اور درست ہیں، مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے جواہر الفقہ میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: "قرآن و حدیث کی روشنی میں ووٹ کی چند حیثیتیں ہیں، ایک شہادت کی یعنی وہ شخص شہادت دیتا ہے کہ نمائندہ اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت بھی، اگر واقع میں وہ شخص ایسا نہیں ہے تو وہ جانتے ہوئے ووٹ دیتا ہے تو جھوٹی شہادت دیتا ہے اور آپ ﷺ نے جھوٹی شہادت کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار کیا ہے (مشکوۃ)۔ اور ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبائر میں شمار کیا ہے (بخاری ومسلم) دوسری حیثیت شفاعت اور سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے: "ومن یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب لهن ومن یشفع شفاعة سئیة یکن له کفل منها" (سورۂ نساء: ۸۵)، ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۱، ۲۹۲)، ووٹ نہ دینے کی صورت میں نیشنلٹی ختم ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

ب: چونکہ ان انتخابات سے مسلمانوں کے ملی و مذہبی مفادات متعلق ہیں اس لئے ووٹ دینا شرعاً واجب ہونا چاہئے، کیونکہ ملی و مذہبی مفادات کا تحفظ فرض ہے، مشہور مالکی فقیہ و اصولی

Marfat.com

امام شاطبی تحریر فرماتے ہیں: ''فالضروریات ھی الخمسة ۔ حفظ الدین والنسل وغیرہ''۔

ج: باوجودیکہ علاقی نمائندے نیک ہوں پھر بھی انہیں ووٹ دینا قطعاً درست نہیں ہے، کیونکہ اسے ووٹ دے کر اس پارٹی کو مضبوط بنانا ہوا جس نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا مشن بنالیا ہو، لہذا نہ تو اس پارٹی کو اور نہ ہی اس کے کسی نمائندے کو جو نیک خصلت اور ذاتی اعتبار سے ٹھیک ہو، ووٹ دینا درست ہے، اور پھر کیا یہ ضروری ہے کہ اس نمائندہ کے حالات کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی جیسے ہوں وہ تو پارٹی کے دستور کے مطابق کام کرے گا۔

د: انتخابات میں غیر مسلم سیاسی جماعتوں سے معاہدے اور ان میں شرکت مشروط طور پر نیز ان کے بائی لاز کو سامنے رکھ کر ہوسکتی ہے۔''إذا ابتلی ببلیتین فلیختر أیهما أهون'' کا مشہور اصولی قاعدہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

ھ: مسلمانوں کا غیر مسلم بھائیوں سے مل کر انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا اور اچھی باتوں کی ترویج اور بری باتوں سے روکنا جائز ہے، دلیل میں ''حلف الفضول'' کا واقعہ موجود ہے جس میں فضل نامی شخص نے عہد کر رکھا تھا کہ مظلوم کی حمایت اور نصرت کی جائے گی اور ان کی اتباع بنو ہاشم و نبی نے کیا اور اس مقصد سے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر اکٹھا ہوئے، عبداللہ بن جدعان نے سب کے لئے کھانا تیار کرایا اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت ونصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا دیسی یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کریں گے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی موجود تھا، اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدہ کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا (سیرت المصطفی ۱/۹۵،۹۴)۔ متن دستور نبوی

Marfat.com

کے ۲۵ ویں دستور میں ہے: ''بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک امت ہیں، یہودیوں کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین ہے یہی ضمانت ان کے موالی اور ان کے اپنے لئے ہے مگر اس شخص کے سوا جو کوئی غلط کام کرے، یا غداری کا کام کرے وہ صرف اپنے لئے مصیبت پیدا کرتا ہے اور اپنے خاندان کے لئے'' (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت از پروفیسر مظہر یسین ر ۱۴۴)۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بنوقینقاع کے یہود سے مدد لی تھی اور ان کو عطیہ بھی دیا تھا، واقدی کا بیان ہے کہ غزوہ خیبر میں آپ ﷺ کے ساتھ دس یہودی بھی تھے (نصب الرایہ) جب جنگ میں غیر مسلمین سے مدد لی جاسکتی ہے تو صورت مسئولہ میں بدرجہ اولی تعاون لیا جاسکتا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر حمید اللہ کے خطبات بھاولپور ر ۳۴۸)۔

۲ - الف: میرے ناقص علم اور مطالعہ میں غالبا یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ مسلمانوں کو غیر مسلمین کی آبادی سے الگ تھلگ رہنا چاہئے، صلح حدیبیہ کے بعد جب کفار کا علی الاعلان مدینہ آنا جانا ہوا اور انہوں نے اسلامی اقدار کا قریب سے مطالعہ کیا تو جوق درجوق اسلام لانے لگے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الگ بستی قائم نہ کریں اور حتی الوسع اپنے اخلاق کریمانہ واخوت انسانی سے ان کو متاثر کرتے رہیں۔

ب: سید جلال الدین عمری تحریر فرماتے ہیں: ''مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب کے جنازہ میں شرکت فرمائی تھی، کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، اسی طرح ابو وائل کہتے ہیں: میری ماں کا انتقال ہوا وہ نصرانیہ تھیں، میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: جب اس کا جنازہ روانہ ہو تو تم سواری پر آگے آگے چلو''۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے تقریبات میں شرکت اور مردہ گھاٹ پر جانے کی اضطراری صورت میں اجازت دی ہے، تحریر کرتے ہیں: ''اگر بغیر اس کے گذارہ نہ ہو، حالات

Marfat.com

سے مجبور ہیں تو کم سے کم شرکت کریں اور جن جن چیزوں سے بچ سکتے ہیں بچنے کی کوشش کرتے رہیں، اور توبہ واستغفار کرتے رہیں'' (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۷۲)۔ جب اضطراری صورت میں شرکت کرنے کے بعد بھی توبہ واستغفار کرنا ہے تو غیر مسلم میتوں پر قرآن خوانی کا جواز کیسے دیا جاسکتا ہے، اس لئے اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

ج: بدون چڑھائی ہوئی اور بچہ کی پیدائش وشادی کی چیزیں ومٹھائیاں تو لی جاسکتی ہیں مگر چڑھائی ہوئی مٹھائیاں جنہیں پرشاد کہتے ہیں لینے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، آج کل دیپاولی کے موقع سے ہندو پرچیاں لوگوں کو دیدیتے ہیں کہ اتنی مٹھائی فلاں حلوائی کے پاس سے لے لیں یہ درست ہے، احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور تحفے قبول کرنے کا ثبوت ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ایک روایت ہے: ''أن كسرى أهدى له فقبل وإن الملوك أهدوا إليه فقبل منهم'' (ترمذی ۱/ ۱۹۱)، اسی طرح ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس سے آپ ﷺ کے ہدیہ دینے کا ثبوت ملتا ہے، نیز مشرکین سے ہدیہ کے عدم قبول پر بھی روایتیں ملتی ہیں: ''عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك ورجال من أهل العلم أن عامر بن مالك الذي يدعى ملاعب الاسنه قدم على رسول الله ﷺ وهو مشرك فأهدى له فقال إني لا أقبل هدية مشرك'' (فتح الباری ۵/ ۱۴۴)، چونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کا مفاد اور غیر مسلمیں کی تالیف قلب ہدیہ قبول کرنے میں ہو تو اسے قبول کرنا چاہئے۔

د: اگر وہ نیک نیتی کے ساتھ پن ودان کا کام سمجھ کر چندہ وغیرہ دیں تو لیتے وقت ان سے کہہ دیا جائے کہ اس کے بدل ہم چندہ وغیرہ نہیں دیں گے، نیز ہمارا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا، دوسری چیز یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے چندہ لینے سے ہی انہیں بھی دینا پڑتا ہے، اس لئے ہم حتی الوسع خود لینے سے اجتناب کریں، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ خود لینے سے گریز کریں اور

Marfat.com

اگر کہیں لے رہے ہوں تو دھیرے دھیرے کمی کرتے جائیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ بند ہو جائے لیکن اگر کہیں مسلمان اتنے دبے کچلے ہوں کہ نہ لینے کے باوجود بھی انہیں دینا پڑے، نیز فساد فی الارض کا اندیشہ قوی ہو تو اضطراراً درست ہونا چاہئے، یا چندہ دیتے وقت یہ کہہ دیا کریں کہ اس رقم کا ہم نے آپ کو مالک بنا دیا۔

۵- (الف): ہندوں کے اکثر تہوار رام وکرشن سے متعلق ہیں، کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے رام وکرشن کو ہم پیغمبر نہیں مانتے، کیونکہ ان کا کردار قبل از تاریخ ہے اور ان کی تعلیمات پہ پردہ بھی پڑا ہوا ہے۔ اور "لکل قوم هاد" کے تحت ہم ان کا انکار بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ بھی امکان ہے کہ یہ لوگ اپنے زمانہ کے پیغمبر یا رشی منی رہے ہوں امتداد زمانہ ومرور ایام کے باعث ان کے ناموں میں غیر معمولی تغیر ہو گیا ہو جیسا کہ چند مثالوں سے ظاہر ہے ،اس لئے ان کے تہواروں میں شرکت سے جہاں تک ہو سکے گریز اور کلی اجتناب کرنا چاہئے، ورنہ "ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" کے تحت گناہگار ہوں گے۔

ب: مبارک باد دعا نہیں ہے، دعا کے لئے تو آشیرواد آتا ہے، پھر بھی اگر مبارک باد کی جگہ بدھائی کا لفظ استعمال کریں تو زیادہ موزوں ہوگا جیسے غیر مسلمین سے سلام کرتے وقت آداب کا استعمال کیا جاتا ہے، دوسری بات یہ کہ کوئی ہندو مسلمانوں سے مبارک باد کا مطالبہ تو نہیں کرتا، پھر بھی اگر ضرر یا تعلقات کی ناہمواری کا اندیشہ ہو تو بدھائی وغیرہ کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے، ویسے مطلقاً دعا دینے کا بھی ثبوت آپ ﷺ سے ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ ﷺ نے اسے دعا دی کہ اللہ تمہیں حسین وجمیل رکھے، چنانچہ مرتے وقت اس کے بال سیاہ تھے (مصنف ابن عبدالرزاق ۱۰/ ۳۹۲)۔

۳- الف: جب ذی روح کو جھک کر سلام کرنے کی ممانعت ہے تو غیر ذی روح کے لئے کس

Marfat.com

طرح اجازت ہوسکتی ہے، اس لئے جھنڈے کو سلامی دینے سے احتراز کریں، اگر ضرورت شدیدہ ہو جس سے حرج میں پڑ جانے کا یقین ہو تو دل میں اسے برا سمجھتے ہوئے اور جھنڈے کی تعظیم دل میں نہ لاتے ہوئے سلامی دی جاسکتی ہے۔

دوسری وجہ جواز کی یہ بھی ہے کہ جھنڈے کو سلامی دینا آئین ہند یا اس ملک کے قوانین و دستور سے وفاداری کی علامت ہے، اس کی بنیاد پر اس شہری کو جان و مال وعزت و آبرو کی حکومت کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے، اگر سلامی نہ دی جائے تو اس ملک کے آئین سے بغاوت کا دفعہ لگایا جاسکتا ہے، اس لئے مشقت شدیدہ کے تحت درست ہونا چاہئے۔

ب: شریعت اسلامیہ ایسے ترانوں کا جس میں کفریہ وشرکیہ باتیں ہوں بالکل اجازت نہیں دیتی، برادران وطن کو اس پر مجبور بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آئین ہند میں کچھ فنڈامینٹل حقوق ہیں جن کے اجزاء ہیں: رائیٹ آف ریلیجین (مذہبی حقوق)، رائیٹ آف فریڈم (حقوق آزادی)، رائیٹ آف ایفیولیٹی (حق مساوات) اور یہ حقوق ہر مذہب وملت کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔

ج: جس فریق کے حق میں عدلیہ نے ایسے فیصلے کئے ہیں جو شریعت اسلامیہ سے متصادم ہیں ایسے فیصلے سے استفادہ کی خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہرگز اجازت نہیں دینی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم**" (سورۂ نساء: ۶۵)، دوسری جگہ ہے: "**ومن لم یحکم بما أنزل الله فاولئک هم الظالمون**" (سورۂ مائدہ: ۴۵) دوسری آیت "**هم الفاسقون**" (۴۶) اور تیسری آیت "**الکافرون**" (۴۴) کی بھی ہے۔ ہاں اگر وہ مقدمہ مجتہد فیہ کے زمرہ میں آسکتا ہے تو استفادہ کی گنجائش ملنی چاہئے، بشرطیکہ اس کا فیصلہ شریعت حق کے معارض نہ ہو۔ اسلامی عدالت (۳۵۸،۳۵۹/۱) پر قاضی اول کے فیصلہ کو قاضی ثانی کے رد کرنے و نہ کرنے کی بابت تفصیلی طور پر موجود ہے جسے

Marfat.com

حضرت قاضی صاحبؒ نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے، حضرت موصوف کی اسی تحریر سے عام لوگوں کے استفادہ نہ کرنے و نہ کرنے کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

۴-الف: یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، وحدت ادیان و انضمام ملل کی کہیں سے کلیۃً کوئی بھی اجازت نہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "**قل یا ایھا الکافرون**" سے "**لکم دینکم ولی دین**" (سورہ کافرون) دوسری جگہ ارشاد ہے: "**ومن یبتغ غیر الإسلام دینا فلن یقبل منه**" (سورۂ آل عمران:۸۵) "**ألا لله الدین الخالص**" (زمر:۳) "**إن الدین عند الله الإسلام**" (آل عمران:۱۹) حضور اکرم ﷺ نے وعید کے طور پر ارشاد فرمایا: "**من تشبه بقوم فهو منهم**" آپ ﷺ نے فرمایا: "**خالفوا الیهود الخ**" جس مذہب میں اپنا تشخص اور امتیاز باقی رکھنے کی اور دوسرے ادیان وملل سے ممتاز رہنے کی تاکید قدم قدم پر موجود ہو وہ انضمام کی کب اجازت دے سکتا ہے۔

ب: مظلوم کے استحصال اور اس پر ہونے والے مظالم کا سد باب چاہے وہ کوئی مذہب و ملت رکھتا ہو انسانی برادری کی وجہ سے ضروری ہے۔ شیخ وہبہ زحیلی اسے انسانی حق قرار دیتے ہیں جس کی ادائیگی ضروری ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وہبۃ الزحیلی ۴/ ۱۴)۔

جلد ۶/ ۳۳ پر مصنف بن عبد الرزاق میں ہے: "**تجوز وصیة المسلم للنصرانی**" (نصرانی کے لئے مسلمان کی وصیت جائز ہے)، اسی طرح علامہ ابوعبید فرماتے ہیں: "**یرید أن الله تعالی قد حمد علی الطعام المشرکین**" (کتاب الاموال لابی عبید / ۵۴۳) (اللہ تعالی نے مشرکین کو کھانا کھلانے پر تعریف فرمائی ہے)، الحاصل جب غیر مسلم کو وصیت تک کیا جا سکتا ہے اور اطعام طعام پر ثواب ہے تو اس پر ہونے والے مظالم کا دفاع کرنے میں بھی ثواب ہوگا اور اس کی اجازت ہوگی۔

ج: جنگ بدر میں ستر قید کئے ہوئے کفار و مشرکین کو جن جن صحابہ کرام کے حوالہ کیا گیا تھا

Marfat.com

ان سے حسن سلوک کی آپ نے تاکید فرمائی تھی۔ الجار الجنب کی تفسیر میں علامہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں: "فالوصاة بالجار مامور بها مندوب إليها مسلما كان أو كافرا" (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۵/۱۸۴)، نیز تفسیر ابن جریر ۵/۵۱ پر تحریر ہے: "وأولى القولين في ذلك بالصواب قول من قال معنى الجنب في هذا الموضع الغريب البعيد مسلما كان أو مشركا يهوديا كان أو نصرانيا"۔

حضرت قتادہ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں کیا ان پر بھی انفاق کیا جا سکتا ہے، اس پر آیت "وما تنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقوا من خير يوف إليكم وأنتم لاتظلمون" نازل ہوئی (تفسیر ابن جریر ۵/۵۸۸)۔

مذکورہ تمام آیات قرآنیہ واحادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بلا تفریق مذہب وملت اس طرح کے ہاسپٹل سے سب کو حق انتفاع ملنا چاہئے، ہاں اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی ایذاء رسانی وضرر رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتا ہو اور دین واسلام کا پکا معاند اور دشمن ہو تو بندہ کے خیال میں ایسے مریضوں کو حق انتفاع نہیں ملنا چاہئے۔

د: راقم کی رائے یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ مسلمانوں سے امتیاز وتعصب سے کام لیں پھر بھی مسلمانوں کے فلاحی ورفاہی اداروں نیز ریلیف کا کام کرنے والی تنظیموں کو چاہئے کہ اس مصیبت اور نازک گھڑی میں ہر مذہب وملت کو جہاں تک ہو سکے امداد پہنچانے کی کوشش کریں، برادران وطن کی اس امداد سے امکان ہے کہ ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہو جیسا کہ ثمامہ بن اثال امیر نجد نے اسلام لانے کے بعد غلہ کی سپلائی مکہ کو بند کر دی تھی (جبکہ مکہ میں شدید قحط آیا ہوا تھا اور اہل مکہ بے حد متاثر تھے) چنانچہ اہل مکہ مدینہ کو ایک وفد بھیجتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ اے محترم ہمیشہ نیکی، مہربانی اور محبت کی تعلیم دیتے رہو، اب اپنے ہم وطنوں وہم شہریوں پر رحم کرو، چنانچہ

Marfat.com

آپ ﷺ ثمامہ کو ایک خط بھیجتے ہیں کہ غلہ کی بندش اٹھائی جائے اس کا مکہ والوں کے دل پر اثر ہونا چاہیے تھا اور یہی آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ ان کو اسلام کی طرف مائل کریں ،اس کے بعد صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ مدینہ سے پانچ سو اشرفیاں جو اس زمانہ کی ایک بڑی رقم تھی مکہ کے سردار ابوسفیان کو بھیجتے ہیں کہ غربا کی امداد کے لئے بھیج رہا ہوں (خطبات بھاولپور از ڈاکٹر حمید اللہ ۲۸۴،۲۸۵)، یہ تمام داد و دہش تو صرف تالیف قلب ہی کے لئے تھی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ فرقہ پرست عناصر اس طرح کے اقدام سے آئندہ احتیاط برتیں۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مولانا محمد ظفر عالم ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱- اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان اپنی کوتاہی اور اجتماعی قوت کی کمی کی وجہ سے بہت سی ان نعمتوں سے محروم ہو گئے جو ان کو ظہور اسلام کے بعد صدیوں تک حاصل رہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کی حکومتیں یکے بعد دیگرے نکلتی گئیں اور یورپ کے افکار و خیالات اور ان کا بنایا ہوا نظام حکومت آہستہ آہستہ دنیا کے ممالک میں داخل ہوتا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا کی زیادہ تر حکومتیں جمہوری طرز کی ہیں، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان پوری دنیا میں ایک معتد بہ تعداد میں موجود ہیں، اور بیشتر ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں، بہر حال جن جمہوری طرز کے ممالک میں مسلمان آباد ہیں، ان کے لئے جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل فقہ اسلامی کی روشنی میں ضروری ہے، ذیل میں سوالنامہ میں قائم کردہ سوالات کے جوابات درج کیے جا رہے ہیں۔

الف: جمہوری طرز کی حکومتوں میں مسلمانوں کے لئے اپنی دینی اور ملی حیثیتوں کو برقرار رکھنے اور اپنی تہذیب و تشخصات کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ممکن جدوجہد جاری رکھیں، انہیں جدوجہد اور کوششوں میں ایک کوشش الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی مفید اور امانت دار امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا ہے، میرے نزدیک دین و ملت، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی امتیازات اور تشخصات کی حفاظت کی خاطر الیکشن میں حصہ لینا اور قوم و ملت، انسانیت اور مسلمانوں کے حق میں مفید امیدوار کو ووٹ دینا اور اگر ضرورت ہو تو دیانتدار

Marfat.com

اور مفید امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہی نہیں واجب ہے، البتہ اس میں بذات خود امیدوار بننا ہر فرد کی اپنی صلاحیت وقوت اور حالات پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرا امیدوار بننا قوم وملت اور ملک ومعاشرہ کے لئے دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے تو اسے امیدوار بننے کا شرعاً حق حاصل ہے، لیکن اگر وہ خود یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے مقابلہ میں قوم وملت اور ملک وسماج نیز مسلمانوں کے حق میں دوسرا شخص زیادہ مفید ہے بلکہ اس کے امیدوار بننے سے مسلمانوں اور قوم وملت کا نقصان اور دوسرا غیر مفید شخص درمیان میں کامیاب ہوسکتا ہے تو پھر ایسی صورت میں امیدوار بننا شرعاً درست نہ ہوگا، اور اگر حالات ایسے ہوں کہ کوئی مفید شخص میدان میں نہ ہو اور کسی اچھے اور مفید فرد کے نہ ہونے کی وجہ سے قوم وملت اور مسلمانوں کا نقصان یقینی ہو اور اپنے بارے میں مفید بننے کا پورا یقین ہو تو ایسی صورت میں امیدوار بننا واجب اور ضروری ہے، غرضیکہ یہ حکم حالات پر مبنی ہے۔

ب- الیکشن سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی امور جب وابستہ ہوں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے کسی مفید اور دیانت دار شخص کے حق میں ووٹ دینا واجب ہے۔

ج- اسلام میں فرد کے مقابلہ میں جماعت کے مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے، ممکن ہے کہ اسلام اور مسلمان دشمن پارٹی کے بعض افراد نیک طبیعت ہوں اور ان سے بعض مسلمانوں کا انفرادی فائدہ بھی ہو، لیکن چونکہ پارٹی کا کوئی فرد پارٹی کی مجموعی اور بنیادی پالیسی سے علاحدہ کوئی پالیسی نہیں اختیار کرسکتا ہے اور اہم امور میں اس پارٹی کی پالیسی اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ہوگی جس سے مسلمانوں کا ملی اور مذہبی نقصان ہوگا، لہذا ایسی پارٹی کا کوئی امیدوار یا فرد خواہ جس قدر نیک نظر آئے اس کو ووٹ دینا یا اس پارٹی میں کسی مسلمان کا شامل ہونا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

د- ایسی سیاسی پارٹی جو مسلمانوں کے تئیں ہمدردی رکھتی ہو اور اس کی پالیسی میں

Marfat.com

مسلمانوں کے خلاف کوئی نظریہ نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کے بارے میں نرم رویہ ہو تو بلاشبہ ملی مفادات کے تحت ایسی پارٹی سے معاہدے، اس میں شرکت اور اس کی حمایت جائز ہوگی۔

۵- سماج میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے اگر غیر مسلموں کی ضرورت ہو اور غیر مسلموں میں انصاف اور امن پسند افراد موجود ہوں تو ان کے اشتراک سے کام کیا جا سکتا ہے اور تنظیمیں بھی قائم کی جا سکتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کی تنظیم اور تحریک ''حلف الفضول'' میں بعثت سے قبل بھی شرکت کی ہے اور بعثت کے بعد یہ فرمایا کہ اگر آج بھی مجھے اس طرف بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا **''ولو ادعی به فی الاسلام لأجبت''** (سیرت ابن ہشام ۱/۱۳۴)۔

۶- الف: غیر مسلم ممالک اور معاشرے جن میں غیر اسلامی تہذیب وتمدن کا غلبہ ہو، اگر غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان رہائش اختیار کریں تو اس کا امکان ضرور ہے کہ غیر مسلم بھائی مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور اسلامی اخلاق واقدار سے متاثر ہوں لیکن اس امکان سے کہیں زیادہ اس کا خدشہ رہتا ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کی تہذیب اور عادات ورسومات اختیار کرلیں، ظاہر بات ہے دوسرا پہلو زیادہ مضر اور خطرناک ہے، لہذا **''دفع المضرة أولی من جلب المنفعة''** کے تحت مسلمانوں کے لئے اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا اور رہائش اختیار کرنا بہتر ہے۔

اس سلسلے میں خود نبی کریم ﷺ سے صراحۃً منقول ہے: **''أنا بریء من کل مسلم أقام مع المشرکین لا ترا ءی نارا هما''** (مرقاۃ شرح مشکاۃ ۷/۱۱۵) (مجمع الزوائد ۵/۲۵۹) (میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ مقیم ہو ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آئے)۔

ان نبوی روایات وہدایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اپنی آبادیوں کے لئے ایسے خطے بنائیں جن میں مسلمانوں اور ان کی نسلوں کو اسلامی ماحول اور اسلامی تہذیب وثقافت مل سکے تو وہ غیر مسلموں کی غیر اسلامی تہذیب اور ان کے طرز رہائش اور

Marfat.com

ان کے افکار و خیالات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں، اس صورت میں مسلمانوں کے دینی مفادات کے ساتھ بعض حالات میں ان کی جان و مال، عزت و آبرو دینی مراکز اور عبادت گاہوں کی بھی حفاظت ہے۔

ب- غیر مسلم دوست یا پڑوسی کے یہاں کسی کا انتقال ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے ان کی تعزیت کرنا درست ہے، فقہاء نے تعزیت کے لئے مناسب کلمات بھی ذکر کئے ہیں:

"إذا مات الكافر قال لوالده أو قريبه في تعزيته أخلف الله عليك خيرا منه وأصلحك أي أصلحك بالإسلام ورزقك ولدا مسلما" (فتاوی ہندیہ ۵/۳۴۸)۔

لیکن ان کی میت کی آخری رسومات میں مسلمانوں کی شرکت درست نہیں اور نہ ہی قرآن پڑھ کر ان کے لئے ایصال ثواب کرنا درست ہے، اس سلسلہ میں قرآنی ہدایت بھی موجود ہے:"ولا تصل على أحد منهم مات أبدا ولا تقم على قبره إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (سورۂ توبہ/ ۸۴)۔

اس آیت میں غیر مسلموں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے، قبر پر کھڑا ہونا آخری رسوم میں شرکت کرنا ہے جس سے صراحۃً منع کیا گیا ہے، نماز جنازہ کا مقصود بھی مردہ کے لئے استغفار اور نجات کی دعا کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کے انتقال پر قران مجید کی تلاوت کا مقصد اس کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب ہی ہے اور آیت میں اس کی ممانعت ہے۔

فقہاء کرام لکھتے ہیں:"ولا يدعو للذمي بالمغفرة" (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۱۴) (یعنی ذمی کافر کے لئے دعا مغفرت نہیں کی جائے گی)۔

ج- غیر مسلموں کے پرشاد اور اس طرح کے مذہبی چڑھاوے کی چیزیں مسلمانوں کے

Marfat.com

لئے کھانا اور قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ "**ما ذبح علی النصب**" کے تحت ممنوع اور حرام ہیں، ہاں! قبول نہ کرنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچنے کے لئے بادل ناخواستہ اسے لے لیا جائے پھر بعد میں اسے ضائع کر دیا جائے۔

ج- مساجد و مدارس میں غیر مسلموں کا تعاون ایسی صورت میں قبول کرنا کہ ان کے تہواروں اور عبادت گاہوں میں بھی مسلمانوں کو تعاون کرنا پڑے، درست نہیں ہے۔

۵- الف: مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت کرنا درست نہیں ہے۔

ب- غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں ان کو مبارکبادی دینا مسلمانوں کے لئے درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے شرک اور غیر اسلامی رسومات کی تائید و تحسین ہوگی جو قطعاً جائز نہیں ہے۔

۶- الف: کسی ملک کے جھنڈے کو سلامی دینے کا مقصد اس کے احترام کا اظہار ہوا کرتا ہے، بلاشبہ یہ ایک لاحاصل احترام ہے، اگرچہ اس میں بندگی و عبادت مقصود نہیں پھر بھی اس طرح کی تکریم شریعت اسلامی کی روح کے خلاف ہے، اس لئے یہ کراہت سے خالی نہیں۔

ب- ایسے قومی ترانے جو مشرکانہ مضامین پر مشتمل ہوں جیسے ہندوستان مین وندے ماترم، بلاشبہ ان کا پڑھنا مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی عقائد اور اساسی فکر کے خلاف ہے۔

ج- اگر غیر اسلامی عدلیہ ایسے مقدمہ میں جس میں دونوں فریق مسلمان ہیں ایسے شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کر دے جو شرعاً معتبر نہیں ہیں تو جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۷- الف: اسلامی نقطۂ نظر سے یہ فکر صحیح نہیں کیونکہ اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت

Marfat.com

ادیان کا، "إن الدين عند الله الإسلام" (سورۂ آل عمران:۱۹)، دوسری آیت ہے: "ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه" (سورۂ آل عمران:۸۵)۔ غرض یہ کہ یہ فکر کہ تمام مذاہب کی حیثیت ایک ہی منزل تک جانے والے مختلف راستوں کی ہے شرعاً درست نہیں ہے اور اس کو کسی درجہ میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ اسلام مظلوموں کی مدد کی تاکید کرتا ہے، بلاشبہ ان کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنا مسلمانوں کا ایک اہم دینی فریضہ ہے، جس سے پہلو تہی اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جہاں ان کی مدد کی جا سکتی ہے اس کے باوجود مدد سے گریز کیا گیا تو بلاشبہ وہ عند اللہ جوابدہ ہوں گے۔

ج۔ مسلمان جو ادارہ خدمت خلق کے لئے قائم کریں مثلاً ہاسپٹل وغیرہ ان کو تمام انسانوں کے لئے بلا تفریق مذاہب و اقوام کھلا رکھنا چاہئے، صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں کرنا چاہئے۔

د۔ مسلم تنظیموں کو انسانی بنیادوں پر بلا تفریق مذہب وملت تمام متاثر لوگوں کا تعاون کرنا چاہئے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی (علی گڑھ)

ا-الف: دنیا کے وہ جمہوری ممالک جن میں انتخابات کے ذریعہ حکومت بنتی ہے، جس کی نمایاں مثالوں میں امریکہ اور ہندوستان کو پیش کیا جاسکتا ہے، ایسے تمام ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ شرعا واجب ہے، ایک مسلمان کے لئے کمزوری کے مقابلے میں طاقت اور ضعف کے مقابلہ میں قوت ہر طرح سے مطلوب ہے، حدیث میں صاف طور پر قوی مومن کو ضعیف مومن سے بہتر کہا گیا ہے: "المؤمن القوی خیر وأحب إلى الله من المؤمن الضعیف" (سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب القصد، طبع قدیم)، قرآن کریم میں ہے: "قل اللهم ملک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر إنک علی کل شئ قدیر" (آل عمران: ۲۶)، کوئی وجہ نہیں کہ اس قوت میں سیاسی قوت کو شامل نہ کیا جائے، مزید برآں کتاب اللہ میں حکومت واقتدار کو عزت کی علامت اور اس سے محرومی کو ذلت سے تعبیر کیا گیا ہے، (آل عمران) اس لئے اس ذلت کے مقابلے میں اقتدار کی عزت کا حصول ہر طرح سے مطلوب ہے، اس سے ہٹ کر ہندوستان جیسے ملکوں کے پس منظر میں مسلمانوں کے لئے اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ اور اپنے دیگر شہری حقوق کا حصول بھی بہت کچھ اس پر موقوف ہے کہ انتخابی سیاست سے اقتدار

Marfat.com

کے مراکز تک ان کی پہنچ اور اس پر ان کی پکڑ مضبوط سے مضبوط تر ہو، پس جب جان و مال کا تحفظ واجب ہے تو معروف قاعدہ فقہیہ: "مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب" (ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ ر ۳۳، القاہرہ۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کے یہاں یہ قاعدہ فقہیہ ان لفظوں میں ہے، جس سے یہ مزید کھلتا ہے: "مالا يتوصل إلى الواجب إلا به وهو فعل المكلف فهو واجب" المستصفی ر ۸۷، مکتبۃ الخیر مصر) کے بموجب اس کے حصول کے لئے انتخابی سیاست کے طریقے پر عمل بھی اسی طرح واجب ہوگا، اس کی بدولت اقتدار کے مراکز میں حکیمانہ طریقے پر اسلام اور اسلامی شریعت کی ترجمانی کا جو موقع فراہم ہوگا، اس سے مزید اس کی اضافی ضرورت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہندوستان جیسے ملکوں کے دستور کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی بنیاد الحاد اور انکار خدا پر نہیں ہے، بلکہ عقیدے اور مذہب پر عمل کی آزادی اس کی بنیادی دفعات سے ہے، مسلمان اس کا حلف اسی کی نیت سے اٹھائے گا، اور حدیث کی صراحت ہے: "إنما الأعمال بالنيات" (صحیح البخاری جلد ۱، کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، طبع جدید، المطبعۃ السلفیہ ومکتبۃ القاہرہ طبع اول ۱۴۰۰ھ)۔ پارلیامنٹ میں شریعت کے مغائر اگر کوئی قوانین پاس بھی ہوتے ہیں تو اس کے روکنے کا موثر ذریعہ ہے کہ اسی پلیٹ فارم سے اس کے برعکس کی وکالت کی جائے۔

ب: ہندوستان جیسے ملکوں میں مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کے تحفظ کے لئے ان کا ووٹ دینا شرعاً واجب ہے، جیسا کہ اوپر (الف) میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

ج: مسلمان مخالف سیاسی جماعتوں کے نیک خصلت اور مسلمانوں کے ہمدرد امیدوار کے حق میں جماعتی فکر سے قطع نظر اس کے ان ذاتی اوصاف کی بنیاد پر ووٹ دینا جائز ہوگا، اسی طرح آر ایس ایس اور وی ایچ پی اور بجرنگ دل جیسی جماعتوں کو چھوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی نیت سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اگر بھاجپا میں شامل ہوتا ہے تو اس میں کوئی

Marfat.com

حرج نہیں ہے، اور اس مقصد سے اس شمولیت کو درست قرار دیا جائے گا۔

د: انتخابات کے موقع پر ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے، لیکن ہندوستان جیسے ملکوں کے لئے یہ مطابق مصلحت نہیں ہے، معاہدے سے ہٹ کر ان میں شرکت اور ان کی حمایت کی پالیسی کو اختیار کرنا چاہئے، بلکہ اسی کا نام سیاست ہے، ہندوستان کے موجودہ حالات میں کسی مسلمان ادارے، فورم یا تنظیم کا کسی خاص سیکولر جماعت سے اپنے کو وابستہ کر لینا مصلحت کے خلاف ہے، اس کا فائدہ کم نقصان زیادہ ہے، سیکولر پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے ہی مسلمانوں کی سیاست زیادہ موثر اور کارگر اور نقصانات سے محفوظ تر ہے، اس لئے اسی پر زیادہ توجہ ہونی چاہئے۔

ھ: سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کو روکنے کے لئے غیر مسلموں کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، اور ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمانوں اور غیر مسلم بھائیوں کا اشتراک ہو، حیات طیبہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں حلف الفضول کے معاہدے اس کے حق میں نظیر ہے، جس کے لئے نبوت کے بعد بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آج بھی مجھ کو اس جیسے کسی معاہدے کے لئے طلب کیا جائے تو میں اس کے لئے تیار ہوں یہاں تک کہ یہ میرے لئے عرب کے قیمتی ترین مال سرخ اونٹوں سے بھی عزیز اور محبوب ہوگا (ابن ہشام: السیرۃ النبویہ ۱/۱۴۸، ۱۴۹، آپ ﷺ کے اصل الفاظ ہیں: "لقد شهدت فی دار عبد الله بن جدعان حلفا ما أحب أن لی به حمر النعم ولو ادعی به فی الإسلام لأجبت" ص ۱۴۹، دار الفکر، القاہرہ)۔

۲- الف: آج کے حالات کے پس منظر میں نئی آبادیاں بسانے کی صورت میں مناسب ہے کہ وہ مسلمان اکثریتی ہوں، البتہ غیر مسلموں کے لئے اس کے دروازے کو بالکل بند نہ رکھا جائے، اس صورت میں دونوں فائدے حاصل ہوجائیں گے، مسلمان غیر مسلموں کے تہذیبی

Marfat.com

اثرات سے بھی محفوظ رہیں گے ساتھ ہی ان کے لئے غیر مسلموں کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کرنا بھی آسان ہوگا، غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق و کردار سے متاثر کرنے بلکہ اس سے آگے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کے مقصد سے ملک کی موجود مخلوط مسلمان غیر مسلم آبادی کافی ہے، البتہ اس میں بھی جہاں کہیں غیر مسلم اکثریت میں ہوں اور مسلمان گھر اکا دکا ہو اور نا موافق حالات میں جان و مال کا یقینی خطرہ ہو تو اس طرح کی صورت حال میں با دل نا خواستہ ہی سہی مسلمان کا وہاں سے ہٹ کر مسلمان اکثریتی علاقے میں آباد ہو جانا مناسب اور بہتر ہے جبکہ بعض حالات میں ایسا کرنا واجب ہوگا۔

ب: حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے محبوب غیر مسلم چچا کے انتقال کے موقع پر ان کے صاحبزادے حضرت علیؓ سے کہا کہ جاؤ اور اس نعش کو مٹی میں دبا کر آ جاؤ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ ۲، ۳/ ۱۲۳، جہاں اصل الفاظ ہیں: اذهب فواره، جس کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ اپنے مشرک چچا کی تدفین کے لئے نہیں گئے، البتہ اسی موقع پر آگے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ عاد من جنازة أبي طالب" اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے جنازہ کے ساتھ گئے، لیکن اسی موقع پر صراحت ہے: "ولم يقم على قبره" دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ بعد میں گئے اور دور سے ہی واپس آ گئے، پہلی روایت سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی ہے)، آپ ﷺ نہ خود میت کے ساتھ گئے، نہ اس کے دفن میں کوئی شرکت اور معاونت کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان غیر مسلم کی تدفین میں شریک نہیں ہوسکتا، مخصوص حالات میں "الضرورات تبيح المحذورات" کے تحت محدود دائرے میں اس کی اجازت دی جائے تو بات علاحدہ ہے۔ غیر مسلم پڑوسی اور غیر پڑوسی کی عیادت اور تعزیت البتہ کی جاسکتی ہے، سلف سے اس کی نظیر موجود ہے (نصرانی کی عیادت اور اس کے جنازے کی متابعت کی بابت استفتاء پر علامہ ابن تیمیہؒ کا جواب: "لا يتبع جنازته، أما عيادته فلا بأس بها فإنه قد يكون في ذلك مصلحة لتأليفه على الإسلام ۔ فإذا مات كافرا فقد وجبت له النار ولهذا لا يصلى عليه" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/ ۲۶۵، طبع جدید سعودی عرب، ترتیب: عبد الرحمن بن قاسم و ابن محمد، تعزیت کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فتوی اور حضرت حسن بصریؒ کی عملی نظیر ہے: امام ابو یوسف: کتاب الخراج/ ۲۱۶، ۲۱۷،

Marfat.com

مصر، طبع ثانی ۱۳۵۲ھ))، غیر مسلم میت کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ج: غیر مسلموں سے ان کے تیوہار اور غیر مذہبی تقریب کے موقع پر مٹھائی اور تحفہ وغیرہ قبول کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ حلال وطیب ہو اور اس میں کسی حرام کی شمولیت نہ ہو، تیوہار، غیر تیوہار کسی بھی موقع پر بت پر چڑھائے ہوئے غیر مسلم کے کسی تحفے اور پرشاد کو مسلمان کے لئے کسی حال میں کھانا جائز نہیں ہے، مصلحت کے تقاضے سے اس کو قبول کرلیا جائے تو بعد مین اس کا ضائع کر دینا واجب ہے، ویسے جہاں تک ہو سکے اس کو قبول کرنے سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

د: معروف مسئلہ کی حیثیت سے مسجد کی تعمیر اور مرمت میں غیر مسلم کا تعاون قبول کرنا جائز ہے، اس سے مسلمانوں کے مدارس اور ان کے مذہبی جلسوں وغیرہ میں ان کا تعاون قبول کرنا بدرجہ اولی جائز قرار پاتا ہے، غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اسی طرح ان کے مذہبی تیوہاروں اور جلسوں وغیرہ کے لئے مسلمان تعاون کر سکتے ہیں، البتہ کسی مقام کی مخصوص صورت حال اس کے برعکس کا مطالبہ کرتی ہو تو اس کا لحاظ کیا جا سکتا ہے۔

ھ: الف- رمضان المبارک کی افطار اور عید وغیرہ کی ملی جلی تقریبات میں مسلمان شریک ہو سکتے ہیں۔

ب- غیر مسلموں کو ان کے تیوہار پر مبارکباد دینا درست ہے، بلکہ خیر سگالی کے جذبہ کے فروغ کے مقصد سے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

۳- الف: اپنے ملک کے جھنڈے کو سلامی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ایک مسلمان کی طرف سے ایسے موقع پر نیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کا ملک جس کا یہ جھنڈا ہے وہ خوش حال اور شاداب اور آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہے، غیر مسلم اکثریتی ملک ہونے کی صورت میں اللہ تعالی اس کے ان باشندوں کو اسلام کی طرف راغب ہونے کی توفیق عطا کریں،'' إنما

Marfat.com

الأعمال'' الخ کے فرمان نبوی ﷺ کے بموجب اس نیت سے جھنڈے کی سلامی دی جا سکتی ہے۔

ب: مشرکانہ مضامین کے ترانے کا کسی مسلمان کے لئے پڑھنا جائز نہیں ہے، ارض وطن کی معبودیت کے داعی ''وندے ماترم'' کے خلاف مسلم عوام اور عمائدین کو منظم جدوجہد کرنی چاہئے، اس کے لئے میڈیا کی پوری طاقت استعمال کرنی چاہئے، اور پورا دباؤ بنانا چاہئے اور جس اسکول اور کالج میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دے دیا گیا ہو وہاں سے اپنے بچے کو نکال لینا چاہئے۔

ج: عدالت کے ذریعہ فیصلہ حق دار کے بجائے غاصب اور ظالم کے حق میں ہو جائے اس کا امکان تو اسلامی عدالت میں بھی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کی حدیث میں خود اس کی صراحت ہے کہ ایک شخص اپنی چرب زبانی کی بدولت حق دار فریق پر غالب آ جاتا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں لیکن اس طریقے سے وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے (صحیح البخاری جلد ۲- کتاب المظالم والغصب، باب إثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه، آپ ﷺ کے اصل الفاظ ہیں: ''إنما أنا بشر وإنه یأتینی الخصم فلعل بعضکم أن یکون أبلغ من بعض، فأحسب أنه صدق فاقضی له بذلک، فمن قضیت له بحق مسلم فإنما هی قطعة من النار، فلیأخذها او لیترکها'')، اس معروف حدیث نبوی میں سیکولر عدالت سے بھی جیت جانے والے غیر حقدار فریق کے لئے عبرت ہے، جس سے اس کا تقویٰ اور خوف خدا ہی اس سے باز رکھ سکتا ہے، حرام کا تعین ہونے کی صورت میں اس سے استفادہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔

۴- الف: مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دینا، اسی طرح وحدت ادیان کا نظریہ اس زمانے کے دو بڑے فتنے ہیں، سچے مسلمان کے لئے یہ دونوں ناقابل قبول ہیں اور ان کے سلسلے میں کسی بھی طرح کی نرمی اور لچک برتنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

ب: اسلام کمزوروں کا دین ہے، اور کمزوروں کو اوپر اٹھانے میں اس کا تاریخی کردار ہے،

Marfat.com

سنن ابوداؤد کی مشہور حدیث قدسی ہے: مجھ کو کمزوروں میں تلاش کرو، تم کو روزی اور مراد انہیں کے طفیل میں حاصل ہوتی ہے: "أبغوني الضعفاء فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائكم" (سنن ابوداؤد جلد ا، کتاب الجہاد باب الانتصار)، اس لئے یورپ اور افریقہ کے کالے ہوں یا ہندوستان کے دلت اور آدیباسی، انسانی اخوت کے رشتے سے مسلمان کا ان کے کام آنا اور ان کی امداد و تعاون کرنا ہر طرح سے مطلوب ہے، حکومت اپنے ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے طور پر وہ ان کے سلسلے میں جو کچھ کرسکیں وہ ہر طرح سے پسندیدہ ہی نہیں بلکہ ان کے اوپر فرض وواجب ہے۔

ج: مسلمانوں کے قائم کردہ اسپتال جیسے خدمت خلق کے اداروں کو غیر مسلموں کے لئے کھلا رکھنا چاہئے، مسلمانوں کے لئے ان کو مخصوص نہیں کرنا چاہئے، اس مقصد سے بہتر ہے کہ ان کے نام میں بھی بہت زیادہ دین اور ملت کا حوالہ نہ ہو، بلکہ قرآنی سورتوں کے بقرہ، عنکبوت اور روم کی طرح ان کے ناموں کو بھی عوامی اور آفاقی ہونا چاہئے۔

د: آفات ارضی وسماوی کے موقع پر مسلمان تنظیموں اور اداروں کو بلاتفریق مذہب وملت اپنی خدمات انجام دینی چاہئیں، اور ریلیف اور امداد کی تقسیم میں مسلمان اور غیر مسلم کو کوئی فرق و امتیاز نہیں کرنا چاہئے، کچھ غیر مسلم تنظیمیں اور ادارے اس کے برعکس کرتے ہیں تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتاح العلوم (مئو)

۱-الف: غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کو جب قانوناً سرکاری طور پر الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت ہو تو مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا شرعاً جائز ہوگا، اس نیت سے کہ الیکشن جیتنے کے بعد ملکی مفادات کے لئے کام کرے گا، اور ملی اور مذہبی مفادات میں کسی طرح کی کوئی آنچ نہ آنے دی جائے گی، اور اگر اس کے خلاف کا اندیشہ ہو تب بھی شرعاً جائز ہوگا، اس نیت سے کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھتے ہوئے بتدریج انسانیت کے ساتھ ہمدردی کی بات کی جاتی رہے گی اور مذہبی اور دھارمک رواداری کو ان کے دل و دماغ میں ڈالا جاتا رہے گا، بہر صورت الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانے کو ترک نہ کیا جائے گا۔

چونکہ ہندوستان جمہوری ملک ہے اور یہاں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کو یکساں طور پر اپنے مذہبی تشخص کے ساتھ جینے اور ملکی باشندگی کا قانوناً حق ہے، اس لئے یہاں کے مسلمان باشندوں کو الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، ووٹ دینا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا شرعا جائز ہوگا، امیدوار مسلمان ہو یا سیکولر ہر ذہنیت کا، بلکہ ہندوستان میں تو مسلمانوں کی آبادی کا تناسب اتنا ہے کہ مسلمانوں کی اپنی پارٹی بنائی جاسکتی ہے اور نہیں تو سیکولر ہندوؤں کی پارٹی کے ساتھ ضم ہو کر الیکشن میں حصہ لینا ووٹ دینا جائز ہے، اور مسلمان تو اتنے

Marfat.com

وافر تعداد میں ہیں کہ اتحاد ملی کے ساتھ اتنے امیدواروں کو جتا سکتے ہیں کہ جن پر سرکار بننا اور نہ بننا موقوف ہوگا، یہ حقیقت ہے اس پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہئے اور اپنے حق ووٹ کو ضائع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کو استعمال کر کے شریف الطبع امیدوار کو جتانا چاہئے۔

ب: انتخابات سے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات متعلق ہوتے ہیں، چنانچہ الیکشن کے دور میں امیدوار لوگ اپنی عوام سے قومی وملی اور مذہبی مفادات کے لئے اپنے جتائے جانے پر بہت سے وعدے کرتے ہیں اور حل کئے جانے کے دعوے کرتے ہیں اور بعض جیتنے کے بعد اپنے وعدے پورے بھی کر دیتے ہیں یا پورے کئے جانے کی سعی پیہم کرتے ہیں اور اپنا خلوص دکھا دیتے ہیں، لہذا اس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ووٹ دینے کو شرعاً واجب قرار دیا جا سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اسمبلی یا پارلیامنٹ میں ہی ان مفادات کی تجویز یا عدم پاس کی جاتی ہے، تو جب تک مسلمان یا کسی سیکولر پارٹی کا لیڈر اسمبلی یا پارلیامنٹ میں نہ ہوگا تو مذہبی وملی مفادات کے لئے باتیں کیسے کر سکتا ہے، لہذا ان مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے ووٹ دینا شرعاً واجب ہوگا۔

ج: ایسی سیاسی جماعتیں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا مقصد بنایا ہو تو اس کے اس ذہنیت کا کسی امیدوار کو ووٹ دینا شرعاً جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کو جتانے میں تعاون علی الاثم ہے جو بنص قرآن کریم: "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (سورۂ مائدہ / ۲) ناجائز ہے۔

لیکن ان کا کوئی امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہو، سیکولر مزاج ہو اور مسلمان کے ساتھ اس کا رویہ مناسب ہو تو مسلمانوں کے لئے اس کی جماعتی فکر سے قطع نظر اس کے ذاتی حالات کی بنا پر اس کو ووٹ دینا شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ اس کو ووٹ دینے میں دفع مضرت ہے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: دفع المضرة أولی من جلب المنفعة، البتہ خود مسلمانوں کے لئے ایسی

Marfat.com

سیاسی جماعتوں میں شمولیت درست نہ ہوگی، کیونکہ اس میں تعاون علی الاثم والعدوان ہے جو ناجائز ہے۔

د: انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور شرعاً اس کی حیثیت دفع مضرت کے طور پر جائز کی ہوگی۔

ھ: سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کو روکنے کے لئے غیر مسلم بھائیوں کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، نیز ایسے ادارے اور تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں جن میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إن الله يؤيد هذا الدين بقوم لا خلاق لهم**"۔

۴-الف: جہاں مسلمان غیر مسلم اقوام کے ساتھ رہتے ہیں وہاں اگر یہ ممکن ہو اور سرکاری و قانونی کوئی رکاوٹ نہ ہو تو مسلمانوں کو اپنی علاحدہ آبادیاں اور محلے جات بنانا بہتر ہے، تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں، اور اگر یہ ممکن نہ ہو بنا بریں کہ سرکاری و قانونی رکاوٹ ہو تو مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا اس نیت سے بہتر ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلامی اخلاق و کردار کے ذریعہ متاثر کرسکیں اور اس طرح بودوباش اختیار کریں کہ غیر مسلموں کو کسی طرح کا کوئی تنفر نہ ہو، بایں طور کہ ان کے غریبوں کی امداد کردیا کریں اور ان کے مریضوں کی عیادت کرلیا کریں، لیکن اس شرط سے کہ مسلمان عورتیں ان کے گھروں میں آنے جانے کا کسی طرح کا سلسلہ نہ رکھیں۔

ب: مسلمان کے غیر مسلم دوست یا پڑوسی کے یہاں میت ہوجائے تو مسلمان کے لئے اس کے جلوس جنازہ میں شرکت جائز نہیں ہے (احسن الفتاوی ۴؍۲۳۳)۔

Marfat.com

نیز غیر مسلم میت کی آخری رسومات کے وقت اس کے پاس رہنا بھی جائز نہیں، ہاں اگر کوئی سیاسی مجبوری ہو مثلاً جس پارٹی کی سرکار ہے اسی کا کوئی غیر مسلم لیڈر مر جائے اور مسلمان بھی اس پارٹی میں شریک ہے تو ایسے غیر مسلم میت کی آخری رسومات کے وقت مسلمان لیڈر کو رہنے کی گنجائش دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں، اور غیر مسلم میتوں کے لئے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے غیر مسلم کے لئے استغفار سے منع فرمایا ہے، لہذا ایصال ثواب بھی ناجائز ہے، قرآن میں ہے: "إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم" (سورۂ توبہ / ۸۰)۔

ج: غیر مسلم حضرات اپنے تیوہاروں اور دوسری تقریبات کے موقع پر مٹھائیاں اور اپنے عقیدے کے مطابق تبرکات اپنے مسلمان دوستوں کو پیش کرتے ہیں، جو تقریبات غیر مذہبی ہیں، مثلاً شادی اور بچہ کی پیدائش کے موقع پر اپنے مسلمان دوستوں کو ایسے تحفے پیش کریں جو بتوں پر چڑھائے ہوئے نہیں ہیں تو ان کا قبول کرنا اور کھانا دونوں جائز ہے۔

اور اگر غیر مسلم اپنے مسلمان دوست کو اپنے تیوہار مثلاً ہولی یا دیوالی وغیرہ کے موقع پر مٹھائیاں اور کھانا اور کچوری وغیرہ دیں تو اس کو نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کے کھانے کو حرام نہ کہا جائے گا (کذا فی فتاوی محمودیہ ۵/ ۲۲۷، ۵/ ۱۸۸)۔

اگر یہ تحفے تقریبات مذہبی میں اور بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں تو مسلمانوں کو ان کا قبول کرنا اور کھانا دونوں ناجائز ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ "ما أهل به لغير الله" میں اور نذر لغیر اللہ میں داخل ہے، اور یہ دونوں شرعاً حرام ہیں۔

د- غیر مسلم حضرات باہمی میل جول کی وجہ سے مساجد، مدارس اور مذہبی جلسوں میں تعاون کرتے ہیں، تو اگر ان کی نیت فقط پن اور ثواب کی ہے تو مسلمانوں کے لئے ان کا تعاون لینا جائز ہے، ورنہ ناجائز، لیکن بہر صورت ان کے تعاون کو قبول نہ کرنا اولی ہے، تاکہ ان کو احسان

Marfat.com

جتانے کا موقع نہ ملے اور غیر مسلم بھائیوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مذہبی تیوہاروں اور جلسوں کے لئے مسلمانوں کا تعاون کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تعاون علی الاثم والعدوان ہے ب جونص قرآن سے حرام ہے (کذافی فتاوی محمودیہ ۹/۳۹۸)۔

۵- اگر رمضان المبارک اور عید وغیرہ کی مناسبت سے بہت سے غیر مسلم سماجی اور سیاسی قائدین مسلمانوں کے ساتھ افطار میں شریک ہوتے ہیں، عید کی تہنیتی تقریب رکھتے ہیں تو:

الف: مسلمانوں کے لئے غیر مسلم حضرات کی مذہبی تقریبات اور تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی اور رام لیلا میں شریک ہونا جائز نہیں، چنانچہ مفتی محمودؒ کے فتاوی میں ہے کہ ان کی مذہبی تقریبات میں شرکت خطرناک ہے (۱۲/۳۰۶)۔

ب: مسلمانوں کے لئے غیر مسلم بھائیوں کو ان کے تیوہاروں کی مبارکباد دینا شرعا درست نہیں ہے۔

۶- الف: ملکوں کا اپنے جھنڈوں کو سلامی دینے کا رواج ہونا اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھنا شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں، چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: لہذا کسی خاص ہیئت ونوعیت کا تعین پھر اس کی خصوصیت کا اور اس میں خاص تقدس کا ادعاء بالکل غلط اور بے بنیاد ہے (جواہر الفقہ ۱/۱۴۵)۔

ب: بعض ملکوں میں ایسے قومی ترانے مروج ہیں جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں، جیسے ہمارے ملک ہندوستان میں ترانہ وندے ماترم جس میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پیش کیا جاتا ہے، تو مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ شرک ہے جو بنص قطعی حرام ہے۔

ج: جو ادارے ملک کے باشندوں کو انصاف فراہم کرتے ہیں وہ ملک میں مروج قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی وجہ سے بعض اوقات ایسے فیصلے کر دیتے ہیں جو اسلامی اور شرعی نقطہ

Marfat.com

نظر سے درست نہیں ہیں، مثلاً مطلقہ کے نان ونفقہ کا فیصلہ، تو ایسے معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو انہیں اس فیصلہ کو قبول کرنا جائز نہیں، اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے، اس کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ مذہب میں مداخلت ہے بلکہ اس فریق کو دارالقضاء الشرعی کے فیصلہ پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

۴- الف: موجودہ دور میں عالمی سطح پر سوال میں مذکور کوشش اسلام دشمنی پر مبنی ہے، پس اسلامی نقطہ نظر سے کسی درجہ میں بھی یہ ترمیم قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ منزل بھی ایک ہے اور اس کا راستہ بھی فقط ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام کا صراط مستقیم، بس ایسے مسلمانوں کی مرعوبیت سے کچھ خوفزدہ نہ ہونا چاہئے اور نہ اس پر توجہ کرنا چاہئے بلکہ ایمان کامل کے ساتھ اللہ تعالی پر توکل تام رکھے، اللہ تعالی محافظ ہے۔

ب: اس صورت میں کہ غیر مسلموں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ظلم اور استحصال کا شکار بنائے ہوئے ہے مسلمان کا رویہ اس مظلوم طبقہ کے ساتھ انسانیت دوستی کا اور احسان و ہمدردی کا ہونا چاہئے اور مسلمانوں پر انسانی اخوت کے رشتہ سے ان کا تعاون کرنا ایک انسانی فریضہ ہے اور مذہبی فریضہ بھی ہے، چنانچہ صحاح کی روایت "أطعموا الطعام" اسی فریضہ مذہبی پر دلالت کرتی ہے اور اسی مذہبی فریضہ کے ادا نہ کرنے پر مسلمان جواب دہ ہوسکتے ہیں اگر چہ حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہ ہو۔

ج: مسلمان اگر خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں جیسے ہاسپٹل وغیرہ تو ان اداروں سے غیر مسلم حضرات کو بھی نفع ویسے ہی پہنچانا چاہئے جیسے مسلمانوں کو نفع پہنچایا جاتا ہے تا کہ ان کے اسلام کی کشش کا سبب بنے اور اسلامی نقطہ نظر سے ایسے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر نہیں ہے، بلکہ بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کے لئے خدمت واعانت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے تا کہ اسلام کے اخلاق کی بلندی کا ظہور ہو جائے۔

Marfat.com

د: چونکہ قدرتی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب وغیرہ کا اثر سماج میں بسنے والے تمام ہی لوگوں پر پڑتا ہے جس کے سبب سبھی لوگ مدد کے محتاج ہوتے ہیں تو مسلمانوں کی جو تنظیمیں ایسے مواقع پر ریلیف کا کار خیر انجام دیتی ہیں تو ان حالات میں فرقہ پرست عناصر کی بدسلوکی کا خیال نہ کرتے ہوئے برادران وطن کے ساتھ بھی انصاف کا رویہ اختیار کرنا اولی وافضل ہے، لیکن اگر ان اسلام دشمن بلکہ انسانیت دشمن عناصر کے امتیازی سلوک کے سبب کچھ کی زیادتی کی رخصت دی جاسکتی ہے، لیکن اسلام کے اخلاق عالیہ کے پیش نظر اور نص قرآنی: "وجادلهم بالتي هي أحسن" کے سبب اسلام کے اخلاق کریمانہ کے اعتبار سے امتیاز نہ برتنا احیاء سنت اسلام ہے، لہذا ترجیح ان کو دینا چاہئے۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (جدہ)

اسلامک فقہ اکیڈمی نے بڑے اہم مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے، ان سوالات کے جوابات کے لئے عہد نبوی کے تین مراحل سے کافی مدد مل سکتی ہے، اول رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی، دوم صحابہؓ کی ہجرت حبشہ اور وہاں کا قیام اور تیسرے صلح حدیبیہ۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد اسلام قوی تر ہوتا چلا گیا، اور جمع احادیث اور فقہ وفتاوی کی تدوین کے دور سے لے کر صدیوں تک قوت وحکومت کا سرچشمہ رہا ہے، اس لئے غالباً مکی دور کی تفصیلات اس طرح محفوظ نہیں کی گئیں، جیسے مدنی دور کی، حبشہ کی ہجرت اور مسلمانوں کے وہاں قیام کے حالات تو اور اندھیرے میں ہیں، مورخین یہ تو لکھتے ہیں کہ کس قبیلے سے کن حضرات نے ہجرت کی لیکن وہاں مقامی لوگوں سے ان کے سماجی ومعاشی تعلقات کیسے رہے؟ عبادت وتبلیغ کا کوئی نظم رہا یا نہیں؟ انہوں نے اپنی الگ کالونی بنائی یا اہل حبشہ کے ساتھ گھل مل کر رہے؟ کبھی کوئی تصادم ہوا؟ ازدواجی رشتے قائم ہوئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ مسلمان فتح خیبر کے بعد لوٹے، اس درمیان اہم تعلیمات وفرائض پر مشتمل قرآن کا بڑا حصہ نازل ہوا، کیا ان تک ان چیزوں کو پہنچانے کا کوئی نظم کیا گیا تھا یا انہیں معذور سمجھ لیا گیا؟ غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ہجرت حبشہ کو تحقیق کا موضوع بنایا جائے اور اس سے متعلق مختلف مصادر سے جو روشنی مل سکتی ہے ان کا جائزہ لیا جائے، تیسری چیز صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جو

Marfat.com

مسلمانوں اور کفار کے آزادانہ میل جول کے مواقع ملے تھے، ان کے حدود کیا تھے؟ اس پر بھی زیادہ معلومات نہیں دستیاب ہیں۔

بہر حال دیئے گئے سوالات کے جوابات قرآن کی متعلقہ آیات، رسول اللہ ﷺ کے اسوہ، اور مذکورہ بالا مراحل سے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں ان کی روشنی میں نیز مصالح اصل ''تیسیر''، ''اختیار اہون البلیتین'' اور اضطرار کے عام اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا اور عہد حاضر کی بدلی ہوئی صورتحال اور پیچیدگیوں کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا، اس کوشش میں راقم الحروف جن نتائج پر پہنچا وہ پیش خدمت ہیں:

۱-الف: جمہوری ممالک میں الیکشن میں سوالنامہ میں مذکورہ کسی حیثیت سے حصہ لینے کا تعلق مصالح سے ہے، مصلحت متقاضی ہو تو حصہ لیا جاسکتا ہے، مصلحت کا تعین کون کرے گا؟ ظاہر ہے اس کے لئے مسلمانوں کے ارباب حل وعقد اور علماء و مخلص ملی کارکنوں کا کوئی مشترکہ پلیٹ فارم اور اتحاد ہونا چاہئے جو مصلحت طے کرے، اور جب وہ یہ طے کرلے تو اس سے الگ رویہ اختیار کرنا شرعاً ناجائز ہوگا کیونکہ ید الله مع الجماعة، ومن شذ شذ في النار۔ انتشار وتفرقہ کی شکل میں کچھ بھی طے کرلیں، کوئی فائدہ نہیں۔

ب- ووٹ دینا بنیادی حق اور سماجی ذمہ داری تو ہے، لیکن جب واضح طور پر اس سے ملی و دینی مفادات و مصالح وابستہ ہوں تو شرعاً واجب بھی قرار دیا جاسکتا ہے، "فانه مالایتم الواجب الا به فهو واجب"۔

ج- ''جماعتی سیاست''، ''وی ایچ پی کا نظام'' اور ''دل بدلی مخالف قانون'' کی موجودگی میں جماعت سے باہر فرد کچھ نہیں کرسکتا، خواہ وہ بذات خود نیک خصلت ہو، اس لئے اس طرح کے فیصلہ میں دیکھنا ہوگا کہ ملکی صورتحال اور ریاستی سیاست میں ہمارے فیصلہ کا کیا اثر پڑے گا، مقامی وبلدیاتی اداروں میں تو پارٹی سے قطع نظر امیدوار کے انفرادی اوصاف اور ذاتی نیک طینتی مفید

Marfat.com

ہوسکتی ہے، لیکن ملکی وریاستی سطح پر اسے اپنی انسانیت دشمن پارٹی کا ساتھ دینا ہوگا یا اپنی نشست سے محروم ہونا ہوگا، اس لئے اس کو ووٹ دینے کا مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمان مخالف جماعت کی تائید وتقویت، لہذا اس شخص کو ووٹ دینا یا اس پارٹی میں شمولیت کو درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

د- اصولی طور پر حکمت عملی کے تحت ایسا کیا جا سکتا ہے، لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ "**انهم لا ایمان لهم**" جب تک خود ہماری صفوں میں تحزب وتشتت اور انتشار و افتراق، موقع پرستی و خودغرضی، برادری وفرقہ بندی جیسے امراض ہیں دشمن ہماری کمزوری کو خوب سمجھتا ہے، چاہے نظریاتی طور پر ہم کچھ فیصلہ کرلیں لیکن اس کے عملی فائدے ممکن نہیں جب تک کہ ہمارے مختلف مکاتب فکر کے قائدین فروعی اختلافات کو پس پشت ڈال کر (Minimum Common Programme) کے انداز پر اہم ملی ودینی مصالح کے حصول کے لئے متحدہ کوشش نہ کریں۔

ھ- سماج کی مشترکہ ذمہ داریوں اور اچھی باتوں کی ترویج اور منکرات کو روکنے کے لئے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اشتراک ضروری ہے بلکہ اس میں مسلمان علماء وقائدین کو پہل کرنی چاہئے، یہ "حلف الفضول" کے قسم کا اشتراک ہوگا جس کا رسول اللہ ﷺ نے نبوت و ہجرت کے بعد بھی اچھے الفاظ میں ذکر فرمایا اور اس طرح کے معاہدہ میں شرکت کو سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب قرار دیا "**ما أحب أن لي به حمرا لنعم، لودعيت لمثله في الإسلام لأجبت**"۔

۲-الف: مسلمانوں کا وہ طبقہ جو غیر مسلمین سے خلط ملط رکھتا ہے عام طور پر اسلام سے دور اور مذہب کا نمائندہ نہیں ہوتا، غیر مسلمین ان ہی سے اسلام کو سمجھتے ہیں، اگر دیندار طبقہ ان سے ملے اور صحیح اسلام کی نمائندگی کرے تو بہت سی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں، اس جذبہ اور نیت سے مخلوط آبادیوں میں رہنا اور غیر مسلموں کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا خاموش جہاد ہے، صرف ان کے

Marfat.com

تہذیبی اثرات سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے علاحدہ آبادیاں بنانا ریت میں منہ چھپانے کے مانند معلوم ہوتا ہے، اپنے بہتر اخلاق واطوار، علم وہنر اور اچھے معاملات سے اس یلغار کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے، تحفظ کے خیال سے کوئی مسلم آبادی کو ترجیح دیتا ہے تو یہ مجبوری ہے۔

ب- معاشرہ میں ایک ساتھ رہنے والوں اور ملنے جلنے والوں کی خوشی وغم میں شریک ہونا انسانیت کا تقاضا ہے، غیر مسلموں کے جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا، ان کی عیادت کرنا تو سنت سے ثابت ہے، البتہ جنازہ کے ساتھ چلنا ایک اختلافی مسئلہ ہے، شافعیہ اور حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے اور راقم اسی کا قائل ہے کہ جن سے ان کی زندگی میں تعلقات اور میل جول رہا ہے ان کے مرنے کے بعد ان کے جسد خاکی کے ساتھ کچھ دور چلنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، البتہ ان کی مذہبی رسومات میں شریک نہ ہو، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر مسلم بھی اپنے تعلقات والے مسلمانوں کے جنازہ میں شریک رہتے ہیں، البتہ نماز جنازہ کے وقت الگ کھڑے ہو جاتے ہیں "فنحن أحق بمكارم الأخلاق" غیر مسلموں کے لئے دعا وقرآن خوانی نہ صرف یہ کہ بے مصرف ہے، بلکہ قرآن سے اس کی ممانعت سمجھ میں آتی ہے۔ "ولا تصل على أحد منهم مات أبدا......" (سورۂ توبہ: ۸۴)۔

ج- غیر مسلموں سے ہدیہ کے تبادلہ کی مثال بھی سنت سے ثابت ہے (صحیح بخاری کتاب الہبہ ۱۴۱/۳، ۱۴۳) یہ ہدیہ کسی تقریب کی مناسبت سے ہو تو بھی کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا، البتہ اگر یہ پرشاد بتوں پر چڑھاوے یا کسی پوجا پاٹ کی انجام دہی پر ہو تو بہتر ہے کہ لینے سے معذرت کردے، اگر کسی کمزوری سے انکار کو بد اخلاقی سمجھ کر قبول کر لیا ہے تو بہتر ہے کہ ان ہی کے کسی فرد کو کھلادے "هذا ما يبدو لي والله أعلم بالصواب"۔

د- اگر غیر مسلم عقیدت کی وجہ سے تعاون کرے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ممکن ہے اس سے اس کو مزید خیر وہدایت کی توفیق ہو، لیکن اگر بدلے کی نیت سے کر رہا ہو تو بہتر

Marfat.com

ہے اسے رد کردیا جائے، کیونکہ اہل کفر کی مذہبی تقریبات وعبادتگاہوں کے لئے تعاون دینا گویا ان کے عقیدہ کی تائید کرنا ہوگا جو ایک مسلمان کے لئے صحیح نہیں ہے۔

۵- الف: افطار وعید کے موقع پر غیر مسلموں کو مدعو کرنا کہ اس سے ان کو اسلام کے قریب کیا جائے، ان کی تالیف قلب ہو اور ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں تو ایسا ضرور کرنا چاہئے، اسی طرح ان کے تہواروں میں بھی اسی غرض سے شریک ہوں، مثلاً ان کے میلوں میں دعوتی بک اسٹال وغیرہ لگانا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ان کی مذہبی رسومات سے دور رہے، رسول اللہ علیہ عکاظ، ذوالمجاز اور الجنہ کے میلوں میں تبلیغ کی غرض سے تشریف لے جاتے تھے۔

ب- سماجی اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ وہ اگر ہمارے تیوہاروں میں ہم کو مبارکباد دیتے ہوں تو ہم بھی ان کی مبارکباد کو ان کے تیوہار پر لوٹا دیں کہ جس کو وہ خوشی کی چیز سمجھتے ہیں وہ ان کو مبارک ہو جبکہ آدمی خود ان پر کوئی یقین نہ رکھتا ہو، "واذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها" کے عموم میں یہ چیز آسکتی ہے۔

۶- الف: جھنڈے کی سلامی کو ایک سیاسی رواج ہی سمجھنا چاہئے، اس کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ہوتی، اسی لحاظ سے جو سیاستکار ہیں ایسا کرتے ہیں تو کریں، اس پر مذہبی حیثیت سے نکیر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ مذہب کے نمائندے نہیں ہوتے اور نہ یہ عمل مذہبی ہوتا ہے۔

ب- ایسے مشرکانہ ترانوں کے گانے سے احتراز لازم ہے، لیکن جہاں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو وہاں مجبوراً کوئی ایسے گانے والوں کے ساتھ خاموش شریک رہتا ہے تو اس سے اس کے دین و ایمان مین ان شاء اللہ نقص نہیں آئے گا، کیونکہ ہر مسلمان کا یقین ہوتا ہے کہ زمین وآسمان یا جو بھی ان کے درمیان ہے وہ ہمارے لئے مسخر کیا گیا ہے، نہ کہ وہ ہمارے معبود ہیں، "الايمان اقرار باللسان وتصديق بالقلب وهما غير موجودين هنا"۔

Marfat.com

ج- جب فریقین مسلمان ہوں تو صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمات کو اپنی پنچائتوں اور جہاں تک ممکن ہو شرعی عدالتوں میں لے جایا کریں، ملک میں مروج قانون شہادت اور دوسرے قوانین کا سہارا لے کر اپنے مسلمان بھائی کے خلاف ایسی عدالتوں میں مقدمہ لے جانا اور اپنے حق میں فیصلہ ہونے پر اس سے استفادہ کرنا صحیح نہیں ہے، ناحق جو اپنا مقدمہ ایسی عدالتوں میں لے گیا، ظاہر ہے وہ اپنے حق میں فیصلہ ہونے پر اس سے استفادہ کرے گا خواہ اس فیصلہ سے حق دار کا حق مارا گیا ہو، لیکن اس سے وہ آخرت کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔

۴- الف: انسانوں کے درمیان فساد و افتراق کی وجہ مذہب نہیں، بلکہ ان کے اندر پرورش پانے والے غلط رجحانات ہیں مثلاً خود غرضی، استحصال، نسل پرستی، علاقہ پرستی وغیرہ وغیرہ، جہاں ایک مذہب کے لوگ ہیں وہاں بھی ان برائیوں کی وجہ سے تصادم ہوتا ہے، اس لئے مذہب کو الزام دینا صحیح نہیں ہے، اور نہ اجتماعی زندگی سے مذہب کی بے دخلی حل ہے، اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے یہ قابل قبول نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوتی کہ سب ایک راستے پر گامزن ہو جائیں تو وہ کر سکتا تھا، اس لئے اپنے عقائد و عبادات پر قائم رہتے ہوئے انسانی وحدت کی بنیادیں تلاش کی جائیں۔

ب- زمانہ قدیم سے دلتوں کو اونچی ذات والوں نے اپنے ظلم و استحصال کا نشانہ بنائے رکھا، لیکن ہم نے بھی اپنے دور اقتدار میں اس کی اصلاح کی عمداً کوئی خاص کوشش نہیں کی، بلکہ حکمراں طبقہ نے اونچی ذات والے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات استوار کئے اور دلتوں کو ظلم و ذلت کی چکی میں پستے چھوڑ دیا، ورنہ آج ان کی اکثریت اسلام کی گرویدہ ہوتی۔ اب بھی ہم اس سلسلہ میں کچھ کر سکیں تو ایک مذہبی فریضہ کی انجام دہی ہوگی، جب باگ ڈور تھی تو کچھ نہیں کیا، پھر اس کے انتظار میں بیٹھنا صحیح نہیں۔

Marfat.com

ج- جو فلاحی ادارے مسلمان قائم کریں ان کو مسلمانوں کے لئے مخصوص نہ رکھیں ہر جاندار کی مدد نیکی ہے، البتہ مساوی حالات میں ترجیح ضرور ہونی چاہئے ان سے دہرا تعلق کی وجہ سے۔

د- ہنگامی حالات اور فوری امداد میں تفریق نہ ہو، البتہ مستقل آبادکاری میں مسلمانوں کو ترجیح و تخصیص ہو، اس فرق کی وجہ ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مولانا ابوالعاص وحیدی
جامعہ قاسم العلوم، بلرام پور (یوپی)

تمہیدی مباحث:

اس وقت جو مسلمان غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں یقیناً ان کے بہت سے ایسے مسائل ہیں جو دور قدیم سے بہت مختلف ہیں، اس لئے موجودہ حالات میں اس فقہی قاعدہ پر عمل کیا جائے گا "یجوز فی الضرورة مالا یجوز فی غیرها" (الأم للامام الشافعی ۴/ ۱۶۸)۔

مگر اس فقہی قاعدہ کو استعمال کرتے ہوئے چند اصولی باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱- تعبدی امور چونکہ توقیفی ہوتے ہیں اور ان میں قیاس ورائے کا دخل نہیں ہوتا اس لئے ان میں عصری ضرورت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

۲- حقوق ومعاملات اور تعلقات عامہ جو غیر تعبدی امور ہیں ان میں عصری ضروریات اور تقاضوں کا لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

۳- حقوق ومعاملات وغیرہ میں جو احکام منصوص ہیں جن کی حیثیت حدود اللہ کی ہیں ان سے بالکل تجاوز نہیں کیا جائے گا۔

۴- مذکورہ فقہی قاعدہ استعمال کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ بہر حال ضروری ہے کہ مسلمان اپنا دینی وملی تشخص باقی رکھیں۔

Marfat.com

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱-الف: ہندوستان جیسے ممالک میں مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا، کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا وغیرہ اصولی طور پر محل نظر ہیں، اس لئے کہ ان تمام چیزوں میں بڑی شرعی قباحتیں لازم آتی ہیں، اس بنا پر جماعت اسلامی ہند ایک مدت تک ان تمام امور کو خلاف شرع سمجھتی رہی مگر بعد میں اس نے ''یجوز فی الضرورۃ مالا یجوز فی غیرھا'' کے سامنے ہتھیار ڈال دیا اور ان تمام چیزوں کو درست قرار دے دیا۔ بہر حال ہندوستان جیسے ممالک میں مذکورہ تمام چیزیں موجودہ حالات میں بر بنائے اضطرار وضرورت درست ہوں گی، مگر اس پر بڑی احتیاط سے عمل کیا جائے گا۔

ب: چونکہ دینی وملی مفادات کا تحفظ واجب ہے اور واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے اس لئے ووٹ دینا واجب ہوگا۔

ج: ایسی سیاسی جماعتیں جو اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالف ہوں ان کے کسی بھی نمائندہ کو ووٹ دینا درست نہیں ہوگا، بنا بریں ایسی کسی جماعت میں مسلمانوں کی شمولیت بدرجہ اولی ناجائز ہوگی۔

د: انتخابات وغیرہ کے مواقع پر ملی مفادات کے تحت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدے کئے جاسکتے ہیں اور ان کی حمایت کی جاسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی اور یہود مدینہ کے ساتھ معاہدے کئے، اس معاملہ میں اس سے استشہاد کیا جاسکتا ہے۔

ہ: اصلاح سماج اور رفاہ عامہ کے پیش نظر غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ تنظیمیں قائم کی جاسکتی ہیں، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی بھی موڑ پر اسلامی مفادات مجروح نہ ہوں۔

۲-الف: مسلمانوں کے لئے اپنی علاحدہ اور الگ تھلگ آبادیاں بنانا بہتر ہے تاکہ وہ غیر

Marfat.com

مسلموں کے تہذیبی وثقافتی اثرات سے محفوظ رہ سکیں، ہجرت مدینہ کی جہاں اور بہت سی حکمتیں ہیں ان میں یہ حکمت و مصلحت بھی پیش نظر تھی، اس لئے مدنی زندگی کے آغاز میں مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، سنن ابوداؤد وغیرہ میں بعض احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے گھر غیر مسلمین کے گھروں سے دور رہیں تاکہ ''لا تراءی نارا ھما'' یعنی باہم آگ اور دھواں وغیرہ بھی نہ دیکھ سکیں۔

ب: مذہب اسلام کی تعلیم مواسات کے تحت مسلمان کسی غیر مسلم دوست کی خوشی وغم میں شرکت کر سکتے ہیں، ان کی تعزیت کر سکتے ہیں، کچھ دور تک جنازہ کے ساتھ جا سکتے ہیں، لیکن درج ذیل امور نہیں کر سکتے:

۱- آخری رسومات کے وقت میت کے پاس نہیں رہ سکتے، امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ کسی یہودی یا نصرانی کا انتقال ہو جائے تو اس کی مسلمان اولاد سواری پر جنازہ کے آگے چلے اور دفن کے وقت واپس ہو جائے، انہوں نے یہ بات حضرت عمرؓ کے ایک فتوی کے پیش نظر کہی ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/۴۶۶)۔

۲- ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے اور نہ قرآن پڑھ کر ان کے لئے ایصال ثواب کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ایصال ثواب استغفار کے مترادف ہے، علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: ''الصلاۃ علی الکافر و الدعاء له بالمغفرة حرام بنص القرآن و الاجماع'' (المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۴۴)۔

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب مسلمانوں کے لئے بھی مختلف فیہ ہے، راجح یہ ہے کہ درست نہیں، اس لئے کہ نصوص کتاب وسنت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، تو غیر مسلم کے لئے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ج: غیر مسلم حضرات سے تحائف کا تبادلہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ سیرت نبوی کے مطالعہ سے

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے، بنابریں غیر مسلم حضرات اپنے تیوہاروں اور دوسری تقریبات کے موقع پر بطور تحفہ جو مٹھائیاں دیتے ہیں انہیں قبول کیا جاسکتا ہے، البتہ وہ مٹھائیاں قبول نہیں کی جائیں گی جو بتوں پر چڑھائی گئی ہوں، اس لئے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے تو اس کے تحفے بھی حرام ہوں گے۔

د: مساجد، مدارس اور دینی جلسوں کے لئے غیر مسلموں سے چندہ لینا درست نہیں، اسی طرح ان کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے چندہ دینا بھی درست نہیں، غیر مسلموں کے مصائب ومشکلات میں اور ان کی معاشی ضروریات میں انہیں چندہ دیا جاسکتا ہے۔

ھ: شادی بیاہ اور دوسری غیر مذہبی تقریبات میں مسلم اور غیر مسلم باہم ایک دوسرے کی تقریب میں شرکت کر سکتے ہیں لیکن مذہبی تقریبات میں یہ بات بالکل درست نہیں، جیسا کہ آج کل ہولی ملن میں مسلمان شرکت کرتے ہیں اور عید ملن میں ہندو حضرات کو شریک کیا جاتا ہے، یا افطار پارٹی وغیرہ میں ہندو حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ ہے کہ عید ملن وغیرہ بدعات ومحدثات ہیں جن سے مسلمانوں کو بھی اجتناب کرنا چاہئے، اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ مذہبی تیوہاروں میں باہم اشتراک وتعاون سے مسلمانوں کا دینی وملی تشخص مجروح ہوجاتا ہے اور یہ چیز تشبہ بالقوم بھی ہے اس لئے بھی مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم" میں اس موضوع پر بڑی علمی وفقہی بحث کی ہے، انہوں نے مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے اعیاد ومواسم (مذہبی تقریبات) میں شرکت کو کتاب وسنت اور اجماع وغیرہ سے حرام ثابت کیا ہے، اور اسے ایمان واسلام کے لئے زبردست خطرہ قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں ان کی ایک نفیس بحث ملاحظہ ہو:

"وأما الاعتبار فی مسئلة العید فمن وجوه: أحدها أن الأعیاد من

Marfat.com

جملة الشرع والمناهج والمناسک التی قال الله سبحانه: "لكل أمة جعلنا منسكا هم ناسكوه" (سورۂ حج ۶۸) كالقبلة والصلاة والصيام فلا فرق بين مشاركتهم فی العيد وبين مشاركتهم فی سائر المناهج، فإن الموافقة فی جميع العيد موافقة فی الكفر، والموافقة فی بعض فروعه موافقة فی بعض شعب الكفر، بل الأعياد هی من أخص ما تتميز به الشرائع ومن أظهر مالها من الشعائر، فالموافقة فيها موافقة فی أخص شرائع الكفر وأظهر شعائره ولا ريب أن الموافقة فی هذا قد تنتهی إلی الكفر فی الجملة بشروطه" (اقتضاء الصراط المستقیم، تحقیق وتعلیق ناصر بن عبدالکریم العقل، الطبعۃ الاولی، المجلد الاول، فصل فی الاعیاد ص ۴۷۱)۔

اس عبارت کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے اعیاد یعنی مذہبی تقریبات میں شرکت اسلامی تشخص کے لئے حد درجہ تباہ کن ہے۔

۳- الف: کسی جھنڈے کو سلامی دینا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تعبدی امور کے مشابہ لگ رہا ہے، البتہ آزادی یا سیاسی جماعت کی علامت کے طور پر جھنڈے نصب کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

ب: وندے ماترم یا دوسرے مشرکانہ قومی ترانے اسلامی مزاج کے خلاف ہیں جنہیں مسلمانوں کے لئے پڑھنا جائز نہیں۔

وندے ماترم کا جو ترانہ ہے وہ ہمارے ملک کے سیکولر و جمہوری مزاج کے بھی خلاف ہے، اسی طرح وہ ترانہ ہمارے ملک کی آزادی کے بھی خلاف ہے، چونکہ اس کے بعض اشعار میں انگریزوں کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ اس ترانہ پر اصرار کیوں کیا جا رہا ہے؟

ج: "تحاكم الى الطاغوت" یعنی غیر اللہ کو حکم مان کر غیر اسلامی عدالت میں اپنا معاملہ لے جانا نص قطعی سے حرام ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کی دو آیات ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

"ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاکموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يکفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا بعيدا" (سورۂ نساء/۶۰)۔

"فلا وربک لا يؤمنون حتى يحکموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورۂ نساء/۶۵)۔

ان آیات کا نزول اگر چہ عہد نبوی کے مخصوص واقعات کے پس منظر میں ہوا ہے مگر ان کا مفہوم ومنطوق عام ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا معاملہ غیر اسلامی عدالت میں لے جائے، اس سلسلہ میں مسلمانوں کو شرعی دار القضاء یا شرعی پنچایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے، افسوس اس سلسلہ میں مسلمانوں کا تغافل حد سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، اس پر ہندوستانی مسلمانوں کو فوری توجہ دینا چاہئے۔

دراصل اگر غیر مسلم قاضی وجج نکاح وطلاق وغیرہ مسائل میں درست فیصلہ بھی کرے تو وہ مسلمانوں کے لئے شرعاً نافذ نہیں مانا جائے گا، اسی لئے انگریزی دور اقتدار میں مسلم قاضی وجج ہوتے تھے جو مسلمانوں کے نزاعی امور کا فیصلہ اسلام کی روشنی میں کرتے تھے۔

ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں اسلامی اقتدار نہیں ہے بطور ضرورت و اضطرار غیر اسلامی عدالتوں کے درست فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔

۴-**الف**: دنیا میں جو مذاہب ہیں ان کی راہیں اور منزلیں الگ الگ ہیں، لیکن مذہب اسلام کے علاوہ سارے مذاہب منسوخ ہیں، اب دنیا والوں کو مذہب اسلام کی دعوت دی جائے گی، اس سلسلہ میں درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱-"وأنزلنا إليک الکتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الکتاب ومهيمنا عليه فاحکم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم عما جاء ک من

Marfat.com

الحق لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا" (سورۂ مائدہ: ۴۸)۔

۲- "لكل أمة جعلنا منسكاً هم ناسكوه فلا ينازعنك في الأمر وادع إلى ربك إنك لعلى هدى مستقيم" (سورۂ حج ر ۶۷)۔

اسلام، یہودیت، عیسائیت وغیرہ مذاہب بعض امور میں ضرور مشترک ہیں، یہاں تک کہ مکہ کے کفار و مشرکین بھی اللہ تعالی کے تعلق سے توحید ربوبیت وغیرہ کے قائل تھے، مگر اس بنیاد پر وحدت ادیان یا تقارب ادیان کا نظریہ اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل نظریہ وحدت ادیان کے اسیر وہی مسلم دانشور ہیں جو صحیح دین و دانش سے ناواقف ہیں یا وہ مسلم طبقہ ہے جو تصوف کا دلدادہ ہے۔

ب: دنیا میں جو قومیں سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر پسماندہ ہیں اور مظلوم بھی ہیں، ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کا تعاون کریں، دراصل مذہب اسلام نے اپنی تعلیمات میں تمام انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے ساتھ حسن سلوک، مہربانی اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے۔

ج: یقیناً مذہب اسلام میں خدمت خلق کا بڑا وسیع تصور ہے جس میں مسلم وغیر مسلم اور انسان وغیر انسان میں تفریق نہیں کی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی مسلمان خدمت خلق کا ادارہ کھولے جیسے ہاسپٹل وغیرہ تو اس سے غیر حضرات کو بھی فائدہ پہنچانا چاہئے اور بلا تفریق مذہب وملت تمام لوگوں کے لئے خدمت و اعانت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے، چونکہ ہم خیر امت ہیں اس لئے اس بات کی پروا ہمیں نہیں کرنی چاہئے کہ غیر مسلم حضرات اپنے رفاہی اداروں میں تنگ نظری سے کام لیتے ہیں۔

د: زلزلہ، سیلاب اور متعدی امراض کے اثرات سماج کے تمام لوگوں پر پڑتے ہیں، مواسات کا تقاضا ہے کہ ایسے حالات میں تمام لوگوں کی اعانت کی جائے، جو مسلم تنظیمیں ریلیف کا کام کرتی ہیں انہیں چاہئے کہ برادران وطن کے ساتھ ہمدردی اور مواسات کا رویہ اختیار کریں۔

Marfat.com

الیکشن میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت

مفتی سعید الرحمن فاروقی (ممبئی)

ا- الف: الیکشن اور انتخابات کے نتیجے میں قانون ساز اسمبلیاں وجود میں آتی ہیں، اور یہی اسمبلیاں قوانین کی تنفیذ اجراء بلکہ تنسیخ کی بھی مختار ہوتی ہیں، گویا جمہوری حکومت کی باگ ڈور اسی مجلس قانون ساز کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر چہ حکومتیں اسلامی نقطہ نظر سے مقصود بالذات نہ ہوں، لیکن بہت سے مقاصد حاصل کرنے میں معاون ضرور ہیں، مثلاً اعلاء کلمۃ اللہ، قیام عدل، دفع جور و ظلم، حفاظت دین و ایمان جان و مال وغیرہ، غرض یہ ہے کہ اللہ کے عائد کردہ فرائض اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں حکومتوں کا بڑا دخل ہے، بسا اوقات اس قوت کے بغیر یہ فرائض ادا ہی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مسلمانوں پر حسب استطاعت حکومتوں کا قیام بھی واجب ہے، موجودہ دور میں اس کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ الیکشن و انتخابات ہیں، لہذا جہاں اس طریقہ کار کے ذریعہ کامیابی کا یقین یا ظن غالب ہوگا، وہاں اس کا روبہ عمل لانا یعنی الیکشن میں حصہ لینا امیدوار بننا، مہم چلانا وغیرہ واجب ہوگا۔ اور جہاں امکان ہوگا وہاں حصہ لینا جائز ہوگا، تاکہ مضرتوں سے بچ سکے، پوری دنیا میں آباد مسلمان کہیں اکثریت میں ہیں کہیں اقلیت میں ہیں، لہذا ہر جگہ کا حکم یکساں نہیں بلکہ مختلف ہوگا۔

جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہاں جمہوری نظام کی حکومت ہے، حکومت سازی کے سلسلے اور الیکشن اور انتخابات میں اہل حق اور اہل دین ایک طرف، بے دین یا

Marfat.com

بددین دوسری طرف ہوں، وہاں مسلمان پر اہل حق کی تائید وتصدیق اوران کا حکومت سازی کے لئے انتخاب کرنا واجب ہے، ہر قسم کے چھوٹے بڑے اختلافات کو بھلا کر متحد ہو جانا ضروری ہے، ایسے ہی مواقع کے لئے اللہ رب العالمین کا ارشاد "واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا" وارد ہوا ہے، اختلاف کے نتیجے میں پیدا ہو جانے والی کمزوری کو اس آیت "يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين" میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ تمام امور متعلقہ حرب میں (دشمنوں کو شکست دینے کے لئے) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا خاص لحاظ رکھو، تا کہ کوئی کام تمہارا خلاف شرع نہ ہو اور باہمی نزاع واختلاف مت کرو بلکہ متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرو اگر تم میں باہمی نااتفاقی پیدا ہوگئی تو کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ تمہاری طاقت منتشر ہو جائے گی اور ایک کا دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے گا، ایسی صورت میں تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی تمہاری طاقت کمزور پڑ جائے گی)(بیان القرآن)۔

اللہ کے باغیوں اور دشمنوں کا مقابلہ مواقع اور حالات کے اعتبار سے کیا جانا ضروری ہے، تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور دین حق غالب آسکے۔ موجودہ دور کے جمہوری نظام میں ایسے ممالک میں جہاں مسلمان کی اکثریت ہو، مسلمانوں کو متحد ہو کر انتخابات کے ذریعہ دشمنوں کا مقابلہ کرنا بہترین اور آسان طریقہ ہے، اس لئے ایسے ممالک کے باشندوں پر خصوصا آیات بالا کی تعمیل واجب اور ضروری ہے، احادیث مبارکہ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ نے متحد اور متفق رہنے کی تاکید اور اس کا فائدہ بھی بیان فرمایا۔

۲-جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں:

اس کی بھی دوصورتیں ہیں: الف-وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان بڑی تعداد اور

Marfat.com

مؤثر اقلیت میں ہوں، ب- وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان بہت چھوٹی اور گمنام غیر مؤثر اقلیت میں ہوں۔

(الف) کا حکم یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کو بھی جو انتخابات میں کلیدی اور مؤثر کردار کے حامل ہو سکتے ہیں، ہوا کے رخ پر بہہ جانے کے بجائے ان کے لئے ایسے طریقہ کار کی تلاش ضروری ہے جو تحفظ دین وایمان، جان ومال، عزت وآبرو کے لئے زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مفید ہو سکے۔ اور یہ کام پوری خوبی کے ساتھ بہتر طریقہ پر اہل صلاح وتقوی اور مجالس علماء کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے، اس لئے ان ممالک میں ایسی مجالس کا قیام ضروری ہے جو معروفات میں بندوں کی رہنمائی کریں اور منکرات سے ان کو بچا سکیں۔ "فلولا نفر من کل فرقة" اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ معروفات کے پھیلانے اور منکرات سے روکنے میں حکومت ہی کا بڑا دخل ہے۔ اس مجلس کے ذمہ مسلمانوں کی اقلیتی جمہوری ملک میں اپنے نمائندوں کا انتخاب بصورت دیگر بے ضرر جماعتوں کے ساتھ اتحاد ان کا بنیادی فریضہ ہے اور وہاں کے بسنے والے مسلمانوں پر ان نمائندوں کی جو اہل صلاح نے منتخب کئے ہیں تائید وتصدیق نتائج وتاثیر کے اعتبار سے واجب یا جائز ہوگی۔

واجب الصورت میں جب ظن غالب ہو کہ حکومت ساز اسمبلی ہمارے ہی نمائندوں سے بن جائے گی ورنہ بقیہ دیگر صورتوں میں جواز کا حکم ہوگا۔

اور ان کے قیام کی کوشش ضرور رہے گی، تاکہ مسلمانوں کی صیانت وحفاظت کی جا سکے اور ملی اور قومی مفادات کو نقصان پہنچنے سے بچایا جا سکے۔

ب- جن جمہوری ممالک میں مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں، کوئی مؤثر مقام ان کا نہ ہو وہاں کے احکامات پہلی قسم سے مختلف اور جدا ہوں گے، اگر کہیں یہ صورت پیدا ہو جائے تو الیکشن میں حصہ لینے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے اگر الیکشن میں حصہ نہ لینا قانونی

Marfat.com

جرم اور باعث ضرر نہ ہوتو کنارہ کشی اور اجتناب کا حکم ہوگا، تاکہ تعاون علی المعصیۃ کا سبب نہ بنے اور اس گناہ سے بچ سکے۔

اگر الیکشن میں حصہ لینا قانونا ضروری ہو، اور حصہ نہ لینا جرم ہو، دفع ضرر کی نیت سے الیکشن میں حصہ لینے سے گناہ نہیں ہوگا، فقہی ضابطہ "الضرر یزال "اور"تعاون علی المعصیة" اس صورت میں براہ راست نہیں ہے، اس لئے دفع مضرت کے ارادے سے حسب ضرورت و حاجت حصہ لینا تعاون کرنا وغیرہ جائز ہوگا۔ بعض مسلم اقلیتی جمہوری ممالک ایسے بھی ہو سکتے ہیں اور ہیں جہاں کوئی معتبر اور معتمد جماعت موجود نہیں ہے اور نہ ایسی جماعت قائم کرنے کی کوئی صورت بظاہر ممکن نظر آتی ہو، جتنی جماعتیں اور پارٹیاں موجود ہیں، وہ سب کے سب اسلام دشمنی پر متحد ہیں، پھر ان میں بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جن کی دشمنی مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ ہو، دوسرے وہ جن کی دشمنی اعلانیہ نہ ہو۔ ایسے مقامات پر ان دونوں جماعتوں میں سے جس کا ضرر و نقصان کم ہو اور ووٹ دینا مجبوری ہو۔ ووٹ دینا جائز ہوگا۔

سوال میں پیش کردہ صورت کا تعلق اسی قسم کے جمہوری ملک سے ہے، سوال کی اہمیت کے پیش نظر اور موضوع کی مناسبت کے سبب بقیہ دوسری صورتیں بھی لکھ دی گئیں۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام جمہوری ممالک اور اس کا نظام بے کار فرسودہ اور از کار رفتہ ہے، اس لئے دفع مضرت بھی غیر یقینی بلکہ بسا اوقات خوش خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ نظام پوری دنیا میں کہیں بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں رہا۔ اعلی سے اعلی اور ادنی سے ادنی عہدہ داران با اختیار افراد و اشخاص رشوت، فریب، مفاد پرستی، انانیت اور خود سری جیسے جرائم سے پاک نہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کے لئے باعث ضرر ہیں نہ کہ راحت رساں، پھر عدل و انصاف، ہمدردی، حقوق رسانی میں عملاً کیوں کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان کے اصلاح کی اس نظام میں کوئی صورت موجود نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہی غلط ہے۔ ہر شخص کو رائے دہی کا حق و

Marfat.com

اختیار اور ہر ایک کی رائے کی قیمت یکساں ۔ اسی طرح ہر کس و ناکس کو امیدوار بننے اور مجلس قانون ساز کا رکن ہو جانے کا حق ہے ۔ اگر چہ وہ نہ قانون داں ہو نہ قانون ساز ، بلکہ قانون شکن ہو تب بھی گنجائش نکل جاتی ہے، یہ دونوں بنیادی باتیں نہ صرف یہ کہ غلط ہیں بلکہ غیر معقول بھی ہیں، غرض یہ کہ از اول تا آخر پورا نظام غلط ہے، اس لئے خود اسے ختم کرنے اور بہتر نظام لانے کی ضرورت ہے اور وہ بلاشبہ اسلامی نظام ہی ہو سکتا ہے۔

ایک غلط چیز بھی دنیا پر ایسی مسلط ہوئی ہے جس کی بے سوچے سمجھے پیروی کی جارہی ہے، اس لئے ان کے احکامات تفصیل سے اوپر ذکر کئے گئے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے جمہوری ممالک میں مسلمانوں کی تعداد اکثریت میں ہوگی یا اقلیت میں، اس طرح جمہوری ممالک دو قسموں پر منقسم ہو جاتے ہیں۔

۱- وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان اکثریت میں ہوں۔

۲- وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان اقلیت میں ہوں، پھر اقلیت والے ملکوں کی دو صورتیں ہیں:

الف- وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان بڑی تعداد اور مؤثر اقلیت میں ہوں۔

ب- وہ جمہوری ملک جس میں مسلمان بڑی تعداد اور مؤثر اقلیت میں نہ ہوں۔

۱- جن جمہوری ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہو اور وہاں اہل حق و اہل دین ایک طرف، بد دین دوسری طرف، اس قسم کے ممالک میں مسلمانوں پر اہل حق و دیندار مسلمانوں کی نصرت واجب اور ضروری ہے۔

اگر بڑی آبادی اور مؤثر اقلیت میں مسلمان ہو تو حالات اور علاقے کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ جہاں کہیں غلبے اور قوت کا ظن غالب ہوگا وہاں حمایت و نصرت واجب ہوگی، اور اگر ظن غالب نہ ہوگا بلکہ امکان ہو یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہاں اسی اعتبار سے الیکشن اور انتخابات میں حصہ لینا جائز ہوگا۔

Marfat.com

سوال نمبر ا کے الف، ب کے جوابات تفصیل بالا میں درج کئے گئے ہیں۔

ج- مسلمانوں کے لئے نہ تو ایسی سیاسی جماعتوں میں شمولیت درست ہوگی اور نہ ان کے نمائندوں کو ووٹ دینا درست ہوگا، اگرچہ وہ ذاتی اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی بھی رکھتے ہوں، کیونکہ افراد و اشخاص جماعتی مقاصد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، یوں گویا للاکثر حکم الکل کے تحت اسی جماعت میں شمار کئے جائیں گے۔ الا یہ کہ اس کے مدمقابل دیگر نمائندے جماعتی اور شخصی دونوں اعتبار سے اس سے زیادہ نقصان دہ ہوں تو وہ شخص اخف الضررین کا مصداق ہوگا، یا شخصی طور پر نسبتاً ہمدردانہ ہو مگر جماعتی اعتبار سے اس کی اصلاح کے بعد ہمدردی حاصل کی جاسکتی ہو۔

د- اگر مسلمان پارٹیاں موجود نہ ہوں، یا ان کا وجود وعدم برابر ہو تو غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے پیش نظر معاہدہ کر لینا اور ان کی حمایت ونصرت کرنا درست ہے، جیسا کہ بنو قریظہ اور دیگر قبائل کے ساتھ حضور ﷺ نے معاہدہ فرمایا تھا۔

ھ- اسی طرح اللہ کے حکم کے مطابق اہل کتاب کو رسول اللہ ﷺ نے اتحاد کی بنیاد کی وضاحت فرما کر بدی یعنی شرک کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی تھی۔

۲-الف: مسلمانوں کے لئے ہر جگہ اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا بہتر ہے تاکہ غیروں کے تہذیبی مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں، قرآن کریم میں اللہ پاک نے غیروں کے ساتھ رہ کر اپنی تہذیب کھو دینے کو ظالم قرار دیا ہے۔

"إن الذین توفھم الملئکة ظالمی أنفسھم قالوا فیما کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الأرض، قالوا الم تکن أرض الله واسعة فتھاجروا فیھا فأولئک مأواھم جھنم وساء ت مصیرا" (بے شک ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے (باوجود قدرت ہجرت کے پھر ہجرت کے تارک ہو کر) اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو (اس

Marfat.com

وقت)وہ (فرشتے)ان سے کہتے ہیں کہ تم (دین کے) کس (کس) کام میں تھے (یعنی دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے)وہ (جواب میں) کہتے ہیں کہ ہم (اپنی بود و باش کی) سرزمین میں محض مغلوب تھے (اس لئے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کر سکتے تھے یعنی ان فرائض کے ترک میں معذور تھے)وہ (فرشتے) کہتے ہیں (اگر اس جگہ نہ کر سکتے تھے تو) کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس (سے کسی دوسرے حصہ) میں چلا جانا چاہئے تھا (اور وہاں جا کر فرائض کو ادا کر سکتے تھے، اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا) سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری جگہ ہے)(ترجمہ از بیان القرآن ماخوذ از معارف القرآن ۲/ ۵۲۵)۔

احادیث مبارکہ میں اسلامی تہذیب کی حفاظت کے لئے کہیں "اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب......"اور کہیں "لاخرجن الیهود و النصاری من جزیرة العرب" وارد ہوا ہے، مشرکین و یہود کو ارض مقدس سے باہر کر دو۔

یہ ایک فطری اور عقلی ضابطہ ہے کہ اختلاط کی صورت میں مسلمان موثر نہیں ۔ بلکہ متاثر ہی ہوں گے ۔اور یہ ایک ایسی ہی حقیقت ہے جس سے چند اللہ کے برگزیدہ بندوں کے سوا کوئی محفوظ نہیں رہ سکا ہے، اس لئے مخلوط آبادی میں رہائش کا موجودہ دور جواز بھی نہ ہونا چاہئے بہتری تو دور کی بات ہے۔

مشاہداتی نقصانات اس ممانعت و عدم جواز کی دلیل کے لئے کافی ہے مثلاً غیر مسلم لڑکیوں سے مسلمان کا نکاح کرنا وغیرہ۔

ب۔ غیروں کے جلوس میں شرکت اموات پر کی جانے والی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے وقت اس مجمع میں موجودگی ، اسی طرح ایصال ثواب جائز و درست نہیں ہے۔"من کثر سواد قوم فهو منهم" کی وعید اول الذکر دو صورتوں کے لئے ہے، جبکہ ایصال ثواب کی ممانعت آیت

Marfat.com

قرآنی "وما کان استغفار ابراھیم" سے ظاہر ہے، کیونکہ جب استغفار کی اجازت نہیں تو ایصال ثواب کی بدرجہ اولی نہیں ہوگی۔

ج- جو ہدایا وتحائف بتوں پر چڑھانے یا مذہبی رسومات سے گذارنے کے بعد پیش کی جائیں وہ لینا جائز نہیں ہے، اگر ان خرابیوں کے بغیر ہو تو جائز ہے۔

د- اس طرح کی اعانتوں کو قبول کرنا۔ جس کے عوض غیروں کے معبد اور ان کی مجالس کے لئے تعاون پیش کرنا پڑے، جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعاون علی المعصیۃ ہے اور وہ حرام ہے۔

ھ- ایسی تقریبات کا انعقاد مسلمانوں کا اس میں تعاون اور شرکت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے عبادت کی حقیقت اور اس کی روح سیاست کی نظر ہو جاتی ہے اور زیادہ اہمیت اجتماع کی ہوتی ہے گویا پورا نظام نقض موضوع پر مبنی ہوتا ہے۔

۳-الف: جھنڈے کی سلامی فعل عبث ہے، ایک غیر ذی روح لاشعور علامت کے سامنے ایک باشعور ذی روح کا جھکنا بے وقوفی ہے، قلب موضوع بھی ہے، کیونکہ جھنڈے کی عظمت ان باشعوروں اور عقلمندوں کی وجہ سے ہے، وہی اس کے محافظ ونگہبان ہیں، ان باشعوروں کے وجود پر اس کا وجود موقوف ہے۔ یہ نہ رہ جائیں تو وہ بھی نہ رہے گا۔ نہ اس کی کوئی حیثیت رہے۔ لہذا ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جھنڈا ان کے سامنے جھک جائے نہ کہ یہ اس کے سامنے۔ غرض یہ کہ افضل کا مفضول کی عظمت وسلامتی کے سامنے جھکنا قلب موضوع یا فعل عبث اور ممنوع ہے، اور خدانخواستہ عقیدتمندی اور احترام کے ساتھ سلامی پیش کی جاتی ہے تو شرک بھی ہے، اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان جھنڈے کی سلامی کے لئے مامور کیا جائے اور نہ کرنے پر کسی دشواری، ہتک عزت وغیرہ سے گزرنا پڑے تو اوپر مذکور حقائق پیش نظر رکھتے ہوئے عقیدت اور احترام کے بغیر اس عبث ولایعنی کام میں شریک ہو جائے، تو مضائقہ ومواخذہ نہیں۔

Marfat.com

ب- مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا جائز نہیں۔

ج- عدلیہ کے فیصلے اگر اسلامی قوانین کے خلاف ہوں۔ اولا: تو مسلمان کو ایسی عدالت میں جانا ہی نہ چاہئے، دوم: ان معاملات کا احصاء کرنا چاہئے جن میں عدالت عموما غیر اسلامی فیصلے صادر کرتی ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہئے، تاکہ وہ اس قسم کے فیصلے حاصل نہ کریں، نہ اس سے استفادہ کریں، اگر لاعلمی میں کوئی فریق انصاف فراہم کرنے والے اداروں میں اپنے مقدمات لے گیا اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا، تو اس کو اس فیصلے کے سہارے شریعت کے خلاف ناجائز حق سے استفادہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

۴- الف: سب سے پہلے تو یہ طے کرنا ضروری ہوگا کہ منزل کے اتحاد سے کیا مراد ہے، دنیوی زندگی کی کوئی منزل یا موت و مابعد الموت کی منزلیں؟ دنیوی زندگی کا اتحاد بداہتہ باطل ہے، البتہ سب موت پر متفق و متحد ہیں، مگر کیفیات موت و مابعد الموت کے حقائق پر اتحاد کا دعوی بلا دلیل قابل التفاف بھی نہیں۔ اور عقلی دلیل نہ لائی جا سکتی ہے نہ ہی مفید ہے، کیونکہ موت و مابعد الموت کے حقائق عقل کی گرفت سے باہر ہے، لہذا اس کے لئے صرف اور صرف نقلی دلیل ہی کام آسکے گی۔ اور نقلی دلیل میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی نقلی دلیلیں اگر موجود بھی ہوں تو غیر ثابت اور نا قابل استدلال ہیں، کیونکہ ان کے نقول متداول اور مستند طرق سے موجود نہیں ہیں اور جو کچھ ہیں وہ شکوک وشبہات سے خالی نہیں ہیں، اس لئے موت و مابعد الموت کے حقائق اور منزل کا تعین صرف اور صرف اس مذہب سے ہو سکتا ہے جس کے دلائل نقلیہ نہایت مستند شکوک وشبہات سے پاک اور نا قابل انکار ہوں۔ اور یہ شرف صرف مذہب اسلام کے دلائل کو حاصل ہے جس کی تصریحات کے مطابق الگ الگ راستے والوں کی منزلیں الگ الگ ہیں، بلکہ ایک ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ ظالموں اور مشرکوں کے لئے جہنم اور عادلوں، وحدانیت پرستوں کے لئے جنت اور دونوں میں اتنا فرق ہے جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

ب- اس قسم کے مظالم کا حل اور سد باب اسلام میں ہے اور مسلمانوں پر ظالم ومظلوم دونوں کو کم ازکم اس حقیقت سے آشنا کرنا اور اسلام کی دعوت دینا فرض ہے، تا کہ یہ فتنہ برتری وکمتری ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اور اس حقیقت کو سمجھانا کہ تم سب اور ہم سب پوری انسانیت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت ہے اور ان کا بزمٹی ہے۔

اس طرح سب کی حقیقت واصلیت ایک ہے، پھر برتری وکمتری، اونچ نیچ، رنگ ونسل علاقائیت وقومیت انسانیت میں فرق وتفریق تفضیل وتحقیر کا معیار کیسے بن سکتی ہے؟

اس کے علاوہ مظلوموں کی مدد، پریشان حالوں کے کام آجانا تو حضور ﷺ کے اوصاف اور ان کی حیات طیبہ کا ایک حصہ ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپ ﷺ کو انہی الفاظ میں تسلی دی اور آپ ﷺ کا شاندار تعارف پیش کیا۔

"کلا واللہ لا یخزیک اللہ أبدا، إنک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق" (بخاری ۱/ ۳)۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر سطح کے پریشان حالوں اور مظلوموں کے کام آجانا آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی...... جس میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور قرائن و واقعات اس پر شاہد ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔ وہیں ایک مفید بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس قسم کے کام میں بڑی برکت ہوتی ہے اور سب سے بڑی برکت اور باعث راحت بات یہ ہوتی ہے کہ ایسے انسانوں کی نصرت من جانب اللہ ہوتی ہے اور کامیابیاں قدم چومتی ہیں، ناکامیاں منہ پھیر کر رخصت ہو جاتی ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے اسوہ مبارکہ پر گامزن رہنا مذہبی ذمہ داری ہے، بقدر استطاعت یہ کام مسلمانوں پر فرض ہے جس کے نتائج وثمرات دنیا وآخرت دونوں جہاں میں مرتب ہونے میں بھی شک نہیں ہے، پھر ایسا کام نہ کرنا امت کا بڑا خسارہ ہے۔

Marfat.com

ج،د: رفاہی اداروں کے قیام اور ریلیف کے کاموں کا مقصد اصلا مسلمانوں کو راحت پہنچانا ہوتا ہے، اس لئے تقدیم وترجیح مسلمانوں کو ملنی چاہئے تا کہ اس کا اختصاص قائم رہے، تاہم کوئی غیر مسلم آ جائے تو اس کے ساتھ امتیازی سلوک اور بے اعتنائی نہ ہونی چاہئے الا یہ کہ کوئی خاص مصلحت پیش نظر ہو۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

عبداللطیف پالنپوری (گجرات)

۱-الف: اس سوال کے دو جز ہیں: ۱-مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا اور امید وار بننا، ۲-مسلمانوں کا ووٹ دینا۔ دونوں جز کا الگ الگ جواب پیش خدمت ہے۔

۱- کسی مسلمان کا الیکشن میں حصہ لینا اور امید وار کی حیثیت سے کھڑا ہونا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ وہ اس کی قابلیت وصلاحیت رکھتا ہو اور امانت داری اور قوم کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ حصہ لے رہا ہو۔

۲- اگر امیدوار امانتدار، نیک، صالح اور قابل آدمی ہو تو اس کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے، اور غیر متدین شخص کو ووٹ دینا نہ صرف یہ کہ جھوٹی شہادت ہے اور بری سفارش ہے بلکہ ناجائز وکالت ہے (جواہر الفقہ ۲/۲۹۱)۔

اب رہی یہ بات کہ پارلیمنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے جو بعض دفعہ شریعت اسلامی کے مغائر بلکہ اس سے متصادم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حلف وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا ورسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا، اٹھا لینے میں مضائقہ نہیں، اور پارلیمنٹ میں جانے کی نیت بھی یہ ہو کہ میں اپنی قوم وملت کے حقوق کی حفاظت کرنے اور حکومت کے ظلم وتشدد کا انسداد کرنے جارہا ہوں (کفایت المفتی ۹/۳۷۲)۔

Marfat.com

ب: اگر مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات انتخابات سے متعلق ہوں تو صحیح آدمی کو ووٹ دینا شرعاً لازم ہے (فقہی مقالات ۲/۲۸۷، کفایت المفتی ۹/۳۷۹، ۳۸۰)۔

ج: اگر الیکشن میں حصہ لینے والی کوئی سیاسی جماعت ایسی ہے جس نے علانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا مقصد بنالیا ہو، لیکن اس جماعت کا کوئی امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ مناسب ہے پھر بھی اس کو ووٹ دینے سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ اس کو ووٹ دینا اس کی جماعت کو تقویت پہنچانا ہے، خصوصاً جبکہ اس کے مقابل دوسری سیاسی جماعتوں کے امیدوار بھی ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ مناسب رویہ رکھنے والے ہوں تو انہیں کو ووٹ دینا چاہئے، ہاں اگر دوسری سیاسی جماعتوں کے امیدوار ذاتی اعتبار سے بدخصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ عناد و دشمنی کا رویہ رکھنے والے ہوں اور پہلی جماعت کے امیدوار کی کامیابی یقینی یا غالب ہو تو ایسی صورت میں اس کو ووٹ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تاکہ کم از کم اس کے حلقہ میں مسلمانوں کے حقوق کو تحفظ حاصل ہو۔

د: انتخابات کے موقع پر جبکہ کوئی صحیح مسلم سیاسی پارٹی نہ ہو، تو شرعی حدود پر قائم رہتے ہوئے ملی وقومی حقوق کے تحفظ کے لئے غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ معاہدے کرنا، ان کے ساتھ شرکت کرنا شرعاً مباح اور جائز ہے (کفایت المفتی ۹/۳۷۰، ۳۷۱)۔

ہ: معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، انسانیت کے نفع کے لئے کام کرنا اور معاشرے میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا یقیناً امت مسلمہ کا شرعی فریضہ اور طرہ امتیاز ہے، لہذا اگر تنہا مسلمانوں کی کوشش سے یہ مقاصد حاصل ہوسکتے ہوں تو دوسرے طبقات کا تعاون نہیں لینا چاہئے، تاکہ مذہب اسلام کا خیر المذاہب ہونا اور امت مسلمہ کا خیر الامم ہونا روشن اور عیاں ہو جائے، البتہ اگر ان مقاصد کے حصول کے لئے دیگر طبقات اور غیر مسلموں کا تعاون لابدی اور

Marfat.com

ضروری ہوتو پھر شرعی حدود میں رہتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا صحیح ہے (مستفاد از کفایت المفتی ۹/ ۳۶۵، ۳۶۶)۔

۲- الف: موجودہ دور اور ملکی حالات کے تناظر میں مسلمانوں کو اپنی علاحدہ آبادیاں بنانا بہتر ہے، تاکہ وہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے محفوظ رہ سکیں، نیز فسادات کے موقع پر اجتماعی قوت کے ذریعہ اپنا دفاع کر سکیں۔

ب: غیر مسلم کی آخری رسومات کے وقت اس کے پاس رہنا یا اس کے جنازہ میں شرکت کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلم کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت نہ مفید ہے اور نہ جائز ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۲۴۳، کفایت المفتی ۲/ ۲۸۲)۔

ج: مذہبی تقریبات اور تہواروں میں غیر مسلم حضرات اپنے مسلمان دوستوں کو جو تحفے اور تبرکات پیش کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد اگر تہوار کی تعظیم ہے تو لینا درست نہیں ہے، چاہے وہ بتوں کے نام پر چڑھائے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، ہاں غیر مذہبی تقریبات جیسے شادی بیاہ، بچہ کی پیدائش وغیرہ کے موقع پر جو تحائف یا کھانا مسلمانوں کو دیا جائے اس کا لینا اور کھانا درست ہے، بشرطیکہ پاک ہونے کا یقین ہو (کفایت المفتی ۹/ ۲۰۷، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۷، فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۲۰۷، امداد الفتاوی ۳/ ۴۸۱)۔

د: غیر مسلم حضرات مساجد، مدارس اور مسلمانوں کے مذہبی جلسوں میں تعاون پیش کریں تو چند قیودات کے ساتھ اس کا قبول کرنا صحیح ہے:

۱- اس کام کو وہ لوگ قربت اور ثواب کا کام سمجھتے ہوں، ۲- اس تعاون کے بعد احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو، ۳- اس تعاون کے بدلے وہ لوگ اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مذہبی تیوہاروں اور جلسوں کے لئے مسلمانوں سے تعاون کے خواستگار نہ ہوں (امداد الفتاوی ۲/ ۶۸۸، ۲/ ۶۸۹، احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۹)۔

Marfat.com

رہا مسلمانوں کا ان کی مذہبی تقریبات اور عبادت گاہوں کی تعمیر میں تعاون کرنا تو یہ درست نہیں ہے، اور تعاون علی الاثم کا ارتکاب ہے جس سے اجتناب لازم ہے، الا یہ کہ کسی جگہ مسلمان اقلیت میں ہوں اور چندہ نہ دینے کی صورت میں غیر مسلموں کی طرف سے ضرر کا اندیشہ ہو تو ان کو مالک بنانے کی نیت سے چندہ دے دیا جائے پھر اس کو وہ لوگ جہاں چاہیں خرچ کریں (فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۳۸۸، ۱۷/ ۴۸۲)۔

۵- (الف): مسلمانوں کے لئے کفار کے ان میلوں اور اجتماعات میں شرکت ناجائز ہے جو مشرکانہ رسوم پر مبنی ہوں، حدیث شریف میں ہے: "من کثر سواد قوم فھو منھم"، ہاں اگر کسی ملی یا قومی مصلحت کی بناء پر مجبوری ہو تو اس شرط کے ساتھ مباح ہے کہ ان کے کسی مذہبی فعل کی طرفداری یا تعظیم نہ کی جائے (کفایت المفتی ۹/ ۲۷۷، ۲۷۹)۔

(ب): مجبوری میں گنجائش ہے۔

۳- الف: یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے، اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے، بچنا اچھا ہے، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادل ناخواستہ کرنے میں مواخذہ نہیں ہوگا، انشاء اللہ (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۸۸)۔

ب: مسلمانوں کے لئے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا جائز نہیں ہے، جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہوں۔

ج: ملک کے باشندوں کو انصاف فراہم کرنے والے ادارے اگر ایسا فیصلہ کریں جو شرعی نقطہ نظر سے صحیح نہ ہوں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس فیصلہ سے استفادہ کی گنجائش نہیں ہے، دونوں کو چاہئے کہ دار القضاء یا شرعی پنچایت کے ذریعہ اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرائیں۔

Marfat.com

۴-الف: سوال میں مذکور طریق، اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں ہے۔

ب: حتی المقدور انسانی اخوت کے رشتہ سے ان کا تعاون ایک اخلاقی فریضہ ہے۔

ج: خدمت خلق کے لئے قائم کردہ اداروں میں بلاتفریق تمام لوگوں کی خدمت و اعانت کی وسعت نہ ہو تو ایسے اداروں کو مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھنا بہتر ہے، اور اگر تمام لوگوں کی خدمت کی وسعت ہو تو سب کے لئے دروازہ کھلا رکھنا چاہئے، مگر ترجیح مسلمانوں کو ہونی چاہئے۔

د: قدرتی حوادث جس سے تمام ہی لوگ متاثر ہوں، تو ایسے مواقع پر ریلیف کا کام انجام دینے والی مسلم تنظیموں کو برادران وطن کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، تاکہ وہ لوگ اسلامی اخلاق سے متاثر ہوں۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

Marfat.com

تحریری آراء:

☆ مولانامحمد برہان الدین سنبھلی

☆ مولانا محمدعبید اللہ اسعدی

☆ مولانا زبیر احمد قاسمی

☆ مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری

☆ مولاناولی اللہ مجید قاسمی

☆ مفتی شیر علی گجراتی

Marfat.com

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱-الف: اگر اکثر قوانین یا بالعموم خلاف اسلام بنتے ہوں یا بننے کا گمان غالب ہو تو ناجائز، ورنہ جائز۔

ب: واجب قرار دینا تو مشکل ہے، کیونکہ وجوب کے لئے قوی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، البتہ جائز، یا مناسب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ "جواہر الفقہ" میں مفتی محمد شفیع صاحب نے انتخابات میں ووٹ کے استعمال کی شرعی حیثیت ایک شہادت کی بتائی ہے جس کا چھپانا شرعاً ممنوع ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴) لیکن ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کی مذکورہ رائے پاکستان جیسے مسلمان اکثریت والے ملک کے پیش نظر دی گئی معلوم ہوتی ہے، مگر ہندوستان جیسے غیر مسلم اکثریت والے ملکوں کے تمام احکام میں مسلم اکثریت والے ملکوں سے برابری یا من کل الوجوہ مماثلت ضروری نہیں۔

ج: نہیں، کیونکہ پارٹی کے ٹکٹ پر جیتنے والے ممبران جماعت (پارٹی) کی پالیسی کے پابند ہوتے ہیں، چاہنے کے باوجود بعض مرتبہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے، بلکہ نہیں کر سکتے (ورنہ ممبری ختم ہونے تک کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

د:　جن پارٹیوں کی بنیاد ہی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی پر ہو ان سے معاہدہ کرنا اور اس میں شرکت کرنا شرعاً درست نہیں ہوگا۔

ہ:　صاف اور اچھے ذہن اور غیر متعصب قسم کے غیر مسلموں سے تعاون لینا درست ہے اور انہیں جائز کاموں میں تعاون دینا بھی روا ہے، "**لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم في الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم**" سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔

۲-الف: اگر مسلمانوں کے غیر مسلموں پر اثر انداز ہونے اور اسلام سے انہیں قریب کرنے کا غالب گمان ہو تو غیر مسلموں کے درمیان مسلمانوں کا رہنا مناسب ہوگا، ورنہ نہیں، بلکہ اگر غیر مسلموں سے تہذیب وتمدن یا عقائد میں متاثر ہونے کا خطرہ یا معمولی امکان بھی ہو (جیسا کہ آج کل عموماً مشاہدہ میں آرہا ہے) تو ساتھ رہنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

ب:　نہیں، "تعاون علی الإثم" ہونے کی وجہ سے۔

غیر مسلم کو ایصال ثواب کرنے کی شرعاً قطعی گنجائش نہیں ہے، "**لا تصل علی أحد منھم مات أبدا ولا تقم علی قبرہ**" کے تقاضے سے، دوسرے جائز کاموں میں شرکت کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً جلوس جنازہ میں شرکت کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور دیگر ایسی رسومات جن میں تعبدی شان نہ ہو (غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ نہ ہو) ادا کئے جانے کے وقت صرف موجود رہنے کی گنجائش نظر آتی ہے، عملی یا قولی شرکت کی نہیں، کیونکہ بظاہر تعبدی عمل نہ ہونے کے باوجود جنازہ میں ادا کئے جانے والے رسوم مذہبی ہی ہوتے ہیں اور معنیً تعبدی شان کے حامل۔

Marfat.com

ج: تہواروں (اگر مذہبی عبادت کا رنگ نہ ہو) اور خوشیوں (مثلاً شادی بیاہ) کے مواقع پر ان سے مٹھائی لی جاسکتی ہے، البتہ مذہبی طور پر تقسیم ہونے والی کسی چیز کا لینا اور استعمال کرنا شرعاً درست نہ ہوگا، "ما أهل به لغير الله" کا مصداق ہونے کی وجہ سے۔

د: غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر وغیرہ میں تعاون دینا شرعاً جائز نہیں (کیونکہ "تعاون علی الاثم" ہوگا) اور اگر اس کا خطرہ ہو (بلکہ دور کا امکان بھی ہو) کہ غیر مسلم اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر میں جواباً تعاون لینے کی خواہش مند ہوں گے (یا مطالبہ کریں گے) تو مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اپنی عبادت گاہ مسجد وغیرہ کے لئے تعاون لینا بھی درست نہ ہوگا۔

ھ: الف: ایسی مذہبی تقریبات جن میں غیر اللہ کی عبادت ہونا معمول یا مظنون ہو ان میں شرکت جائز نہیں۔

ب: تیوہاروں پر مبارک باد دینا لفظی طور پر درست لگتا ہے۔

۳-الف: جھنڈا کو سلامی دینا شرعاً درست نہیں۔

ب: یہ بھی درست نہیں۔

ج: اگر شرعاً مسلمان کے لئے فی نفسہ اس کا استعمال جائز ہے تو اس سے استفادہ حلال ہوگا ورنہ نہیں، "إن القضاء لا يحل حراماً"۔

۴-الف: ہرگز نہیں، "إن الدين عند الله الإسلام"، "ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه"۔

ب: ہر مسلمان پر امکانی حد تک ہر مظلوم اور ستم رسیدہ کی مدد کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ذمہ داری کا عین تقاضہ ہے کہ اس کے بارے میں مسئولیت ہو مگر "علی الکفایۃ" ہوگی، نہ کہ "عین" اور بقدر استطاعت ہوگی نہ کہ اس کے علاوہ۔

Marfat.com

ج: مسلمان جیسا کہ اوپر گذرا، ہر مصیبت زدہ اور تکلیف میں مبتلا شخص کی مدد کرنے کا بقدر استطاعت شرعاً مکلف ہے اور اس میں "الاقرب فالاقرب" کا اصول بھی فطری ہے، یعنی اگر صرف ایک کی مدد کرنے کی استطاعت ہو اور ضرورت مندکئی ہوں تو اقرب کی مدد کرنا اقدم ہوگا، ظاہر ہے کہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم اقرب ہے، اور ایک اصل "الاحوج فالاحوج" بھی ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ "احوج" کو مقدم رکھا جائے۔

د: مذکورہ بالا جواب (ج) سے (د) کا بھی جواب معلوم کیا جاسکتا ہے۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے اہم مسائل

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی
جامعہ عربیہ، ہتھورا (باندہ)

ا- الف: جمہوری ممالک میں جہاں نظم و انتظام کا تعلق انتخابات سے ہے، وہاں الیکشن میں مسلمانوں کا حصہ لینا درست ہے، خواہ کسی اعتبار سے ہو، اور ملکی قوانین میں دستور کے ساتھ وفاداری کا جہاں تک معاملہ ہے تو مخالف شرع قوانین کچھ ہی ہوتے ہیں اور یہ جواز بنیادی مقاصد و مصالح پر مبنی ہے، کفار سے معاملات میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ بنیادی مقاصد کے پیش نظر بہت سے ضرر کو بھی گوارا کرلیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ اگر عین جنگ کے موقع پر کفار بعض مسلمانوں کو اپنے لئے آڑ بنالیں اور اب کفار کو نقصان پہنچانا بغیر مسلمانوں کو ضرر پہنچائے ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کو نشانہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، سوال ایسے ممالک کا ہے جو بنیادی طور پر جمہوری اور سیکولر ہیں، جہاں قوانین کی وضع مفاد عامہ کے تحت ہوتی ہے۔

ب: ذاتی و ملی مصالح و مفادات کی بقاء و تحفظ جب انتخابات سے متعلق ہے تو انتخابات میں حصہ لینا درست و بہتر تو ہے ہی، ضروری بھی قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ حالات کے تحت ضروری ہے۔

ج: جو جماعتیں اپنے دستور کی رو سے اسلام مخالف اور مسلمان دشمن ہیں ان کی جزئی مدد اور ان میں جزئی شرکت بھی درست نہیں، کیونکہ دو چار افراد کیا کرسکیں گے، جبکہ دستور ہی کچھ اور ہو۔

Marfat.com

د: ملی مفادات کے تحت مناسب پارٹیوں سے معاہدہ ومعاملہ اور مدد سب درست ہے، بلکہ حسب موقع ضروری بھی ہے۔

ھ: جمہوری ممالک میں جہاں مختلف المذاہب لوگ رہتے ہیں مصالح کا مقتضیٰ مل کر رہنا ہے، لہذا مشترکہ تنظیمیں ایک ضرورت ہیں اور ان میں مسلمانوں کی اچھی نمائندگی اور کارکردگی مسلمانوں اور اسلام کی اچھی شبیہ پیش کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

۲- الف: مسلمانوں کے لئے ہر اعتبار سے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی مستقل آبادیاں بنائیں، مخلوط آبادیوں میں رہ کر کام کی امید کم اور مضرتیں وخطرات زیادہ ہیں، مستقل آبادیاں ہوں جن کو مثالی بنایا جائے تو خود بخود مسلمان اثر انداز ہوں گے۔

ب: کافر کے لئے دعا واستغفار اور ایصال ثواب کی کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ جنازہ میں شرکت کی جاسکتی ہے، مگر جنازہ کی عمل میں شرکت کے بغیر، یعنی جلانے وغیرہ کے عمل میں شرکت نہ ہو، بس ساتھ رہ سکتے ہیں اور چل سکتے ہیں۔

ج: غیر مسلم اپنی تقریبات اگر چہ مذہبی کیوں نہ ہوں، ان مواقع میں کچھ پلائیں کھلائیں یا دیں تو گنجائش ہے، لیکن چڑھاوے والا سامان نہیں، اس کا لینا وکھانا غیر اللہ کے نام پر ہونے کی بنا پر درست نہیں ہے، البتہ کہیں مصلحت کا تقاضا ہو تو ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر کردے۔

د: اس طرح کا باہمی تعاون درست ہے، اصل تو یہ ہے کہ مسلمان بچے بالخصوص جبکہ اس کا امکان ہو کہ مسلمان کو بھی دینا وکرنا پڑے گا، لیکن حالات کے تحت کرنا پڑے اور کرنا پڑتا ہے تو نیت یہ کرلی جائے کہ مانگنے والوں کا تعاون اور ان کے لئے ہے، وہ جو چاہیں کریں، اس کام میں شرکت کی نیت نہ کریں۔

ھ: مذہبی تقریبات کی مناسبت سے کھانے پینے میں شرکت تو درست ہے، مگر نفس اعمال

Marfat.com

میں شرکت کسی طرح درست نہیں، عید کا کھانا پینا اس کے تحت آتا ہے، مگر افطار کا مسئلہ مختلف ہے، وہ عبادت ہے، جس میں بے جا توسع ہوتا جارہا ہے۔

ایسے مواقع پر مبارکباد دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۳-الف: جھنڈے کی سلامی کی بعض علماء نے اجازت دی ہے، اچھا نہ ہونا الگ بات ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۸۸، بحوالہ مفتی کفایت اللہ، نقیب جولائی ۱۹۹۳ء)۔

ب: مشرکانہ مضامین پر مشتمل قومی ترانے، مسلمانوں کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہیں۔

ج: جمہوری ممالک کی عدالتوں کے خلاف شرعی فیصلے جو باہمی معاملات میں ہوتے ہیں، ان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اصلاً تو مسلمان کو ایسی عدالتوں سے ایسے معاملات میں رجوع نہ کرنا چاہئے، لیکن فیصلہ ہو جانے کے بعد دفع ضرر کی خاطر مدعا علیہ کو تو ماننا ہی ہوگا، رہا مدعی اور جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے حنفیہ کے اس قول کے تحت گنجائش ہوسکتی ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوتا ہے، اگر چہ مراد قاضی شرع و قاضی اسلام ہے، مگر ایسے ممالک میں کیا کیا جاسکتا ہے۔

۴-الف: راستے مختلف اور منزل ایک۔ یہ نظریہ سراسر غلط و باطل ہے، اور مسلمان کا اس کو تسلیم کرنا باطل مذاہب سے حسن عقیدت کو بڑھانے والا اور دین حق سے دلچسپی کو کم کرنے والا ہے۔

ب: انسانی اخوت اور اسلامی تعلیمات کے تحت مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ برادران وطن کی بہتری کو سوچیں، اپنے معاملات تو درست رکھیں ہی، دوسری سطح میں بھی جد و جہد کرتے رہیں۔

ج: جمہوری ممالک میں رفاہی تنظیمیں جن کو مسلمان چلاتے اور قائم کرتے ہیں، ان کے

Marfat.com

افادے کو عام رکھنا و کرنا ضروری ہے، اس کے بہت سے فوائد ہیں، یہ بات الگ ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اولیت دی جائے۔

د: ہنگامی حالات اور نا گہانی مصائب میں مسلمان کو عدل و انصاف اور حق و انسانیت کے مطابق معاملہ کرنا چاہئے، دوسروں کی تنگ نظری کو اسوہ نہ بنائیں، بلکہ "لکم دینکم ولی دین" کو اسوہ بنائیں۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا نازبیر احمد قاسمی
اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی (بہار)

جہاں تک ''مسلم غیر مسلم تعلقات'' کے حدود ودائرہ کی بات ہے تو اس سلسلے میں ایک ''اصل کلی'' کے طور پر ہمارے سامنے نص قرآنی موجود ہے: ''لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ الا ان تتقوا منھم تقاہ''۔ اس آیت کی روشنی میں دیگر احادیث نبویہ کی مدد سے تعلقات غیر مسلم کے ہر ہر نوع کے احکام آسانی کے ساتھ معلوم ہوجاتے ہیں۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''مسلمانوں کو چاہئے کہ ظاہرا یا باطنا کفار کو دوست نہ بنائیں''، لفظ اولیاء کا اطلاق اسی عموم کو چاہتا ہے، پھر ملحقات الترجمہ میں فرماتے ہیں: ''قولہ ظاہراً أو باطناً'' أفادہ إطلاق لفظ أولیاء مع استثناء حال التقاہ وإلا لم یصح الاستثناء لأن الخوف لا یجوز الموالات الحقیقة القلبیة لعدم الضرورة فیھا۔ فإن القلب لا یطلع علیہ من یخاف منہ'' فکان الأصل فی الموالات ھو الحظر' والضروری یقدر بقدر الضرورة وقد ارتفعت الضرورة بصورة الموالات (أی ظاھر الموالات) فلا بد لصحة الاستثناء أن یکون المستثنی منہ شاملا للصورة والمعنی أی ظاھر الموالات و باطنھا

Marfat.com

فافھم'' مزید فرماتے ہیں: ''تتقوا منھم تقاۃ'' میں خوف سے مراد اندیشۂ قوی ہے صرف درجۂ وہم نہیں۔

آیت بالا سے گویا دفع مضرت کے لئے صرف ظاہری موالات کی اجازت ہے اور بس! حقیقی دوستی ہرگز جائز نہیں۔ اب یہ ظاہری خوش خلقی اور اچھا برتاؤ یعنی مدارات دفع مضرت کے لئے ہو یا کفار کے نفع دینی اور توقع ہدایت کی وجہ سے ہو یا پھر اکرام کے طور پر۔ باقی مالی تعاون، نفع رسانی اور احسان، یہ غیر حربی کے ساتھ جائز ہے، اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے، سورۂ ممتحنہ کی آیت: ''لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم'' سے ''یحب المقسطین'' تک، اور ''إنما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین'' سے ''اولئک ھم الظالمون'' تک، میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اس قرآنی اصل کلی کے بعد ضرورت نہیں کہ تعلقات غیر مسلم کے تمام جزئیات کو بھی زیر بحث لاکر اس کے متعلقہ احکام شریعت کی تفصیل اور وضاحت میں وقت ضائع کیا جائے۔

تعلقات کا ہر وہ نوع جو مداہنت فی الدین کو مستلزم ہوگا، رواداری کی ہر وہ شکل جو غیرت ایمانی اور دینی حمیت کے خلاف ہوگی، اور کسی بھی غیر اسلامی اور کفر وشرک کے شعائر کے احترام وتکریم تک پہنچا دینے والی ہوگی، اسے ہرگز جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح تعلقات غیر مسلم کو نباہنے کی نیت سے جو فعل محض عبث ولا حاصل ہو یا جلب منفعت کی خاطر نہ ہو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

آخر میں اسی موضوع کے ذیل میں جو ایک سوال ''الیکشن'' کے بھی متعلق ہے اس سلسلے میں صرف اتنا واضح کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ''ووٹ'' کی جو شرعی حیثیت وکالت و شفاعت اور شہادت کی ہے اور اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کی جو ہدایت وحد بندی ہے ان

Marfat.com

حدود کی رعایت اور ہدایت کی پابندی کی اہمیت شرعیہ واضح کرتے ہوئے عوام بلکہ خواص تک کی ذہن سازی بھی ہونی چاہیے، تا کہ وہ امیدواری کے میدان میں آتے ہوئے یا ووٹ دیتے ہوئے شرعی ہدایت کے استحضار کے ساتھ ہی الیکشن میں حصہ لے سکے، ورنہ یہ کہنے کی بات نہیں کہ ایک دم سے الیکشن میں حصہ لینا خواہ جس انداز سے بھی ہو محنت برباد گنہ لازم کا مصداق بھی ہوسکتا ہے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

۱-الف: انگریزوں کا رائج کردہ جمہوری نظام، حکومت اور طریق انتخابات عقل ونقل ہر اعتبار سے محل نظر ہے، اور موجودہ دور میں اس نظام میں اتنی خرابیاں در آئی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا (فتاوی محمودیہ ۳۸۶)، اس لئے اس عمل میں کسی طرح بھی حصہ لینا بجائے خود ایک مفسدہ ہے، لیکن بدقسمتی سے چونکہ اب یہ نظام اکثر ممالک میں جڑ پکڑ چکا ہے اور اس کو نظر انداز کرنا مشکل ترین امر ہے اور اگر مسلمان اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جائیں اور ووٹ کا استعمال ترک کردیں تو ان کے حقوق کے ضیاع کا واقعی خطرہ موجود ہے، اس لئے مجبورا اس بڑے اور سنگین خطرہ سے بچنے کے لئے جمہوری ممالک کے الیکشن کے عمل میں امیدوار یا ووٹر کسی بھی حیثیت سے حصہ لینے کی اجازت دی جائے گی، تاکہ کسی نہ کسی درجہ میں حقوق کے تحفظ کا نظم ہو سکے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما" (الاشباہ ۱۴۵، جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴، فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۶۲، ۵/ ۳۴۱)۔

ب: ووٹ دینا ہر صورت میں تو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن حالات کے اعتبار سے بعض صورتوں میں واجب ہوسکتا ہے، مثلا کسی مسلم دشمن یا ملک دشمن پارٹی کو اقتدار سے روکنے کے لئے ووٹ کا استعمال ضروری ہو (مستفاد کفایت المفتی ۹/ ۳۷۵)۔

Marfat.com

ج: جمہوری نظام میں شخص کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ پارٹی کی اہمیت ہوتی ہے، لہذا مسلم دشمن جماعت کا امیدوار اپنی ذات سے کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو اس کی تائید دراصل مسلم دشمن پارٹی کی تائید کہلائے گی، اور اس کی حمایت کرنے سے مذکورہ پارٹی کو تقویت ملے گی، لہذا ایسی مسلم دشمن پارٹی میں شامل ہونا یا اس کے امیدوار کو ووٹ دینا "تعاون علی الاثم والعدوان" کی بنا پر ناجائز اور گناہ ہوگا۔

د۔ جب تک کوئی اور راستہ نہ نکلے ''اھون البلیتین'' کو اختیار کرتے ہوئے ملی مفادات کے اعتبار سے غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے اشتراک عمل کی گنجائش دی گئی ہے (کفایت المفتی ۹/ ۳۹۲)، لیکن یہ ایک عارضی حکم ہے، اصل شرعی حکم اس موقع پر یہ ہے کہ مسلمانوں کو انفرادی طور پر کسی غیر مسلم پارٹی میں ضم ہونے کے بجائے خود ایسی جماعت تشکیل دینی چاہئے جس میں ان کا اثر سب سے زیادہ ہو، پھر یہ جماعت اصولی طور پر دیگر غیر مسلم پارٹیوں سے معاہدہ کر کے حسب معاہدہ اپنی جماعت کے انتخابی نشان پر انتخابات میں حصہ لے۔ اور کسی مسلم جماعت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مستقل طور پر کسی غیر مسلم پارٹی کے تابع محض بن جائے بلکہ اپنا امتیاز باقی رکھنا ضروری ہے۔

ھ - انسانیت کی خدمت دنیا میں امن وامان کے قیام اور کمزوریوں کی حمایت کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر انجمن یا تنظیم بنانا نہ صرف جائز بلکہ مفید اور مستحسن ہے، نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت سے ۲ سال قبل مکہ معظمہ میں '' حلف الفضول'' کے نام سے ایک بین القبائلی معاہدہ کیا گیا تھا، جس کی شرط یہ تھی کہ جب بھی مکہ میں کسی مظلوم پر ظلم ہوگا یا کسی کمزور کی حق تلفی کی جائے گی تو ہم سب مل کو مظلوم کا ساتھ دیں گے اور حق دار کو حق دلائیں گے، یہ معاہدہ مکہ کے مشہور سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا تھا جس میں نبی اکرم ﷺ بھی رونق افروز تھے، آپ ﷺ نبوت ملنے کے بعد اس معاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اسلام کی

Marfat.com

حالت میں بھی اس طرح کے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ اس بنا پر مذکورہ اہم ترین مقاصد کے لئے غیر مسلموں سے اشتراک عمل میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔''لقد شهدت فى دار عبد الله بن حدعان حلفاً لو دعيت به فى الإسلام لأجبت، تحالفوا أن ترد الفضول على أهلها، ولا يغر ظالم مظلوما'' (الروض الانف ۱/ ۲۴۲، البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۶۹۶)۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ

۱-الف: موجودہ جمہوری حکومت کی بنیاد اس پر ہے کہ قانون کا ماخذ صرف جمہور کا اجتماعی ادارہ ہے، باشندگان ملک خود ہی قانون بنانے اور اس کے مطابق نظام حکومت چلانے کے مجاز ہیں، اکثریت جسے صحیح سمجھے جائز اور دستوری لحاظ سے درست اور جسے غلط قرار دے وہ قانوناً جرم کے دائرے میں آئے گا، جمہوری طرز حکومت میں عوام حاکم ہوتے ہیں، اس لئے ووٹ دینے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا حاصل شدہ حق حاکمیت دوسروں کو منتقل کرتا ہے اور کتاب وسنت سے بے پروا کو قانون سازی کا حق دیتا ہے۔

اس کے برخلاف اسلام کی بنیاد اس پر ہے کہ اللہ ہی مطاع حقیقی ہے، کسی دوسرے کے لئے آئین سازی اسی وقت زیبا ہے جبکہ وہ خدائی ہدایت کی روشنی میں قانون بنائے، اللہ کے سوا کسی اور کو مستقل قانون سازی کا حق دینا شرک ہے، اور اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے لئے قانون سازی کا حق تسلیم نہیں کرتا ہے، لیکن کسی ایسے ادارے میں شریک ہے جو خود کو قانون ساز سمجھتا ہو اور وہ اس قانون سازی میں معاون بھی ہو تو ایسا شخص فسق عظیم کا مرتکب ہے۔ لیکن اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر مسلمان اس کی رکنیت قبول نہ کریں یا انتخابات میں حصہ نہ لیں تو بچے کھچے حقوق بھی ختم ہو جائیں تو بدرجہ مجبوری ان دو برائیوں میں سے کم تر کو گوارا کیا جا سکتا ہے، تاکہ دین، شعائر دین، اور ملی تشخص کے قیمتی اثاثے کو برقرار رکھنے میں مدد مل سکے۔

Marfat.com

یہ بھی پیش نظر رہے کہ جو چیز بوقت ضرورت جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کے بقدر ہی جائز ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ مقاصد کی تکمیل غیر مسلموں کو ووٹ دے کر ہوسکتی ہو تو مسلمانوں کو رکن بننے سے گریز کرنا چاہئے، تاکہ براہ راست غیر شرعی قانون سے اعلان وفاداری اور آئین سازی میں شرکت نہ ہو، اور اگر غیر مسلموں کے ذریعہ ان مفادات کا حصول ممکن نہ ہو تو پھر کسی مسلمان کو آگے بڑھنے کی اجازت ہوگی، لیکن اس کے ذہن میں بھی اس نظام کی قباحت وشناعت ہونی چاہئے، اور اس کے ساتھ ہی ایک کسک وتڑپ اس نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اسے بے چین رکھے، نیز دیگر لوگ بھی اس راہ کی جد وجہد سے غافل نہ ہوں۔

ب: ووٹ دینا کفر عملی اور فسق عظیم میں اعانت ہے، بدرجہ مجبوری رخصت ہے، لیکن عزیمت پر عمل کرنا اولی ہے، دوسرے طریقوں سے اپنی حیثیت منوانے کی کوشش ہونی چاہئے، رخصت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے لیکن واجب کسی بھی حال میں نہیں۔

ج: دیکھا یہ جارہا ہے کہ پارٹی کے رخ ہی پر ممبران چلتے ہیں، اس لئے محض کسی ممبر کی ذاتی خصوصیات یا مقامی ضروریات اور مفادات کے پیش نظر فاشسٹ نظریات کی حامل جماعت کے کسی ممبر کو ووٹ دینا درست نہ ہوگا، اور نہ ہی ایسی جماعت میں شمولیت جائز ہوگی کہ اس کی وجہ سے ملی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔

ھ: معاشرہ میں امن وسلامتی وغیرہ کے لئے غیر مسلموں کے اشتراک کے ساتھ کام کیا جاسکتا ہے، جس کے لئے احادیث میں مذکور واقعہ ''حلف الفضول'' بہترین نظیر ہے۔

۲-الف: عام حالات میں مسلمانوں کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ ایسی جگہ سکونت پذیر ہوں جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہوں، بلکہ وہاں سے نقل مکانی کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اور اس کے بچے غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے محفوظ رہیں، کیونکہ غیر محسوس طریقے پر انسان اکثریت کے کلچر

Marfat.com

میں ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے، خصوصاً ہندوستان میں فسادات کے پس منظر میں حفاظتی نقطہ نظر سے مخلوط آبادی میں قیام کرنا غلط ہے، لیکن اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے متاثر نہ ہوگا بلکہ اپنے کردار وعمل سے وہ اسلام کا مبلغ ثابت ہوگا تو ایسے شخص کے لئے ان کے درمیان رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہ نے مختلف شہروں اور ملکوں کو اس وقت اپنا وطن بنایا جبکہ وہاں ان کے علاوہ کوئی اور اللہ واحد کا نام لیوا نہ تھا۔

ب: غیر مسلم کے جلوس جنازہ میں شرکت یا آخری رسوم کے وقت وہاں موجود رہنا درست نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی قریبی رشتہ دار ہو تو جلوس جنازہ سے دور رہ کر اور آخری رسوم جہاں انجام دیئے جا رہے ہوں وہاں سے ہٹ کر شریک ہوا جا سکتا ہے۔

غیر مسلموں کے لئے قرآن وغیرہ کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا حرام ہے۔

ج: تہوار اور مذہبی تقریبات کے موقع کا تحفہ تو جائز ہے، البتہ بتوں پر چڑھائی ہوئی چیز پرشاد ناجائز ہے، کسی مسلمان کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہے۔

د: مساجد ومدارس میں غیر مسلموں کے تعاون کو قبول کیا جا سکتا ہے، البتہ ان سے چندہ مانگنا غلط ہے کہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے، لیکن مسلمان کے لئے مندر کی تعمیر، مذہبی جلوس، پوجا پاٹ وغیرہ کے لئے چندہ دینا ناجائز ہے، لیکن چندہ دیئے بغیر چھٹکارا نہ ہو تو مانگنے والوں کو مالک بنانے کی نیت سے دیدینے کی گنجائش ہے۔

ھ: غیر مسلموں کے تہوار اور مذہبی تقریبات میں شرکت نادرست ہے، اسی طرح سے تہوار کے لئے مبارکباد دینا بھی ممنوع ہے۔

۳-الف: جھنڈے کی سلامی میں احترام اور تعظیم کی ذہنیت کارفرما ہوتی ہے اور کسی کی تعظیم کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس کا مستحق ہو، اور کسی کا مستحق تعظیم ہونا موقوف ہے دلیل صحیح پر، اور

Marfat.com

جھنڈے کے لئے کوئی دلیل مستحق تعظیم ہونے پر موجود نہیں ہے، لہذا یہ ناجائز ہے، البتہ اگر صرف جھنڈا لہرانا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ب: جس ترانے میں وطن کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیا گیا ہو، اسے پڑھنے یا پڑھنے کے دوران احتراما قیام کرنا حرام ہے۔

ج: غیر مسلم عدالتوں کے غیر شرعی فیصلوں کی تائید اور اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۴- الف: وحدت ادیان کا تصور کسی بھی درجے میں قابل قبول نہیں۔

ب، ج، د: مظلوم غیر مسلموں کی اعانت، ان کے دکھ درد میں شرکت، خدمت خلق کے ارادے سے غیر مسلموں کو فائدہ پہنچانا، قدرتی آفات کے موقع پر غیر مسلموں کی مدد جائز اور درست بلکہ باعث اجر وثواب ہے۔

✦✦✦

Marfat.com

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مفتی شیر علی گجراتی

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر (گجرات)

۱-الیکشن سے متعلق جوابات:

الف: ملی مصالح کے پیش نظر الیکشن میں کھڑا ہونا ہی چاہئے، بشرطیکہ امیدوار کی نیت یہ ہو کہ وہ الیکشن مین جیت کر قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے حتی الامکان ملی وقومی حقوق دلانے کی کوشش کرے گا اور حتی المقدور اصلاح اور ازالہ فساد کی سعی کرے گا۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱-جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا جبکہ وہ غیر مسلم حکومت تھی۔

۲-اسی طرح ہمارے بعض اکابر کا معمول بھی الیکشن میں کھڑے ہونے کا رہا ہے، نیز ہمارے اکابر نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ سکوت اختیار فرمایا۔

۳-الیکشن میں حصہ لینے کے ساتھ بہت سے ملی و دینی فوائد وابستہ ہیں اور اس سے علاحدہ رہنے میں بہت سے خطرات ہیں۔

ب- ایسے نمائندہ کو جس سے عدل وانصاف کی امید ہو اور اس سے ملی وقومی مفادات وابستہ ہوں اس کو ووٹ دینا ہی چاہئے۔

Marfat.com

ج- ایسی سیاسی جماعت جو علی الاعلان اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتی ہو، اس کے کسی ایسے امیدوار کو جس کا رویہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ مناسب ہو ووٹ دینا بالکل درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسے امیدوار سے کوئی وقتی اور جزوی فائدہ تو ہوسکتا ہے، لیکن ملکی یا ریاستی سطح پر ایسے امیدوار سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ ایسے امیدوار کو ووٹ دینا دراصل اسلام دشمن پارٹی کو تقویت پہنچانا ہے، جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ/۲)۔

د- غیر مسلم سیاسی جماعت کے ساتھ انتخاب کے موقع پر ملی مفادات کے تحت معاہدہ کرنا، ان کی حمایت کرنا اور ان کا ساتھ دینا جائز ہے۔ صحیح اور جائز مقاصد کے تحت کفار سے معاہدہ کرنا قرآن کریم، سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "**وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله**" (سورۂ انفال/۶۱)۔

اسی طرح صلح حدیبیہ، حلف الفضول (جس کی تحسین آپ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی فرمائی) اور معاہدہ یہود مدینہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

ھ- چونکہ مسلمان کی پیدائش کا مقصد ہی مخلوق خدا کی نفع رسانی ہے، اس لئے اگر مذکورہ بالا مقاصد کی ترویج واشاعت کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک کیا جائے تو وہ جائز ہوگا، بشرطیکہ ان کا اشتراک مستقبل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے، نیز اس تنظیم اور ادارہ کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو۔

دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- "**روی الشافعی فی سنده عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ استعان بناس من الیهود فی حربة**"۔

Marfat.com

۲-"قال النبی ﷺ : إن الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر" (مسلم ۱/ ۲۷)۔

۳- ہر وہ کوشش جس سے اسلام کی ترویج ہو اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے مستحسن ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وتعاونوا على البر والتقوى" (سورۂ مائدہ/ ۲)۔

۲- رہائش سے متعلق جوابات:

الف- بہتر اور مناسب یہ ہے کہ مسلمان الگ کالونیاں بنائیں یا مسلم اکثریت والے علاقوں میں رہیں۔ لیکن اگر دعوت الی الحق کی خاطر کوئی مسلمان مخلوط آبادی میں رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا اور اس کے متعلقین کا دین، جان، مال اور عزت محفوظ ہو۔ لیکن اگر کسی وقت جانی یا مالی خطرہ پیدا ہو جائے تو اس وقت کسی محفوظ جگہ کی طرف منتقل ہونا ضروری ہوگا، بشرطیکہ اس پر قدرت ہو۔ لیکن اگر منتقل ہونے پر قدرت نہ ہو تو وہ عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا، اللہ تعالی کا قول ہے: " الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلا " (سورۂ نساء/ ۹۸)۔

ب- بدرجہ ضرورت اور بوقت مصلحت معتبرہ کافر کا پڑوس اور انسانیت کے ناطے اس قسم کا تعاون جائز ہے جبکہ نیت درست ہو اور مداہنت کی صورت نہ ہو، البتہ ان کے مذہبی معاملات اور ان کی مذہبی رسومات میں شرکت کرنا جائز نہیں۔ لہذا کافر کی عیادت، تعزیت اور اس کو پرسہ دینا جائز ہے، لیکن اس کو ایصال ثواب کرنا بالکل جائز نہیں ہوگا۔

ہاں اگر کافر پڑوسی بالکل مجبور ہو تو مسلمان پڑوسی ہونے کے ناطے اس کا جنازہ اٹھانے میں اور مرگھٹ تک پہنچانے میں تعاون کر سکتا ہے، جیسے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خواجہ ابو طالب کے دفن کا حکم فرمایا۔ اسی طرح امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیعہ کی والدہ نصرانی تھیں، ان کا انتقال ہوا تو بعض صحابہ ان کے جنازہ کے ساتھ ساتھ چلے (مصنف عبد الرزاق ۶/ ۳۶)۔

Marfat.com

ج- بتوں کے نام پر چڑھائے ہوئے کھانے اور مٹھائیاں کھانا ناجائز اور حرام ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:"ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"اور غیر مذہبی تقریبات کے کھانے اور تحفے قبول کرنا اور کھانا جائز ہے۔بشرطیکہ وہ پاک ہوں۔نبی کریم ﷺ نے غیر مسلم سلاطین وغیرہ کے ہدایا قبول فرمائے ہیں۔

د- مسجد وغیرہ کی تعمیر اور مذہبی تقریبات میں غیر مسلموں کا تعاون قبول کرنا جائز ہے،بشرطیکہ وہ آئندہ مسجد وغیرہ میں دخیل نہ ہوں۔

غیر مسلموں کے مندروں کی تعمیر اور مذہبی تقریبوں میں تعاون کرنا درست نہیں ہے، یہ "تعاون علی الإثم والعدوان" ہے۔ہاں اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو چندہ لینے والے کو مالک بنا کر رقم دے دے اور تعمیر مندر وغیرہ کی نیت نہ کرے۔صرف اس کو مالک بنا دے۔

ھ- غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت ناجائز اور حرام ہے،لیکن اگر کسی مصلحت کی بنا پر مجبوری ہو مثلاً دفع مضرت مقصود ہو یا تالیف مطلوب ہو تو شرکت جائز ہے بشرطیکہ ان کے کسی مذہبی فعل کی تعظیم نہ کرے۔

ہم موجودہ دور میں ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں جس کی اکثریت غیر مسلم ہے جو ہمیں آئے دن ہمارے تہواروں پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہماری خوشی اور غم کے مواقع پر ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں، یہ انتہائی روکھا پن ہوگا کہ وہ تو ہماری خوشی کے مواقع پر ہمیں مبارکباد دیں اور ہم ان کی خوشی کے مواقع پر اس سے جی چرائیں، اس لئے ان کے تہواروں کے موقع پر مبارکباد دینا جائز ہے بلکہ آپس میں محبت ومودت پیدا کرنے کے لئے اور باہمی نفرت کو ختم کرنے کے لئے ایسا کرنا بہتر ہے۔

Marfat.com

۳-جھنڈے سے متعلق جوابات:

الف-جھنڈے کوسلامی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ ایک سیاسی چیز اور فوجی عمل ہے اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے۔ ہاں اس میں یہ لحاظ رہے کہ حتی الامکان سلامی جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر نہ ہو اور نیت یہ ہو کہ یہ حکومت کا ایک رواج اور سیاسی چیز ہے۔ تعظیم مقصود نہ ہو۔

ب-وندے ماترم جیسا ترانہ جس میں شرکیہ کلمات ہوں مسلمانوں کے لئے اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے، چاہے اس کا اعتقاد نہ ہو۔ مسلمان قائدین کو اس قسم کے ترانہ کو منسوخ کرانے کی قانونی کوشش کرنا چاہئے۔

ج-مسلمانوں کو چاہئے کہ جگہ جگہ قائم امارات شرعیہ اور دار القضاء سے اپنے معاملات حل کرائیں اور اپنے مقدمات فیصل کرائیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان سرکاری کورٹ میں چلا گیا اور سرکاری جج نے اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اس مسلمان کے لئے اس سے استفادہ بالکل جائز نہ ہوگا۔

۴-تمدنی اور ثقافتی وحدت سے متعلق جوابات:

الف: وحدت ادیان کا نظریہ اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ نظریہ کتاب وسنت کی بہت سی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**ان الدین عند اللہ الاسلام**" (سورۂ آل عمران/۱۹) اسی طرح فرمایا: "**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین**" (سورۂ آل عمران/۸۵)۔

Marfat.com

ب-ایسے مظلوم طبقات کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ خیر خواہانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے اور حتی الامکان مسلمانوں کو ان کا اخلاقی اور قانونی تعاون کرنا چاہئے اور ان کے حقوق دلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ج- اسلام کی اعلی اخلاقی تعلیمات کا تقاضا یہی ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت تمام انسانوں کے لئے خدمت کے دروازے کھلے رکھے جائیں اور تعصب وتنگ نظری سے کام نہ لیا جائے۔

✦ ✦ ✦

Marfat.com

مناقشه

Marfat.com

Marfat.com

مناقشہ:

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات! دار کی فقہاء کے یہاں تقسیم اور موجودہ زمانے میں جو ممالک ہیں ان پر اس تقسیم کی تطبیق، دار الکفر میں امارت شرعیہ کے نظام کی شرعی حیثیت، اور نظام قضاء کے قیام کے لئے قوت تنفیذ یہ موضوعات یہاں زیر بحث نہیں ہیں بلکہ سوال نامہ میں جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان تک ہی اپنی بحث کو مرکوز رکھنا ہے، مناقشہ کے آغاز کے لئے ملک کے بزرگ عالم دین مولانا افضال الحق جوہر قاسمی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جو فرمانا چاہتے ہیں مختصر طور پر ارشاد فرمائیں۔

مولانا افضال الحق جوہر قاسمی:

مختلف موضوعات پر تمام علماء کرام نے اپنی رائے اور دلائل پیش کئے ہیں، اور اس مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے ہندوستان کے دو تین مسائل اہم ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ ہندوستان ایسا ملک ہے جس کی بنیاد مذہبی مانی جاتی ہے چنانچہ ہمیشہ سے آج تک یہی ہوتا رہا ہے مذہبی بنیادوں پر یہ طے کر دیا گیا ہے کہ برہمن سب سے اونچی قوم ہے، چودھری سب سے نیچی قوم ہے، یہی بات اتنی پختگی سے پورے ملک میں کہی گئی ہے کہ آج تک ذات و برادری کا مسئلہ

Marfat.com

ختم نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ مسلمان آئے، عرب سے آئے، مدینہ و مکہ سے آئے، بڑے بڑے علماء آئے لیکن یہاں آ کر اسی رنگ میں رنگ گئے، یہاں اگر برہمن سب سے اچھی اور بڑی قوم تھی تو سید سب سے بڑی قوم مان لی گئی، پورے ملک کو چار جگہوں میں تقسیم کر لیا گیا جیسے ہندوتو میں تقسیم تھیں آج بھی تقسیم ہیں۔ ایسے ہی مسلمان بھی تقسیم ہو گئے، یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے جو ختم ہونا چاہئے۔ آپ مساوات لے کر آئے تھے۔ "**سوٴر الإنسان طاهر**" (انسان کا جھوٹا پاک ہے) آپ کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ انسان چاہے جس قوم سے بھی ہو مسلم ہو غیر مسلم ہو اس کا جوٹھا پاک ہے۔

آپ کے یہاں مسئلہ لکھا ہوا ہے "**کلکم من آدم و آدم من تراب**" اس مساوات کی تعلیم دینی چاہئے تھی آپ نے نہیں دی، بلکہ یہاں سے ایک ایسی بات جو بالکل غلط تھی اور کوئی اس کی گنجائش نہیں تھی وہ آپ نے قبول کر لی، ایک بڑا مسئلہ ہے اور اس مسئلہ پر بحث ہونی چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستان کی حیثیت کیا ہے، اس پر بحث کرنے کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ اس وقت ہندوستان کا ایک دستور مرتب ہے، دستور مرتب کرنے والوں میں جہاں گاندھی جی نے امبیڈکر کو طے کیا تھا وہیں ان لوگوں نے چھ یا سات آدمی مقرر کئے تھے جن میں مولانا آزاد بھی تھے، جواہر لال نہرو بھی تھے، پٹیل بھی تھے، امبیڈکر بھی تھے، ایسے ہی اور آدمی تھے انہوں نے دستور کی بنیاد رکھ دی ہے، پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں ہے۔ دستور کہتا ہے کہ آدمی آدمی برابر لہذا ایک چمار ایک برہمن اور سید پٹھان سب برابر، حیثیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، مرد اور عورت کے لحاظ سے فرق نہیں ہے۔ فرق ہے عورت مرد کا لیکن عہدہ منصب اور ووٹ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، برہمن کا ووٹ چمار کا ووٹ سب برابر ہے یہ بات بہت عجیب ہے، عظیم ترین بات ہے جو ہندوستان کو دی گئی ہے ہمیں اس کو کچھ نہیں کرنا ہے ہمیں اس کا پالن کرنا ہے، ہمیں اس پر توجہ دینی ہے اور اس کو بڑھانا ہے، اور اس وقت جو ہندوستان

Marfat.com

میں لڑائی لڑی جا رہی ہے وہ اس لئے لڑی جا رہی ہے کہ سب برابر ہیں، یا وہی ذات پات چلے جس کا نام باجپئی اور اڈوانی اور جوشی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہندو تو، پورا ملک ہندو ہوگا، پورے ملک میں ہندو حکومت ہوگی اور اس کے لئے دھیرے دھیرے وہ کام کر رہے تھے، خدا نے ان کو ناکام کر دیا ورنہ آگے جانے کیا کرتے، وہ لڑائی جو لڑی جا رہی ہے ہندوستان میں اسی لئے لڑی جا رہی ہے کہ سیکولرزم باقی رہے یا ہندوازم آئے، اس لڑائی میں اللہ تعالی نے آپ کی مدد کی، ہم مبارکباد دیتے ہیں اہل حیدرآباد کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اس نظام کو پلٹنے میں بڑا کردار ادا کیا، تو ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس ملک کو کیا بنانا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہندو ملک رہے گا، ہم کہتے ہیں مشترک ملک ہے مشترک ملک رہے گا، دستور آپ کا ساتھ دیتا ہے اور دستور نے اب تک جو کام کئے ہیں وہ آپ کی حمایت میں کئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دستور بدل جائے، ہم چاہتے ہیں کہ دستور باقی رہے اس بنیاد پر مسئلہ کا حل نکالنا چاہئے، اس طرح کی چند باتیں ہیں جن کو بنیادی طور پر آپ نظر انداز کر کے سلجھے ہوئے مسائل میں ووٹ میں مت پڑیئے، وہ تو ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے ووٹوں نے جو آپ دیکھیں کیا کر دیا۔ کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا جو ہو گیا، یہ ووٹ کی طاقت سے ہوا اور ایک ایک ووٹ بڑا قیمتی ہے تو ووٹ میں طاقت بہت ہے، تو اس لئے کہنا ہے کہ ووٹ دینا حرام ہے، ناجائز ہے، مکروہ ہے یہ سب فضول کی بات ہے، اس ملک ہم بڑی طاقت ہیں جو لوگ اس کو ہندو ملک بنانا چاہتے ہیں ان کے خلاف لڑنے کے لئے یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے اس لئے اس ہتھیار کو ضائع نہیں کرنا چاہئے، ان چند باتوں کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ڈاکٹر سعود عالم قاسمی:

حضرات! ایک تو گذارش یہ ہے کہ جن حضرات نے غیر مسلموں سے مسجد بنوانے کے

Marfat.com

سلسلے میں یا چندہ لینے کے سلسلہ میں مثبت رائے دی ہیں وہ کوئی نص بھی پیش کر دیں، ہم تو پڑھتے ہیں: "ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفهسم بالكفر" یا نص کے علاوہ اگر صحابہ سے کوئی ایسی چیز ملتی ہے تو اسے پیش کر دیں۔ دوسرا سوال اس سلسلے میں یہ ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلم آبادی میں مل کر رہنا چاہئے یا اپنی الگ آبادی بنالینی چاہئے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ بھی کہنا چاہئے کہ ہمارا جو انبیائی اور دعوتی موقف ہے وہ یہ کہ اللہ تعالی نے ہندوستان کو ہمیں ایک نعمت کے طور پر دیا ہے کہ اپنا دین اپنا ایمان اپنا قرآن اپنے رسول کی سنت ان کے سامنے پیش کر سکیں، اس موقع کو ہمیں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ میں آپ کے سامنے وہ روایت بھی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "المؤمن الذى يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير من الذي لم يخالط الناس ولم يصبرْ على أذاهم" اس طرح کی جو چیزیں ہمارے سامنے موجود ہیں اس میں امت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو پیش کرے، یقیناً میرٹ بھی ڈی میرٹ بھی۔ غیر مسلم آبادیوں میں رہنے کے نتیجے میں اگر وہ ستائے جائیں یا مارے جائیں گے تو ان کا حشر اللہ تعالی کے نزدیک حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسی السلام کے ساتھ ہوگا، لہذا یہ رائے جن حضرات نے دی کہ غیر مسلم آبادی میں رہنا چاہئے اور اس پر ہمیں یہ بھی بتانا چاہئے کہ اتمام حجت کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے اس لئے امت قائم ہوئی اس کے بعد کوئی دوسری امت نہیں آئے گی

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے   بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے

تیسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی مسائل میں پاکستان کے علماء کی رائے سے ہمیں کوئی بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لیں گی اور ان غلط فہمیوں کو پیدا کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے، ایسے مسائل جو اس طرح کے نہیں ہیں ہمارے سماج میں اس میں ضرور ان کی رائے

Marfat.com

ہمارے یہاں وقعت رکھ سکتی ہے، الیکشن کے سلسلے میں ہمارے یہاں فقہ اکیڈمی کا ایک طریقہ کار یہ رہا ہے کہ ایسے مسائل جن کا تعلق عصری مسائل سے ہو تو ان مسائل کے ماہرین کی ایک معقول تعداد بھی ہمارے یہاں ہوتی تھی لیکن وہ اب نہیں ہے، بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن میں ہم لوگوں کو واقفیت نہیں ہے دستور، پارلیمنٹ، ووٹ کے مسائل بہت سی ایسی نزاکتیں جن میں ہمیں ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے جن کو علماء نہیں کر پاتے تو ہم چاہتے ہیں کہ ان سے بھی ہمارا استفادہ ہوتا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی:

محترم صدر جلسہ اور حاضرین مجلس! چھوٹے چھوٹے سوالات کے بجائے ایک تمام دفعات پر مشتمل جامع سوال رکھنا چاہوں گا، بلاشبہ اسلامی نظام کے علاوہ تمام بین الاقوامی خود ساختہ نظام حکومت باطل ہے، تو مسلمان جہاں بھی ہوں جو بھی ہوں اور نظام حکومت کے ماتحت ہوں، خواہ وہ بادشاہت ہو، ڈیموکریٹک یا سیکولر حکومت ہو، انہیں چاہئے کہ ہر دین و سیاست دونوں میں اسلامی نظام حیات کو ہر طرح کے خوف وتردد سے ماوراہو کر پیش کریں، جمہوریت اور بادشاہت نظام حکومت اسلام کے نظریہ حکومت سے بالکل متصادم ہے، جنگ بدر کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی حضور ﷺ جھنڈا کا استعمال کیا کرتے تھے، لیکن اس کی حیثیت صرف جھنڈے کی تھی، ان کو حد سے زیادہ تعظیم وتقدیس کی نگاہ سے نہیں دیکھا کرتے تھے، لیکن اسلامی فوج کا قدم کبھی نہیں رکا بلکہ روز بروز مختلف ممالک میں اپنا علم بلند کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اسرائیلی حکومت (اللہ کی اس پر لعنت ہو) کا بھی مسئلہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے، جس کی طرف میرے استاذ محترم جناب بدر القاسمی حفظ اللہ نے توجہ دلائی، کیونکہ اس حکومت کا قیام ظلم و جارحیت پر ہوا ہے، لہذا کسی مسلمان کا ان کے ساتھ دعوت یا قتل وقتال کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہونا چاہئے، یہی میری رائے ہے۔

Marfat.com

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ۔ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صاحب سے پوچھا کہ علم کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: **معرفة الخير من الشر**۔ شر کے مقابلے میں خیر کو جاننے کا نام علم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کوئی علم نہیں ہے، شر کے مقابلے میں تو خیر کو ہر شخص جانتا ہے علم نام ہے **معرفة خير الشرين** جہاں دو شر ناگزیر ہوں، ان دو میں کون سا شر بہتر ہے، تو مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور جن نظامہائے سیاست سے دوچار ہیں اس کی روشنی میں یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ جمہوریت نسبتاً ان کے لئے زیادہ مناسب ہے۔" **والآن إن شاء الله نحن نستفيد من توجيهات الدكتور / مسفر القحطاني بالاختصار**۔

ڈاکٹر مسفر القحطانی: (اردو ترجمہ)

مباحث کے خلاصہ پر تبصرہ کرنے میں جو سب سے اہم چیز ہے وہ یہ کہ تبصرہ کرنے والے کو چاہئے کہ سب سے بیشتر ان جدید مسائل و واقعات کا جامع اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے جنہیں ماہرین قانون کی زبان میں اور کسی حد تک فقہاء کے تعبیر میں فقہی نقطہ نگاہ سے جانا جاتا ہے، اور اس میں کسی طرح کی خرابی کی وجہ سے احکام پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اور یہ فساد اس وقت بھی پیش آتا ہے جب کسی مسئلہ کے سلسلہ میں ایسی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جو نہ صرف اس کی اصلیت و معنویت سے بالکل ہی مختلف ہوتی ہیں بلکہ بسا اوقات ظاہری طور پر بھی ان کے درمیان توافق اور ہم آہنگی ناممکن ہوتا ہے، اس لئے ہمیں مسئلہ کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے اور کسی بھی طرح کے خارجی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے جس کی وجہ سے مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد اس کے مطابق اور مناسب حال دلیلیں پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ معاملہ صرف استنباط

Marfat.com

واستدلال تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ نئے مسائل کے تئیں فقہی جزئیات کی تخریج میں بھی اس طرح کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں، بلکہ علماء کو بھی چاہئے کہ جب وہ اس طرح کے واقعات پر گفتگو کریں تو اس طرح کے استشہادات ودلائل ومسائل کے درمیان کی وابستگی پر پوری باریک بینی ودقیقہ سنجی کے ساتھ توجہ دیا کریں۔

دوسری چیز جس کا تعلق ان میں سے اکثر مسائل سے ہوا کرتا ہے، وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، جو مصلحت کے اصول وقواعد سے متعلق ہے، علماء نے اصول سے مصلحت کی تین قسمیں کی ہیں، پہلی قسم قابل اعتبار مصلحت، یہ وہ ہے جو قرآن وسنت اجماع، قیاس جلی کے مطابق ہو، دوسری قسم ناقابل اعتبار مصلحت ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی وہ حجت بن سکتی ہے اور نہ ہی اس سے استدلال کیا جاتا ہے، یہ ایسی مصلحت ہے جو قرآن وحدیث سے نصوص قطعیہ سے بالکل متصادم ہو اور اجماع بھی اس کے خلاف ہو، ایک تیسری قسم مصلحت کی ہے جسے مصلحت مرسلہ کہا جاتا ہے، جسے نہ تو شارع نے لغو قرار دیا ہے اور نہ ہی انہیں قابل اعتبار سمجھا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے بیشتر مسائل مصلحت کی اسی قسم سے متعلق ہیں، لیکن جب علماء نے مصلحت مرسلہ کو دلیل کے طور پر پیش کیا انہوں نے اسے بحیثیت دلیل مطلق پیش نہیں کیا، جس کا نہ کوئی ضابطہ ہو اور نہ کوئی اصول وقواعد ہوں جنہیں کسی بھی استدلال کرنے والے یا مجتہد کو اختیار کرنا واجب نہ ہو، اور ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ جن مسائل کی مصلحت کو تلاش کر رہے ہیں وہ ضروری اور ناگزیر مصلحت ہو، یعنی ان کا تعلق ضرورت وحاجت کے باب سے ہو دوسری شرط یہ ہے کہ یہ مصالح مصالح کلیہ ہوں نہ کہ جزوی مصالح ہوں، یعنی ان کا فائدہ عام مسلمانوں کو پہنچ رہا ہو نہ کہ کسی مخصوص جماعت تک ان کے مصالح وفوائد محدود ہوں، اور دوسروں کو ان سے نقصان پہنچ رہا ہو، تیسری بات یہ ہے کہ یہ مصالح قطعیہ ہوں یعنی مسلمانوں پر ان کا ظاہری اثر ہو یا ظنیہ بحیثیت ظن غالب ہوں، جن کی طرف اہل علم نے توجہ دلائی، اور ان تینوں شرائط کا امام غزالی

Marfat.com

نے بھی تذکرہ کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر فقہاء نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، حتی کہ امام شاطبی نے مجتہد کے لئے دو شرطیں بھی لازم قرار دی ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ مقاصد شریعت کو سمجھنے میں ان کو کمال حاصل ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ ان کے علاوہ ان کے اندر اجتہاد کے دیگر شرائط مثلاً کتاب وسنت کا گہرا علم ہو مقاصد شریعت کے سمجھنے میں فقہاء کرام کے اجماع واختلافات کا بھی علم ہونا چاہئے، اور اس طرح کے عمدہ موضوعات کی نشستوں میں اسی پر زیادہ زور دیا کرتا ہوں، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ علماء ہند کی پختگی، بیدار مغزی اور دانشمندی خواہ وہ فقہی مباحث ہوں، سیاسی معاملات ہوں یا معاشرتی مسائل سے ان کا تعلق ہو، پر عمدہ دلیل ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات! ڈاکٹر مسفر صاحب نے بڑے اہم نکتہ کی طرف متوجہ کیا ہے میں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کرتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحبؒ ہمیشہ اس پر زور دیتے تھے کہ قضایا معاصرۃ پر غور کرتے ہوئے اصولی منہج کو سامنے رکھنا چاہئے۔ صرف فقہی جزئیات پر قناعت کرنا ہمارے لئے کافی نہیں ہوگا ان کی اہمیت سے انکار نہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ مصلحت مرسلہ اور اس کے تطبیق کی جو بحث شیخ مسفر نے فرمائی ہے وہ بہت اہم ہے۔

مولانا جلال الدین عمری:

محترم صدر مجلس اور علماء کرام! اسلامک فقہ اکیڈمی جس طرح کے بنیادی اور اہم مسائل کو چھیڑتی رہتی ہے اس سے ہم سب واقف ہیں۔ ہم میں سے بہت سے حضرات نے اس کے سمیناروں میں شرکت بھی کی ہے، اس وقت بھی جو موضوعات زیر بحث ہیں میرا خیال ہے کہ وہ بہت ہی اہم اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ موجودہ حالات سے ان کا بڑا گہرا تعلق ہے، اور ان پر میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ سوچتے بھی رہتے ہوں گے۔ ایک بنیادی مسئلہ جو کل

Marfat.com

سے زیر بحث آیا اور درمیان میں آتا بھی رہا ہے وہ غیر مسلموں سے تعلقات کا مسئلہ ہے، کل اس پر تفصیل سے بحث ہوئی لیکن آج بھی مختلف عنوانات کے تحت اس کا ذکر آتا رہا ہے، میرا خیال ہے کہ اس میں بنیادی چیز جو دیکھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات ہیں، اس کے عقائد ہیں، اور وہ اساسی فکر ہے جس پر پوری شریعت اسلامیہ کا انحصار ہے، ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی اور دیکھنا ہوگا کہ ان تعلقات میں اسلام کا بنیادی فکر، اس کا عقیدہ اور اس کی اساسی تعلیمات متاثر نہ ہوں، اگر ان کو کہیں نقصان پہنچتا ہے یا وہ اساسی تعلیمات متاثر ہوتی ہیں یا اس کے عقیدے پر کہیں ضرب لگتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح کے تعلقات سے ہمیں اجتناب کرنا ہوگا۔

یہ بات اس پہلو سے اہمیت کی حامل ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں جیسے ہندوستان ہے، باوجودیکہ تقریباً پندرہ کروڑ مسلمان یہاں رہتے ہیں، لیکن اگر آدمی یہ دیکھے کہ ایک سو دس کروڑ کے درمیان وہ پندرہ کروڑ ہیں تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جہاں بھی وہ اقلیت میں ہوں گے کسی نہ کسی طرح اکثریت کا دباؤ ہوگا، پریشر رہے گا ایک طرح کا، اس میں اس بات کا امکان ہے کہ کچھ ایسے بھی اقدامات ہم کر بیٹھیں جو شریعت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، یا کم سے کم شریعت کے مزاج سے میل نہ کھاتے ہوں، اس لئے کہ جب آدمی دباؤ میں کسی مسئلہ پر سوچتا ہے یا غور کرتا ہے تو اس طرح کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، یہ دباؤ آپ جانتے ہیں کہ سیاسی بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات اور سماجی بھی ہوتا ہے، تعلقات کا بھی ہوتا ہے، اور کچھ اپنی کمزوری کا احساس بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مسائل کا جائزہ لیتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھنا ہوگا کہ ہماری کوئی چیز، ہماری بنیادی فکر، ہمارا عقیدہ توحید، شرک سے ہماری بیزاری اور ہمارا رسالت پر ایمان و یقین اور آخرت پر ایمان و یقین اور اس کی بنیادی اخلاقیات، یہ متاثر نہ ہوں۔ اس کے بعد جو تفصیلات ہیں اس میں اختلاف ہوسکتا ہے اور اس

Marfat.com

اختلاف کو ہمیں گوارہ کرنا ہوگا، البتہ اگر اکیڈمی کی اکثریت یا مسلم پرسنل لاء بورڈ جیسا ادارہ کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کا احترام ہم سب کے لئے ضروری ہوگا، لیکن بہرحال یہ مان کر چلنا ہوگا کہ تفصیلات کے اندر ہمارے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے اس بنیادی بات کو تسلیم کرتے ہوئے۔

دوسری بات میں یہ عرض کروں گا کہ اسلام نے جو اخلاقی تعلیمات دی ہیں وہ بالکل عام ہیں، اور ان میں کوئی ایسی بات آپ کو نہیں ملے گی جس سے یہ محسوس کیا جائے یا سمجھا جائے کہ یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، مثال کے طور پر قرآن نے دیانت کی، امانت کی، عفت کی، عصمت کی، صداقت کی اور اس طرح کی بے شمار تعلیمات دی ہیں اور مسلمانوں کو ان کا پابند بنایا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے، اگر مسلمان بدکاری کا ارتکاب کرتا ہے، چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو بھی اسے سزا ہوگی اور غیر مسلم اس کا ارتکاب کرتا ہے تب بھی اسلامی حکومت اسے سزا دے گی۔

میں اس فقہی بحث کو نہیں چھیڑ رہا ہوں کہ غیر مسلم بھی ان قوانین کے پابند ہوں گے یا نہیں؟ لیکن بہرحال اسلام کے نزدیک وہ اس کے لئے بھی ناجائز ہے، اسی طرح مسلمان اگر غیر مسلم سے معاملہ طے کرے اسلامی ریاست کے اندر تو وہ اسلامی حدود کا پابند ہوگا، بلکہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اگر کسی غیر مسلم ملک میں جائے مستأمن بن کر تو وہاں بھی وہ دھوکے کا معاملہ نہیں کرسکتا، بہت صراحت کے ساتھ لکھا ہے، اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس بنیاد پر وہاں آنے کی اسے اجازت ملی ہے کہ وہ وہاں کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور وہاں دھوکہ نہیں دے گا، فریب نہیں دے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جس چیز کی دوسرے ملک میں جانے کے بعد بھی اجازت نہیں ہے تو ہمیں اپنے ملک میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسلام کی بہت سی تعلیمات میں آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں سے اس میں خطاب ہے، جیسے: **"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"** تو یہ بات میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے معاشرہ کو سامنے رکھ کر

Marfat.com

کہی گئی ہے۔ خطاب مسلمانوں سے اور مسلم معاشرہ سے ہے، لیکن اس کا مفہوم یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ باتیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں، اس میں ظاہر ہے کہ غیر مسلم بھی آتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی ہم اسی سلامتی کا رویہ اختیار کریں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ اسلام مسلمانوں کے اخلاق کو، نبی ﷺ کے اخلاق کو اور سمجھنا چاہئے کہ وہی اخلاق مسلمانوں کے لئے بھی نمونہ ہیں، اسلام کے لئے ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں فرمایا: "إنک لعلی خلق عظیم" یا فرمایا: "فقد لبثت فیکم عمراً من قبله أفلا تعقلون" یعنی آپ کا کردار، آپ کی سیرت اس بات کی دلیل تھی کہ آپ صادق ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، تو مسلمانوں کا کردار جتنا اونچا ہوگا غیر مسلم معاشرے میں وہ خود ایک سند بن جائے گا، ایک ثبوت ہوگا اس بات کا کہ اسلام دین حق ہے، اس لحاظ سے ہم ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کریں اس میں اس کا ہمیں خیال رکھنا ہوگا۔ بعض وہ آیات جن کا حوالہ یہاں دیا گیا ہے کہ "لا یتخذ المؤمنون الکافرون أولیاء" ان سے ربط نہ رکھنے کی بات یا ان سے مودت کی ممانعت کی گئی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اس پر میں چاہوں گا کہ اہل علم غور فرمائیں، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ان چیزوں کا ان ہدایات کا تعلق حالت جنگ سے ہے یا حالت امن سے؟

اگر کسی قوم سے آپ جنگ کی حالت میں ہیں تو اس وقت جو احکام آپ نافذ کریں گے وہ بالکل مختلف ہوں گے اس سے جو حالت امن میں نافذ کریں گے۔ قرآن نے صاف صاف فرمایا ہے کہ اہل ایمان غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں:

"لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم في الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم" فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منع نہیں کرتا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہو، اور "تقسطوا إلیهم" کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا حصہ ان کو

Marfat.com

ادا کرو، ان کا قسط ان کو ادا کرو، ان کا جو حق بنتا ہو اس سے انہیں محروم نہ کرو، یہ رویہ اختیار کرنے کی بات کہی گئی ہے، پھر اس کے بعد آگے فرمایا کہ اللہ تو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے تمہیں منع کرتا ہے، یہ رویہ اختیار کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہیں گویا مکہ سے نکالا، تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی کی، ان کے ساتھ معاملہ دوسرا ہوگا، اس لئے کہ وہ اس وقت حالت جنگ میں ہیں، ان سے جنگ کی جارہی ہے ان کے جرائم کی وجہ سے۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کی جتنی آیات ہیں ان کو اسی پس منظر میں دیکھنا ہوگا تبھی ہم اس کا صحیح معنی اور صحیح مفہوم متعین کرسکیں گے۔ اس سلسلے کی ایک خاص بات جس کی طرف بہت سے دوستوں نے توجہ دلائی ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی دو لفظ کہہ دوں، وہ یہ ہے کہ یہ امت اصلاً دعوت کی امت ہے، امت دعوت ہے، اسے دعوت کا کام کرنا ہے اس ملک میں اور پوری دنیا میں، یہ امت اس لئے ہے کہ اس دنیا میں شہادت علی الناس کا فرض انجام دے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام انجام دے، یہ اس امت کا فرض ہے، اور یہ فرض اس پر عائد ہوتا ہے غیر مسلموں کے درمیان، تو اس لحاظ سے آپ دیکھیں، اگر آپ کا مخاطب کے ساتھ ایسا رویہ ہو جس میں وہ دعوت کے دروازے اس کے لئے بند ہو جائیں تو گویا دعوت کی راہ میں آپ رکاوٹ بنے، آپ کا رویہ ایسا ہونا چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ یہ میرا ہمدرد ہے، یہ میرا خیر خواہ ہے۔ پیغمبروں کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ ناصح اور امین ہوتے ہیں، وہ خیر خواہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ مان کر چلنا چاہئے کہ ہمارا رویہ نصیحت کا ہوگا، نصح و خیر خواہی کا ہوگا، بھلائی کا ہوگا، تب ہی ان کے دل کھلیں گے، نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ جان دے دیں گے "لعلک باخع نفسک أن لا یکونوا مؤمنین"، یہ اگر کیفیت نہیں ہے تو یقین جانئے کہ دعوت کے دروازے کھلیں گے نہیں۔

اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ آپ کا مخلص نہیں ہے، ظاہری طور پر آپ

Marfat.com

سے معاملہ کر رہا ہے، آپ کی دوستی بھی اس کی اغراض کے ساتھ وابستہ ہے، وہ آپ کے اس بڑے پیغام یعنی اللہ کے دین کو قبول کرے یہ آسان نہ ہوگا۔ اس لئے اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا چاہئے اور ناصح و امین بن کر ان کے سامنے آنا ہوگا۔

ایک مسئلہ یہاں الیکشن کا بار بار آیا ہے اس کے سلسلہ میں بھی دو چار باتیں کہنا چاہوں گا، ایک بات تو یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا عقیدہ ہے کہ انسان کو قانون دینے کا حق اللہ ہی کو ہے۔ اسلام اللہ کا دین ہے اور کسی دوسرے انسان کو یا کسی قوم کو یا کسی برادری کو یا کسی طبقہ اشراف کو یا کسی پارلیمنٹ کو قانون دینے کا حق نہیں ہے، ہمارے یہاں اصلاً قانون، شارع اصلاً اللہ ہے، اور یہ بات قرآن میں بہت سی آیات میں کہی گئی ہے، فقہ میں بھی کہی گئی ہے اور یہاں تک کہ فقہ و اصول فقہ میں صراحت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کو بھی ہم شارع مجازاً کہتے ہیں، شارع اصلاً خدا ہے، قانون دینے کا حق اسی کو ہے، اب آپ یہ دیکھئے کہ آپ ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جس آبادی میں رہ رہے ہیں ہندوستان ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا یورپ کا کوئی بھی ملک ہو جہاں اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ نہیں ہے وہاں اللہ کو قانون ساز نہیں مانا جارہا ہے اور نہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ کس معاملے میں اللہ کا حکم کیا ہے بلکہ وہ اپنا قانون نافذ کر رہے ہیں، اس میں آپ کا کیا رویہ ہوگا یہ ہے اصل سوال، کیا ایسا رویہ ہوگا جس میں آپ یہ کہیں کہ ہم اس قانون کو ہی نہیں مانتے، ظاہر ہے کہ اگر آپ نہ مانیں گے تو اس کے ساتھ دوسری پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، نبی ﷺ مکہ میں تھے، وہاں اسلامی قانون نافذ نہیں تھا لیکن غیر اسلامی قانون کے تحت آپ نے زندگی گذاری اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کا دین پیش کرتے رہے، اب یہاں الیکشن کا جو مسئلہ آتا ہے اس میں صرف دیکھنے کی چیز ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ پارلیمنٹ کو یا کسی ادارے کو قانون بنانے کا حق نہیں ہے، موجودہ حالات میں ہمارے لئے بہتر صورت کیا ہوگی؟ جس میں مسلمانوں کا، اللہ کے دین کا، ملت کا مفاد جس سے بہتر طریقے سے حاصل ہو سکے، یہ مسئلہ ہے، اس میں رائے مختلف ہو سکتی

Marfat.com

ہے اور اس سے ہمارے لئے راہیں کھلتی ہیں، فرض کیجئے دعوت کی راہ کھلتی ہے یا اپنی بات رکھنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، یا ہمارے مفادات کی حفاظت ہوتی ہے تو اس میں حصہ لینے کی ایک صورت بہر حال نکل آتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ضروری ہوگا کہ آپ یہ حقیقت بھی واضح کرتے رہیں، صرف اسی کو ہدف نہ بنالیں کہ اس دنیا میں کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دوسرے انسان پر حکمرانی کرے۔ حکمرانی کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے، اور یہ کہ اس دنیا کے اندر کسی بھی گروہ کو یا کسی بھی جماعت کو قانون سازی کا حق ہم دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور دنیا میں جو ظلم وفساد ہو رہا ہے اس کی اصل بنیاد یہی ہے، یہ ظلم اسی وقت ختم ہوگا، چاہے وہ امریکہ ظلم کر رہا ہو یا یورپ کے ممالک ظلم کر رہے ہوں یا اسرائیل کی طرف سے ظلم ہو رہا ہو، یا کہیں بھی ظلم ہو رہا ہو، یہ اسی وجہ سے ہے کہ یہاں اللہ تعالی کو قانون ساز نہیں مانا گیا اور اس کے قوانین کی پیروی نہیں کی گئی۔ ورنہ عدل وانصاف ہر جگہ قائم ہوسکتا تھا، یہ بات دنیا کے سامنے کہنے کی ضرورت ہے۔

ایک بات بار بار یہاں چھیڑی گئی ہے، وہ یہ کہ ظلم کے خلاف بہت سے لوگ کام کرتے ہیں اور بہت سے طبقات پر ظلم ہو رہا ہے، اب ہم ان کے لئے عدل وانصاف کی آواز اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ میرا خیال یہ ہے کہ ظلم جہاں بھی ہو عدل کی آواز اٹھانا مسلمان کی ذمہ داری ہے، رسول اکرم ﷺ مکہ میں جس وقت دعوت دے رہے تھے شاید دس بیس پچیس افراد مسلمان تھے، لیکن آپ دیکھیں کہ مکی سورتوں میں ظلم کی ہر قسم کو چیلنج کیا گیا، بیس افراد ہیں اور ہجرت کرتے کرتے ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہوگئی تھی دو سو ہوگئی تھی، لیکن جس وقت یہ سورتیں نازل ہوئیں خاص طور پر آخری پارہ کی سورتیں تو اس میں آپ محسوس کریں گے کہ مسلمانوں نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی، فرمایا:

"فلا اقتحم العقبة وما أدراك ما العقبة فك رقبة أو إطعم في يوم ذي مسغبة يتيماً ذا مقربة أو مسكيناً ذا متربة". "كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا

Marfat.com

تحاضون علی طعام المسکین وتأکلون التراث أکلا لماً''۔کس سے خطاب تھا؟ مسلمان تو یہ کام نہیں کرتا تھا،ظلم کے خلاف آواز تھی اور اسے چیلنج کیا جارہا تھا۔یہ تصویر مسلمان کی اس ملک میں ابھرنی چاہئے کہ وہ ظلم کے خلاف ہے،عدل کا علم بردار ہے،وہاں تو دس بیس آدمی مسلمان تھے اس وقت یہ آواز اٹھائی گئی،آج جب یہاں آپ ہم سمجھتے ہیں کہ اب پندرہ کروڑ کی آبادی ہے تو کیا آپ یہ آواز نہیں اٹھا سکتے،عدل قائم کرنے والے بن کر آپ اٹھئے پھر دیکھئے کہ اس دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

اور ایک بات یہ کہی گئی کہ اس میں کیا غیر مسلموں کا تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس کی بھی گنجائش ہے،یہ ایک اہم چیز ہے اور نبی ﷺ نے بعد میں اسے یاد بھی فرمایا،اور دوسرے یہ کہ قرآن نے صاف صاف کہا ہے:''تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان''،بِرّ کا اصل معنی ہے حسن سلوک،حقوق کی ادائیگی،اگر یہاں کسی کے حقوق پامال ہو رہے ہیں تو اس میں ایک دوسرے کا تعاون ہم کریں گے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سمینار میں جو باتیں بحثیں چھڑی ہیں ان میں ہم کسی صحیح نتیجے تک پہنچیں اور مفید باتیں ہمارے سامنے آئیں۔

مفتی انور علی:

سوال نمبر ا کے جز (ا) کے جز (۳) میں ایک رائے یہ آئی ہے کہ بعض ایسی سیاسی جماعتیں الیکشن میں حصہ لیتی ہیں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو لیکن اس کے بعض امیدوار ذاتی اعتبار سے نیک خصلت ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ مناسب ہو تو کیا مسلمانوں کے لئے ان کی جماعتی فکر سے قطع نظر اشخاص وافراد کی ذاتی حالات کی بناء پر انہیں ووٹ دینا جائز ہوگا،اس سوال کے جواب میں ایک رائے مولانا

Marfat.com

سلطان احمد اصلاحی صاحب کی آئی ہے انہوں ایسی جماعت کو ووٹ دینے کے جواز کا قول نقل کیا ہے، میرے خیال میں ان کی یہ رائے عام مسلمانوں کے حق میں انتہائی نامناسب ہے اور مجھے اس رائے سے قطعاً اتفاق نہیں ہے، مولانا افضال الحق جوہر قاسمی نے ووٹ کے بارے میں جو اپنی آراء ذکر کی ہیں ابھی چند منٹ پہلے وہ انتہائی قیمتی ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کو ووٹ کی اہمیت سمجھنا چاہئے، ووٹ کو حرام ہونے یا مکروہ ہونے کا فتوی دینا ہمارے حالات کے لئے یکسر نامناسب ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ ندوی:

مخلوط آبادی کے اندر مسلمانوں کی رہائش کے سلسلے میں ایک بات یہ کہ جہاں مسلم آبادی ہے ان کو نقل مکانی کی اجازت نہ دی جائے، اس لئے عام حالات میں اس کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ہے، ہاں! اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ ان کی عزت وآبرو پر آنچ آنے لگے یا ان کے جان کی حفاظت مشکل میں پڑ جائے یا دین کی حفاظت مشکل ہوجائے تو اس وقت ان کے لئے ضروری ہے کہ وہاں سے نقل مکان کرلیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر کوئی آدمی نیا مکان بنانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم آبادی کے اندر اپنا مکان نہ بنائے، یہ مناسب ہوگا، دوسری بات یہ کہ تہوار کے سلسلے میں جو بات آئی تھی کہ مذہبی تہوار اور غیر مذہبی تہوار تو مذہبی تہوار کے تعلق میں تقریباً اتنا ہے غیر مذہبی تہوار کی جو بات آئی ہے اس میں جو مطلقاً ہدیئے قبول کرنے کی بات جن لوگوں نے کہی ہے شاید وہ مناسب نہ ہو، غیر مذہبی تہوار کی دو قسمیں کرنی چاہئے بعض وہ تقریبات ہیں جیسے شادی بیاہ یا اس قسم کی تقریبات۔ ان تقریبات کے سلسلے میں ہدایا قبول کرنا، شریک ہونا، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس کو ہم کہہ سکتے ہیں عارضی تقریبات ہیں۔ لیکن وہ تقریبات جو گو کہ مذہبی تو نہیں ہیں لیکن وہ عارضی بھی نہیں ہیں۔ بلکہ مستقل وہ سال بھر ہوتے

Marfat.com

رہتے ہیں ہمارے خیال میں اس طرح کے تہوار جو ان کے یہاں رسم اختیار کر چکے ہوں جسے پورے سال وہ کرتے رہے ہوں ان کے ہدایا قبول کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر ہم ہدایا قبول کرتے ہیں تو ایسی صورت میں گویا کہ ہم دوسرے الفاظ میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ہم گویا یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ تم کرر ہے ہو صحیح کر رہے ہو، گویا ایک طرح سے ہم اس پر راضی ہیں۔ اور غیر اسلامی تہوار کے اوپر رضامندی ظاہر کرنا بھی درست اور صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ بھی ایک گناہ ہے جو تعاون علی المعصیة کے ذیل میں ہے، دوسری بات یہ کہنی ہے کہ مذہبی تہوار کے سلسلے میں جو ان کے پرساد یا اس طرح کے ہدایا ہیں یقیناً ان کا قبول کرنا جائز نہیں البتہ ایک صورت میں قبول کرنا جائز ہو سکتا ہے، وہ صورت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی مضطر ہو، اضطرار کی کیفیت میں مرنے کے قریب ہو ایسی صورت میں اس کے پاس پرساد آرہا ہے تو صرف ایسی صورت میں اس کے لئے قبول کرنا جائز ہونا چاہئے البتہ عام حالات میں جائز نہیں ہوگا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' کا موضوع یہ بہت ہی اہم اور بنیادی سوالات کا حاصل ہے اور آپ جو بھی فیصلہ کریں گے جو بھی پیغام یہاں سے جائے گا اس کا دائرہ صرف ہندوستان نہیں ہوگا اس بات کو آپ ذہن میں رکھیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کی کم سے کم آدھی آبادی ۵۰ فیصد اور بعض لوگوں کا تجزیہ ہے کہ ۶۰ فیصد ان ممالک میں آباد ہے جہاں وہ اقلیت میں ہیں، خود ہندوستان کو آپ لے لیجئے یہاں جو آبادی مسلمانوں کی ہے ۱۵ سے ۲۰ کروڑ تک جو اعداد وشمار بتائے جاتے ہیں یہ آبادی اتنی بڑی اور اتنی غیر معمولی ہے کہ بہت سے بلاد اسلامیہ کو آپ سمیٹ لیجئے اور جمع کر لیجئے تب بھی اتنی بڑی تعداد نہیں بنتی اور اس کے علاوہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان آباد نہ ہوں خواہ وہ امریکہ یا یوروپ کے ممالک ہوں، ہر براعظم میں اور ہر ملک میں مسلمانوں کی آبادیاں ہیں جہاں وہ

Marfat.com

اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا فعال رول ہے ان ملکوں میں آپ جو فیصلہ فرمائیں گے اس فیصلہ کا تعلق محض ہندوستان سے نہیں ہوگا بلکہ جہاں جہاں بھی مسلم اقلیتیں ہیں، چاہے وہ امریکہ، یورپ، ایشیا یا آسٹریلیا ہو سب سے اس مسئلہ کا تعلق ہوگا اس حکم کا تعلق ہوگا جو آپ صادر فرمائیں گے، یہ بڑے نازک اور اہم مسائل ہیں، مان لیجئے الیکشنی سیاست کی بات ہو انتخاب میں حصہ لینے نہ لینے کی بات ہو یہ بہت ہی بنیادی اور دوررس مسائل ہیں۔ کوئی فتوی کوئی فیصلہ ایسا اگر یہاں سے جاتا ہے جو امت کے مفاد اور اسلام کے مفاد میں نہ ہو اور کوئی ایسی رائے جاتی ہے جس کی بنیاد پر مسلمان غیر معمولی مشکلات کا شکار ہو جائے، یہ بڑی آزمائش کی بات ہوگی ہم سب کے لئے، اس لئے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اور تمام جو نکات بحث ہیں ان پر تنقیح کے ساتھ کلام کر کے ہم لوگوں کو کوئی رائے قائم کرنی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ یہ موضوع سال ڈیڑھ سال سے بھیجا گیا تھا، لوگوں نے مقالات لکھے، بحثیں لکھی اور کچھ ایسا احساس ہوتا ہے کہ شاید ہم نے مطالعہ کیا ہم نے بحثیں لکھیں، مقالات لکھے ایک زمانہ گزرنے کی وجہ سے کچھ ذہن سے وہ چیزیں غائب بھی ہو گئیں ہیں، ہم ذہن پر دوبارہ زور ڈالیں اور اس موضوع کے جو مختلف نکات ہیں اس پر گفتگو کریں، مسلمانوں کی آبادی الگ ہو یا مخلوط، ظاہر بات ہے اس میں جو بھی آپ رائے دیں گے وہ چاہے فیصلہ ہو یا فتوی ہو یا سفارش ہو اس پر دونوں کے اثرات پڑیں گے تو وہ دونوں پہلوؤں کا آپ کو لحاظ رکھنا پڑے گا، ایک تو پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم محلوں میں مسلمان جو آباد ہیں بہت تھوڑی تعداد مسلمانوں کی ہے اور بہت قلیل تعداد ہے ان میں اگر دینی بیداری نہیں ہوئی، اپنے عقیدے ایمان دینی تشخصات کو محفوظ کرنے کا جذبہ نہ ہوا، اپنا نصاب تعلیم نہ ہوا، مدارس و مکاتب نہ ہوئے تو اس کا بڑا خطرہ ہے کہ محض اعمال میں کوتاہی نہیں بلکہ عقیدہ کی حد تک ہمارے بچے خطرہ میں پڑ جائیں گے، اور ان کا ایمان و دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔ دوسری طرف یہ پہلو بھی ہے مسئلہ کا کہ اگر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں

Marfat.com

اور وہ پختہ مسلمان ہیں ان کا کردار اسلامی کردار ہو تو ان کے یہاں رہنے اور ان کے اخلاق و برتاؤ سے دعوت اسلام کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور یہ مواقع فراہم ہوتے ہیں کہ ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں تک اس پیغام کو پہنچائیں جس پیغام کو پہنچانے کے لئے ہم مبعوث کئے گئے ہیں۔ دونوں پہلوؤں کا موازنہ اور تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں کوئی ایسا معتدل فیصلہ کرنا ہے جو مجموعی لحاظ سے اس امت اور اسلام اور خود اس ملک کے لئے مفید ہو۔ بہر حال موضوع بہت ہی اہم ہے یہاں سے جو فیصلے جائیں گے جو سفارشات جائیں گی اس کی آواز بہت دور تک پہنچے گی اس لئے میری درخواست یہی ہے کہ ہم سب پوری بیداری کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں اور مناقشات اور مذاکرات میں ایسے پہلو جواب تک سامنے نہیں آسکے ہیں کو پیش کرنے کی کوشش کریں تاکہ جو کمیٹی ترتیب دی جائے وہ ان تمام چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے تجویز مرتب کرے، اس موضوع کے تحت جو چار سوالات قائم کئے گئے تھے اور چار حصوں میں سوالات تھے اس میں تین حصوں کا عرض پیش ہو چکا ہے تین عرض کل آپ کے سامنے پیش ہوئے تھے اور چوتھا جو حصہ ہے ان سوالات کا اس سے متعلق دو عرض باقی ہے، اس وقت سب سے پہلے میں چاہوں گا کہ وہ عرض بھی آپ کے سامنے پڑھ دیا جائے اور اس کے بعد گفتگو و مناقشے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

ہم اپنے مہمان محترم جناب محمد غفار شریف کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے "مسلم اقلیتوں کے مصالح کے مدنظر فقہ اسلامی میں تجدید" کے موضوع پر قیمتی نکات پر مشتمل عمدہ تحقیق پیش کیا، اب ہمارے رفیق محترم جناب بدر قاسمی صاحب اس پر ایک مختصر تبصرہ فرمائیں گے، پھر اس کے بعد اس موضوع پر مناقشہ ہوگا۔

مولانا بدر الحسن قاسمی:

میں اپنے بھائی ڈاکٹر محمد غفار شریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس موضوع پر

Marfat.com

قیمتی گفتگو فرمائی جس کے ہم مسلمان نہایت ہی ضرورت مند ہیں، اور امت اسلامیہ کی پریشانیوں اور مشکلات پر بھی روشنی ڈالی، واقعہ یہ ہے کہ یہ موضوع جس پر ہمارے محترم گفتگو فرما رہے تھے نہایت ہی جامع موضوع ہے، جس میں انہوں نے فقہ النوازل میں تجدید کے نکات کو پیش کیا، لفظ تجدید اور اجتہاد کا علماء ہند کے نزدیک ایک خاص مفہوم ہے، جب وہ ان جیسے موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں تو نہایت ہی احتیاط و پرہیز کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، موصوف کی گفتگو اور علماء ہند کی آراء کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے، کیونکہ اجتہاد دراصل ان مسائل کے حل کرنے کا نام ہے جو مصائب کی شکل میں پیش آتے رہتے ہیں، اور تاریخ کے ہر دور میں اس کی کوشش ہوتی رہی، اور ہر مسلک میں ایسے فضلاء، علماء اور ممتاز شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے اجتہاد سے کام لیا، اپنی آراء پیش کیں اور اپنے عصر کے نئے نئے مسائل کا حل پیش کیا، موصوف محترم نے اپنی تقریر میں فراخ دلی کے ساتھ مختلف چیزوں کو شامل کیا، مثلاً آسانیاں پیدا کرنے کے اصول اور مصلحت لانے والے اصول، خرابی دور کرنے کے ضابطوں کا تذکرہ کیا، ہر اختلافات سے بلند ہو کر دیگر فرقوں جیسے زیدیہ، شیعہ وغیرہ کی کتابوں اور ان کے نصوص کا بھی تذکرہ کیا، اور یہ صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے، اور یہ نہایت ہی اہم معاملہ ہے اور نازک چیز ہے۔ یہاں میں عمومی طور پر بحث ومباحثہ کے طریقہ کار پر سرسری طور پر گفتگو کرنا چاہوں گا، اس لئے کہ ہم سب لوگ ان جیسے چھوٹے اور جزوی مسائل میں بھی اجتہاد میں اتفاق رائے پر زور دیتے ہیں، اور یقیناً یہ ایک حساس موضوع ہے، ساتھ ہی انہوں نے اپنی یہ رائے بھی پیش کی کہ فقہاء نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ اتفاق شدہ امور میں ہی اختلافات پیدا ہوتے ہیں، اور چار صورتوں میں اختلافات کے پیدا ہونے کا امکان ہے، میری رائے میں یہ صورتیں تحقیق ومطالعہ کے عام طریقہ کار سے بہت حد تک ہم آہنگ نہیں ہیں، موصوف محترم نے بہت حد تک اس بات کی کوشش کی کہ تفصیلی صورتوں میں بعض متشددین اور اپنی رائے و مسلک پر

Marfat.com

شدت کے ساتھ قائم رہنے والوں کی رائے کے درمیان بھی موافقت پیدا کی جائے اور ان کے درمیان ہم آہنگی لائی جائے ، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ قاضی ان کی رائے اور مسلک کے مطابقہ فیصلہ دیں ، مثلاً حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک شارب نبیذ پہ حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے تو حاکم کو چاہئے کہ ان کے مسلک کے مطابق ہی فیصلہ دیں ، لیکن ان تمام چیزوں میں وہی چیز لازم آتی ہے جس سے ہم نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مزید اس میں دو چیزیں غور طلب ہیں ، پہلی بات تو یہ ہے کہ اس طرح کی جزئیات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں ، خواہ وہ حنفیہ کی ہوں یا شافعیہ یا مالکیہ کی۔ اس طرح کی جزئیات ان کتابوں میں موجود ہیں ، جن کا تذکرہ ہم آہنگی وموافقت پیدا کرنے والی بحثوں میں عموماً کم کیا جاتا ہے ، بلکہ انہیں فقہاء کے نزدیک موجود مختلف آثار کی ایک قسم سمجھی جاتی ہے ، نبیذ کا ذکر جب عرب ماحول کے پس منظر میں کیا جاتا ہے تو اس سے شراب ہی مراد لی جاتی ہے ، کیونکہ صحابہ کے درمیان بھی اس میں کافی اختلاف تھا ، یہی غلط فہمی یہاں پیش آئی کہ امام ابوحنیفہ نے شرب خمر کو جائز قرار دیا کیونکہ نبیذ عرف عام میں شراب ہی کو کہا جاتا تھا ، لیکن یہی مسئلہ جب مختلف کتابوں مثلاً '' مصنف ابن شیبہ'' اور امام سرخسی کی '' المبسوط'' میں وضو کے تعلق سے بیان کیا جاتا ہے تو وہاں نبیذ ہی مراد لیا جاتا ہے ، کیونکہ مختلف صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عباسؓ حتی کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام نبیذ استعمال کیا کرتے تھے ، تو وہاں کسی نے نشہ پیدا کردینے والی شراب کا مطلب نہیں لیا ، تو اس قسم کی اصطلاحات سے بسا اوقات بالخصوص مسلک حنفی میں دوسرے فروعی مباحث نکل پڑتے ہیں۔ لہٰذا موصوف محترم کا یہ پہلو قدرے تحقیق طلب ہے ، تاہم مجموعی طور پر ان کی گفتگو نہایت ہی عمدہ بیش قیمت اور تحقیق پر مبنی ہے ، میں نے ذاتی طور پر بھی ان سے استفادہ کیا کیونکہ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران موالاۃ ، ولاء ، براء کے مسائل کے تعلق سے نہایت اہم ودقیق نکتے بیان کئے ، اور امت مسلمہ ان تحقیقات کی ضرورت مند بھی ہے کہ ولاء ، براءت و

Marfat.com

موالاۃ کامفہوم ومطالب کیا ہے،اور موالاۃ جائز،موالاۃ بالغیر جائزاور موالاۃ حرام کیا ہیں۔

بلاشبہ یہ نہایت ہی اچھی اور نئے افق کو وا کرنے والی چیز ہے،اسی لئے انہوں نے ان اختلافات پر بھی روشنی ڈالی جنہیں آج کل کے جذباتی نوجوان مذاہب اربعہ کے تعلق سے اکثر اچھالا کرتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کا ایک دین موجود ہے تو پھران مسالک ومذاہب کی کیا ضرورت،جو کہ بالکل ہی جاہلانہ کلام ہے،کیونکہ ہم آج بھی مختلف ممالک بشمول کویت کے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں کہ کچھ ان میں نماز میں رفع یدین کرتے ہیں،جیسا پہلے کیا جاتا تھا،کچھ ایسے بھی ہیں جو رفع یدین نہیں بھی کرتے ہیں،اور اس طرح کے اختلافات تو اس دور میں بھی ہورہے ہیں،ایک ہی چیز میں شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ سابق مفتی اعظم سعودی عرب کی رائے کچھ ہوئی اور شیخ البانیؒ کی رائے کچھ اور ہوتی ہے،ایک ہی چیز کو ایک سنت قرار دیتے ہیں دوسرے بدعت،تو جب ہمارے اس دور میں بھی اس طرح کے اختلافات پائے جاتے ہیں تو ائمہ اربعہ یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ کرام کو باعث الزام ٹھہرانا صحیح نہیں،اللہ ڈاکٹر محمد غفار شریف صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس نقطہ پر کافی جامع وتفصیلی گفتگو کی اور اس کی جزئیات کو نہیں چھوڑا۔میں ان کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں،اللہ ان کو اچھا بدلہ دے۔

مولانا نازبیر احمد قاسمی:

میں مختصراً مسلم غیر مسلم تعلقات کے حدود اور دائرے کے بارے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ایک اصل ہمارے سامنے نص قرآنی موجود ہے:"لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقاة"اس آیت اور دیگر احادیث نبویہ کی مدد سے غیر مسلم کے ساتھ تعلقات کے احکام آسانی کے ساتھ معلوم ہوجاتے ہیں،حضرت تھانوی علیہ الرحمہ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ظاہراً یا باطناً کفار کو دوست نہ بنائیں،لفظ اولیاء کا اطلاق اسی

Marfat.com

عموم کو چاہتا ہے، اس آیت کی روشنی میں آپ فرماتے ہیں کہ میری یہ بات کہ دوست نہ بنائے ظاہراً یا باطناً ''أفاده إطلاق لفظ الأولياء مع استثناء حال التقة وإلا لم يصح في الاستثناء لأن الخوف لا يجوز الموالاة الحقيقة القلبية لأجل الضرورة فيها فإن القلب لا يطلع عليها من يخاف منه فكأن الأصل في الموالاة هو الحظر والضروري يقدر بقدر الضرورة وقدارتفعت الضرورة بصورة الموالاة أي ظاهر الموالاة فلا بد لصحة الاستثناء أن يكون المستثنى منه شاملا للصورة والمعنى'' مزید فرماتے ہیں: ''تتقوا منهم تقاة'' سے مراد خوف اور اندیشہ قوی ہے، صرف درجہ وہم نہیں، آیت بالا سے گویا دفع مضرت کے لئے صرف ظاہری موالات کی اجازت ہے اور بس، حقیقی دوستی جائز نہیں، اب یہ ظاہری خوش خلقی اچھا برتاؤ یعنی مدارات دفع مضرت کے لئے ہو یا پھر اکرام ضیف کے طور پر ہو، باقی رہا مواسات یعنی مالی تعاون نفع رسانی اور احسان یہ غیر حربی کے ساتھ جائز، اہل حرب کے ساتھ ناجائز، سورہ ممتحنہ کی جو آیت ہے: ''لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم'' سے ''يحب المقسطين'' تک اور ''إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين'' سے ''أولئك هم الظالمون'' تک میں اس کی صراحت ہے، اس قرآنی اصل کے بعد ضرورت نہیں کہ تعلقات غیر مسلم کے ہر ہر جزئیہ کو بھی زیر بحث لاکر اس کے متعلق احکام شریعت کی تفصیل و وضاحت میں وقت گنوایا جائے۔ تعلقات کا ہر وہ نوع جو مداہنت فی الدین کو مستلزم ہوگا رواداری کی ہر وہ شکل جو غیرت ایمانی اور دینی حمیت کے خلاف ہوگی اور کسی بھی غیر اسلامی یا کفر و شرک کے شعائر کے احترام و تکریم تک پہنچائے گی اسے ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

شکریہ! مولانا زبیر صاحب، آپ کی بات بہت ہی اصولی اور بنیادی ہے بہر حال

Marfat.com

اصول طے کرنے کے باوجود اس کی تطبیق جزئیات پر بہت ضروری ہوتی ہے جو نئے مسائل آئیں گے ان پر تطبیق ان اصولوں کے تحت کرنی ہوگی اور اسی لئے ہم بیٹھے ہیں۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

کل گزشتہ جو عرض پیش کیا گیا تھا اس میں جھنڈے کی سلامی کا مسئلہ بھی تھا اس سلسلے میں ایک نکتہ ہمیشہ قابل غور رہنا چاہئے کہ کیا جھنڈا معبود کے درجے میں کسی بھی قوم کے یہاں ہے یا نہیں؟ غالباً صورت حال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی قوم جھنڈے کو معبودیت کے مقام پر نہیں سمجھتی پھر یہ سلامی دینے کا مسئلہ صرف جھنڈے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی تعظیم کے مختلف طریقے دور جدید میں پائے جاتے ہیں مثلاً کسی شخص کی وفات ہوتی ہے تو ہم کیس توپوں کی سلامی دی جاتی ہے کسی شخص کی وفات ہوتی ہے تو چند منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے یہ گویا دور جدید کے احترام کی نوعیتیں ہیں، اس لئے جھنڈے کی سلامی کو شرک کے درجے میں داخل کرنا درحقیقت ان بے شمار مسلمانوں کو مشکلات میں ڈالنا ہے جو مسلمان باہر ممالک میں کام کررہے ہیں وہاں اگر وہ جھنڈے کی سلامی سے احتراز برتنے لگیں گے تو ان کے لئے اپنی نوکری کو برقرار رکھنا انتہائی مشکل ہوگا ایک نکتہ تو یہ تھا، دوسرا نکتہ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ووٹنگ کے سلسلہ میں یہ رائے دینا کہ یہ شہادت ہے یا وکالت ہے یہ علمی رائے یقیناً، لیکن ساتھ ساتھ امت کی صورتحال کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے صرف نظریاتی گفتگو کافی نہیں ہے عملی طور پر دیکھنا بھی ضروری ہے جبکہ ہم یہ محسوس کررہے ہیں کہ ووٹنگ کے نتیجے میں صورت حال بدل گئی۔

دوسری طرف اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ رائے دیتا ہے کہ ووٹ نہیں دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ غیر مسلم ہے اور جمہوریت غیر اسلامی چیز ہے تو سوال یہ نہیں ہے کہ جمہوریت اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ سوال یہ ہے کہ موجودہ جمہوریت کے اندر ہم کو انتخاب میں شرکت کرنا چاہئے یا

Marfat.com

نہیں؟ اس طرح کا نکتہ ہرگز نہیں سوچا جانا چاہئے کہ امت کو انتخابات سے روکنے کی ادنی سے ادنی کسی درجے کی کوشش کی جائے، ہاں رہا واجب کہنے کی بات تو واجب کہنا بھی اتنا مشکل ہے اس لئے کہ واجب کے لئے جس درجہ کی دلیل مطلوب ہے غالبا ووٹ ڈالنے کے لئے اس درجہ کی دلیل ملنا بہت مشکل ہے، ہاں یہ اسی صورت میں ہے کہ جب ووٹ کو شہادت کے درجہ میں رکھا جائے لیکن ظاہر ہے ووٹ کو غیر مسلم ممالک میں کسی غیر مسلم کے حق میں شہادت کے مفہوم میں لیا جانا مشکل ہے جیسا کہ فقہی مقالات میں بعض حضرات نے جس میں حضرت مولانا برہان الدین اور دوسرے حضرات ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ یہ مسلم ممالک کے لئے ہوسکتا ہے، غیر مسلم ممالک کے لئے نہیں، بہر حال شہادت ہو یا وکالت ووٹنگ سے بچنے کے لئے تجویز ہرگز نہیں ہونی چاہئے اس کے بہت ہی مضر اثرات مرتب ہوں گے۔

مولانا بدر الحسن قاسمی:

مولانا نے جو نکتہ اٹھایا ہے اور اب سے پہلے بھی کئی بزرگوں نے اس طرح کی بات کہی اور لکھی ہے کہ واجب کہنے کے لئے قوی دلیل چاہئے اصولاً یہ بات ہے کہ کسی چیز کو انسان واجب اپنی طرف سے تو قرار نہیں دے سکتا، مسئلہ یہاں دلیل کے ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ ہم ووٹ کیوں دیتے ہیں یا الیکشن میں کیوں شرکت کرتے ہیں، اگر مسلمان کسی صوبے یا کسی ملک میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم ووٹنگ میں حصہ نہ لیں تو مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں رہے گی تو صرف دفع ضرر یا دفع شر کے لئے جس درجہ کا خطرہ ہوگا اس درجہ کے لحاظ سے ہم اس کا حکم متعین کریں گے کہ یہ واجب ہے سنت ہے مکروہ ہے کہ حرام ہے، لیکن اس کو اس سے جوڑنا کہ کوئی قرآن میں نص ہو یا وجوب کے لئے کوئی حدیث صریح یا قوی دلیل ہو میں نہیں سمجھتا کہ اس کا دونوں مسئلوں سے جوڑ کیا ہے جب ہم کسی جمہوری ملک میں الیکشن میں

Marfat.com

شرکت کرنے کے مسئلہ کو اٹھاتے ہیں تو اس بنیاد پر نہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم جا کر وہاں الیکشن لڑا کرو اور اس میں شریک ہوا کرو، ہمارے یہاں تو مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں ہم اقلیت میں ہیں اور یہاں ہمارے بچاؤ کے لئے امکانی طور پر نو سو ملین ہندوؤں اور کرسچین اور دوسرے لوگوں کے بیچ میں جو راستے ہو سکتے تھے وہ صرف یہ کہ ہم یہاں کے جمہوری نظام میں شرکت کریں تاکہ پارلیمنٹ ہمارے ووٹ سے خالی نہ رہے، اب اگر ہم شرعی حیثیت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ شرکت ہمارے لئے نامناسب ہے یا ضروری ہے تو اسی درجے کا حکم ہوگا ووٹنگ کے لئے بھی، اگر شرکت نہ کرنے سے مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہتی ہے تو شرکت کی کوئی ضرورت ہی نہیں، حالانکہ آپ شرکت اس لئے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ اس سے مربوط ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام کو اس پہلو سے غور کرنا چاہئے کہ الیکشن میں شریک نہ ہونے سے کس درجہ کا خطرہ ہے، اسی کی روشنی میں طے کریں گے کہ حرام ہے کہ واجب کہ مکروہ یا جو درجات احکام کے ہیں۔

مولانا اختر امام عادل:

میں نے اپنے مقالہ میں بحیثیت امیدوار حصہ لینے کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ جائز، ناجائز اور واجب۔ اور ووٹ دینے والے کی حیثیت سے رائے دہندہ کی حیثیت سے اس کی بھی چار شکلیں بیان کی ہیں جس میں ایک شکل واجب اور تین شکلوں کو حالات کے حساب پر اس کو موقوف رکھا ہے، جھنڈے کی سلامی کے تعلق سے جو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی طرف بات منسوب کی جاتی ہے اور جس کی کوئی دلیل نہیں بیان کی جاتی ہے، اس کے بالمقابل حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ اور دوسرے اکابر کی طرف جو بات منسوب ہے وہ انتہائی دلائل کے ساتھ ہے اور وہ جو جھنڈے کے بارے میں کل مولانا بدر صاحب نے بات کہی اور بھی لوگوں نے

Marfat.com

لکھا ہے کہ جنگوں میں اسلامی جھنڈے کے لئے کافی عظمت واحترام کا تصور اسلامی عہد میں ملتا ہے، یہ اصل میں فقہاء کے اس بات کو سامنے رکھنا چاہئے کہ فقہاء کے یہاں کسی کے لئے احترا ما کھڑا ہونا یہ ناجائز نہیں ہے اگر وہ قابل احترام ہو، فقہاء نے یہ صراحت کی ہے، درمختار وغیرہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر وہ شخصیت یا وہ چیز قابل احترام ہو تو اس کے لئے کھڑا ہونا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے، سوال یہ ہے کہ جن روایات کو ہم پیش کرتے ہیں وہ اسلامی جھنڈوں کے تعلق سے ہے، حضرت تھانویؒ نے صراحت کی ہے کہ جو غیر اسلامی جھنڈے ہیں غیر مسلم ملکوں کے جھنڈے ہیں ان کے لئے ہم ان روایات کو کس طرح منطبق کر سکتے ہیں اس کو ذمی کے درجے میں زیادہ سے زیادہ ہم کر سکتے تھے اس کے لئے ہم اس کی کس طرح تطبیق کر سکتے ہیں، جہاں تک اس کا مسئلہ ہے کہ اس کو عبادت کے لئے بنایا گیا ہے یا نہیں بنایا گیا ہے اصل میں ہم اس کو یہ نہیں کہتے کہ یہ شرک ہے لیکن کم از کم عدم جواز کے درجہ میں ضرور آجاتا ہے کہ کسی غیر مستحق تعظیم یا کسی ایسی چیز کے احترام کے لئے کھڑا ہونا جو تعظیم کے لائق نہ ہو اور اس کے لئے ہم کھڑے ہوں اس کا احترام کریں اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے یہ نہیں ہم کہتے کہ شرک ہے یا اس کی عبادت کے لئے ہم کھڑے ہو رہے ہیں، یہ ایک بت ہے کہ نہیں اس دور میں اس کو ہمیں سوچنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کل مولانا سعود عالم صاحب نے مساجد و مدارس کے لئے غیر مسلموں سے چندہ لینے کی صورت میں کوئی نص موجود ہے یا نہیں کے سلسلہ میں بات کہی تھی، مشرکین نے جو خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی یقیناً وہ لوگ مشرک تھے اور ان لوگوں نے پاک کمائی سے اس کی تعمیر کی اور حضور اکرم ﷺ نے اس تعمیر کو باقی رکھا اور اس کو مسجد کے لئے قبول فرمایا تو یہ ایک بنیاد موجود ہے ہمارے لئے کہ ان سے تعاون لے سکتے ہیں۔

مولانا بدر الحسن قاسمی:

مولانا اختر امام عادل صاحب نے میری طرف جو باتیں منسوب کی ہے کہ جھنڈے

Marfat.com

کا عصر اول میں احترام پایا جاتا تھا، میں نے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کا مسئلہ ہی نہیں رکھا، یہاں بھی جو بنیادی چیز سوچنے کی ہے وہ یہ کہ کسی بھی ملک میں چاہے ہندوستان ہو یا کوئی بھی غیر اسلامی ملک ہو ہر شخص کو اس پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے کہ جھنڈے کو سلامی دو یا کھڑے ہو، عام حکم نہیں ہے صرف وہ لوگ کہ جو منسٹری میں ہوں یا کہیں جھنڈا اگر اٹھایا جا رہا ہے تو آپ کھڑے رہیں میں نے صرف یہ ذکر کیا تھا کہ جھنڈے کا فی نفسہ استعمال سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بچانے کے لئے جھنڈا لے کر فوج کشی کی اور ان کو بچایا جیسا کہ مصنف ابن شیبہ میں ہے۔

دوسری بات میں نے یہ کہی تھی کہ جھنڈے کا استعمال حضور اکرم ﷺ نے ہر غزوہ اور جہاد میں مختلف درجہ کے چھوٹے اور بڑے جھنڈے استعمال کئے اور ایک موقع پر فرمایا: "نحن أحق بالوفاء منهم" مشرکین کے جھنڈے کے مقابلے میں ہم وفاداری کے زیادہ مستحق ہیں تو جھنڈے سے وفاداری کا کیا تعلق جب اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ علامت ہے گویا وفاداری کی تو میرا استدلال یہ ہے کہ جب جھنڈے کو رمز یا شعار کی حیثیت سے کسی ملک میں اختیار کیا جا سکتا ہے ضروری نہیں ہے کہ ہندوستان ہی میں ہو کویت میں بھی ہو سکتا ہے سعودی میں بھی ہو سکتا ہے کہیں بھی ہو سکتا ہے۔

تیسری بات اس کے علاوہ یہ ہے کہ غزوہ موتہ کے موقع پر حضرت جعفر طیارؓ کے دست مبارک کٹ گئے اس کے بعد بھی کوشش کر رہے ہیں کہ جھنڈا بلند رہے یہ بلندی جو ہے اس سے صرف میں نے استدلال کیا اس بات پر کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جھنڈے کو بطور رمز کے اختیار کیا جا سکتا ہے، فرض کیجئے کہ تمام وزراء موجود ہیں وہاں پر پانچ دس ہمارے مسلم وزراء بھی ہیں سب کے سب ترانے کے وقت کھڑے ہوتے ہیں یا جھنڈے کے وقت کھڑے ہوتے ہیں تو اگر مسلم وزراء نہیں کھڑے ہوتے ہیں تو یہ ملک کے ساتھ غداری سمجھی جاتی ہے اس سے ان

Marfat.com

کو سزا مل سکتی ہے اس سے ان کی نیشنلٹی کینسل ہو سکتی ہے، کیا یہ خطرہ مول لے کر فقہی حیثیت سے مسلمان وزیر کے اوپر یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ جھنڈے کا احترام نہ کریں بلکہ بیٹھے رہیں وہاں پر سرکشی کا منظر دکھلائے تو اس طرح سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ مسئلہ اور الجھتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسائل کو ذرا موجودہ زمانے کے سیاق میں سمجھنا مناسب ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی:

مجھے صرف ایک وضاحت کرنا ہے کوئی بات نہیں کرنا ہے اور نہ کوئی تبصرہ۔ اس وقت جھنڈا اسلامی کے سلسلے میں جو بحثیں ہوئی ہیں اس سے یہ مجھے محسوس ہوا کہ شاید سلامی کا مطلب سمجھنے میں کچھ تھوڑی سے فروگزاشت ہوئی ہے اس لئے بعض لوگوں نے اسے کفر کہہ دیا یا شرک کہہ دیا تو میں چاہتا ہوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی ایک بہت ہی حکیمانہ اور بہت ہی لطیف تقسیم ہے عبادت اور عظمت کے سلسلہ میں وہ آپ حضرات گوش گزار فرمالیں اور جن کے ذہنوں میں پہلے سے ہے وہ تازہ کرلیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت لطیف فرق بیان کیا ہے عبادت اور عظمت کے درمیان، عبادت کے بارے میں فرمایا ہے: ''أقصى غاية التذلل'' انتہائی درجے کی ذلت کا اظہار کسی کے سامنے کیا جائے یہ ہے عبادت، اور ظاہر ہے جس کے سامنے انتہائی درجے کی ذلت کا اظہار کیا جائے وہ انتہائی معزز ہوگا، اور ایک ہے تعظیم۔ اس میں غایت درجے کی ذلت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اوسط درجے کی ذلت کا اظہار ہوتا ہے یعنی ہم جس کے سامنے ذلت کا اظہار کرتے ہیں وہ معظم ہوتا ہے اوسط درجے کا، تو فرمایا کہ غایت درجہ ذلت کا اظہار، جسے عبادت کہتے ہیں تو وہ کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، یہ متفق رہا ہے سارے انبیاء کے درمیان، اوسط درجے کی عظمت جسے کہنا چاہئے وہ غیر اللہ کے لئے ہو سکتی ہے اور بعض دفعہ دونوں میں شکلاً فرق نہیں ہوتا ہے نیت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے بعض دفعہ شکلاً فرق ہوتا ہے مثلاً سجدہ کرنا

Marfat.com

غیر اللہ کے لئے یہ اس امت میں شکلا محدود ہو گیا ہے عبادت کے لئے، اب غیر اللہ کے لئے سجدہ نہیں کر سکتے، لیکن کھڑا ہونا نماز میں بھی ہم لوگ کھڑے ہوتے ہیں کسی کی آمد پر بھی کھڑے ہوتے ہیں یہ دونوں شکلیں ہو سکتی ہیں، کسی شخص کے لئے کھڑے ہونے میں غایت درجہ عظمت کا تصور نہیں ہوتا بلکہ اوسط درجہ کی عظمت کا تصور ہوتا ہے تو یہ جائز ہوگا ایسی شخصیتوں کے لئے بھی اور ایسی چیزوں کے لئے بھی جو منجملہ قابل عظمت ہیں۔ اس بحث میں غور کرتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ عظمت اور چیز ہے، عبادت اور چیز ہے عبادت تو کسی (غیر اللہ) کے لئے جائز نہیں البتہ عظمت کی گنجائش ہے۔

اب یہ بحث رہ جائے گی کہ ہم لوگ جو سلامی دیتے ہیں جھنڈے کو وہ جھنڈا قابل عظمت ہے یا نہیں؟ اور سلامی کا طریقہ وہ عبادت والا نہ ہو غیر عبادت والا ہو اور غیر عبادت والے طریقہ میں الفاظ اور شکل اور عمل سے بھی فرق ہوگا کہیں نیت سے فرق ہوگا، بس مجھے اتنی بات عرض کرنی تھی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اب میں صدر جلسہ ڈاکٹر خالد مذکور صاحب سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ ہم سبھوں کو اس مناقشہ کے موضوع پر اپنے قیمتی وکلیدی کلمات سے نوازیں، جو ہم سبھوں کے لئے اس زمانہ میں زیادہ فائدہ مند ہو سکے اور مشعل راہ بن سکے۔

ڈاکٹر خالد عبداللہ المذکور: (اردو ترجمہ)

حضرات! میں آپ کے مناقشے، بحث ومباحثے اور قیمتی موضوعات بالخصوص اس اہم موضوع کا تہہ دل سے قدردان ہوں جس پر ہم نے گذشتہ شب گفتگو کی اور جس کی ایک کڑی آج صبح کی یہ گفتگو بھی ہے اور اس کے علاوہ جس پر اردو وعربی دونوں زبانوں میں کئی قیمتی مقالے پیش

Marfat.com

کیے گئے، لیکن وقت کی تنگی ان تمام مباحث پر تفصیلی گفتگو کرنے میں حائل ہے۔ اور فقہی اکیڈمیوں بشمول منظمۃ المؤتمر الاسلامی (تنظیم اسلامی کانفرنس) کی عالمی فقہ اکیڈمی کا یہ امتیاز رہا ہے کہ ان میں مختلف قیمتی اور اہم مقالے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن اس کے لئے ایک ''عارض'' مقرر کرتے ہیں جو ان تمام مقالات ومباحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ تمام مقالات کو پیش کرنے اور ان پر بحث ومباحثہ کرنے کے لئے وقت کافی نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان تمام مقالوں کا خلاصہ تیار کیا جاتا ہے، پھر اس پر مناقشہ ومباحثہ کیا جاتا ہے۔

محترم بھائیو! واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد کے ادارے جن میں آپ کا یہ معزز ادارہ بھی شامل ہے کی ہندوستان کے علماء اور وہاں کے باشندوں کے درمیان کافی اہمیت وقدر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مختلف موضوعات جو متعین کیے جاتے ہیں، بالخصوص عصر حاضر اور اس کے نت نئے ایجادات واختراعات، سرعت وترقی، میڈیا وذرائع ابلاغ جس نے نہ صرف پوری دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے بلکہ ایک ایسے گھر کے مانند بنا دیا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، یہ تمام چیزیں اجتماعی اجتہاد کی محتاج ہیں، اور اس اجتہاد کا طریقہ بھی وہی ہے یعنی کتاب وسنت کے قطعی الدلالہ وقطعی الثبوت دلائل، اسی طرح اجتہاد کے مختلف وسائل میں سے علماء وفقہاء کا اجتہاد بھی ہے، خواہ وہ نقلی نصوص کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، اس سیاق میں قرآن و حدیث کے بعد فقہاء کرام کے وضع کردہ شرعی اصول وقواعد، اور اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو حدیث سے مستنبط اصول وقواعد کے ہیں، کیونکہ یہ بھی دراصل قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں، اسی طرح ہم اس سلسلہ میں اس عصر کے مصلحت پر مبنی عقلی دلائل کا بھی سہارا لے سکتے ہیں، جنہیں اس زمانہ کے مسلمان سمجھتے ہوں۔ ہمارے علماء وسلف صالحین رحمہم اللہ نے اپنے اپنے دور میں اجتہاد کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھا، اور حتی الامکان مسائل میں اجتہاد کیا، لیکن ہر زمانے کی کچھ نئی چیزیں وایجادات ہوا کرتی ہیں، اور یہ شریعت اسلامیہ کی خصوصیت اور اس کے

Marfat.com

نصوص واصول وضوابط کی نرمی ہے کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی نزاکت و مصلحت کا لحاظ رکھا جائے بشرطیکہ وہ قطعی الدلالۃ و قطعی الثبوت نصوص سے متصادم نہ ہوں۔

ہماری اس مناقشہ کی مجلس اور کل اور آج کی گفتگو کا ماحصل بھی برصغیر میں پیش آنے والے واقعات وحوادث اور مصائب کا تجزیہ کرنا ہے، ٹھیک کم وبیش یہی صورت حال شمالی امریکہ و یورپ کی ہے، جب وہاں میرا جانا ہوتا ہے تو میں وہاں بھی یہی سوال رکھتا ہوں، اور متعدد مسائل کو سوچنے وسمجھنے کا کافی موقع ملتا ہے، پھر میں کہہ رہا ہوں کہ اس قسم کے قضیے میں اجتہاد کی سخت ضرورت ہے، موافق ومخالف، مثبت ومنفی دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب تک اجتہاد باقی رہے گا ہر قسم کے دلائل پیش کیے جائیں گے، اور آراء میں اختلاف ہوتے رہیں گے، ہر مجتہد کی ایک رائے ہوا کرے گی، لیکن ہم اس اجتہاد کی وجہ سے آپسی اختلافات، رنجش، خودسرائی، بیزاری، وغیرہ کے شکار نہ ہوں، بلکہ حقیقت میں یہ ایک کوشش ہوتی ہے، اگر کوئی شخص مصلحت، نصوص قطعیہ، شرعی اصول وضوابط کے سمجھنے اور ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ڈرافٹنگ کمیٹی جب اس سمینار کی قرارداد تیار کرے گی تو اس میں مصلحت، نصوص قطعیہ وشرعی اصول وقواعد تینوں کا خیال رکھا جائے گا، اور جب آپ مقالے کے خلاصہ کا مطالعہ کریں گے تو اسے علم کا ذخیرہ پائیں گے، ہم اہل عرب جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا اور جن کے جنس میں سے نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے، ہم اس وقت ہندوستان کے علماء کے زیادہ محتاج ہیں، غیر عرب علماء کے زیادہ حاجت مند ہیں، جنہوں نے امام بخاری سے لے کر عصر حاضر کے علماء، ہندوستان، ازبکستان اور ماوراء النہر کے فقہاء نے عظیم خدمات انجام دی، فقہی کتابیں لکھیں، احادیث کی شروحات قرآن کی تفسیر انہیں غیر عرب علماء کی تیار کردہ ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان سے بلا کسی امتیاز استفادہ کریں، کیونکہ اسلام تقوی کے علاوہ اہل عجم واہل عرب کے درمیان کسی بنیاد پر تفریق نہیں کرتا، جب ہم

Marfat.com

اس میدان میں قدم رکھ رہے ہیں تو آپ یہ مت سمجھئے کہ میں آپ سے آگے نکل جاؤں گا، بلکہ آپ ہم سے بہت بہت آگے ہیں۔

یقیناً اس وقت آپ ایسے براعظم میں ہیں جہاں کی اکثریت غیر مسلموں کی ہے، لیکن میں دراصل ایک نتیجہ پر پہنچنا چاہتا ہوں کہ جب میں کویت میں ایک علاقہ میں گیا تو وہاں ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا، میں حیران رہ گیا کہ بوہرہ کی جماعت جن کی تعداد تقریباً بارہ ہزار ہے جیسا کہ میرے رفیق محترم بدر القاسمی نے بیان کیا، جب ان کے سردار یا ان کا کوئی بڑا یا ان کے رہنما، معلوم نہیں انہیں کیا کہا جاتا ہے، تشریف لائے تو وہ لوگ سلیقہ سے ایک وسیع میدان میں ایک صف میں کھڑے ہوگئے، ان کا لباس ایک ان کے مرد و عورتیں سب کے سب ایک ترتیب و نظام، الفت و محبت، تعاون و اخوت و صلہ رحمی کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں، تمام کے تمام محنت کش ہوتے ہیں، ہر طرح کے اختلافات سے دور رہتے ہیں، ہم مسلم اقلیتیں غیر اسلامی ممالک میں اتحاد و اتفاق آپسی صلہ رحمی کو برقرار رکھنے کے زیادہ لائق ہیں، اور ہمارے جزوی وفروعی اختلافات ان میں حائل نہ ہوں، اور ہر مجتہد کی اپنی رائے ہوتی ہے، ہمیں چاہئے کہ ایسے مشترک اصول وضوابط مقرر کریں جو ہمیں امت اسلامیہ اور مسلمانوں کو درپیش خطرات کے مقابلہ اور میڈیا کی شکل میں خطرناک حملے جو ہمارے گھر کو معاشرتی و تربیتی اعتبار سے بگاڑ رہے ہیں اور ان جیسے دیگر مختلف مسائل کے تئیں متحد کرسکے۔

جب آپ بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس سلسلہ میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں گے تو ان میں موجود چھوٹے چھوٹے اختلافات انشاء اللہ خود بخود ختم ہوجائیں گے، جب ہم ان کے مثبت و منفی دونوں پہلو کو سامنے رکھیں گے تو اختلاف کے امکانات کم ہوجائیں گے۔

اے کاش برصغیر جس کی اپنی ایک تاریخی، جغرافیائی، سیاسی و مالی اہمیت ہے اور اس کا

Marfat.com

سیاست کے میدان میں اپنا ایک اثر ہے، جہاں مسلمان سب سے بڑی اقلیت میں ہیں، ان کے ہاں بھی اسی طرح کا اتحاد و اتفاق نظم و نسق، تنظیم و ترتیب پایا جائے خواہ وہ سیاسی، تربیتی، معاشرتی میدان ہوتا کہ وہ ان میدانوں میں اپنا اچھا اثر چھوڑ سکیں، اور یہی میرے پورے کلام کا خلاصہ ہے کہ یہ امت بڑے بڑے مسائل اور اہم سیاسی اور معاشرتی قضیے کو حل کرنے پر متفق ہو جائیں، اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ جس نے پوری دنیا کو ایک گاؤں بلکہ ایک کنبہ میں تبدیل کر دیا ہے اس کا بھی اہم رول ہو سکتا ہے اور اس قسم کی نشستیں، انٹرنیٹ، فضائی چینل اور ٹیلی فون سے گفتگو کے ذریعہ بھی منعقد کی جا سکتی ہیں، اس طرح سال میں ایک بار ملنے کے بجائے روزانہ تبادلہ خیال کرنے کا موقع ملے گا اور یہی میرے کہنے کا مقصد ہے۔

اور اسی کی طرف میں لوگوں کو بلاتا ہوں، وہ مسائل جن کا تذکرہ مقالات و مباحث میں کیا گیا اور جن میں مجتہدین کے درمیان آپس میں اختلاف ہوتا ہے، یہ انسانی فطرت اور انسانی مزاج ہے، ہمارے سلف صالحین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، صحابہ کرام کے اندر حضور پاک ﷺ کے دور میں بھی اختلاف پایا گیا، تو ہمارے اندر اجتہادی اختلافات کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اجتماعی اجتہاد اور اجتماعی اجتہادی ادارے دراصل وقت کی ضرورت ہیں، تاکہ مسلمان اس سلسلہ میں متفق ہو سکیں، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امت کے اہم اور بڑے مسائل کو اولیت دیں اور ان امور کی طرف توجہ کریں جن سے یہ امت دوچار ہو رہی ہے، ان جیسے جزوی مسائل کو انشاء اللہ چھوٹے چھوٹے سمپوزیم اور مناقشہ کے پروگرام کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے، جس میں چند علماء کرام اپنی آراء پیش کریں گے اور بحث و مباحثہ کریں گے، پھر اس کی قرارداد تیار کی جائے گی۔

اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمیوں کو چاہئے کہ وہ فقہاء کے ساتھ ہر میدان کے ماہرین

Marfat.com

یعنی طب، تربیت، سیاست، معیشت کے ماہرین کو بھی شامل کریں، کیونکہ یہی ماہرین مسائل کی حقیقت و ماہیت کو بیان کریں گے اور فقہاء ان مسائل پر روشنی ڈالیں گے اور حکم بیان کریں گے، علماء ہند دنیا بھر میں ہر میدان میں اپنے کمال کی وجہ سے جانے جاتے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ اس اکیڈمی سے ایسے ماہرین منسلک رہیں جو ہر ان میدان میں کمال رکھتے ہوں، جن پر اکیڈمی سمینار منعقد کیا کرتی ہے، جب اقتصادیات پر گفتگو کریں تو اس علم کے ماہر موجود ہوں، طب پر بحث کرنے میں ماہرین طب موجود ہوں، تربیت پر گفتگو کریں تو ماہرین تربیت موجود ہوں، اور اس طرح ہم اہم مسائل اور موجود تجربات دونوں کو بیک وقت جمع کر پائیں گے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا کے لئے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سبھوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کردے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

✧ ✧ ✧

Marfat.com

IFA PUBLICATIONS

161-F, Jogabai, Jamia Nagar, New Delhi-110 025

Fax: +91 11 2698 3728 E-mail : ifapublications@gmail.com

Marfat.com